شرح اسرار و رموز

(برائے طلبہ)

شرح

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

شرح اسرارورموز

(برائے طلبہ)

شرح
ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

891.51 Yazdani, Dr. Khawaja Hameed
Sharah Israr-o Ramooz / Dr. Khawaja Hameed Yazdani.- Lahore : Sang-e-Meel Publications, 2011.
464pp.
1. Iqbal Studies - Poetry.
I. Title.

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ سنگ میل پبلی کیشنز/مصنف سے باقاعدہ
تحریری اجازت کے بغیر کہیں بھی شائع نہیں کیا جاسکتا۔ اگر اس قسم کی
کوئی بھی صورتحال ظہور پذیر ہوتی ہے تو قانونی کارروائی کا حق محفوظ ہے۔

2011

نیاز احمد نے
سنگ میل پبلی کیشنز لاہور
سے شائع کی۔

ISBN-10: 969-35-1553-6
ISBN-13: 978-969-35-1553-4

Sang-e-Meel Publications
25 Shahrah-e-Pakistan (Lower Mall), Lahore-54000 PAKISTAN
Phones: 92-423-722-0100 / 92-423-722-8143 Fax: 92-423-724-5101
http://www.sang-e-meel.com e-mail: smp@sang-e-meel.com

حاجی حنیف اینڈ سنز پرنٹرز، لاہور

پیش گفتار

(شرحِ اسرارِ خودی و رموزِ بیخودی)

مثنوی اسرارِ خودی علامہ نے ۱۹۱۰ء میں لکھنا شروع کی تھی' بعد میں یہ ۱۹۱۵ء میں پہلی مرتبہ شایع ہوئی۔ اس کی تصنیف سے ان کا مقصد سوئی ہوئی قوم کو' جو اس وقت انگریزوں کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی' بیدار کرنا تھا۔ اس مثنوی کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ انہیں اس بات کی بیحد آرزو تھی کہ ان کے حیات افروز پیغام کو قوم پوری طرح سمجھے اور اس پر عمل پیرا ہو کر جہاں اپنی آزادی کے لیے جدوجہد کرے وہاں اس سے ایک نئے اور با مقصد معاشرے کی تخلیق ہو۔ چنانچہ ان کے اس جذبۂ صادق کا قوم پر خاصا اثر ہوا اور اس نے بیدار ہو کر ایک غاصب قوم سے اپنی چھنی ہوئی آزادی واپس لی۔

مثنوی رموزِ بیخودی ۱۹۱۸ء میں شایع ہوئی۔ علامہ کے ایک خط سے پتا چلتا ہے کہ اس دور میں کتابیں چھپنے سے پہلے سنسر ہوا کرتی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے ۲۷ دسمبر کے ایک خط میں لکھا ہے: "مثنوی کل سنسر کے محکمے سے واپس آ گئی ہے۔" اسی طرح ان کے ایک اور خط (۲۷/نومبر ۱۹۱۷ء) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثنوی نومبر ۱۹۱۷ء میں مکمل ہو چکی تھی: "مثنوی ختم ہو گئی ہے..... چند روز کے بعد پریس میں دے دی جائے گی۔" بقولِ استاد مکرم جناب ڈاکٹر عبدالشکور احسن:

"خودی کے نئے تصور نے پڑھنے والوں کے اندر ایک ہیجان برپا کر دیا تھا۔ فارسی زبان و ادب میں اس کا نیا مفہوم مستعمل نہ تھا۔ جب علامہ نے فرد کی بے پناہ اہمیت اور اس کے جوہرِ ذات کی لامحدود استعداد پر اظہارِ فکر کیا تو اس سے انسانی انا یا خودی کی حقیقت تو ایک نئے خیال انگیز اور انقلابی رنگ میں سامنے آئی لیکن اس میں فرد اور ملت کے باہمی ربط اور حقوق و وظایف پر روشنی نہ پڑتی تھی اور انسان کی انفرادی عظمت اور خودی کی قوتِ تخلیق و تسخیر پر جو زور دیا گیا تھا' اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی تھی کہ انفرادی خودی پر یہ اصرار اجتماعی زندگی کے تار و پود بکھیر دے گا۔ رموزِ بیخودی میں یہ غلط فہمی قطعی طور پر دور کر دی گئی ہے۔ اس میں علامہ نے فرد اور ملت کے باہمی ربط کی جس منطقی انداز میں صراحت کی اس سے فلسفۂ خودی و بے خودی کے درمیان مکمل

ہم آہنگی کی حقیقت آشکار ہوگئی۔'' (اقبال کی فارسی شاعری کا تنقیدی جائزہ' ص ۵۲' ۵۳)

علامہ کے نزدیک بیخودی سے مراد فرد کا ملت میں ضم ہو جانا ہے۔ فرد ملت کی محبت میں اپنے اختیارات سے خود دست بردار ہو جاتا ہے' چنانچہ رموز بیخودی میں' جیسا کہ ملاحظہ ہوگا' اس کی وضاحت مختلف انداز میں کی گئی ہے۔

راقم نے ان دونوں مثنویوں کی شرح بڑی محنت اور خاصے غور وفکر سے کی ہے۔ فرہنگ میں بھی پوری توجہ سے کام کیا ہے۔ پھر بھی اپنا یہ دعویٰ نہیں کہ یہ شرح سو فیصد علامہ کے افکار کے مطابق ہے' اس لیے کہ عربی ضرب المثل ''المعنی فی بطن شاعر'' (معنی شاعر کے پیٹ میں ہوتے ہیں' یعنی وہی صحیح طور پر جانتا ہے کہ اس نے کیا کہنا چاہا ہے) کے مطابق کوئی بھی شارح ایسا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ بہرحال اپنی طرف سے پورے خلوص وجذبے سے یہ کام کیا ہے۔ انشاء اللہ العزیز ہمارے طلبا اور عام قارئین اس شرح کو بڑی حد تک مفید پائیں گے۔ کوشش کی گئی ہے کہ شرح میں فلسفیانہ گتھیوں سے بچا جائے اور سادہ انداز میں بات ہو تاکہ ایک عام قاری بھی علامہ کے افکار سے کماحقہ آگاہ ہو سکے۔

جن اشعار میں قرآنی آیات' حدیث حضور اکرمﷺ کی اور دوسری تلمیحات آگئی ہیں' ان کی وضاحت فرہنگ میں کردی گئی ہے۔ چند ایک مقامات پر تشریح میں یہ وضاحت دے دی ہے۔ تشریح کے دوران اگر راقم کو خود علامہ کے یا بعض دوسرے شعرا کے ہم مضمون اشعار یاد آگئے ہیں تو وہ متعلقہ اشعار کی تشریح میں لکھ دیے ہیں کہ اس سے جہاں تشریح میں مزید وضاحت ہوتی ہے وہاں قاری کی دل چسپی کا بھی سامان ہوتا ہے۔

تشریح میں اشعار مثنوی کے مسلسل نمبروں کی بجائے' ہر عنوان کے تحت آنے والے اشعار کے الگ الگ نمبر دیے گئے ہیں۔

آخر میں راقم نیاز احمد صاحب کا ممنون ہے کہ ان کے ایما پر' مجھے علامہ کے کلام پر مزید کام کرنے کا موقع ملا۔

لاہور — ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

۱۶ جون ۲۰۰۳ء

(نوٹ: تشریح کے وقت اشعار مثنوی کے مسلسل نمبروں کی بجائے ہر عنوان کے تحت آنے والے اشعار کے الگ الگ نمبر دیے گئے ہیں)

شرحِ مثنوی اسرارِ خودی

(متن' لغت' ترجمہ' شرح' فرہنگ)

شرح مثنوی

اسرارِ خودی

۱۔ دی شیخ با چراغ ہمی گشت گرد شہر	''کز دام و دد ملولم و انسانم آرزوست
۲۔ زیں ہمرہانِ سُست عناصر دلم گرفت	شیرِ خدا و رستم دستانم آرزوست''
۳۔ گفتم کہ ''یافت می نشود جستہ ایم ما''	گفت ''آنکہ یافت می نشود آنم آرزوست''

(مولانا جلال الدین رومیؒ)

(یہ تینوں اشعار مولانا رومؒ کی ایک مشہور غزل' مشمولہ ''غزلیات شمس تبریزی'' [با مقدمہ استاد جلال الدین ہمائی و جناب آقای علی دشتی' باہتمام منصور مشفق'.....ایران' چاپ سوم' اسفند ۱۳۳۸ھ۔ش' صفحہ ۲۰۳] کے ہیں۔ دوسرا شعر پہلے شعر سے ایک شعر پہلے آیا ہے۔ اس غزل کا مطلع ہے:

بنمای رُخ کہ باغ و گلستانم آرزوست | بکشای لب کی قندِ فراوانم آرزوست)

۱-۲: کل رات شیخ چراغ لے کر شہر میں گھوم رہا اور کہہ رہا تھا کہ میں درندوں اور حیوانوں/ چرندوں سے آزردہ ہو گیا ہوں' مجھے کسی انسان کی آرزو/ تلاش ہے۔ ان کاہل اور سُست الوجود ہمراہیوں سے میرا دل تنگ آ گیا ہے' مجھے تو شیرِ خداؓ اور رستم دستاں کی تلاش ہے۔ یعنی مجھے ایک ایسا انسان دیکھنے کی آرزو ہے جو حقیقی معنوں میں انسانیت کا حامل/ کامل انسان ہو۔

۴۔ میں نے (شیخ سے) کہا: کہ ''ہم بہت تلاش کر چکے ہیں' ایسا انسان نہیں مل رہا۔'' شیخ بولا: ''وہ جو نہیں مل رہا' اسی کی تو مجھے آرزو ہے۔'' رومی نے شیخ کے حوالے سے اس دور کے انسانوں کے گھٹیا کردار کی عکاسی کی ہے۔ یہ لوگ جہد و عمل سے بیگانہ تھے۔ شیرِ خدا اور رستم کی آرزو اس لیے کی کہ ایسی عظیم شخصیات وجود میں آئیں جو اس معاشرے کی خرابیوں' برائیوں وغیرہ کو ختم کر دیں۔

اَسرارِ خودی

تمہید

نیست در خشک و تر بیشۂ من کوتاہی
چوب ہر نخل کہ منبر نشود دار کنم
(نظیری نیشاپوری)

میرے جنگل کی خشک اور گیلی/ اچھی بری لکڑی میں کسی قسم کا کوئی نقص نہیں ہے۔ جس بھی درخت کی لکڑی سے منبر نہیں بن سکتا اسے میں تختۂ دار بنا دیتا ہوں۔ مراد یہ کہ میرے اشعار کے بعض مضامین شریعت سے متعلق ہیں تو بعض کا طریقت سے تعلق ہے۔ دار اشارہ ہے منصور حلاج کی طرف جسے ''انا الحق'' کہنے پر سولی پر لٹکا دیا گیا تھا۔

۱۔ راہِ شب چوں مہرِ عالمتاب زد — گریۂ من بر رخِ گل آب زد
۲۔ اشکِ من از چشمِ نرگس خواب شست — سبزہ از ہنگامہ ام بیدار رُست
۳۔ باغبان زورِ کلامم آزمود — مصرعے کارید و شمشیرے درود
۴۔ در چمن جز دانۂ اشکم نکشت — تارِ افغانم بپودِ باغ رشت

۱۔ جب دنیا کو روشن کرنے والے سورج نے رات کو لوٹ لیا' یعنی صبح ہوگئی تو میرے آنسوؤں نے پھول کے چہرے پر پانی ڈال دیا' اسے چمکا دیا۔ اِن اشعار میں علامہ نے اپنی صبح خیزی اور ملتِ اسلامیہ کے غم میں اپنی دلی کیفیت کی تصویر کشی کی ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے اپنے سوز و جذبِ دروں کی شدت کو مختلف استعاروں میں بیان کیا ہے۔

۲۔ میرے آنسوؤں نے گلِ نرگس کی آنکھوں سے نیند اڑا دی اور سبزہ میرے شور شرابے (آہ و فغاں) کے باعث بیدار ہو کر اُگا۔ سبزہ کھڑی صورت میں اُگتا ہے اس لیے بیدار کا لفظ استعمال کیا۔

۳۔ باغباں (باغبانِ فطرت) نے میری شاعری کی قوت وشدت کو آزمایا' چنانچہ اس نے ایک مصرع بو کر اور اس کی فصل کی صورت میں ایک تلوار کاٹی۔ گویا جس طرح تلوار کاٹتی چلی جاتی ہے اسی طرح علامہ کی شاعری خلوصِ جذبات کی بنا پر دلوں میں اترتی چلی جاتی ہے۔

۴۔ اس (باغبانِ فطرت) نے چمن میں میرے آنسوؤں کے بیج کے سوا اور کچھ نہ بویا اور میری آہ و فغاں کا تانا باغ کے بانے میں بن دیا۔ یعنی فطرت نے میرے سوزِ دروں کے حامل آنسو یا میری یہ کیفیت' میری شاعری اور میرا پیغام سب اسلام اور ملتِ اسلامیہ کے لیے وقف کر دیا۔

۵۔ ذرہ ام' مہرِ منیر آنِ من است   صد سحر اندر گریبانِ من است
۶۔ خاکِ من روشنتر از جامِ جم است   محرم از نازادہائے عالم است
۷۔ فکرم آں آہو سرِ فتراک بست   کو ہنوز از نیستی بیروں نجست
۸۔ سبزۂ ناروئیدہ زیبِ گلشنم   گل بشاخ اندر نہاں در دامنم
۹۔ محفلِ رامشگری برہم زدم   زخمہ بر تارِ رگِ عالم زدم

۵۔ میں ذرہ ہوں اور چمکتا ہوا سورج میرا ہے' سیکڑوں صبحیں میرے گریبان میں ہیں۔ اس سے تو یہی مطلب نکلتا ہے کہ علامہ کی شاعری یعنی ان کا پیغام سراسر درخشانی اور عظمت کا حامل ہے' اگر ملت اس پر عمل پیرا ہو جائے تو اس کا مستقبل عظیم الشان اور تابناک ہو جائے گا۔

۶۔ میری سرشت و بصیرت جامِ جم سے بھی زیادہ روشن ہے۔ وہ کائنات کی ایسی اشیاء سے بھی آگاہ ہے جو ابھی وجود میں نہیں آئیں۔ اپنی انتہائی بصیرت کی بات کی ہے۔

۷۔ میری قوتِ فکر نے اس ہرن کو اپنے فتراک میں کس لیا ہے جو ابھی عالمِ عدم سے عالمِ ہستی کی طرف نہیں آیا/نکلا۔ اس میں اپنی گہری فکرِ رسا کو استعارے میں بیان کیا ہے۔

۸۔ ایسا سبزہ' جو ابھی اُگا نہیں' میرے گلشن کی زیبائش کا باعث بنا ہوا ہے۔ وہ پھول جو ابھی ٹہنی کے اندر ہی ہے' میرے پلو میں ہے۔ یعنی میری قوتِ فکر کے دامن میں ہے۔ وہی گہری فکرِ رسا کی بات۔ علامہ کا یہ اردو شعر بھی ملاحظہ ہو:

حادثہ وہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے
عکس اس کا مرے آئینۂ ادراک میں ہے

9- میں نے سازِ نغمہ کی محفل درہم برہم کر دی' میں نے کائنات کی رگوں کے تار پر مضراب لگائی۔ عیش و نغمہ وغیرہ سے مجھے قطعاً دلچسپی نہیں' میں نے اپنی شاعری میں عام روایتی شاعری کے مضامین اپنانے کی بجائے زندگی کے حقائق کی طرف توجہ دلائی ہے۔

10- بس کہ عودِ فطرتم نادر نواست — ہم نشیں از نغمہ ام ناآشنا ست
11- در جہاں خورشیدِ نوزائیدہ ام — رسم و آئینِ فلک نادیدہ ام
12- رم ندیدہ انجم از تابم ہنوز — ہست ناآشفتہ سیمابم ہنوز
13- بحر از رقصِ ضیایم بے نصیب — کوہ از رنگِ حنایم بے نصیب
14- خوگرِ من نیست چشمِ ہست و بود — لرزہ برتن خیزم از بیمِ نمود

10- میری فطرت کے باجے کا نغمہ بہت ہی انوکھی قسم کا ہے' لیکن میرا ہم نشین میرے اس نغمے سے ناواقف ہے۔ مراد ان کی شاعری عام ڈگر سے ہٹ کر ہے' اس میں پیغام ہے جو اس سے پہلے عام شاعری میں نظر نہیں آتا' یہی وجہ ہے کہ ملّتِ اسلامیہ ابھی ان کی شاعری سے ناآشنا ہے یا اسے سمجھ نہیں رہی۔

11- میں اس دنیا میں نیا نیا وجود میں آیا ہوا سورج ہوں۔ آسمان کے طور طریقے میری نظروں سے نہیں گذرے۔ یعنی ان کی با مقصد اور پیغام کی حامل شاعری کا آغاز ہوا ہے' اس کے اثرات ابھی واضح نہیں ہوئے۔

12- ستاروں نے میری چمک/تابانی سے ابھی رم نہیں کیا اور میرا پارا ابھی قرار پکڑے ہوئے ہے۔ مطلب یہ کہ ابھی ملّت ان کے روشن افکار سے باخبر نہیں ہوئی اور یہ کہ ابھی ان کی شاعری میں ان کی روح کی بیقراری نہیں سمائی' جب ایسا ہوگا تو ان کے پیغام کی تاثیر اپنا رنگ دکھائے گی۔

13- سمندر میری روشنی کے رقص سے بے بہرہ ہے اور پہاڑ میری مہندی کے رنگ سے بے بہرہ ہے۔ (وہی اس سے پہلے والی بات دوسرے استعارے میں)۔ سمندر میں لہریں اٹھتی رہتی ہیں' جب ان پر سورج کی کرنیں پڑتی ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے وہ کرنیں رقص کر رہی ہوں' اسی طرح جب پہاڑ پر کرنیں پڑتی ہیں تو لگتا ہے جیسے پہاڑ نے مہندی لگا رکھی ہو۔ گویا ملّت ابھی ان کے پیغام سے باخبر نہیں ہوئی' وقت آئے گا

جب وہ اس کی تاثیر کی گرفت میں ہو گی۔

۱۴- زمانے کی آنکھ ابھی مجھے دیکھنے کی عادی نہیں ہوئی' میں اپنے اظہار کے خوف سے کانپ اٹھتا ہوں۔ مراد یہ کہ چونکہ ملت ابھی میرے اس پیغام سے آگاہ نہیں ہوئی اور لوگوں کے ذہن اس کے عادی نہیں تو جب وہ عام ڈگر سے ہٹا ہوا میرا پیغام سنیں گے تو خدا جانے اس کا کیا ردِ عمل ہو' بس اسی بات کا مجھے خوف ہے۔

۱۵- بامم از خاور رسید و شب شکست　　شبنمِ نو بر گلِ عالم نشست

۱۶- انتظارِ صبح خیزاں می کشم　　اے خوشا زرتشتیانِ آتشم

۱۷- نغمہ امٔ از زخمہ بے پرواستم　　من نوائے شاعرِ فرداستم

۱۸- عصرِ من دانندۂ اسرار نیست　　یوسفِ من بہرِ ایں بازار نیست

۱۵- میری صبح مشرق سے طلوع ہوئی اور رات ختم ہو گئی اور یوں دنیا کے پھول پر تازہ شبنم پڑی۔ مراد یہ کہ اب ملت میرے کلام سے اثر لے کر عمل کی طرف بڑھے گی اور یوں اس کی تاریکی و پستی اور اس کا زوال ختم ہو جائے گا۔

۱۶- میں صبح سویرے اٹھنے والوں کے انتظار میں ہوں' میری آگ کے پجاریوں کا کیا کہنا یا میری آگ کے پجاری کیا مبارک ہیں۔ مطلب یہ کہ میں ان لوگوں کے انتظار میں ہوں جو میرا کلام پڑھ کر بیدار ہو جائیں اور ملت کو ذلت و پستی اور غلامی سے نجات دلانے کی خاطر جدوجہد کریں۔

۱۷- میں ایسا نغمہ ہوں جو مضراب سے بے نیاز ہے' میں مستقبل کے شاعر کی نوا ہوں۔ مراد یہ کہ وہ وقت آئے گا جب لوگ میرے کلام کی طرف متوجہ ہوں گے اور اسے صحیح طور پر سمجھیں گے اور میرے پیغام کی اہمیت سے آگاہ ہوں گے۔ مضراب سے بے نیاز نغمہ سے مراد شاعر ہونا ہے اور مستقبل کے شاعر کی نوا کا مطلب ہے مستقبل میں میری شاعری کو سمجھا جائے گا اور حقیقت میں ایسا ہی ہوا ہے' آج دنیا بھر میں علامہ کے کلام کو اہمیت دی جا رہی ہے۔ ایرانیوں کا تو کہنا ہے کہ ایران میں اسلامی انقلاب علامہ ہی کے کلام سے ایرانیوں کے متاثر ہونے کے باعث آیا ہے۔

۱۸- میرا زمانہ/دور اسرار سے آگاہ نہیں ہے' میرا یوسف اس بازار کے لیے نہیں ہے۔ وہی بات کہ ان کے دور کے لوگ حقائق سے بے خبر ہیں' اسی لیے ان کے کلام کی طرف متوجہ نہیں ہو رہے' چنانچہ ان کا کلام (جسے حضرت یوسفؑ سے تشبیہ دی گئی ہے' فرہنگ ملاحظہ

ہو) آج کے (ان کے دور کے) لوگوں کے لیے نہیں ہے۔ اردو میں یہ شکوہ یوں ہے:

میرے محیط میں کہیں گوہر زندگی نہیں
ڈھونڈ چکا میں موج موج دیکھ چکا صدف صدف

۱۹۔ نا امیدستم ز یارانِ قدیم — طورِ من سوزد کہ می آید کلیم
۲۰۔ قلزمِ یاراں چو شبنم بے خروش — شبنمِ من مثلِ یم طوفاں بدوش
۲۱۔ نغمۂ من از جہانِ دیگر است — ایں جرس را کاروانِ دیگر است
۲۲۔ اے بسا شاعر کہ بعد از مرگ زاد — چشمِ خود بربست و چشمِ ما کشاد
۲۳۔ رختِ ناز از نیستی بیروں کشید — چوں گل از خاکِ مزارِ خود دمید

۱۹۔ میں اپنے پرانے رفیقوں / ساتھیوں سے مایوس ہوں' میرا طور جل رہا ہے کہ کوئی کلیم آئے۔ اس سے ایک مراد تو یہ ہو سکتی ہے کہ قدیم اور علامہ کے دور کے شعرا کا کلام بے مقصد اور مایوسی کا حامل ہے اور دوسری یہ کہ ان کے ہمعصر لوگ ان کے کلام کو سمجھ نہیں رہے جو ان کی مایوسی کا باعث ہے۔ طور کا جلنا اور کلیم کا انتظار یہی ہے کہ ایسا دور آئے جب علامہ کی شاعری کو صحیح معنوں میں سمجھا جائے اور اس پر لوگ عمل پیرا ہوں۔

۲۰۔ دوستوں کا سمندر' شبنم کی طرح طوفان سے خالی / عاری ہے' جب کہ میری شبنم سمندر کی مانند طوفاں بدوش ہے۔ گویا ہمعصر شعرا کے کلام میں وہ گرمی اور شدت وحدت نہیں جو ملت میں ایک عظیم انقلاب پیدا کر دے' جبکہ علامہ کا کلام ان کے کلام کے برعکس ہے۔

۲۱۔ میرے نغمے (شاعری) کا تعلق کسی دوسری دنیا سے ہے' یہ گھنٹی کسی اور ہی قافلے سے متعلق ہے۔ یعنی علامہ کی شاعری عام ڈگر سے ہٹ کر ہے' اس میں حسن و عشق اور گل و بلبل کی باتیں نہیں ہیں بلکہ یہ ملت اسلامیہ کو بیدار کرنے والی ہے۔ دوسرے مصرعے میں یہی بات نئے استعارے میں کہی ہے۔

۲۲۔ ۲۳: ایسا اکثر ہوا ہے کہ کوئی شاعر اپنی موت کے بعد پیدا ہوا ہے (یا اکثر شاعر اپنے مرنے کے بعد پیدا ہوئے ہیں)' اس نے (انہوں نے) اپنی آنکھیں بند کر لیں اور ہماری آنکھیں کھول دیں (وہ خود تو مر گئے لیکن اپنے کلام سے ہمیں متاثر کر گئے)؛ ایسا شاعر عدم سے اپنا سامانِ ناز باہر لے آیا اور اپنے مزار کی مٹی سے پھول کی طرح پھوٹ پڑا / اُگ آیا۔ یعنی ان شعرا کے نظریات اور پیغام کو ان کی وفات کے بعد سمجھا گیا اور یوں انہیں حیاتِ جاوید ملی؛ اس بات کو پھول اور خاکِ مزار کی تمثیل سے

واضح کیا ہے۔ علامہ نے بالواسطہ یہ کہنا چاہا ہے کہ اگر آج ان کے کلام کی پذیرائی نہیں ہو رہی تو کل ان کی وفات کے بعد اسے سمجھ کر ان کے مقام کا تعین ہوگا (اور یہ اب ہو چکا ہے۔ جس قدر علامہ کے کلام پر لکھا گیا ہے اور لکھا جا رہا ہے' اتنا دنیا کے شاید ہی کسی شاعر پر لکھا گیا ہو۔)

۲۴- کاروانہا گرچہ زیں صحرا گذشت — مثلِ گامِ ناقہ کم غوغا گذشت
۲۵- عاشقم' فریاد ایمانِ من است — شورِ حشر از پیش خیزانِ من است
۲۶- نغمہ ام ز اندازۂ تار است بیش — من نترسم از شکستِ عودِ خویش
۲۷- قطرہ از سیلابِ من بیگانہ بہ — قلزم از آشوبِ او دیوانہ بہ
۲۸- در نمی گنجد بجو عمانِ من — بحرہا باید پئے طوفانِ من

۲۴- اگرچہ اس صحرا سے کئی قافلے گذر چکے ہیں لیکن وہ سب اونٹنی کے قدموں کی طرح کسی آہٹ اور چاپ کے بغیر ہی گذر گئے۔ مطلب یہ کہ علامہ سے پہلے کئی شعرا گذر چکے ہیں لیکن ان کا کلام کسی قسم کا انقلاب پیدا نہ کر سکا (اس بات کو اونٹنی کے بے صدا قدموں سے تشبیہ دی ہے)۔

۲۵- میں عاشق ہوں' فریاد کرنا میرا ایمان ہے۔ محشر میرے نقیبوں میں سے ہے۔ مراد یہ کہ علامہ عاشقِ ملّت ہیں' وہ فریاد کو اپنا ایمان قرار دے کر درحقیقت اپنے حشر بداماں ہونے کی بات کرتے ہیں۔ وہ ملّت کو ایک آزاد اور عظیم ملّت دیکھنے کے خواہاں ہیں اسی لیے وہ اپنی شاعری (فریاد) میں ملّت کی توجہ اس امر کی طرف کرا رہے ہیں۔

۲۶- میرا نغمہ تار/ساز کی گنجائش سے بڑھ کر ہے۔ اس لیے میں اپنے باجے ساز کی ٹوٹ پھوٹ سے نہیں ڈرتا۔ مطلب یہ کہ ان کی شاعری کا مضمون و مفہوم یا پیغام شعر کی فنی حدود و گنجائش سے کہیں بڑھ کر اور بالاتر ہے' اس لیے اگر ان کے کلام میں (جسے انہوں نے باجے سے تشبیہ دی ہے) کوئی فنی یا لفظی خامی و سقم رہ جائے تو اس کی انہیں کوئی پروا نہیں۔

۲۷- قطرہ میرے طوفان سے ناآشنا ہی رہے تو اچھا ہے۔ سمندر اس کے تلاطم/ہنگامہ سے دیوانہ ہو جائے تو اچھا ہے۔ قطرہ سے مراد ایسا قاری جو شعر کی تفہیم سے کما حقہ آگاہ نہیں اور کم علم و کم ہمت ہے' جب کہ علامہ کے کلام میں طوفانی کیفیت ہے: ظاہر ہے اس صورت میں قطرے (مذکورہ قاری) کا سیلاب (علامہ کے طوفانی کلام) سے دور رہنا ہی بہتر ہے۔ اردو میں یوں فرمایا ہے:

نظر نہیں تو مرے حلقۂ سخن میں نہ بیٹھ
کہ نکتہ ہائے خودی ہیں مثالِ تیغِ اصیل

قلزم سے مراد اہلِ علم و دانش ہیں: اگر یہ لوگ علامہ کے کلام سے بیحد متاثر (دیوانے) ہوں تو بہتر ہوگا کہ اس سے علامہ کا مقصد و مدعا حاصل ہو جائے گا۔

۲۸- میرا سمندر ندی میں نہیں سماتا: میرے طوفان کے لیے تو سمندروں کے سمندر درکار ہیں۔ وہی بات جو اس سے پہلے شعر میں کہی ہے۔ بہت سے سمندروں کی ضرورت سے مراد ایسے قارئین ہی ان کے کلام کو صحیح معنوں میں سمجھ اور اس سے استفادہ کر سکتے ہیں جو کئی علوم سے آراستہ ہیں۔

۲۹- غنچہ کز بالیدگی گلشن نشد   درخورِ ابرِ بہارِ من نشد
۳۰- برقہا خوابیدہ در جانِ من است   کوہ و صحرا بابِ جولانِ من است
۳۱- پنجہ کن با بحرم از صحراستی   برقِ من در گیر اگر سیناستی
۳۲- چشمۂ حیواں براتم کردہ اند   محرمِ رازِ حیاتم کردہ اند

۲۹- وہ کلی جو بڑھتی پھولتی ہوئی / نشو و نما پاتی ہوئی گلشن کی صورت اختیار نہیں کر گئی وہ میرے ابرِ بہار کے لائق نہ ٹھہری۔ مطلب یہ کہ جن قارئین کے قلب و ذہن اُن کا کلام پڑھ کر وسعت آشنا نہیں ہوتے اور اس کی صحیح تفہیم سے نا آشنا رہتے ہیں، وہ اس کے مطالعے کے لائق نہیں ہیں۔

۳۰- میری جان میں بجلیاں سوئی پڑی ہیں۔ پہاڑ اور صحرا تو میری جولانگاہ کا دروازہ ہیں۔ بجلیوں سے مراد علامہ کے کلام میں عظیم جذبوں کے حامل مضامین / افکار ہیں۔ علامہ کا قلب و ذہن طوفان آشنا تھا، لہٰذا اس میں پیدا ہونے والے افکار بھی اسی طوفانی کیفیت اور اسی تپش و گرمی کے حامل ہیں۔

۳۱- اگر تو صحرا ہے تو پھر میرے سمندر سے پنجہ آزمائی کر، میری بجلی سے خود کو روشن کر لے اگر تو کوہِ طور / طورِ سینا ہے۔ وہی پہلے شعروں والی بات، قاری سے خطاب: مطلب یہ کہ اگر تو (قاری) میرے افکار کو سمجھ سکے تو اس کا مطالعہ کر، گویا سمندر صحرا ہی میں جذب ہو سکتا ہے۔ دوسرے مصرعے میں یہی بات قرآنی تلمیح کے حوالے سے کی ہے: مراد یہ کہ میرے کلام کو صرف وہی سمجھ سکتا ہے جو وسیع فہم و شعور کا مالک بھی ہو اور صاحبِ ہمت و جذبہ بھی۔

۳۲- قضا و قدر نے آبِ حیات کا چشمہ میرے نصیبے / مقدر میں لکھ دیا ہے، مجھے انہوں (کارکنانِ

قضاوقدر) نے رازِ حیات سے آشنا کردیا ہے۔ یعنی علامہ کے کلام میں زندگی کی حقیقت پر زور ہے؛ دوسرے لفظوں میں انہوں نے ملّتِ اسلامیہ میں ایک نئی روح پھونکی' خوابیدہ ملّت کو بیدار کیا اور اسے بتایا کہ صحیح زندگی یہ ہے کہ جہدِ مسلسل سے کام لیا جائے اور ایسے کارنامے انجام دیے جائیں جو اس (ملّت) کی بقا کا باعث بنیں۔

۳۳۔ ذرّہ از سوزِ نوایم زندہ گشت　　پر کشود و کرمکِ تابندہ گشت
۳۴۔ ہیچ کس رازے کہ من گویم' نگفت　　ہم چو فکرِ من دُرِ معنی نہ سُفت
۳۵۔ سرِّ عیشِ جاوداں خواہی' بیا　　ہم زمیں' ہم آسماں خواہی بیا
۳۶۔ پیرِ گردوں با من ایں اسرار گفت　　از ندیماں رازہا نتواں نہفت

۳۳۔ میری نوا (شاعری) کے سوز سے ذرّے کو زندگی مل گئی' اس (ذرّے) نے پر کھولے اور وہ جگنو بن گیا۔ مطلب یہ کہ ان کے افکار میں جو گرمی ہے اس نے خوابیدہ ملّت کو بیدار کردیا ہے اور وہ بیداری کے بعد اپنے تابناک مستقبل کی طرف گامزن ہوئی ہے۔

۳۴۔ وہ راز جو میں ظاہر کررہا ہوں (آج تک) کسی نے نہیں کیا' کسی نے بھی میرے فکر کی مانند معنی کے موتی نہیں پروئے۔ یعنی علامہ نے شاعری کی مروّجہ ڈگر سے ہٹ کر اپنا ایک انقلابی انداز نکالا؛ ان سے پہلے کسی بھی شاعر نے ان حقائق سے پردہ نہیں اٹھایا جو علامہ نے بیان کیے ہیں۔ انہوں نے اپنے افکار کو موتیوں سے تشبیہ دی ہے۔

۳۵۔ اگر تو (مخاطب) حیاتِ جاوداں کا راز جاننا چاہتا ہے' تو آ' اگر تو زمین اور آسمان کا بھی طالب ہے تو آ۔ مراد یہ کہ ان کے افکار کو سمجھ کر ان پر عمل پیرا ہونے سے زندگی جاوید میسر آسکتی ہے اور زمین و آسمان کو تسخیر کیا جاسکتا ہے۔

۳۶۔ قضاوقدر نے مجھ پر یہ بھید کھولے ہیں؛ ہم نشینوں سے بھید چھپائے نہیں جاسکتے۔ یعنی علامہ کے افکار الہامی ہیں؛ جو کچھ انہوں نے کہا ہے' وہ انہیں قدرت کی طرف سے ودیعت ہوا ہے' اور یہ سب کچھ اپنوں یعنی ملّت سے چھپایا نہیں جاسکتا۔

۳۷۔ ساقیا برخیز و مے در جام کن　　محو از دل کاوشِ ایّام کن
۳۸۔ شعلۂ آبے کہ اصلش زمزم است　　گر گدا باشد پرستارش جم است
۳۹۔ می کند اندیشہ را ہشیار تر　　دیدۂ بیدار را بیدار تر
۴۰۔ اعتبارِ کوہ بخشد کاہ را　　قوّتِ شیراں دہد روباہ را
۴۱۔ خاک را اوجِ ثریا می دہد　　قطرہ را پہنائے دریا می دہد

۳۶۔ خامشی را شورشِ محشر کند پائے کبک از خون باز احمر کند

۳۷۔ اے ساقی! اٹھ اور شراب جام میں ڈال' اس طرح زمانے کی خلش دل سے زائل کر دے۔ شراب سے مراد عشقِ رسول کی مستی ہے۔ جب یہ عشق دل میں پیدا ہو گا تو زمانے کی تمام خلشیں دور ہو جائیں گی۔

۳۸۔ ایسے پانی کا شعلہ عطا کر جس کا سر چشمہ زمزم ہے (زمزم' کعبہ میں ایک چشمہ)۔ اگر وہ (فردِ ملت) گدا بھی ہو تو جمشید جیسا بادشاہ بھی اس کا غلام و عقیدتمند ہو۔ مطلب یہ کہ علامہ کے افکار میں اسلام کی وہ سرمستی و جوش ہو جس کے طفیل ایک معمولی فرد ملت بھی قوت اور عظمت و بقا میں بڑے بڑے شہنشاہوں سے آگے نکل جائے۔

۳۹۔ جو (شراب) قوتِ فکر میں اور تیزی پیدا کر دے اور دیدۂ بیدار کو اور بھی زیادہ بیدار کر دے۔ یعنی ایسے افکار جن تک رسائی کے نتیجے میں فکر و اندیشہ میں اور تیزی اور ادراک پیدا ہو اور وہ افرادِ ملت' جن کا جذبہ بیدار ہے' ان کی بیداری میں مزید اضافہ ہو۔

۴۰۔ جو تنکے کو پہاڑ کی سی عظمت بخش دے اور لومڑی کو شیروں کی سی قوت عطا کر دے؛ وہی بات جو شعر ۳۸ میں کہی ہے' اب نئے استعارے میں کہی ہے۔ مطلب یہ کہ علامہ کے افکار کمزور اور کم ہمتوں میں چٹانوں کی اور شیروں کی سی قوت پیدا کر دیں۔

۴۱۔۴۲: جو (شراب) خاک کو ثریا کی سی بلندی دے دیتی اور قطرے کو سمندر کی سی وسعت دیتی ہے؛ جو خاموشی کو شورِ محشر کی صورت دے دے اور جو چکور کے پنجے کو باز کے خون سے سرخ کر دے۔ ان دو شعروں میں بھی مذکورہ بات نئے استعاروں میں کی ہے۔ علامہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ان کے افکار میں (جو وہ شعر کی صورت میں باہر لا رہے ہیں) ایسی زبردست تاثیر پیدا ہو کہ ملتِ اسلامیہ (جو اس وقت غلامی و پستی کا شکار تھی) اس کے نتیجے میں ایک عظیم انقلاب سے دوچار ہو اور خود میں قوت پیدا کر کے اپنی عظمتِ رفتہ کو پھر پالے۔

۴۳۔ خیز و در جامم شرابِ ناب ریز بر شبِ اندیشہ ام مہتاب ریز

۴۴۔ تا سوئے منزل کشم آوارہ را ذوقِ بے تابی دہم نظارہ را

۴۵۔ گرم رَو از جستجوئے نو شوم روشناسِ آرزوئے نو شوم

۴۶۔ چشمِ اہلِ ذوق را مردم شوم چوں صدا در گوشِ عالم گم شوم

۴۳۔ اٹھ اور میرے جام میں خالص شراب ڈال دے؛ میری قوتِ فکر کی رات

کو روشن کر دے۔ (پہلے اشعار والی باتیں ذرا بدل کر)۔ خالص شراب یعنی خالص اسلامی افکار' ایسے افکار جو "لا الٰہ الا اللہ" کا رنگ لیے ہوں' گویا بالواسطہ اللہ تعالیٰ سے یہ آرزو کی ہے۔

۴۴۔ تاکہ میں بھٹکی ہوئی ملّت کو منزل کی طرف لے چلوں اور بصارت کو بیقراری کا ذوق عطا کروں۔ اس وقت ملّت کے سامنے کوئی مقصد نہ تھا جس کے حصول کے لیے وہ جدوجہد کرتی اور یوں خود کو باوقار و باعظمت بنالیتی۔ علامہ کی یہ آرزو ہے کہ وہ اس ملّت کو بیدار کر کے اسے اس کی منزل سے آشنا کر دیں اور اس کے حصول کے لیے اس میں جوش و ولولہ اور قوتِ جہد و عمل پیدا کر دیں۔ ذوق بیقراری سے مراد ذوق تجسس ہے' جس کے باعث ملّت ہر لحہ آگے بڑھنے کے جذبے سے سرشار ہو جائے۔

۴۵۔ نئی جستجو/تجسس و تلاش کی بنا پر تیز رفتار ہو جاؤں اور یوں ایک نئی آرزو سے آگاہ ہو جاؤں۔ یہ بات علامہ نے ملّت کے لیے اپنے حوالے سے کی ہے۔ مراد یہ کہ جب ایک ملّت ہر لحہ ایک نئی جستجو اور ہر پل ایک نئی آرزو سے سرشار ہو گی تو اس کے حصول کے لیے اس میں پیہم عمل اور مسلسل جدوجہد کا جذبہ پیدا ہو گا' جس کا نتیجہ علامہ ہی کے لفظوں میں کچھ یوں ہو گا:

نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا
کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں

۴۶۔ میں اہل ذوق یعنی جن کے دلوں میں ملّت کا درد ہے' کی آنکھوں کی پتلی بن جاؤں اور آواز کی مانند دنیا کے کانوں میں کھو جاؤں۔ مراد یہ کہ وہ ان کو حقایقِ اشیا دکھا دیں اور منزلِ ارتقا و بقا کا راستہ بتا دیں' اور یہ کہ ان (علامہ) کا کلام دنیا والوں کے کانوں میں پہنچ کر اپنا اثر دکھائے' دنیا میں ان کی آواز گونج اٹھے۔

۴۷۔ قیمتِ جنسِ سخن بالا کنم — آبِ چشمِ خویش در کالا کنم
۴۸۔ باز بر خوانم ز فیضِ پیرِ رومؒ — دفترِ سربستہ اسرارِ علوم
۴۹۔ جانِ او از شعلہ ہا سرمایہ دار — من فروغِ یک نفس مثلِ شرار
۵۰۔ شمعِ سوزاں تاخت بر پروانہ ام — بادہ شبخوں ریخت بر پیمانہ ام

۴۷۔ میں شاعری کی جنس کی قیمت بڑھا دوں اور اپنے آنسو سامانِ تجارت میں رکھ دوں۔ مطلب یہ کہ علامہ شاعری سے دل بہلاوے کا کام نہیں لینا چاہتے بلکہ اس میں اپنا

جذب و سوز و دروں شامل کر کے اس سے ملّت کی بیداری کا کام لینا چاہتے ہیں۔

۴۸۔ میں پیرِ رومؒ کے فیض سے علوم کے رازوں کی سربمہر کتاب پھر پڑھوں۔ مولانا رومیؒ شروع میں محض ایک عالم و واعظ تھے' اور علوم باطنی سے' جن کے طفیل کائنات کے سربستہ راز منکشف ہوتے ہیں' بے بہرہ تھے۔ پھر ان میں انقلاب پیدا ہوا اور وہ اس طرف آئے۔ اس وقت ان پر جو سربستہ راز منکشف ہوئے اور ملّت کے لیے جو حقیقی درد ان کے دل میں پیدا ہوا وہ ان کی مثنوی معنوی کی صورت میں ہمارے سامنے ہے' اس مثنوی کو فارسی زبان کا قرآن کہا گیا ہے:

مثنوی معنوی مولویؒ ہست قرآں در زبانِ پہلوی

علامہ نے مولانا کو اپنا مرشد مانا ہے' اسی لیے یہ کہا ہے کہ میں پیرِ روم کے فیض سے اسرارِ علوم سے آگاہ ہو جاؤں اور یہ سوز و درد اور عشقِ حق ہی کی بدولت ممکن ہے۔

۴۹۔ مولانا کی جان تو دل کی تپشوں سے مالا مال ہے' جبکہ ان کے مقابلے میں میری حیثیت چنگاری کی مانند اس روشنی کی سی ہے جو ادھر چمکی اُدھر بجھ گئی۔

۵۰۔ جلتی ہوئی (روشن) شمع میرے پروانے پر چڑھ دوڑی اور شراب نے میرے جام پر شبخون مارا۔ شمع اور شراب مولانا رومیؒ کے لیے استعارے ہیں۔ مطلب یہ کہ مولانا نے علامہ کو سوز و عشق کے جذبوں سے سرشار کر دیا اور ان کے دل میں انقلاب پیدا کر دیا۔

۵۱۔ پیرِ رومیؒ خاک را اکسیر کرد　　از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد

۵۲۔ ذرہ از خاکِ بیاباں رخت بست　　تا شعاعِ آفتاب آرد بدست

۵۳۔ موجم و در بحرِ او منزل کنم　　تا دُرِ تابندہ ے حاصل کنم

۵۴۔ من کہ مستی ہا ز صہبایش کنم　　زندگانی از نفس ہایش کنم

۵۱۔ پیرِ رومی نے خاک کو اکسیر بنا دیا' میرے غبار سے کئی جلوے تعمیر کیے۔ علامہ کی پہلے کوئی حیثیت نہ تھی' رومیؒ کے جذبہ ہائے عشق سے پُر کلام/مثنوی کے مطالعہ نے انہیں صاحبِ جذب و سوز اور صاحبِ مقام بنا دیا اور ان کے افکار کو منوّر کر دیا۔

۵۲۔ ذرّے نے صحرا کی خاک سے اپنا سامان سمیٹا تا کہ وہ آفتاب کی شعاع حاصل کر سکے/ ہاتھ میں لے سکے۔ ذرہ علامہ نے خود کو اور صحرا مولانا رومی کو کہا ہے۔ مطلب یہ کہ مولانا علم و حکمت کا ایک بحرِ زخار ہیں جن سے حصولِ فیض کے لیے وہ (علامہ) کوشاں ہیں۔

۵۳۔ میں لہر ہوں اور اس/ان کے سمندر میں ٹھکانا کیے ہوئے ہوں تا کہ کوئی چمکتا ہوا موتی

حاصل کرلوں۔ اس میں بھی وہی شعر ۵۲ والی بات دوسرے استعارے میں ہے' یعنی وہ مولانا سے (مولانا کے کلام سے) کسبِ فیض کریں۔

۵۴- میں جوان کی شرابوں کی بدولت سرمستیوں میں ڈوبا ہوا ہوں' انہی کے سانسوں سے زندگی بسر کررہا ہوں۔ شرابوں سے مراد مولانا کے افکارِ عالیہ ہیں جو عام قاری کو مضبوط گرفت میں لے لیتے ہیں' پھر بھلا علامہ جیسے صاحبِ سوز و جذبہ اور اہلِ دانش و حکمت کی کیا حالت نہ ہوتی ہوگی۔

۵۵- شب دلِ من مائلِ فریاد بود	خامشی از "یاربم" آباد بود
۵۶- شکوہ آشوبِ غمِ دوراں بدم	از تہی پیمانگی نالاں بدم
۵۷- ایں قدر نظارہ ام بیتاب شد	بال و پر بشکست و آخر خواب شد
۵۸- روے خود بنمود پیرِ حق سرشت	کو بحرفِ پہلوی قرآں نوشت
۵۹- گفت: "اے دیوانۂ اربابِ عشق	جرعہ ے گیر از شرابِ نابِ عشق
۶۰- بر جگر ہنگامۂ محشر بزن	شیشہ بر سر' دیدہ بر نشتر بزن

۵۵-۵۷: کل رات میرا دل فریاد پر آمادہ تھا (کررہا تھا)؛ میری "یارب' یارب" کی پکار سے خاموشی میں بھی ایک شور سا تھا۔ میں زمانے کے دکھوں کا سخت شکوہ کررہا تھا اور اپنے خالی پیمانے کی وجہ سے فریاد کناں تھا؛ میں اس غور اور توجہ سے دیکھنے میں مصروف تھا کہ میری قوتِ بصارت گھٹ گئی' میرے بال و پر ٹوٹ گئے (قوت۔ پرواز جاتی رہی) یہاں تک کہ مجھ پر نیند کا غلبہ طاری ہوگیا۔ ان تین اشعار میں اپنی دلی کیفیت کا اظہار کیا ہے' یعنی دل پر گذرنے والی واردات کے نتیجے میں ان کی جو حالت تھی' اس کی عکاسی کی ہے۔ اس وقت وہ غم واندوہ اور مایوسی کے عالم میں بیٹھے "یارب" کا ورد کررہے تھے' گویا خدا سے امداد کے طالب تھے تاکہ اس کیفیت سے انہیں نجات حاصل ہو۔ تہی پیمانگی سے مراد ان کے دل کا عشق و معرفت سے خالی ہونا ہے۔ بعد محویت کے باعث ان کی قوتِ فکر و بصارت دونوں متاثر ہوئیں تا آنکہ انہیں نیند آگئی۔

۵۸- اسی اثنا میں حق کی فطرت رکھنے والے پیر یعنی مولانا رومؒ نے خواب میں مجھے اپنا چہرہ دکھایا۔ یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے فارسی زبان میں قرآن لکھا ہے۔ مولانا جامیؒ نے رومی کی مثنوی کے بارے میں کہا ہے:

مثنوی مولوی معنوی	ہست قرآں در زبان پہلوی

(بعض نے پہلا مصرع یوں دیا ہے: مثنوی معنوی مولوی)

مثنوی رومیؒ کو اس لیے فارسی میں قرآن کہا گیا ہے کہ مولانا نے اس میں بیشتر قرآنی مسائل ومضامین کے حوالے سے بات کی ہے۔ چنانچہ وہ خود ایک جگہ کہتے ہیں:

من ز قرآں مغز ہا برداشتم — استخواں پیش سگاں انداختم

۵۹- رومیؒ نے فرمایا: "اے اہل عشق کے دیوانے/ دلدادہ" عشق کی خالص شراب کا ایک گھونٹ پی لے۔ مولانا عشق حقیقی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ علامہ نے ان کے حوالے سے خود کو یہ روش اپنانے کی بات کی ہے۔ مطلب یہ کہ تم (اقبال) عشق والوں کے قدردان تو ضرور ہو لیکن خود میں بھی یہ کیفیت پیدا کرو تا کہ تم مادہ پرستی اور عقلیات سے ہٹ کر معنویت کی طرف آؤ اور یوں حیات جاوداں تمہارا مقدر بنے۔

۶۰- تو اپنے جگر/ دل میں محشر برپا کر، صراحی سر پر مار اور آنکھیں نشتر پر مار۔ یعنی سر کو شراب کی صراحی سے توڑ لے اور آنکھوں کو نشتر مار کر پھوڑ لے۔ دوسرے لفظوں میں عقل کو ایک طرف رکھ اور نظارے سے کام لینے کی بجائے عشق کو اپنا خضرِ راہ بنا۔ یہ عقل وفلسفہ سب بیکار چیزیں ہیں، بصارت وقتی چیز ہے، بصیرت اور عشق ہی کو دوام حاصل ہے۔

۶۱- خندہ را سرمایۂ صد نالہ ساز — اشکِ خونیں را جگر پر کالہ ساز
۶۲- تا بکے چوں غنچہ می باشی خموش — نکہتِ خود را چو گل ارزاں فروش
۶۳- در گرہ ہنگامہ داری چوں سپند — محملِ خود برسرِ آتش بہ بند
۶۴- چوں جرس آخر ز ہر جزو بدن — نالۂ خاموش را بیروں فگن
۶۵- آتش استی بزمِ عالم برفروز — دیگراں راہم زسوزِ خود بسوز

۶۱- (اے اقبال) تو ہنسی کو سیکڑوں نالوں کا سرمایہ بنا اور اپنے خونیں آنسوؤں کو جگر کا ٹکڑا بنا۔ یعنی خود میں سوز و درد پیدا کر جو صرف عشقِ حق ہی کے نتیجے میں پیدا ہو سکتا ہے اور کثرت گریہ کو اپنا وظیرہ بنا۔ حضور اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے: "البکاء نور قلب" (گریہ دل کو منور کرتا ہے۔)

۶۲- تو کب تک کلی کی طرح خاموش رہے گا۔ تو پھول کی طرح اپنی خوشبو ارزاں فروخت کر۔ مطلب یہ کہ ملت کے لیے تو جس پیغام وہدف کا حامل ہے، اسے ملت تک پہنچا۔ اس کام میں تاخیر اور انتظار مت کر۔

۶۳۔ تیرے دامن میں ہر مل کے دانے کی طرح ہنگامہ موجود ہے۔ تو اپنی محمل آگ (کی اونٹنی) پر باندھ۔ اس استعارے سے مراد یہ ہے کہ تو (اقبال) اپنے دل میں برپا ہنگاموں کو باہر لا! تا کہ ملت کو تیرے ان جذبوں اور ہنگاموں سے فائدہ پہنچے۔

۶۴۔ جرس کی مانند تو اپنے بدن کے ہر ہر حصے سے خاموش نالہ باہر پھینک' یعنی نالے برپا کر۔ (وہی بات جو پہلے کہی ہے اب دوسرے استعارے میں۔) مراد یہ کہ تیرے اندر جذبوں کے جو طوفان چھپے ہیں انھیں باہر لے آ اور ملت کو ان سے بہرہ ور کر۔

۶۵۔ تو آگ ہے' دنیا کی محفل کو منور کر دے اور دوسروں کو بھی اپنے سوز سے جلا دے۔ یعنی تیرے اندر جو محشر برپا ہے اس سے دوسروں کو بھی آگاہ کر اور جس طرح آگ کسی دوسری چیز کو جلاتی ہے تو بھی اسی طرح اپنے سوز جذبات سے ملت کو بھی آگ لگا دے یعنی اس میں بھی وہی ولولہ اور جوش پیدا کر دے۔

۶۶۔ فاش گو اسرار پیرِ مے فروش	موج مے شو کسوتِ مینا بپوش
۶۷۔ سنگ شو آئینۂ اندیشہ را	برسرِ بازار بشکن شیشہ را
۶۸۔ از نیستاں ہمچو نے پیغام دہ	قیس را از قومِ حے پیغام دہ
۶۹۔ نالہ را انداز نو ایجاد کن	بزم را از ہاے و ہو آباد کن
۷۰۔ خیز و جانِ نو بدہ ہر زندہ را	از قمِ خود زندہ ترکن زندہ را

۶۶۔ (اے اقبال!) تو پیرِ مے فروش کے راز کھول کر بیان کر دے' شراب کی لہر بن جا اور صراحی کا لباس پہن لے۔ پیرِ مے فروش یا مرشد کامل خود رومی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اسرار سے مراد وہی جوش و ولولہ اور جہد و عمل کا جذبہ جو رومیؒ نے خدائے واحد اور حضور اکرمؐ کے حوالے سے ملت اسلامیہ میں پیدا کیا۔ یہ اسرار فاش کرنا گویا پھر سے وہ پیغام دینا ہے: ''شراب کی لہر بن جا'' سے مراد ہے کہ اپنے پیغام کی گرمی سے ملت کو جہد و عمل کی طرف مائل اور پُر از جوش و ولولہ کر دے۔

۶۷۔ تو فکر و خوف کے شیشے کے لیے پتھر بن جا اور شیشے کو چوراہے پر توڑ ڈال۔ پتھر قوت یقین کی اور آئینہ و شیشہ خوف کی علامت ہیں۔ مطلب یہ کہ خوف و اندیشہ کو دل سے نکال ڈال اور یقین سے سرشار ہو جا جس کی بنا پر تو باطل قوتوں کو زیر کر سکے گا۔ علامہ کا یہ مشہور مصرع ملاحظہ ہو:

یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تو ہے

۶۸- بانس کے جنگل سے بانسری کی مانند پیغام دے اور قیس/مجنوں کو لیلا کے قبیلے سے کی طرف سے پیغام دے۔ بانس ایک عام پودا ہے لیکن اسے کاٹ کر بانسری بنائی جائے اور پھر اسے بجایا جائے تو اس کی لے سننے والے کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے' مراد یہ کہ قوم گویا بانس کا ایک جنگل ہے یعنی جوش و جذبہ سے عاری ہے' جبکہ شاعر گویا بانسری ہے' مطلب یہ کہ ملت کو ایسا پیغام دے جو اس کو بیدار اور جوش و ولولہ سے سرشار کر دے۔ قیس کو پیغام قوم ے سے مراد ہے ملت اسلامیہ کو عشق رسولؐ اکرم کا درس دے' جس کے نتیجے میں وہ پھر اپنا پہلا مقام حاصل کر سکتی ہے۔ علامہ ہی کے بقول:

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بو لہبی ست

۶۹- نالے کے لیے نیا انداز ایجاد کر اور محفل کو ہاو ہو سے پر رونق بنا۔ مراد یہ کہ علامہ سے پہلے کی شاعری میں رونے اور نالے کی باتیں بہت آ گئی ہیں جو کچھ اور ڈھب کی ہیں۔ مثلاً

سرہانے میرؔ کے آہستہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے
(میر تقی میر)

یونہی گر روتا رہا غالبؔ تو اے اہل جہاں
دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

غالب ہی کے بقول:

نالے عدم میں چند ہمارے سپرد تھے
جو واں نہ کھنچ سکے سو وہ یاں آ کے دم ہوئے

نالۂ دل نے دیے اوراق لخت دل بہ باد
یادگار نالہ اک دیوان بے شیرازہ تھا

گویا اب یہ انداز بدلنے کی ضرورت ہے: ایسی شاعری جو بزم یعنی ملت میں جوش و جذبہ' ولولہ اور عمل پیہم کی حرارت پیدا کر دے' اسے آمادہ بہ حرکت کر دے۔

۷۰- اٹھ اور ہر زندہ کو نئی جان دے' جو زندہ ہیں ان کو اپنے "قم" سے اور بھی زندہ کر دے۔ حضرت عیسیٰ "قم باذن اللہ" کہہ کر مردے کو زندہ کر دیتے تھے' تو (اقبال) اپنے کلام

سے جس میں "قم" کی خاصیت اور تاثیر ہے اس مردہ دل لیکن بظاہر زندہ قوم میں صحیح زندگی کی روح پھونک دے۔ (یہ سب باتیں مولانا رومی اقبال سے کہہ رہے ہیں۔)

۷۱۔ خیز و پا برجادۂ دیگر بنہ جوشِ سودائے کہن از سر بنہ
۷۲۔ آشنائے لذتِ گفتار شو اے درائے کارواں بیدار شو"
۷۳۔ زیں سخن آتش بہ پیراہن شدم مثلِ نے ہنگامہ آبستن شدم
۷۴۔ چوں نوا از تارِ خود برخاستم جنتے از بہر گوش آراستم
۷۵۔ برگرفتم پردہ از رازِ خودی وا نمودم سرِ اعجازِ خودی

۷۱۔ (اے اقبال) اٹھ اور ایک نئی راہ پر چل اور پرانی شاعری کا جوش اپنے سر سے نکال دے۔ پرانی شاعری میں عشق و عاشقی اور گل و بلبل کی داستان کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ دوسرے راستے پر چلنے سے مراد ہے کہ ایک نیا انداز شاعری میں اختیار کر جو قوم کو بیدار اور قوت عمل سے سرشار کر دے اور یوں اپنے عظیم مستقبل کی طرف گامزن ہو۔

۷۲۔ تو گفتار کی لذت و تاثیر سے آگاہ ہو اور تو جو قافلے کے آگے آگے بجنے والی گھنٹی ہے، بیدار ہو جا۔ (یہاں رومی کی باتیں اور نصیحتیں ختم ہو جاتی ہیں۔) مطلب یہ کہ تیرے (اقبال کے) کلام میں وہ تاثیر اور وہ جوش ہو کہ سوئی ہوئی قوم بیدار ہو کر اپنی صحیح منزل کی طرف چلنے لگے۔ بقول علامہ:

عزیز تر ہے متاعِ امیر و سلطاں سے
وہ شعر جس میں ہو بجلی کا سوز و براقی

۷۳۔ مولانا رومیؒ کی ان باتوں سے تو میں بڑا ہی مضطرب ہو گیا اور بانسری کی طرح مجھ میں شور و غوغا سما گیا۔ گویا رومی کا یہ پیغام ہوا کی صورت تھا جو بانسری میں پھونکی گئی اور یوں اس سے نغمے پھوٹنے لگے۔ یعنی علامہ کا دل ایک عظیم جوش و ولولہ اور ہیجان سے پُر ہو گیا اور یوں وہ اپنی شخصیت اور اپنے ہدف کے اظہار میں زور شور سے مصروف ہو گئے۔

۷۴۔ چنانچہ میں اپنے باجے سے نغمے کی طرح پھوٹ پڑا اور میں نے اپنے کانوں کے لیے ایک جنت سجالی۔ وہی پہلے والی بات۔ جنت سجانے سے مراد ہے پیغام کی انتہائی تاثیر و دل کشی۔ یعنی ملت کے لیے ان کے خیالات و جذبات کا اظہار ایسے ہی تھا

جیسے کوئی کسی بہت ہی دل نشیں اور روح پرور لے اثر کی سماعت سے سرشار ہو جائے۔

۷۵۔ میں نے خودی کے راز سے پردہ اٹھا دیا اور خودی کی کرامت کا بھید ظاہر کر دیا۔ علامہ کے نزدیک خودی کیا ہے؟ اس کی وضاحت آگے آئے گی۔

۷۶۔ بود نقشِ ہستیم انگارۂ ناقبولے ناکسے ناکارۂ
۷۷۔ عشق سوہاں زد مرا آدم شدم عالمِ کیف و کمِ عالم شدم
۷۸۔ حرکتِ اعصابِ گردوں دیدہ ام در رگِ مہ گردشِ خوں دیدہ ام
۷۹۔ بہرِ انساں چشمِ من شبہا گریست تا دریدم پردۂ اسرارِ زیست
۸۰۔ از درونِ کارگاہِ ممکنات برکشیدم سرِ تقویمِ حیات

۷۶۔ میری زندگی کی کیفیت ایک نامکمل نقش کی سی تھی۔ یعنی ایسی زندگی جو ناپسندیدہ، ناکارہ اور صلاحیت و اہلیت سے عاری ہو۔

۷۷۔ عشق نے مجھ پر ریتی چلائی اور میں انسان ہو گیا اور یوں دنیا کے تمام احوال و اسرار کا جاننے والا بن گیا۔ مطلب یہ کہ عشق حقیقی، عشق رسولؐ اور عشق ملت نے ان کی تمام خامیاں کوتاہیاں دور کر کے انہیں صحیح معنوں میں اشرف مخلوقات بنا دیا اور ان میں وہ بصیرت پیدا ہو گئی جس سے وہ کائنات کے اسرار کو کماحقہٗ جان سکیں۔

۷۸۔ میں نے آسمان کے اندر جھانک کر اس کے نظام کا جائزہ لیا اور اس طرح چاند کی رگ میں گردشِ خون کا نظارہ کیا ہے، یعنی اس کے اندرونی نظام میں جھانکا ہے۔ گویا عشق کی بدولت ان میں یہ ساری بصیرت پیدا ہوئی۔

۷۹۔ میری آنکھیں انسان کی خاطر کئی راتیں روتی رہیں، جب کہیں جا کر میں نے ہستی کے رازوں کا پردہ چاک کر ڈالا۔ عشق میں ڈوب کر علامہ میں یہ حقیقتیں واضح ہوئیں کہ زندگی کیا ہے، اس کا اصل مقصد کیا ہے اور انسان کو اس زندگی میں کیا کچھ کرنا ہے، اور اس کے ممکنات کیا ہیں۔

۸۰۔ ممکنات کے کارخانے کے اندر سے میں نے ہستی کی حقیقت کا بھید ظاہر کر دیا۔ شعر ۷۵ والی بات ذرا بدل کر کہی ہے۔ علامہ نے ''خضرِ راہ'' نظم (بانگِ درا) کے ذیلی عنوان ''زندگی'' کے تحت کچھ اسی قسم کی باتیں کی ہیں:

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ — جاوداں، پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی
اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے — سرِ آدم ہے، ضمیر "کن فکاں" ہے زندگی

۸۱- من کہ ایں شب را چومہ آراستم — گردِ پائے ملتِ بیضاستم
۸۲- ملتے درباغ و راغ آوازہ اش — آتشِ دلہا سرودِ تازہ اش
۸۳- ذرہ کشت و آفتاب انبار کرد — خرمن از صد رومی و عطار کرد
۸۴- آہ گرم رخت برگردوں کشم — گرچہ دودم از تبارِ آتشم
۸۵- خامہ ام از ہمتِ فکرِ بلند — رازِ ایں نہ پردہ در صحرا فگند
۸۶- قطرہ تا ہمپایۂ دریا شود — ذرہ از بالیدگی صحرا شود

۸۱- میں، کہ جس نے اس رات کو چاند کی طرح آراستہ/ روشن کیا ہے، روشن ملت کے پاؤں کی خاک ہوں۔ مراد یہ کہ علامہ نے اپنے کلام سے ملت کے قلب و ذہن پر چھائی ہوئی تاریکیاں دور کر دیں، اسے ذلت و پستی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے سے نجات دلائی اور اس میں بیداری کی روح پھونکی۔ خود کو ملت کے پاؤں کی گرد قرار دینا علامہ کے انتہائی عجز و انکسار کا پتا دیتا ہے۔

۸۲- وہ ملت ایک ایسی ملت ہے جس کا شہرہ پوری دنیا میں/ چہار دانگِ عالم میں ہے۔ اس کے نئے نغموں سے دلوں کی آگ کا سامان ہوتا ہے۔ یعنی یہ ملت پوری دنیا میں چھائی ہوئی ہے۔ سرودِ تازہ سے مراد اسلام کا نیا پیغام ہے۔ اسلام کے بعد، پہلے مذاہب پر، جو گویا پرانے ہو گئے تھے، خطِ تنسیخ پھیر دیا گیا۔ قرآن کی رُو سے "آج تم پر دین (اسلام) مکمل کر دیا گیا۔" دلوں کی آگ سے مراد جوش و جذبہ اور ولولہ ہے جو اسلام کی بدولت ملت کے دل میں پیدا ہوا۔

۸۳- اِس ملت نے ذرہ بویا اور آفتابوں/ سورجوں کے ڈھیر لگائے (ان کی فصل کاٹی)۔ اس نے رومیؒ اور عطارؒ جیسے سیکڑوں اربابِ عشق و معرفت کا کھلیان تیار کیا۔ مطلب یہ کہ اسلام کا آغاز معمولی تھا۔ شروع میں تھوڑے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے، پھر اس نے بڑی بڑی ہستیاں پیدا کیں، جنھوں نے اس ملت میں باطل قوتوں سے ٹکر لینے کی ہمت و جرأت پیدا کی اور عشقِ حقیقی و رسولِ اکرمؐ سے اسے سرشار کیا۔

۸۴- میں گرم آہ ہوں، آسمان کی طرف سفر کرتا ہوں/ یا کروں گا، اگرچہ میں دھواں ہوں

لیکن میرا تعلق تو آگ کے خاندان سے ہے۔ یہ آہ گرم اور یہ آگ وغیرہ سبھی علامتیں اور استعارے ہیں جوش و جذبہ اور سوز و تپش کے' جن کی بدولت انسانی ممکنات عمل پذیر ہوتے ہیں۔

۸۵۔ میرے قلم نے بلند افکار کی ہمت سے اس کائنات کے راز فاش کر دیے۔ یعنی علامہ کے بلند افکار نے اس کائنات کے بھید ظاہر کیے ہیں' وہ بھید کیا ہیں' یہی کہ زندگی کیا ہے اور اس کے ممکنات کیا ہیں اور کس طرح ان ممکنات کو بروئے کار لا کر اس دنیا میں زبردست انقلاب برپا کیے جا سکتے ہیں۔

۸۶۔ (اور یہ سب اس خاطر کیا کہ) قطرہ' سمندر کا ہم پلہ ہو جائے اور ذرہ بڑھنے پھولنے کی کیفیت کی بنا پر صحرا بن جائے۔ مطلب یہ کہ کمزور ترین فرد یا ملت بھی اپنے ممکنات سے کام لے کر عظمت کی بلندیوں کو چھو لے۔

۸۷۔ شاعری زیں مثنوی مقصود نیست — بت پرستی' بتگری مقصود نیست
۸۸۔ ہندیم' از پارسی بیگانہ ام — ماہِ نو باشم' تہی پیمانہ ام
۸۹۔ حسنِ انداز بیاں از من مجو — خوانسار و اصفہان از من مجو
۹۰۔ گرچہ ہندی در عذوبت شکر است — طرز گفتار دری شیریں تر است
۹۱۔ فکر من از جلوہ اش مسحور گشت — خامۂ من شاخِ نخلِ طور گشت
۹۲۔ پارسی از رفعتِ اندیشہ ام — در خورد با فطرتِ اندیشہ ام
۹۳۔ خردہ بر مینا مگیر اے ہوشمند — دل بذوقِ خردۂ مینا بہ بند

۸۷۔ میں نے جو یہ مثنوی (اسرار خودی) لکھی ہے تو اس سے میرا مقصد کسی قسم کی شاعری کا اظہار نہیں اور نہ الفاظ کی تراش خراش اور فنی چابک دستی دکھانا میرا مقصد ہے۔

۸۸۔ میں ہند کا باشندہ اور فارسی زبان سے ناآشنا ہوں' میں نیا چاند ہوں اور خالی پیمانہ ہوں۔ فارسی زبان سے ناآشنائی اس تمثیل کی صورت میں بیان کی ہے۔ جس طرح ہلال الٹے پیمانے کی طرح ہوتا ہے اسی طرح' اس ضمن میں' علامہ بھی خالی پیمانہ ہیں۔

۸۹۔ مجھ سے تو (قاری' مخاطب) شاعرانہ انداز کی خوبیوں کی توقع مت رکھ (یا میری شاعری میں) انداز بیان کا حسن مت تلاش کر۔ میرے کلام میں خوانسار اور اصفہان کے (بڑے بڑے شعرا کی سی فنی خوبیاں) مت ڈھونڈ۔ ظاہر ہے علامہ کا مقصد محض شعر و شاعری کرنا نہیں ہے بلکہ ایک خاص پیغام ملت تک پہنچانا ہے۔ خوانسار و

اصفہان علامت کے طور پر ہیں' مراد فارسی کے تمام بڑے بڑے شعرا ہیں۔

۹۰۔ اگرچہ اردو زبان اپنی شیرینی کے لحاظ سے شکر جیسی ہے لیکن فارسی زبان اس سے کہیں زیادہ چاشنی والی اور شیریں / میٹھی ہے۔

۹۱۔ میری فکر اس زبان (فارسی) کے جلوے سے مسحور ہو گئی۔ اس کی بدولت میرا قلم طور کے نخل کی شاخ بن گیا۔ مراد یہ کہ ان کے افکار اس زبان میں بیان ہو کر رفعت و عظمت پا گئے۔

۹۲۔ فارسی زبان میری بلند فکری کی بنا پر میرے تخیل کی سرشت کے لیے موزون و مناسب ہے۔ یعنی جو باعظمت پیغام وہ دینا چاہتے ہیں اسے فارسی زبان ہی میں صحیح طور پر ادا کیا جا سکتا ہے۔

۹۳۔ اے صاحبِ عقل و دانش تو صراحی پر عیب نہ لگا' یعنی میری شاعری کی فنی خامیوں' کوتاہیوں کو نہ دیکھ' تو صراحی میں موجود شراب کے ذوق سے دل بستگی پیدا کر۔ مراد یہ کہ میری شاعری کی جو اصل روح یعنی پیغام ہے' اس پر توجہ کر۔

در بیان این کہ اصل نظام عالم از خودی است و تسلسل حیاتِ تعیناتِ وجود بر استحکام خودی انحصار دارد۔

(اس بیان میں کہ نظام کائنات کی اصل / بنیاد خودی سے ہے اور وجود کے تعینات [وہ لوازم جو ہستی / وجود سے مختص ہیں] کی زندگی کے تسلسل کا انحصار خودی کے استحکام پر ہے)

۱۔ پیکرِ ہستی ز آثارِ خودی است — ہر چہ می بینی ز اسرارِ خودی است
۲۔ خویشتن را چون خودی بیدار کرد — آشکارا عالمِ پندار کرد
۳۔ صد جہاں پوشیدہ اندر ذاتِ او — غیرِ او پیداست از اثباتِ او
۴۔ در جہاں تخمِ خصومت کاشت است — خویشتن را غیرِ خود پنداشت است
۵۔ سازد از خود پیکرِ اغیار را — تا فزاید لذتِ پیکار را

۱۔ عالم موجودات خودی کے آثار میں سے ہے۔ تو جو کچھ یہاں دیکھ رہا ہے اس کا تعلق خودی کے اسرار / حقیقتوں سے ہے۔ یہاں خودی کا لفظ اپنے روایتی معنوں..... تکبر'

غرور/ نخوت..... میں استعمال نہیں ہوا۔ اس سے علامہ کی مراد ذاتِ انسانی کی بے پناہ قوت و استعداد اور ذاتِ مطلق اور کائنات سے اس کا رشتہ/ تعلق ہے۔ اس شعر میں خودی کا مطلب خودیِ مطلق یا ذاتِ خداوندی کی انا ہے۔ گویا خدا نے اپنی اس خودی کے اثبات کی خاطر اور اس کے استحکام کے لیے یہ ساری کائنات' یا دوسرے لفظوں میں اپنے غیر یا ماسوا کو تخلیق/ پیدا کیا۔

۲-۳: جب خودی نے اپنے آپ/ خود کو بیدار کیا تو اس نے عالم کبریائی کو آشکار کر دیا۔ اس کی ذات میں سیکڑوں عالم چھپے ہوئے ہیں۔ اس کے اِثبات ہی سے اس کا ماسوا ظاہر ہے۔ یعنی اس ذاتِ اقدس کی خودیِ مطلق نے اپنے اظہار کی خاطر یہ کائنات پیدا کی اور اس کائنات کی تخلیق ہی کی بدولت اس کی کبریائی آشکار ہوئی۔ جہاں خدا کی خودیِ مطلق نے یہ کائنات پیدا کی ہے وہاں وہ مزید عالم پیدا کرنے پر قادر ہے جو اس کی ذات میں مخفی ہیں۔ یہ کائنات اس کا غیر ہے اور اسی غیر یا ماسوا سے اس کی ذاتِ مطلق کے وجود کا پتا چلتا ہے۔

۴-۵: اس (ذاتِ اقدس) نے اس کائنات میں دشمنی کا بیج بو رکھا ہے اور خود کو اپنا ماسوا سمجھا/ جانا ہوا ہے۔ وہ اپنی طرف سے یا اپنی ذات سے غیروں کے وجود تیار کرتی ہے تاکہ پیکار کی لذت میں اضافہ کرے۔ گویا اپنا اظہار' خودی کی فطرت ہے اور وہ تخلیق کے لیے بیقرار رہتی ہے۔ اپنے وجود کے اثبات کے لیے وہ نت نئے پیکر ڈھالتی ہے اور چونکہ یہ پیکر اس کے ماسوا ہیں اس لیے وہ گویا اس کے دشمن ہیں اور وہ ان سے ٹکرا کر اپنی قوت کے اظہار کا اہتمام کرتی ہے۔ اپنی ذات سے غیروں کا وجود (کائنات) تیار کرنا گویا اپنے دشمن پیدا کرنا ہیں' جن سے برسرِ پیکار رہ کر ہی انائے/ خودیِ مطلق کا اثبات بھی ہوتا ہے اور لذتِ پیکار سے اسے جلا بھی ملتی ہے۔

۶- می کشد از قوتِ بازوے خویش   تا شود آگاہ از نیروے خویش
۷- خود فریبی ہاے او عینِ حیات   ہم چو گل از خوں وضو عینِ حیات
۸- بہرِ یک گل خونِ صد گلشن کند   از پے یک نغمہ صد شیون کند
۹- یک فلک را صد ہلال آوردہ است   بہرِ حرفے صد مقال آوردہ است
۱۰- عذرِ ایں اسراف و ایں سنگیں دلی   خلق و تکمیلِ جمالِ معنوی

۶- وہ (خودیِ مطلق) اپنے بازو کی قوت سے مار ڈالتی ہے تاکہ وہ اپنی طاقت سے آگاہ

ہو۔ مطلب یہ کہ قوت' خودی کا جوہر ہے' جس کے اظہار اور جس سے آگاہی کے لیے وہ اگر ایک پیکر مٹا ڈالتی ہے تو اس کی جگہ نیا پیکر تخلیق کرتی ہے۔ گویا نظامِ حیات کا سارا دارومدار اسی قوت خودی پر ہے۔ یوں زندگی کی عظمت اور ارتقا قوت ہی کی مرہون منت ہے۔

۷۔ اس کی خود فریبیاں سراسر زندگی ہیں۔ گلاب کی طرح خون سے وضو کرنا سراسر زندگی ہے۔ یعنی خودی مطلق یا خالق نے اپنے اظہار و اثبات کے لیے اپنے غیر کو پیدا کیا ہے تو یہ دراصل اس کی خود فریبی ہے' کیونکہ اس خودی نے اپنے ممکناتِ وجود کو ظہور میں لانے کی خاطر جس غیر کی تخلیق کی وہ ایک لحاظ سے غیر تو ہے لیکن درحقیقت وہ (غیر) خودی مطلق ہی کا مظہر ہے۔ گلاب سرخ رنگ کا پھول ہے جس کی بنا پر خون سے مشابہت ہے۔ گویا تخلیقی ارتقا کے لحاظ سے' اس سے پیشتر کہ گلاب کا ایک پھول وجود میں آئے' زندگی کے طویل ارتقا میں لاتعداد قسموں کے پھول معرض وجود میں آ کر نابود ہو گئے ہوں گے اور صحیح معنوں میں یہی زندگی ہے۔

۸۔ ایک پھول کی خاطر وہ بیشمار گلشن اجاڑ دیتی ہے اور ایک نغمے کی خاطر سیکڑوں ماتم کرتی ہے۔ مطلب یہ کہ اس کی خلاقی مسلسل ارتقا کی طرف مائل رہتی ہے۔ پہلے سے وجود میں آئی ہوئی اشیا یا ہستیوں کو مٹانا اور نئی شے یا ہستی کو وجود عطا کرنا گویا اس ذات مطلق کی خودی کو اپنی تکمیل کرنا مقصود ہے۔

۹۔ ایک آسمان پر وہ (خدا کی خودی مطلق) سیکڑوں ہلال لائی ہے (طلوع یا پیدا کیے ہیں)۔ ایک حرف کی خاطر اس نے سیکڑوں باتیں تخلیق کی ہیں۔ وہی بات جو شعر ۸ میں ہے اب دوسرے استعارے میں۔ مطلب یہی ہے کہ وہ (خودی مطلق) مسلسل تخلیق میں مصروف رہتی ہے۔

۱۰۔ اس فضول خرچی اور سنگدلی کا سبب دراصل تخلیقِ کائنات اور جمال حقیقی کی تکمیل ہے۔ ایک شے کو مٹا کر دوسری تخلیق کرنا گویا اسراف اور سنگدلی ہے۔ یہ کہہ کر علامہ نے اس کا یوں دفاع کیا ہے کہ یہ جو توڑ پھوڑ اور تعمیر کا عمل جاری ہے تو یہ سب درحقیقت جمال حقیقی کی تکمیل اور عمل تخلیق کو مسلسل جاری رکھنے کی خاطر ہے۔

۱۱۔ حسنِ شیریں' عذرِ دردِ کوہکن — نافہ' عذرِ صد آہوے ختن

۱۲۔ سوزِ پیہم قسمتِ پروانہ ہا — شمع عذرِ محنتِ پروانہ ہا

۱۳۔ خامۂ او نقشِ صد امروز بست — تا بیارد صبح فردائے بدست
۱۴۔ شعلہ ہائے او صد ابراہیمؑ سوخت — تا چراغ یک محمدؐ بر فروخت
۱۵۔ می شود از بہرِ اغراضِ عمل — عامل و معمول و اسباب و علل
۱۶۔ خیزدُ انگیزدُ پردُ تابدُ رمد — سوزدُ افروزدُ کشدُ میردُ دمد

۱۱-۱۲: شیریں کا حسن و جمال' فرہاد کے درد کا بہانہ ہے تو ایک نافہ سیکڑوں ہرنوں کی ہلاکت کا سبب ہے' مسلسل جلتے رہنا پروانے کا مقدر ٹھہرا اور شمع پروانوں کے دُکھ درد کا باعث بنی۔ ان دو شعروں میں درد و کرب اور جور و ستم اور توڑ پھوڑ وغیرہ کو' جو دراصل جمال حقیقی کی تکمیل اور عمل تخلیق کو مسلسل جاری رکھنے کی خاطر ہے' شیریں اور فرہاد' ختن کے ہرنوں کے نافہ' نیز شمع اور پروانے کی مثالوں سے واضح کیا ہے۔

۱۳۔ اس کے قلم / برش نے سیکڑوں امروزوں کی تصویریں بنائیں تا کہ آنے والے کل کی صبح کو حاصل کرلے۔ بیشمار "آج" وجود میں آتے اور ختم ہوتے / مٹتے چلے گئے اور یہ محض اس خاطر تھا کہ آنے والا کل وجود میں آئے۔ وہی تکمیل و تخلیق والی بات۔

۱۴۔ اس (خودی مطلق) نے سیکڑوں ابراہیم آگ میں جھونک دیئے' تب کہیں ایک محمدؐ کا چراغ روشن کیا۔ وہی مضمون مختلف مثالوں اور تلمیحات سے واضح کیا جارہا ہے۔ (حضورؐ پر دین کی تکمیل ہوئی)۔

۱۵۔ وہ عمل کے مقاصد کی خاطر کبھی عامل بن جاتی ہے اور کبھی معمول' اور کبھی وہ وجوہات اور علتیں بن جاتی ہے۔ گویا ہستی مطلق کی ماہیت خودی ہے' ماسوا یا غیر (یہ کائنات) اس کے اظہار ذات کے لیے ضروری ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہر شے میں اسی کی جھلک اور اسی کا پرتو ہے۔ صوفیا کے نظریۂ وحدت الوجود کو علامہ نے اپنے انداز میں بیان کیا ہے۔ ایک صوفی شاعر کہتے ہیں:

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گلِ کوزہ — خود بر سرِ آں کوزہ خریدار برآمد
بشکست و رواں شد

۱۶۔ وہ (خودی مطلق) اُٹھتی ہے' اُچھلتی ہے' اڑتی ہے' چمکتی ہے' چھلانگیں لگاتے ہوئے دوڑتی ہے' جلتی ہے' روشن کرتی ہے' مار ڈالتی ہے' مرجاتی ہے اور پھوٹتی / اُگتی ہے۔ اس میں خودی مطلق کی' اپنے اظہار کی خاطر' مختلف کیفیتوں یا اعمال کی عکاسی ہے۔

۱۷۔ وُسعتِ ایام جولاں گاہِ او — آسماں موجِ زگردِ راہِ او

۱۸- گل بجیب آفاق' از گلکاریش | شب ز خوابش' روز از بیداریش
۱۹- شعلۂ خود در شرر تقسیم کرد | جز پرستی عقل را تعلیم کرد
۲۰- خود شکن گردید و اجزا آفرید | اندکے آشفت و صحرا آفرید
۲۱- باز از آشفتگی بیزار شد | وزبہم پیوستگی کہسار شد
۲۲- وانمودن خویش را خوے خودی است | خفتہ در ہر ذرہ نیروے خودی است
۲۳- قوتِ خاموش و بیتاب عمل | از عمل پابندِ اسبابِ عمل

۱۷- ساری کائنات کا پھیلاؤ اس (خودی مطلق) کی دوڑ کا میدان ہے جبکہ آسمان اس کے راستے کی گرد کی ایک لہر ہے۔ مراد یہ ہے کہ اس کائنات کی تمام تر وسعت اور ناپیدا کناری اُس ذات کے اعمال وافعال کی بے پایاں وسعت کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی اور یہ زمین وآسمان/زمان ومکاں بھی اس خودی کے اظہارِ قوت کی جولاں گاہ بن گئے ہیں۔ گویا یہ سب کچھ اسی ذات/خودی مطلق کے مظاہر ہیں۔

۱۸- کائنات نے اس کی گلکاری کے باعث اپنے دامن میں پھول سمیٹ رکھے ہیں' رات دراصل اس کی نیند کا اور دن اس کی بیداری کا نام ہے۔ یعنی وہ ذات کائنات کی ہر ہر شے میں مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہے۔ اور یہ تمام اعمال وہ اپنے اظہار کی خاطر بروے کار لاتی رہتی ہے۔ ایک صوفی کے بقول: ''ہر جا ہمین ظہور''۔

۱۹-۲۱: اس (ذات ایزدی/خودی مطلق) نے اپنا شعلۂ چنگاریوں میں بانٹ دیا' اس طرح عقل کو صرف جز پر ہی توجہ رکھنے کی تعلیم کی۔ اس نے اپنی ذات کو توڑ کر حصے/اجزا پیدا کر دیے۔ کچھ دیر کے لیے وہ بکھری تو صحرا کی صورت پیدا کر دی۔ پھر وہ اپنی اس بکھری اور منتشر حالت سے بیزار ہو گئی اور اپنی ذات میں سمٹ کر پہاڑ کی صورت اختیار کر گئی۔ تینوں شعروں میں مختلف عناصر اور مظاہر فطرت کے حوالے سے بات ہوئی ہے۔ یعنی کائنات کی ہر ہر شے اور ہر ہر عنصر میں وہی ذات کسی نہ کسی صورت میں جلوہ گر ہے۔ عقل چونکہ کل کی حقیقت سمجھنے سے قاصر ہے' یہ کام اس کے بس کا نہیں (یہ حقیقت وجدان ہی کے ذریعے معلوم ہو سکتی ہے) اس لیے جزئیات کا مشاہدہ اس کے ذمے کر دیا۔

۲۲- اپنے آپ کو ظاہر اور نمایاں کرنا خودی کی فطرت ہے۔ ہر ہر ذرّے میں خودی کی قوت سوئی پڑی ہے۔ ایک حدیث قدسی میں ہے کہ ''میں ایک مخفی خزانہ تھا' میں نے چاہا کہ میں

ظاہر ہو جاؤں اور پہچانا جاؤں' اس لیے میں نے خلقت/کائنات کو پیدا کیا۔'' اس شعر میں گویا اس حدیثِ قدسی کی طرف اشارہ ہے۔ خودی کا خود کو ظاہر کرنا یہ ہے کہ وہ کائنات کے ذرّے ذرّے میں اپنا اظہار کر رہی ہے تا کہ اس کی شناخت/پہچان ہو سکے۔

۲۳۔ (خودی ایک) خاموش قوت ہے اور کچھ نہ کچھ کرتے رہنے کے لیے وہ بے قرار رہتی ہے۔ وہ عمل کے سبب عمل کے لیے وجوہات کی پابند ہے۔ مراد یہ کہ وہ خاموشی سے برسرِ عمل رہتی ہے۔ قرآنی تلمیح کے مطابق ''کل یوم ھو فی شان'' (وہ ذات ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتی ہے۔ سورۃ الرحمٰن' آیہ ۲۹)۔ پہلے مصرعے کو اس آیت کا ترجمہ کہا جا سکتا ہے'' بیقرار رہنا'' اس میں اضافہ ہے۔ اسباب کا پابند ہونے سے مراد ہے کہ خودی مطلق ہر وقت مصروف عمل ہے اور اس مقصد کے لیے اس نے خود کو اسباب کا پابند بنا لیا ہے تا کہ یہ اصول نہ ٹوٹے کہ دنیا کا ہر کام کسی نہ کسی سبب کے تحت ہوتا ہے! اگرچہ ان اسباب کی پیدا کرنے والی بھی وہی ذات/خودی مطلق ہے۔

۲۴۔ چوں حیاتِ عالم از زورِ خودی است | پس بقدرِ استواری زندگی است
۲۵۔ قطرہ چوں حرفِ خودی از بر کند | ہستیِ بے مایہ را گوہر کند
۲۶۔ بادہ از ضعفِ خودی بے پیکر است | پیکرش منت پذیرِ ساغر است
۲۷۔ گرچہ پیکر می پذیرد جامِ مے | گردش از ما دام گیرد جامِ مے
۲۸۔ کوہ چون از خود رود صحرا شود | شکوہ سنج جوششِ دریا شود

۲۴۔ چونکہ کائنات کے وجود کے برقرار رہنے کا انحصار خودی کی قوت پر ہے' اس لیے خودی جس قدر مضبوط و قوی ہو گی اسی قدر زندگی کو استحکام حاصل ہو گا۔ پہلے خودی مطلق کی بات تھی اب کائنات کے حوالے سے خودی کی بات ہو گی۔ علامہ کے مطابق خودی کا مطلب ہے اپنی ذات' اپنی شخصیت اور اس کو سمجھنے کی صورت حال یا علامہ ہی کے بقول'' احساسِ نفس اور یقینِ ذات''۔ جس قدر کسی کو اپنی مخفی قوتوں اور صلاحیتوں کا احساس و یقین ہوتا چلا جائے گا' اسی قدر وہ اپنی بقا کا سامان کرتا چلا جائے گا اور اس کی خودی میں مطلق کا رنگ جھلکنے لگے گا۔ ان شعروں میں علامہ نے مختلف مثالوں سے اپنی بات واضح کی ہے۔ یہ مثالیں محض مثالیں ہیں اور کچھ نہیں۔

۲۵۔ جب قطرہ ''خودی'' کا لفظ یاد کر لیتا ہے (اس میں خودی پیدا ہو جاتی ہے) تو وہ اپنی بے وقعت ہستی کو گوہر کی صورت دے دیتا ہے۔ ابرِ نیساں کی بارش کا قطرہ سیپی میں

جائے تو موتی بن جاتا ہے۔

۲۶۔ شراب اپنی خودی کی کمزوری کے سبب قالب / ڈھانچے سے عاری ہے۔ اس کا ڈھانچا جام کا احسان مند ہے۔

۲۷۔ اگرچہ شراب کا پیالہ قالب قبول کرتا ہے (اس کا ڈھانچا ہے) لیکن وہ اپنی گردش ہم سے ادھار لیتا ہے۔ جام کو انسان گردش میں لاتا ہے' گویا اس معاملے میں اس کی خودی کمزور ہے۔

۲۸۔ جب پہاڑ اپنی ذات یا خودی سے غافل ہو جاتا ہے تو وہ بکھر کر صحرا کی صورت اختیار کر جاتا اور سمندر کے طوفان کی شکایت کرنے لگتا ہے۔

۲۹۔	موج تا موج است در آغوش بحر	می کند خود را سوار دوش بحر
۳۰۔	حلقہ ے زد نور تا گردید چشم	از تلاش جلوہ ہا جنبید چشم
۳۱۔	سبزہ چوں تابِ دمید از خویش یافت	ہمتِ او سینۂ گلشن شگافت
۳۲۔	شمع ہم خود را بخود زنجیر کرد	خویش را از ذرہ ہا تعمیر کرد
۳۳۔	خود گدازی پیشہ کرد از خود رمید	ہم چو اشک آخرز چشم خود چکید
۳۴۔	گر بفطرت پختہ تر بودے نگیں	از جراحت ہا بیاسودے نگیں
۳۵۔	می شود سرمایہ دار نامِ غیر	دوشِ او مجروح بار نام غیر

۲۹۔ موج جب تک آغوشِ بحر میں موج کی صورت ہے (یعنی اپنی خودی سے باخبر ہے) وہ اپنے آپ کو سمندر کے کندھوں پر سوار رکھتی ہے یعنی اس کی سطح پر رواں رہتی ہے۔ یہ جتنی مثالیں آئی یا آ رہی ہیں سب میں صنعت تجسیم (Personification) ہے۔ علامہ نے انھیں انسان قرار دے کر ان کے قدرتی عمل کو خودی کی مضبوطی یا خودی کی کمزوری کا نتیجہ واضح کیا ہے۔

۳۰۔ نور / روشنی نے ایک دائرہ بنایا (خود کو مجتمع کیا) اور یوں آنکھ کی صورت اختیار کر گیا / گئی۔ جلووں کی تلاش سے آنکھ حرکت میں آ گئی۔ یعنی چونکہ اس نے خود کو جلووں کی تلاش میں مصروف رکھا' لہٰذا اس عمل سے وہ بصارت کی دولت سے بہرہ ور ہوئی۔

۳۱۔ سبزے نے جب اپنی ذات میں پھوٹنے کی طاقت پائی تو اس کی ہمت نے گلشن کا سینہ چاک کر ڈالا۔ ظاہر ہے سبزہ زمین کے اندر سے پھوٹتا ہے۔ (یہ اس کی خودی کا استحکام ہے کہ وہ گلشن کا سینہ پھاڑ کر باہر آتا ہے۔)

۳۲-۳۳: شمع نے خود کو آپ ہی زنجیر میں جکڑ لیا (اپنے دھاگے پر خود کو لپیٹ لیا)' اس نے اپنا وجود ذرّوں سے بنایا۔ اس نے اپنے آپ کو پگھلانے کا شغل اختیار کر کے اپنی ہستی کھودی اور آخر آنسوؤں کی شکل میں اپنی آنکھ سے ٹپک گئی۔ یہ خودی کے ضعف کی مثال ہے۔ موم بتی کی ساخت کے آغاز سے لے کر اس کے ختم ہونے/ پگھل جانے تک کی مختلف حالتوں کی عکاسی کی گئی ہے۔

۳۴-۳۵: اگر نگین اپنی سرشت/فطرت میں زیادہ پختہ اور مضبوط ہوتا تو وہ رگڑائی اور چھلائی کے زخموں سے محفوظ رہتا۔ وہ دوسروں کے نام کا سرمایہ دار تو بن جاتا ہے (اس پر نام کندہ کیا جاتا ہے) لیکن غیر کے نام کے بوجھ سے اس کا کندھا زخمی ہو جاتا/چھل جاتا ہے (ضعف خودی کی مثال)۔

۳۶- چوں زمین بر ہستیِ خود محکم است   ماہ پابندِ طوافِ پیہم است

۳۷- ہستیِ مہر از زمین محکم تراست   پس زمیں مسحورِ چشمِ خاور است

۳۸- جنبش از مژگاں برد شانِ چنار   مایہ دار از سطوتِ او کوہسار

۳۹- تار و پودِ کسوتِ او آتش است   اصلِ او یک دانہ گردن کش است

۴۰- چوں خودی آرد بہم نیروے زیست   می کشاید قلزمے از جوے زیست

۳۶- چونکہ زمین اپنی ہستی/خودی پر ڈٹی ہوئی ہے، اس لیے چاند اس کے گرد مسلسل چکر لگانے کا پابند ہے۔ (خودی کی مضبوطی) سائنس کی رو سے چاند زمین کے گرد چکر کاٹتا ہے۔

۳۷- (جبکہ) سورج کی خودی زمین کی خودی سے زیادہ قوی و مضبوط ہے، لہٰذا زمین، مشرق کی آنکھ یعنی سورج کی گرویدہ ہے۔ یہ بھی سائنسی نکتہ ہے۔ زمین، سورج کے گرد چکر کاٹتی ہے۔

۳۸-۳۹: چنار کے درخت کی دل کشی، پلکیں جھپکنے کی فرصت نہیں دیتی (یعنی جی چاہتا ہے ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھتے ہی رہیں)۔ کوہسار اس درخت کی شان و شوکت سے مالا مال ہے۔ اس (چنار) کے لباس کا تانا بانا آگ سے ہے جبکہ اس کی اصل ایک گردن کش بیج ہے۔ بیج کا زمین سے اگ کر درخت بننا خودی کی مضبوطی کی علامت ہے۔

۴۰- جب خودی زندگی کی قوت مجتمع کر لیتی ہے تو وہ زندگی کی ندی سے ایک سمندر جاری کر دیتی ہے یعنی خودی مضبوط ہونے پر انسان بڑے بڑے اور مشکل ترین کام انجام دینے لگتا ہے۔

در بیانِ ایں کہ حیاتِ خودی از تخلیق و تولید مقاصد است

(اس موضوع کے بارے میں کہ خودی کا برقرار رہنا مقاصد پیدا کرتے رہنے سے ہے)

۱۔ زندگانی را بقا از مدعاست   کاروانش را درا از مدعاست
۲۔ زندگی در جستجو پوشیدہ است   اصل او در آرزو پوشیدہ است
۳۔ آرزو را در دل خود زندہ دار   تا نگردد مشت خاک تو مزار
۴۔ آرزو جانِ جہانِ رنگ و بوست   فطرتِ ہر شے امین آرزوست

۱۔ زندگی کو دوام مدعا/آرزو سے ہے۔ اس (زندگی) کے قافلے کو رواں دواں رکھنے والی گھنٹی بھی آرزو ہی سے وجود پذیر ہوتی ہے۔ جب کسی قوم/فرد کے سامنے کوئی عظیم مقصد ہوگا تو وہ اس کے حصول کے لیے جہد و عمل سے کام لے گی/لے گا اور یوں اپنی عظمت و سربلندی اور بقا کا سامان کرے گی/کرے گا۔

۲۔ زندگی/بقا تلاش و جستجو میں پوشیدہ ہے۔ اس کی اساس آرزو میں پوشیدہ ہے۔ حقائق کی تلاش یا اشیاء کی حقیقت جاننے کی سعی و کوشش ہی دراصل زندگی کا مقصد ہے یعنی تسخیر کائنات ہی انسان کا اولین مقصد ہے، ورنہ زندگی بیکار ہے۔

۳۔ تو (مخاطب، قاری) اپنے دل میں آرزو قائم/برقرار رکھ تاکہ بصورت دیگر، تیرا یہ جسم مزار کی صورت اختیار نہ کر جائے۔ مراد تمہاری بقا کا سامان ہی تخلیق آرزو اور اس کے حصول کے لیے جہد و عمل سے وابستہ ہے ورنہ تم چلتی پھرتی لاش کی مانند یا مٹی کے مادھو ہو گے۔

۴۔ آرزو اس کائنات رنگ و بو کی روح ہے، ہر شے کی فطرت آرزو ہی کی امین ہے۔ ارتقا زندگی یا وجود کا بنیادی مقصد ہے۔ جمود (بے عملی) زندگی کے ارتقا کی راہ میں بہت بڑا روڑا ہے۔ دنیا کی ہر شے ارتقا پذیر ہے۔

۵۔ از تمنا رقصِ دل در سینہ ہا   سینہ ہا از تاب او آئینہ ہا
۶۔ طاقت پرواز بخشد خاک را   خضر باشد موسئ ادراک را
۷۔ دل ز سوز آرزو گیرد حیات   غیر حق میرد چو او گیرد حیات
۸۔ چوں ز تخلیق تمنا باز ماند   شہپرش بشکست و از پرواز ماند
۹۔ آرزو ہنگامہ آرائے خودی   موج بیتابے ز دریائے خودی

۱۰۔ آرزو صید مقاصد را کمند دفتر افعال را شیرازہ بند

۵۔ تمنا و آرزو ہی سے دل سینوں میں دھڑکتے ہیں اور سینے اسی آرزو کی بدولت چمک کر آئینے کی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ گویا باطن کی پاکیزگی و صفا کا باعث بھی آرزو ہی ہے۔

۶۔ آرزو، خاک کو پرواز کی قوت عطا کرتی ہے اور عقل و شعور کے موسیٰ کے لیے خضر یعنی رہنما بن جاتی ہے۔ قرآنی تلمیح سے استفادہ ہے۔ سورہ الکہف، آیات ۶۰ بعد میں حضرت خضر کا نام تو نہیں آیا لیکن وہی مراد ہیں۔ ان کی اور حضرت موسیٰ کی ملاقات اور تین واقعات کی تفصیل ان آیات میں ہے۔ علامہ نے بانگِ درا کی ایک نظم ''خضرِ راہ'' کے درج ذیل شعر میں ان واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے:

''کشتیِ مسکین'' و ''جانِ پاک'' و ''دیوارِ یتیم'' علمِ موسیٰ بھی ہے تیرے سامنے حیرت فروش

مراد یہ کہ آرزو ایک ایسی زبردست قوت ہے جو عقل و شعور کی صحیح معنوں میں رہنمائی کرتی ہے۔ اس کے بغیر عقل و شعور کی حالت ایک بھٹکے ہوئے راہی کی سی ہے جسے اپنی منزل معلوم نہ ہو۔

۷۔ دل کو آرزو کی تپش ہی سے بقا ملتی ہے اور جب اسے حیات و بقا مل جاتی ہے تو پھر ماسوا مٹ جاتا ہے، یعنی ایسے دل کے نزدیک ماسوا کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ گویا دلِ زندہ سراپا آرزو ہے۔ بقول علامہ:

دلِ مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

میر درد نے دلِ زندہ کی بات کچھ اور ڈھب سے کی ہے:

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مر جائے کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

علامہ کے مطابق ایسا دل ہر طرح کے حرص و ہوس، لالچ اور باطل قوتوں کے خوف سے بے نیاز ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی تمام تر توجہ حقیقتِ مطلقہ کی طرف ہوتی ہے۔

۸۔ جب وہ (دل) آرزوؤں کی تخلیق سے رک گیا تو سمجھ لو کہ اس کا بازو پر ٹوٹ گیا اور وہ پرواز کے قابل نہ رہا۔ اس تمثیل سے مراد یہ ہے کہ انسان جب نت نئے مقاصد اور آرزوئیں تخلیق نہیں کرتا رہتا' اس کی عملی صلاحیتیں سلب ہو جاتی ہیں اور یوں اس کی زندگی کا ارتقا و بقا، فنا کی نذر ہو جاتا ہے اور اس کا وجود محض ایک چلتی پھرتی لاش بن جاتا ہے۔ علامہ اپنے قاری کو عملِ پیہم کا درس دیتے ہیں کہ اسی سے اس کی خودی اپنی

قوتوں اور صلاحیتوں کا اظہار کر سکتی ہے۔

۹- آرزو، خودی کے ہنگامے کو زینت/ آراستگی عطا کرنے والی اور خودی کے سمندر کی ایک بیقرار موج ہے۔ ان سب اشعار میں علامہ نے، مختلف مثالوں سے آرزو کی شدت کی وضاحت کی ہے جو (شدت) تخلیق کا باعث بنتی ہے۔ قدرت نے اس کائنات میں جو کچھ بھی پیدا کیا ہے، وہ اس کے تخلیقی عمل کا نتیجہ ہے لیکن علامہ نے ان اشیاء کے مختلف متعلقات کے حوالے سے یہ مضمون پیدا کیا ہے کہ یہ سب کچھ آرزو ہی کی بدولت ظہور پذیر ہوا ہے۔ گویا اس کائنات کی تمام رونق اور ہنگامے خودی کے مرہونِ منت ہیں اور وہ ان ہنگاموں/ رونقوں کی روح و رواں ہے۔

۱۰- آرزو، مقاصد کے شکار کو پھانسنے والی کمند ہے۔ وہ کاموں اور کارناموں کی کتاب کی جز بندی کرنے والی ہے۔ وہی بات یعنی اسی آرزو کی بدولت انسان بڑے بڑے کارنامے انجام دیتا اور یوں اپنی بقا کا سامان کرتا ہے۔

۱۱- زندہ را نفیِ تمنا مردہ کرد   شعلہ را نقصانِ سوز افسردہ کرد
۱۲- چیست اصلِ دیدۂ بیدارِ ما؟   بست صورت لذتِ دیدارِ ما
۱۳- کبک، پا از شوخیِ رفتار یافت   بلبل از سعیِ نوا منقار یافت
۱۴- نے بروں از نیستاں آباد شد   نغمہ از زندانِ او آزاد شد
۱۵- عقلِ ندرت کوش و گردوں تاز چیست   ہیچ می دانی کہ ایں اعجاز چیست؟

۱۱- جب کوئی زندہ انسان آرزو سے خالی ہو جاتا ہے تو وہ گویا مردہ بن جاتا ہے۔ اس کی مثال اس شعلے کی سی ہے جس میں جب جلنے کی کیفیت و حرارت کم ہو جائے تو وہ بجھ جاتا ہے۔

۱۲- ہماری بیدار یعنی دیکھتی آنکھوں کی حقیقت کیا ہے؟ یہی کہ ہماری دیدار کی لذت نے ان آنکھوں کی صورت اختیار کر لی۔ یہ لذت گویا ہماری دیدار کی آرزو تھی جو حلقے کی صورت اختیار کر کے آنکھ بن گئی اور اس طرح ہماری لذتِ دیدار کو تسکین میسر آئی۔

۱۳- چکور کو جو پاؤں ملے یا میسر آئے تو وہ اس کی چال کے البیلے پن کی بدولت ملے، بلبل کو جو چونچ ملی ہے تو وہ اس کے نغمے الاپنے کی سعی و کوشش کا نتیجہ ہے۔ یہ سب محض مثالیں ہیں، مطلب یہی ہے کہ سب کچھ آرزو کی تخلیق اور پھر اس کے حصول پر عمل پیہم ہی زندگی و بقا کا باعث ہے۔

۱۴۔ بانسری نے اپنے جنگل (بانسوں کے جنگل) سے باہر آ کر ہی وقعت پائی اور اس طرح اس میں محبوس نغمہ آزاد ہوا۔

۱۵۔ یہ نت نئے اور انوکھے کام کرنے کی کوشش میں مصروف اور آسمان تک پرواز کرنے والی عقل کیا ہے؟ کیا تجھے کچھ علم ہے کہ یہ کیا اعجاز ہے؟ اس میں شک نہیں کہ آج تک اس دنیا نے جو بھی ترقی کی ہے، وہ اسی عقل کے باعث ہے لیکن علامہ کے نزدیک (جیسا کہ اگلے شعر میں ہے) آرزو کے مقابلے میں عقل کی بہت کم حیثیت ہے۔

۱۶۔ زندگی سرمایہ دار از آرزو ست عقل از زائیدگانِ بطن اوست

۱۷۔ چیست نظم قوم و آئین و رسوم؟ چیست راز تازگی ہائے علوم

۱۸۔ آرزوے کو بزورِ خود شکست سر ز دل بیرون زد و صورت بہ بست

۱۹۔ دست و دندان و دماغ و چشم و گوش فکر و تخییل و شعور و یاد و ہوش

۲۰۔ زندگی مرکب چو در جنگاہ باخت بہر حفظ خویش ایں آلات ساخت

۱۶۔ زندگی، آرزو ہی کی بدولت مالا مال ہے۔ عقل اسی (آرزو) کے شکم سے پیدا ہونے والوں میں سے ہے۔ گویا آرزو کے مقابلے میں عقل کی اہمیت بہت کم ہے۔

۱۷۔ یہ کسی قوم کی تنظیم اور اس کا آئین و رسوم، یہ سب کیا ہے؟ نت نئے علوم کا وجود میں آنا کیا ہے؟ یہ سب آرزو ہی کی لذت کا نتیجہ ہیں یعنی ہر لمحے نئی نئی ایجادات وغیرہ ہی سے کسی قوم کی زندگی یا اس کے وجود کا پتا چلتا ہے اور اس سب کے پس منظر میں آرزو ہی کا ہاتھ ہوتا ہے۔ بقول علامہ:

نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں

۱۸۔ جس آرزو نے اپنی قوت سے نکلنے کی راہ پیدا کر لی، اس نے دل سے سر نکالا اور وہ صورت اختیار کر گئی، مجسم ہو گئی یعنی جب دل میں آرزو پیدا ہوئی تو اس کے حصول کے لیے جہد و عمل سے اس کی مطلوبہ صورت سامنے آ گئی۔

۱۹۔۲۰: یہ ہاتھ اور دانت اور دماغ اور آنکھ اور کان، یہ فکر و تخیل اور شعور اور حافظہ اور عقل و دانش، یہ سب کیا ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ جب زندگی نے میدان جنگ (عمل) میں گھوڑا دوڑایا تو اپنی حفاظت کے لیے اس نے یہ سب ہتھیار تیار کر لیے۔

۲۱۔ آگہی از علم و فن مقصود نیست غنچہ و گل از چمن مقصود نیست

۲۲۔ علم از سامانِ حفظ زندگی است علم از اسباب تقویم خودی است

۲۳۔ علم و فن از پیش خیزان حیات　　علم و فن از خانہ زادانِ حیات

۲۱۔ ۲۳: علم و فن سے مقصد کسی قسم کی آگاہی و واقفیت حاصل کرنا نہیں ہے اور نہ چمن کو وجود میں لانے کا مقصد پھول اور غنچے حاصل کرنا ہے۔ علم تو زندگی کی حفاظت کے اسباب میں سے ہے اور یہ (علم) تو خودی کو صحیح ڈگر پر چلانے کا ایک ذریعہ ہے۔ علم اور فن تو زندگی کے پھرتیلے خادموں میں سے ہیں، یہ تو زندگی کے غلاموں میں سے ہیں (ان تینوں شعروں میں علم و فن کے حوالے سے بات کر کے علامہ نے اپنے افکار کا رخ خودی کی طرف موڑ دیا ہے جس کے بارے میں وہ آگے چل کر وضاحت کریں گے)۔ علامہ نے ایک جگہ نثر میں بھی اسی قسم کا اظہار خیال کیا ہے۔ ان کے بقول ''اعلیٰ مقاصد کی تکمیل یا پیروی کے لیے جمالیات کے کسی فن کو لو گے تو وہ اپنے بہترین مدارج طے کرے گا اور اپنی قوم و ملت میں ایک نئی روح پھونک دے گا لیکن وہی فن جب اپنے مقاصد سے بچھڑ جائے گا تو قوم و ملت کے حق میں زہر قاتل بنے گا۔''

۲۴۔ اے ز رازِ زندگی بیگانہ، خیز　　از شرابِ مقصدے مستانہ خیز

۲۵۔ مقصدے مثلِ سحر تابندہ ے　　ماسوٰی را آتشِ سوزندہ ے

۲۶۔ مقصدے از آسماں بالاترے　　دل ربائے، دل ستانے، دل برے

۲۷۔ باطلِ دیرینہ را غارت گرے　　فتنہ در جیبے، سراپا محشرے

۲۸۔ ما ز تخلیقِ مقاصد زندہ ایم　　از شعاعِ آرزو تابندہ ایم

۲۴۔ اے (مخاطب، قاری) تو جو زندگی کی حقیقت سے ناآشنا ہے، بیدار ہو جا۔ مقصد کی شراب پی کر مستی کے عالم میں اٹھ کھڑا ہو۔ یعنی ایک عظیم مقصد تخلیق کر اور پھر اس کے حصول کے لیے خاص جوش و ولولہ کے ساتھ عمل کی راہ پر گامزن ہو جا۔

۲۵۔ وہ مقصد ایسا ہو جو صبح کی مانند بہت ہی روشن ہو اور جو غیر اللہ / ماسوا اللہ کو جلا کر راکھ کر دینے والا ہو یعنی اس مقصد کا تعلق دنیاوی اور مادی فوائد سے نہ ہو کہ یہ فنا پذیر ہیں بلکہ ایسا ہو جو رضائے ایزدی کے حصول کے لیے ہو اور جس سے باطل قوتوں کو مٹانے کا کام لیا جائے۔

۲۶۔ وہ ایسا مقصد ہو جو بلندی کے لحاظ سے (اور اعلیٰ و ارفع ہونے کے باعث) آسمان سے بھی زیادہ بلند ہو، جو بہت ہی دل لبھانے والا، بہت ہی دل پذیر اور بہت ہی دل کش ہو۔

۲۷- وہ مقصد قدیم باطل اور فضول امور اور بے عملی کو مٹا دینے والا ہو جس کے گریبان میں زبردست انقلاب اور جو ایک عظیم قیامت کی صورت ہو۔

۲۸- نت نئے مقاصد پیدا کرتے رہنے ہی میں ہماری زندگی ہے۔ ہماری چمک دمک آرزو ہی کی شعاع کے طفیل ہے۔ اس تخلیق مقاصد اور ان کے حصول کے لیے جہد و عمل ہی سے کسی قوم کی بقا کا سامان ممکن ہے۔

در بیانِ این کہ خودی از عشق و محبت استحکام می پذیرد

(اس موضوع کے بارے میں کہ خودی، عشق و محبت سے مستحکم ہوتی ہے)

۱- نقطۂ نورے کہ نام او خودی است　　زیرِ خاک ماشرار زندگی است

۲- از محبت می شود پایندہ تر　　زندہ تر، سوزندہ تر، تابندہ تر

۳- از محبت اشتعالِ جوہرش　　ارتقائے ممکناتِ مضمرش

۴- فطرتِ او آتش اندوزد ز عشق　　عالم افروزی بیاموزد ز عشق

۱- نور کا وہ نقطہ، جس کا نام خودی ہے، ہمارے باطن میں زندگی کی چنگاری ہے یعنی خودی کی بدولت انسان کی زندگی روشن تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ جب وہ (انسان) اپنی خودی یعنی اپنی ذات کی حقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے تو اس میں ایسی قوت پیدا ہو جاتی ہے جس سے وہ بڑے بڑے کارنامے انجام دیتا اور یوں حیاتِ جاوید پا لیتا ہے۔

۲- خودی، محبت کی بدولت زیادہ دیر تک رہنے والی یعنی جاوداں، زیادہ زندہ، زیادہ جلانے والی اور زیادہ چمکنے والی بن جاتی ہے۔ مراد یہ کہ خودی، محبت و عشق کی بدولت اپنی مخفی قوتوں کو اس طور بروئے کار لاتی ہے کہ صاحب خودی باطل قوتوں سے ٹکرا کر انہیں پاش پاش کر دیتا اور اپنے لیے حیات ابدی کا سامان کرتا ہے۔ اس کی زندگی جذب وسوز کی حامل اور روشنی کا گویا مینار بن جاتی ہے جس سے دوسرے انسان ہدایت و رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

۳- محبت ہی سے اس کا جوہر شعلہ پذیر ہوتا اور اس میں پوشیدہ امکانات یعنی قوتوں کی نشوونما ہوتی ہے۔ وہی اس سے پہلے شعر والی بات ذرا بدل کر۔

۴- اس (خودی، صاحبِ خودی) کی فطرت عشق سے آتش اندوزی کا کام لیتی ہے اور عشق ہی سے دنیا کو روشن اور منور کرنے کا عمل سیکھتی ہے۔ گویا جب انسان اپنے اعلیٰ مقاصد سے وابستگی پیدا کر کے آگے بڑھتا ہے تو وہ عالم انسانیت کی خاطر ایسے کام کر جاتا ہے جس سے وہ عالم روشن ہوتا چلا جاتا ہے اور اس کی تاریکیاں چھٹنے لگتی ہیں۔

۵- عشق را از تیغ و خنجر باک نیست — اصلِ عشق از آب و باد و خاک نیست
۶- در جہاں ہم صلح و ہم پیکار عشق — آبِ حیواں، تیغ جوہر دار عشق
۷- از نگاہِ عشق خارا شق بود — عشقِ حق آخر سراپا حق بود
۸- عاشقی آموز و محبوبے طلب — چشمِ نوحے قلبِ ایوبے طلب
۹- کیمیا پیدا کن از مشتِ گلے — بوسہ زن بر آستانِ کاملے
۱۰- شمعِ خود را ہمچو رومی بر فروز — روم را در آتشِ تبریز سوز

۵- عشق تلوار اور خنجر سے نہیں ڈرتا، عشق کی بنیاد عناصر اربعہ (آب و باد و خاک و آتش) یعنی عالم مادی پر نہیں ہے۔ مادی دنیا کو فنا ہے۔ اس میں جو جنگیں وغیرہ لڑی جاتی ہیں، وہ سب مادی مفادات کی خاطر ہوتی ہیں۔ اس لیے یہ سب فساد اور بگاڑ ہے جبکہ عشق کے پیش نظر بنی نوعِ انسان کی فلاح اور ذاتِ حقیقی تک رسائی کا بلند مقصد ہوتا ہے جس کے نتیجے میں وہ حیاتِ ابدی / جاوید پا جاتا ہے۔

۶- دنیا میں عشق صلح بھی ہے اور جنگ بھی، عشق کی تیز چمکدار تلوار کا تعلق آبِ حیات سے ہے۔ صاحبِ عشق / مومن کے پیش نظر دنیاوی مقاصد نہیں ہوتے۔ وہ اگر کسی سے صلح اور امن کا خواہاں ہے تو محض رضائے حق کے حصول کی خاطر اور اگر کسی سے برسرِ پیکار ہوتا ہے تو اس میں بھی اس کا کوئی ذاتی یا دنیوی مفاد نہیں ہوتا۔ باطل قوتوں کے لیے وہ کاٹ دار تلوار ہے۔

۷- عشق کی نگاہ سے سخت پتھر بھی پھٹ جاتا ہے۔ حق کا عشق آخر کار خود حق کی مکمل صورت بن جاتا ہے یعنی عشق کی بدولت مومن ایسے کارنامے انجام دے جاتا ہے جو عام حالات / صورت میں ممکن نہیں ہوتے، اور جب بندۂ مومن حق سے وابستگی کی آخری حد تک پہنچ جاتا ہے تو حق کی ذات میں فنا ہو کر حق کی صورت اختیار کر لیتا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح پانی کا ایک قطرہ سمندر میں ڈالا جائے تو وہ سمندر

کہلائے گا۔

۸- تو عاشق بن اور کوئی محبوب تلاش کر، حضرت نوحؑ کی سی آنکھ اور حضرت ایوبؑ کا سا دل یعنی صبر طلب کر۔ مطلب یہ کہ جب تجھ (مخاطب، قاری) میں عشق پیدا ہوگا تو پھر تیری خفیہ صلاحیتیں بیدار ہونے لگیں گی، اس لیے کہ تیرے سامنے ایک مقصد ہوگا اور اس کے حصول کے لیے تو تگ و دو کرے گا۔ اگرچہ اس میں کتنے ہی مصائب و آلام کیوں نہ پیش آئیں، بقول شاعر:

راہ رو راہِ محبت کا خدا حافظ ہے اس میں دو چار بڑے سخت مقام آتے ہیں

یہی تگ و دو اور عمل پیہم زندگی کا اصل مقصد ہے۔ حضرت نوحؑ کو کفار سے سخت قسم کا سابقہ رہا۔ وہ اللہ کے حضور گڑگڑاتے اور روتے رہتے جس سے ان میں گداز دل پیدا ہوا جو عشق میں یا محبوب و مقصد تک رسائی کے لیے ایک بنیادی عنصر ہے۔ بقول علامہ:

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

حضرت ایوبؑ نے سخت سے سخت آزمائش میں بھی صبر سے کام لیا۔ گویا ان دو قرآنی تلمیحات کے حوالوں سے سراپا عمل بننے، دل میں گداز پیدا کرنے اور ہر آزمائش میں، صبر کی بدولت پورا اترنے کی تلقین کرتے ہیں کیونکہ:

نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا

۹- تو اپنی شمع کو رومی کی طرح روشن کرا جلا۔ روم کو تبریز کی آگ میں جلا ڈال۔ رومی شروع شروع میں درس و تدریس میں مصروف رہے۔ جب شمس الدین تبریزی سے ان کی ملاقات ہوئی تو اس سے ان کی زندگی میں ایک عظیم انقلاب آ گیا اور وہ عشق حق، معرفت اور جذب و سلوک کی طرف مائل ہو گئے۔ مراد یہ کہ تبریزی جیسا مرشد کامل تلاش کر جو تیری زندگی میں انقلاب لے آئے۔ رومی کے حوالے سے روم سے مراد اپنی ذات اور تبریز یعنی شمس تبریزی ہے۔

۱۱- ہست معشوقے نہاں اندر دلت چشم اگر داری بیا بنمایمت

۱۲- عاشقانِ او ز خوباں خوب تر خوشتر و زیبا تر و محبوب تر

۱۳- دل ز عشق او توانا می شود خاک ہم دوشِ ثریا می شود

۱۴- خاک نجد از فیض او چالاک شد آمد اندر وجد و بر افلاک شد

۱۱- تیرے دل کے اندر ایک معشوق چھپا ہوا ہے، اگر تجھ میں بصیرت ہے تو آ میں تجھ کو دکھاتا ہوں۔ جیسا کہ پندرھویں شعر میں واضح ہو گیا ہے، معشوق سے مراد حضور اکرمؐ کی ذات والا صفات ہے۔

۱۲- حضور اکرمؐ کے عاشق حسینوں سے بھی کہیں زیادہ حسین، عمدہ، زیبا اور محبوب ہیں۔ عام حسینوں کا حسن فانی ہے۔ بقول شاعر ع

چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات ہے

جیسے ہی ان (عام حسینوں) کا حسن ذرا ڈھلا ان کے چاہنے والے پیچھے ہٹتے چلے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس حضور اکرمؐ کی ذات گرامی سے وابستگی ایک ایسے حسن سے عشق ہے جسے کوئی زوال نہیں۔ حضور اکرمؐ سے عشق کی بنا پر عاشق ایک ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں اپنے اعمال و کردار کی بدولت وہ دوسروں کا محبوب و مطلوب بنتا چلا جاتا ہے۔ گویا یہ صالح اعمال اسے ایسا جمال عطا کر دیتے ہیں جسے زوال و فنا نہیں۔

۱۳- دل ان (حضورؐ) کے عشق سے قوی ہوتا ہے اور مرتبے میں خاک بھی ثریا کی ہم پلہ ہو جاتی ہے۔ حضورؐ سے عشق کی بدولت انسان/عاشق کی نظروں میں ہر چیز حقیر ہو کے رہ جاتی ہے اور بڑی سے بڑی طاقت بھی اس کے لیے کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ وہ باطل قوتوں سے بے خوف ہو کر ان کا مقابلہ کرتا اور انہیں مٹا دیتا ہے۔

۱۴- نجد کی سرزمین ان (حضور اکرمؐ) کے فیض سے حرکت پذیر ہو گئی۔ وہ سرزمین وجد میں آئی اور افلاک پر پہنچ گئی۔ عرب کی سرزمین جو حضور اکرمؐ سے پہلے سراسر جاہلیت میں ڈوبی ہوئی تھی اور وہاں انسانی قدروں کا نام تک نہ تھا، حضورؐ کی بعثت کے بعد آپؐ کی تعلیمات کے نتیجے میں عربوں کی زندگی میں ایک انقلاب آ گیا اور یہی سرزمین اب اسلام کا سرچشمہ بن کر بلند مرتبہ ہو گئی۔

۱۵-	در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰؐ است	آبروے ما ز نامِ مصطفیٰؐ است
۱۶-	طور موجے از غبارِ خانہ اش	کعبہ را بیت الحرم کاشانہ اش
۱۷-	کمتر از آنے ز اوقاتش، ابد	کاسبِ افزایش از ذاتش ابد
۱۸-	بوریا ممنونِ خوابِ راحتش	تاجِ کسریٰ زیرِ پاے امتش
۱۹-	در شبستانِ حرا خلوت گزید	قوم و آئین و حکومت آفرید

۲۰۔ ماند شبہا چشم او محروم نوم تا بہ تخت خسروی خوابید قوم

۱۵۔ حضور مصطفیٰؐ کا مقام مسلمان کے دل میں ہے، ہم مسلمانوں کی عزت و آبرو حضور مصطفیٰؐ کے مبارک نام کے طفیل ہے۔ مسلمانوں کے لیے خدا کے بعد سب سے زیادہ لائق تکریم و احترام حضورؐ کی ذات گرامی ہے۔ آپؐ ہی مسلمانوں کے اصل محبوب ہیں اور حضورؐ ہی سے وابستگی کی بنا پر مسلمان دونوں جہانوں میں عزت و سرخروئی حاصل کر سکتے ہیں۔

۱۶۔ کوہ طور حضورؐ کے دولت خانے کی گرد کی ایک لہر ہے اور آپؐ کا کاشانہ مبارک کعبہ کے لیے بیت الحرام کی حیثیت رکھتا ہے۔ مراد بہت ہی مقدس اور لائق احترام ہے۔

۱۷۔ ابد، حضورؐ کے اوقات کے ایک پل سے بھی کمتر ہے اور یہ (ابد) آپ کی ذات گرامی ہی سے افزائش حاصل کرنے والا ہے۔ ابد ایک نہ ختم ہونے والا وقت ہے لیکن حضورؐ کی مبارک زندگی کے لمحات کو دیکھا جائے جو زمان و مکاں پر حاوی تھے (معراج شریف کی مثال لے لیجئے) تو ابد کی ان کے آگے کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی، ہاں اگر کوئی حیثیت حاصل ہے اور اس میں اضافہ ہوا ہے تو یہ سب حضورؐ ہی کے طفیل ہے۔ (حدیث مبارک ہے کہ سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا گیا) دوسرے لفظوں میں حضورؐ کو تمام کائنات پر برتری حاصل ہے۔

۱۸۔ چٹائی حضورؐ کی راحت بھری نیند کی احسان مند ہے۔ کسریٰ کا تاج حضورؐ کی امت کے پاؤں تلے ہے۔ کائنات کی سب سے عظیم ہستی ہونے کے ناطے حضورؐ سے متعلق ہر چیز کو اس تعلق پر فخر و ناز ہوگا۔ خدائے واحد پر ایمان اور حضور سے وابستگی کی بنا پر مسلمانوں نے بڑے بڑے صاحبانِ اقتدار و قوت کو کوئی اہمیت نہیں دی اور انہیں پرکاہ کے برابر بھی نہیں سمجھا۔

۱۹۔ حضورؐ نے غارِ حرا کی خوابگاہ میں خلوت اختیار کی اور اس طرح ایک قوم، ایک عظیم آئین اور ایک عظیم حکومت کو وجود عطا کیا یعنی آپؐ اعلانِ نبوت سے پہلے اپنا بیشتر وقت عبادت و ریاضت میں گذارا کرتے۔ وہاں اپنی دعاؤں میں انسانوں کی اصلاح و فلاح ہی کو پیشِ نظر رکھا۔ تا آنکہ آپؐ خدا کی طرف سے مبعوث ہوئے۔ آپ نے جو آئین (شریعت) پیش کیا، دنیا کی کوئی قوم آج تک ایسا آئین تیار نہیں کر

سکی اور اسی پر عمل کی بدولت ملت اسلامیہ نے خود کو ایک عظیم قوم منوالیا۔

۲۰۔ حضورؐ کی مبارک آنکھیں کئی کئی راتیں نیند سے محروم رہتیں۔ تب کہیں قوم خسروی/ شاہی تخت پر آرام سے سوئی۔ گویا حضور کی مسلسل عبادت اور قوم کی عظمت کے لیے خدا کے حضور دعاؤں کے طفیل قوم اس عظمت و سربلندی تک پہنچی۔

۲۱۔ وقت ہیجا تیغ او آہن گداز ‏ دیدۂ او اشکبار اندر نماز

۲۲۔ در دعاے نصرت آمیں تیغ او ‏ قاطع نسل سلاطیں تیغ او

۲۳۔ در جہاں آئین نو آغاز کرد ‏ مسند اقوام پیشیں در نورد

۲۴۔ از کلیدِ دیں درِ دنیا کشاد ‏ ہم چو او بطن اُم گیتی نزاد

۲۵۔ در نگاہِ او یکے بالا و پست ‏ باغلام خویش بریک خواں نشست

۲۱۔ لڑائی (جہاد) کے وقت حضور اکرمؐ کی تلوار لوہے کو پگھلا دینے والی تھی، جب کہ نماز میں آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتیں۔ باطل قوتوں کے خلاف جہاد فرما کر حضور ان کا صفایا کرتے چلے جاتے۔ آپ کی تلوار کی کاٹ بڑی بھرپور ہوتی۔ طبع مبارک کی ایک کیفیت یہ تھی اور دوسری یہ کہ حضورؐ سراپا نیاز و انکسار تھے جس کا اظہار وہ نماز میں کرتے۔ آنکھوں سے آنسو رواں ہونا اس کی علامت ہے۔

۲۲۔ جب حضور اکرمؐ، خدا سے (کافروں، باطل قوتوں کے خلاف) فتح و نصرت کی دعا کرتے تو ''آمین'' کا لفظ آپ کی تلوار بن جاتا۔ حضورؐ کی تلوار بادشاہوں کی نسل کو ختم کرنے والی تھی۔ چونکہ یہ دعا حضورِ قلب سے ہوتی، اس لیے فوراً منظور ہو جاتی اور پھر حضور عملاً جہاد میں حصہ لے کر ان کی قوتوں کو ختم کرتے اور دنیاوی حاکمیت (نسل سلاطین) کو ختم کر کے یہ ثابت کرتے کہ حاکم مطلق صرف خدا کی ذات ہے۔ کسی انسان کو دوسرے انسانوں کو اپنا ماتحت/غلام بنانے کا کوئی حق و اختیار نہیں کیونکہ سبھی انسان برابر ہیں۔

۲۳۔ حضورؐ نے دنیا میں نئے آئین کی بنیاد رکھی اور گذشتہ قوموں کی مسند کو لپیٹ دیا۔ حضورؐ جو شریعت لائے، وہ اس سے پہلے کسی قوم میں نظر نہیں آتی۔ اس میں حضور کے خاتم النبیین ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے۔ یہ شریعت ایک مکمل دستور تھا/ہے جس پر عمل سے انسانی معاشرہ ہر طرح کے فسق و فجور، ظلم و ستم اور دوسری خرابیوں سے پاک ہو جاتا ہے۔

۲۴- حضورؐ نے دین کی چابی سے دنیا کا دروازہ کھولا، حضور اکرمؐ جیسی ذات/شخصیت دنیا کی ماں نے نہیں جنی۔ اسلام کی صورت میں جو دستور و آئین حضورؐ نے اہل دنیا کے سامنے پیش کیا، وہ ایک مکمل دین ہے جس میں مذہب کے ساتھ ساتھ دنیا کمانے کی بھی بات ہے۔ اس سے پہلے مذہبی لوگ صرف مذہب سے وابستہ رہتے تھے اور رہبان کہلاتے تھے جبکہ قرآن کریم میں مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ خدا کی عبادت بھی کرو اور دنیا کے کام بھی۔ ظاہر ہے حضور اکرمؐ جیسی ہستی نہ آپ سے پہلے کوئی تھی اور نہ بعد میں آئی اور قیامت تک نہ آئے گی۔

۲۵- حضور اکرمؐ کی نگاہِ مبارک میں بلند اور پست بھی یکساں/برابر تھے۔ حضورؐ اپنے خدمتگار/غلام کے ساتھ بیٹھ کر ایک ہی دسترخوان پر کھانا کھایا کرتے۔ اسلام کی رو سے بھی انسان برابر ہیں جس کا عملی مظاہرہ حضورؐ نے مختلف صورتوں میں کیا، جس کی ایک مثال یہ ہے۔

۲۶- در مصافے پیش آں گردوں سریر — دخترِ سردار طے آمد اسیر
۲۷- پائے در زنجیر و ہم بے پردہ بود — گردن از شرم و حیا خم کردہ بود
۲۸- دخترک را چوں نبیؐ بے پردہ دید — چادرِ خود پیش روئے او کشید
۲۹- ما ازاں خاتونِ طے عریاں تریم — پیش اقوامِ جہاں بے چادریم
۳۰- روزِ محشر اعتبارِ ماست اوؐ — در جہاں ہم پردہ دارِ ماست اوؐ
۳۱- لطف و قہرِ او سراپا رحمتے — آں بیاراں ایں باعدا رحمتے
۳۲- آں کہ بر اعدا درِ رحمت کشاد — مکہ را پیغام "لاتثریب" داد

۲۶-۲۸: ایک جنگ/جہاد میں اس انتہائی بلند مرتبہ ذات (حضور اکرمؐ) کے سامنے طے قبیلے کے سردار یعنی حاتم طائی کی بیٹی کو بطور قیدی پیش کیا گیا۔ اس کے پاؤں میں بیڑیاں تھیں اور اس کے سر پر کوئی چادر نہ تھی۔ شرم و حیا کے باعث اس نے اپنا سر جھکا رکھا تھا۔ جب حضور اکرمؐ نے اس لڑکی کو بے پردہ دیکھا تو اپنی مبارک چادر اس کے سر پر ڈال دی۔ یہ واقعہ حضور اکرمؐ کی انسان دوستی، سخاوت کرنے والوں کی قدر افزائی اور عورت کی حیا کے احساس کا پتا دیتا ہے۔

۲۹- ہم اس حاتم طائی کی بیٹی سے بھی زیادہ عریاں ہیں۔ دنیا کی قوموں کے سامنے بے چادر ہیں۔ مسلمان سیاسی اور اقتصادی طور پر غلامی و ذلت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

علامہ کو اس کا شدید دکھ تھا جس کا اظہار مختلف انداز میں کیا ہے۔ مسلمانوں کی مذکورہ کیفیت کو دختر ملے کی حالت سے بھی زیادہ خراب ظاہر کر کے اگلے شعر میں حضور اکرمؐ کی شفاعت کے حوالے سے ایک پر امید بات کی ہے۔

۳۰۔ قیامت کے روز حضور اکرمؐ ہماری ساکھ اور عزت ہیں / ہوں گے اور دنیا میں بھی حضورؐ ہمارے پردہ دار ہیں۔ حضور ''شفیع المذنبین'' ہیں۔ قیامت کے روز اہل ایمان کی شفاعت فرمائیں گے۔ تاکہ ان کی بخشش ہو سکے۔ یوں ان کی ساکھ رہ جائے اور وہ رسوائی سے بچ جائیں۔ جب مسلمان (دنیا میں) حضور کا دامن مبارک تھام لیں گے، حضور کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں گے تو اس کی بدولت وہ یہاں کامیاب و کامران ہوں گے اور دوسری قوموں کے سامنے سرخرو ٹھہریں گے۔ یہ گویا حضورؐ کی جانب سے مسلمانوں کی پردہ داری ہے۔

۳۱۔ حضورؐ کی مہربانی اور سختی دونوں پورے طور پر ایک رحمت ہیں۔ وہ (لطف و مہربانی) دوستوں اور اپنوں کے لیے اور یہ یعنی سختی و قہر دشمنوں کے لیے سراسر رحمت ہے۔ اپنوں کے ساتھ حضورؐ کا مشفقانہ سلوک اور محبت و مہربانی تو واضح ہے، کفار کے خلاف جہاد فرما کر انہیں بتوں کی پرستش چھوڑنے اور خدائے واحد / معبود مطلق کی طرف لانا یہ بظاہر ان پر سختی تھی لیکن ان کے اسلام قبول کر لینے پر کفر کی تاریکی و گمراہی سے انہیں نجات مل جاتی اور یوں یہ قہر بالواسطہ ان پر حضورؐ کی رحمت بن جاتا۔ ویسے بھی حضورؐ رحمۃ للعالمین ہیں۔

۳۲۔ حضورؐ نے دشمنوں کے لیے رحمت کا دروازہ کھول دیا اور اہل مکہ کو ''لاتثریب'' کا پیغام دیا۔ شروع میں اسلام کی تبلیغ پر کفار کی طرف سے حضور کو بڑی اذیتیں پہنچائی گئیں (اس کی تفصیل طویل ہے) بعد میں جب مکہ فتح ہوا اور کفار کے سردار وغیرہ سامنے لائے گئے تو انہیں یہ خدشہ تھا کہ ان کی گردنیں اڑا دی جائیں گی لیکن حضور اکرمؐ نے فرمایا: ''جس طرح میرے بھائی یوسف (حضرت یوسفؑ) نے کہا تھا، اسی طرح میں تم سے کہتا ہوں کہ آج سے تمہارے لیے کوئی سزا نہیں'' (یعنی تمہیں معاف کیا جاتا ہے)

۳۳۔ ما کہ از قید وطن بیگانہ ایم   چوں نگہ نور دو چشمیم و یکیم

۳۴۔ از حجاز و چین و ایرانیم ما   شبنم یک صبح خندانیم ما

۳۵۔ مست چشم ساقی بطحاستیم   درجہاں مثل مے و میناستیم

۳۶۔ امتیازات نسب را پاک سوخت آتش او ایں خس و خاشاک سوخت
۳۷۔ چوں گل صد برگ مارا بو یکیست اوست جانِ ایں نظام و او یکیست
۳۸۔ سرِ مکنونِ دل او ما بدیم نعرہ بے کانہ زد، افشا شدیم

۳۳۔ ہم مسلمان، جو جغرافیائی/علاقائی حدود سے ناآشنا ہیں، نورِ تو دو آنکھوں کا ہیں لیکن نگاہ کی طرح ایک ہیں۔ مسلمان دنیا کے کسی بھی خطے میں ہو، وہ اول و آخر مسلمان ہوگا۔ علاقائی حدود سے وہ ماورا ہے۔ اس کی مثال یہ دی گئی ہے کہ آنکھیں تو دو ہیں اور ان کی پتلیاں جن سے دیکھا جاتا ہے، بھی دو ہیں لیکن نگاہ ایک ہی ہوتی ہے۔ گویا ہر مسلم، ملت اسلامی کا فرد ہے خواہ اس کا تعلق کسی بھی ملک سے ہو۔

۳۴۔ ہم حجاز، چین اور ایران سے ہیں، ہم ایک ہنستی مسکراتی/روشن صبح کی شبنم ہیں۔ وہی بات نئے استعارے میں کہی ہے۔ حجاز و چین و ایران سے مراد پوری دنیا ہے۔ مسلمان مذکورہ حدود کا قائل نہیں۔

۳۵۔ ہم ساقی بطحا (حضور اکرمؐ) کی آنکھوں کے مست ہیں۔ دنیا میں ہماری مثال شراب اور صراحی کی سی ہے۔ حضورؐ کے فیضان و کرم کی بات کی ہے جس کے طفیل دنیا بھر کے مسلمان ملت واحدہ کی صورت اختیار کر گئے۔ جس طرح صراحی ایک ہوتی ہے اور اس میں شراب بھی ایک ہوتی ہے لیکن کتنے پینے والے اس سے مستفید ہوتے ہیں۔

۳۶۔ حضورؐ نے رنگ و نسل کی تمیز پورے طور پر مٹا کے رکھ دی۔ حضورؐ کی آگ نے یہ سب گھاس پھونس (امتیازات رنگ و نسل) جلا ڈالی۔ حضورؐ نے ہی پیغام دیا کہ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی برتری نہیں۔ ہاں اگر کوئی برتر ہے تو اللہ کے نزدیک وہ شخص ہے جو پرہیزگار/متقی ہے (سورۂ الحجرات، آیہ ۱۳ ملاحظہ ہو) اس طرح حضورؐ نے رنگ و نسل کا فتنہ ختم کر دیا۔

۳۷۔ سیکڑوں پتیوں والے پھول کی مانند ہماری خوشبو ایک ہے، حضورؐ کی ذات گرامی اس نظام کی روح ہے اور وہ (روح) ایک ہی ہے۔ ملت کو پھول اور افراد ملت کو پتیوں سے تشبیہ دی گئی ہے اور خوشبو ملت کا واحد ہونا ہے۔ اس نظام کو لانے اور چلانے والی صرف حضور اکرمؐ کی ذات ہے۔

۳۸۔ ہم حضورؐ کے دل کے پوشیدہ راز تھے، حضورؐ نے دلیرانہ نعرہ لگایا اور ہم فاش/ظاہر ہو گئے۔ مطلب یہ کہ جب تک حضورؐ نے اسلام/ملت اسلامیہ کا اعلان نہیں کیا تھا، اس

وقت تک حضورؐ کے دل میں وہ گویا ایک مخفی راز تھا اور جب حضورؐ نے بے خوف و خطر ہو کر یہ نعرہ بلند کر دیا کہ ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے رسول ہیں'' (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) تو اس وقت ایک نئی ملت/ملت اسلامیہ وجود میں آ گئی۔

۳۹۔ شور عشقش در نے خاموش من	می تپد صد نغمہ در آغوش من
۴۰۔ من چہ گویم از تولایش کہ چیست	خشک چوبے در فراق او گریست
۴۱۔ ہستی مسلم تجلی گاہ اوست	طور ہا بالد ز گرد راہ او
۴۲۔ پیکرم را آفرید آئینہ اش	صبح من از آفتاب سینہ اش
۴۳۔ در تپید دم بدم آرام من	گرم تر از صبح محشر شام من
۴۴۔ ابر آذار است و من بستان او	تاک من نمناک از باران او
۴۵۔ چشم در کشت محبت کاشتم	از تماشا حاصلے برداشتم

۳۹۔ حضورؐ کے عشق کا شور میری خاموش بانسری یعنی میرے دل میں برپا ہے۔ میری آغوش یعنی پہلو میں سینکڑوں نغمے (باہر نکلنے کے لیے) بیقرار ہیں۔ علامہ کو حضورؐ سے انتہائی عشق ہے۔ اس کی بنا پر ان کا دل اپنے ان والہانہ جذبات کو باہر لانے کے لیے مضطرب ہے۔

۴۰۔ میں حضورؐ کی ذات سے محبت کی کیا بات کروں کہ وہ کیسی ہے، کیا ہے (اتنا جان لو) کہ ایک خشک لکڑی/ستون حضورؐ کی جدائی میں رو اٹھی (فرہنگ دیکھیے)۔

۴۱۔ مسلمان/ملت اسلامیہ کا وجود حضور اکرمؐ کی جلوہ گاہ ہے۔ حضورؐ کے راستے کی گرد سے کئی طور بلند ہوتے ہیں۔ مطلب یہ کہ حضور کا جو فیضان ملت اسلامیہ کو نصیب ہوا، اس کی بنا پر اس (ملت) کا وجود حضورؐ کی تجلی گاہ ٹھہرا۔ حضورؐ کی گرد راہ سے کئی طوروں کا بلند ہونا گویا اس گرد کو بے حد شرف حاصل ہوتا ہے۔ جب حضورؐ کی گرد کو یہ شرف حاصل ہے تو خود آپؐ کی ذات گرامی کیا کچھ نہ ہوگی۔ یہاں طور، تجلی گاہ کے لیے بطور استعارہ ہے۔

۴۲۔ حضورؐ کے آئینے نے میرے وجود (وجود ملت) کو تخلیق کیا۔ میری صبح حضورؐ کے مبارک سینے کے آفتاب سے ہے۔ حدیث قدسی ہے کہ ''اگر میں (خدا) تجھے (حضورؐ کو) پیدا نہ کرتا تو یہ کائنات بھی پیدا نہ کرتا۔'' گویا کائنات کو تو وجود آپؐ کے طفیل ملا

ہی تھا، خود ملت اسلامیہ بھی حضورؐ ہی کی بدولت معرض وجود میں آئی۔ حضور کا دل مبارک توحید کے نور سے منور تھا جس کی شعاعیں ملت پر پڑیں اور اس کے ساتھ ساتھ پوری کائنات کو روشن کر گئیں۔

۴۳۔ ہر ہر لمحے کی مسلسل تڑپ میں میرے لیے سکون و راحت ہے۔ میری شام، محشر کی صبح سے بھی زیادہ گرم ہے۔ حضورؐ سے علامہ کی انتہائی محبت و وابستگی اور اس سلسلے میں ان کی دلی کیفیت کی بھرپور عکاسی ہے۔ صبح کا محشر سے بھی زیادہ گرم ہونا گویا ان کا جوش وجذبہ اور ہنگامہ خیزی ہے جو سرشار ہوتا ہے تو یہ بھی حضورؐ ہی کی محبت اور آپؐ ہی کے فیضان کا نتیجہ ہے۔

۴۴۔ حضورؐ کی ذات اقدس گویا موسم بہار کا بادل ہے اور میں آپ کا باغ ہوں۔ میری انگور کی بیل میں جو تازگی اور نمی ہے، وہ حضور کی بارش (فیضان) ہی کے طفیل ہے یعنی حضورؐ کے روحانی فیضان سے مستفیض ہونے کے باعث علامہ کی زندگی حقیقت آشنا ہو گئی اور ان کے جذبوں کو عجب تازگی اور زندگی میسر آئی۔ دوسرے مصرعے میں تشبیہ سے یہ بات واضح کی ہے۔

۴۵۔ میں نے محبت کی کھیتی میں آنکھ بوئی ہے اور اس طرح نظارے یعنی دیدار کی فصل کاٹی ہے۔ گویا علامہ نے حضور کی ذات میں اپنی کمال محویت کی تصویر کشی کی ہے اور یہ نتیجہ ہے ان کی حضورؐ سے انتہائی محبت وعقیدت کا۔

۴۶۔ خاک یثرب از دو عالم خوشتر است — اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است
۴۷۔ کشتۂ اندازِ مُلّا جامیم — نظم و نثر او علاج خامیم
۴۸۔ شعر، لبریزِ معانی گفتہ است — در ثنائے خواجہ گوہر سفتہ است
۴۹۔ "نسخۂ کونین را دیباچہ اوست — جملہ عالم بندگان و خواجہ اوست"
۵۰۔ کیفیت ہا خیزد از صہبائے عشق — ہست ہم تقلید از اسمائے عشق
۵۱۔ کامل بسطام در تقلید فرد — اجتناب از خوردنِ خربوزہ کرد

۴۶۔ یثرب کی سرزمین دونوں جہانوں سے کہیں بہتر ہے۔ وہ شہر کتنا مبارک ہے جس میں دلبر یعنی حضور اکرمؐ رہتے ہیں۔ حضور کا روضہ مبارک چونکہ مدینہ (قدیم نام یثرب) میں ہے، اس لیے ظاہر ہے وہ شہر ملت اسلامیہ کے لیے تو مبارک ہے ہی، لیکن پوری کائنات اور دونوں جہانوں میں اس شہر کا جو مرتبہ و مقام ہے، وہ کسی کو نہیں ملا۔ اس

شعر سے علامہ کی حضور اکرمؐ سے بے حد محبت و وابستگی کا پتا چلتا ہے۔

۴۷-۴۸: میں مُلّا جامی کے اندازِ بیان کا مارا ہوا ہوں/فریفتہ ہوں۔ ان کی نظم و نثر میری خامیوں کا علاج ہے۔ انہوں نے معانی سے بھرپور شعر کہے اور حضورؐ کی نعت میں گویا موتی پروئے ہیں۔ (فرہنگ دیکھیے) اگلا شعر مولانا جامی کا ہے، ان شعروں میں علامہ نے جو کچھ کہا ہے، یہ شعر جامی کے مذکورہ انداز کی ایک جھلک ہے۔

۴۹۔ حضورؐ دونوں جہانوں کی کتاب کا دیباچہ ہیں۔ تمام دنیا والے غلام ہیں اور حضورؐ آقا ہیں۔ یہ شعر مولانا جامیؔ کی ایک مثنوی ''سلامان و ابسال'' کے نعتیہ حصے سے ماخوذ ہے۔ بعض نسخوں میں اس کا دوسرا مصرعہ یوں ہے:

جملہ عالی، مفلس اند و خواجہؐ اوست

(تمام بڑی شخصیات مفلس ہیں اور حضورؐ میرو آقا ہیں)

مطلب یہ کہ حضورؐ اس کائنات کا نچوڑ/خلاصہ ہیں۔ دوسرے مصرعہ میں حضورؐ کی انتہائی عظمت کا بیان ہے۔

۵۰-۵۱: عشق کی شراب سے (کیا کیا) سرور پیدا ہوتے ہیں۔ پیروی بھی عشق کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ کامل بسطام نے، جو تقلید میں بے مثال تھے، ساری عمر خربوزہ کھانے سے اجتناب کیا (فرہنگ دیکھیے)

حضرت بایزیدؒ بسطامی کا یہ واقعہ بڑا مشہور ہے کہ انہوں نے ساری عمر خربوزہ اس خیال سے نہیں کھایا کہ انہیں معلوم نہ تھا کہ حضورؐ نے یہ پھل کس طرح کاٹا اور کس طرح کھایا۔ ان کی یہ سوچ حضور اکرمؐ سے ان کی انتہائی عقیدت و وابستگی کی ایک منفرد مثال ہے۔ علامہ نے حاشیے میں اس واقعہ کا ذکر کر کے آخر میں لکھا ہے: ''اسی کامل تقلید کا نام عشق ہے۔''

۵۲۔ عاشقی؟ محکم شو از تقلیدِ یارؐ | تا کمند تو شود یزداں شکار
۵۳۔ اندکے اندر حرائے دل، نشیں | ترکِ خود کن سوئے حق ہجرت گزیں
۵۴۔ محکم از حق شو سوئے خود گام زن | لات و عزائے نفس را سر شکن
۵۵۔ لشکرے پیدا کن از سلطانِ عشق | جلوہ گر شو برسر فارانِ عشق
۵۶۔ تا خدائے کعبہ بنوازد ترا | شرح ''انی جاعل'' سازد ترا

۵۲۔ اگر تو (صحیح معنوں میں) عاشق ہے تو پھر حضورؐ کی پیروی سے خود کو استوار کر تاکہ تیری

کمند خدا کو شکار کرنے والی بن جائے۔ اگر حضورؐ سے صحیح معنوں میں عشق ہے تو لازم ہے کہ تو (مخاطب، قاری) حضورؐ کی تقلید اسی طرح کرے جس طرح بایزید بسطامیؒ نے کی، پھر اس مکمل پیروی کے نتیجے میں یہ کائنات تیرے تصرف میں آ جائے گی اور خدا بھی تیری طرف مائل ہو جائے گا۔ خدا کو کسی مسلمان کی رسولؐ خدا سے محبت بہت پسند ہے اور اسی وجہ سے وہ اپنے ایسے بندے سے محبت کرتا ہے، تو یہ گویا خدا کو شکار کرتا ہے۔ علامہ ایک اور جگہ کہتے ہیں:

در دشت جنون من جبریلؑ زبوں صیدے ۔۔۔ یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ

(علامہ کا یہ انداز ان کی بے تکلفی اور رندانہ یا قلندرانہ پن کا غماز ہے جو ان کے خلوص جذبہ کا پتا دیتا ہے)

۵۳-۵۴: کچھ دیر کے لیے دل کی حرا/غار میں بیٹھ، اپنی ذات/خود کو بھول جا اور حق کی طرف متوجہ ہو جا، حق سے خود کو مضبوط کر لے، پھر اپنی ذات کی طرف قدم اٹھا/بڑھا اور ہوس کے لات و عزیٰ/بڑے بڑے بتوں کے سر توڑ ڈال۔ حضورؐ نے غار حرا میں خلوت اختیار کی اور مسلسل مراقبوں عبادتوں میں مصروف رہے۔ جب باہر تشریف لائے تو حضورؐ پر اس ذاتِ مطلق/حقیقت مطلقہ کے اسرار روشن ہو چکے تھے۔ آپؐ نے خدا کی خوشنودی کی خاطر نہ صرف اپنے پیارے وطن کو ترک کیا بلکہ اور بھی کئی عزیز اور پیاری چیزوں اور عزیزوں وغیرہ سے دوری اختیار کر لی۔ علامہ نے اسی حوالے سے مسلمان کو یہ تلقین کی ہے کہ اگر تجھے حضورؐ سے عشق ہے تو پھر آپ کی تقلید کر اور اپنی ذات سے بے نیاز ہو کر اور دنیوی آسایشوں، مادی فائدوں وغیرہ سے ناطہ توڑ کر حق کی طرف بڑھ یعنی ؏

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی

یہ لات و عزیٰ علامت ہیں ہمارے مفادات کی جن کی گویا پوجا/پرستش میں ہم کھوئے رہتے ہیں۔ ہم اپنے نفس پر قابو پا لیں تو یہ گویا اس قسم کے بتوں کو توڑنا ہوگا۔ اس سے انسان اپنے ممکنات سے آگاہ ہو کر اپنی ذات کی پہچان کر لیتا اور پھر صحیح معنوں میں اسے حق کی شناخت ہوتی ہے۔ کسی صوفی کے بقول: ''من عرف نفسہ، فقد عرف ربہ'' (جس نے اپنی ذات کو پہچانا، اس نے خدا کو پہچان لیا)

۵۵-۵۶: عشق کے غلبے سے ایک فوج تیار کر، پھر عشق کے فاران پر جلوہ گر ہو جا تاکہ کعبہ کا

خدا تجھے نوازے اور تجھے "انی جاعل" کی تفسیر بنا دے (فرہنگ دیکھیے) بقول علامہ:

جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی

عشق سے مراد اپنے اعلیٰ وارفع مقصد سے وابستگی۔ جب انسان خدا کا خلیفہ/نائب قرار پایا تو اس پر لازم ہے کہ وہ انہی صفات کو اپنائے جو خدا کی ہیں اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب اس ذات حق اور اس کے رسول کریمؐ سے صحیح معنوں میں عشق ہو۔ اس عشق کی بدولت جہاں وہ اپنے نفس امارہ پر قابو پالیتا ہے جو بذات خود بہت بڑا جہاد ہے (بقول ذوق دہلوی:

نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا)

وہاں اپنی ذات کے ممکنات سے آگاہ ہو کر دنیا میں بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیتا ہے (اس کی وضاحت علامہ نے درج ذیل شعر میں کی ہے) اس صورت میں خدا کا فضل و کرم بھی اس کے شامل حال ہو جاتا ہے اور انسان یا صحیح معنوں میں مرد مومن، اس دنیا میں خدا کا نائب بن جاتا ہے۔

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

قہاری و جبروت دشمنان اسلام اور معاشرے کے ناسوروں کے لیے اور غفاری و قدوسی اپنوں/مومنین کے حق میں۔ علامہ نے سورۂ المائدہ، آیہ ۵۴ کے ایک ٹکڑے کا منظوم ترجمہ کیا ہے:

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

دربیانِ این کہ خودی از سوال ضعیف می گردد

(اس امر کا بیان کہ سوال کرنے سے خودی کمزور پڑ جاتی ہے)

۱۔ اے فراہم کردہ از شیراں خراج گشتہ ای روبہ مزاج از احتیاج

۲۔ خستگی ہائے تو از ناداری است اصل درد تو ہمیں بیماری است

۳۔ می رباید رفعت از فکر بلند می کشد شمع خیال ارجمند

۴۔ از خم ہستی مے گلفام گیر نقد خود از کیسۂ ایام گیر

۵۔ خود فرود آ از شتر مثل عمرؓ الحذر از منت غیر الحذر

۱- اے (مسلمان، ملت اسلامیہ) کبھی وہ وقت تھا جب تو شیروں یعنی بڑی بڑی طاقتوں سے خراج لیا کرتا تھا، لیکن اب تو ضرورت کے باعث لومڑی کی سی خصلت والا بن گیا ہے/ والی بن گئی ہے۔ ملت اسلامیہ کے تابناک ماضی کے حوالے سے یہ کہا ہے کہ کبھی مسلمانوں نے دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کو نہ صرف ہلا کے رکھ دیا بلکہ انہیں پوری طرح زیر کرلیا اور یہ نتیجہ تھا حاکم مطلق/ خدائے واحد پر پختہ ایمان کا، لیکن اب یہی ملت غلامی کا شکار ہو کر دوسری طاقتوں کی دست نگر بن گئی اور اپنی خودی و غیرت سے ہاتھ دھو بیٹھی ہے۔ گویا ملت کا افلاس اسی غلامی کا نتیجہ ہے۔

۲- تیری یہ بدحالی تیری مفلسی کے باعث ہے، تیرے دکھ کا باعث تیری یہی بیماری ہے۔ مسلمانوں کے افلاس کو ان کی ہر طرح کی سیاسی، معاشرتی اور کوتاہی فکر وشعور کی بیماری کی جڑ قرار دیا ہے۔ جو قوم معاشی طور پر کمزور ہے وہ سیاسی طور پر بھی کمزور ہوگی۔ ایسی قوم کے افراد فکری اور شعوری دولت سے بھی محروم رہتے ہیں جس کے باعث وہ کوئی کارنامہ انجام نہیں دے سکتے اور ہر معاملے میں دوسروں کے سہارے زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

۳- یہ بیماری بلند خیالی کی رفعت کو اڑا لیتی اور باوقعت وعظمت خیال کی شمع کو بجھا ڈالتی ہے۔ وہی بات جو شعر ۲ میں ہے۔ مفلسی انسان کی بلند فکری بھی ختم کر دیتی ہے اور اسے روٹی ہی کے چکر میں ڈال کر اسے اس کی صلاحیتوں سے محروم کر دیتی ہے۔ حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ ''مفلسی کفر کے نزدیک ہے'' اسی مفلسی کے حوالے سے شیخ سعدیؒ ایک جگہ کہتے ہیں:

شب چو عقدِ نماز می بندم — چہ خورد باماداد فرزندم

(جب میں رات کو نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں تو مجھے یہ سوچ مارے دیتی ہے کہ صبح میرا بیٹا (میری اولاد) کیا کھائے گا۔ ایسی صورت حال میں انسان کیونکر اپنے ارفع خیالات برقرار رکھ سکے یا انہیں عملی جامہ پہنا سکے گا۔)

۴- تو زندگی کی صراحی (مٹکے) سے سرخ رنگ کی شراب حاصل کر اور اپنی پونجی/ اپنا سرمایہ زمانے کی تھیلی سے حاصل کر۔ یعنی تو محنت ومشقت اور جدوجہد کر کے اپنی روزی بہم پہنچا اور اس طرح اپنی عزت اور اپنے وقار کو برقرار رکھنے کا سامان کر۔

۵- حضرت عمر فاروقؓ کی مانند تو خود اونٹ سے اتر کر (اپنا چابک اٹھا) اور اس طرح

دوسروں کے احسان سے بچ / بچ جا۔ حضرت عمرؓ کسی کا احسان اٹھانا پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ اونٹ پر سوار کہیں جا رہے تھے، راستے میں انؓ کے ہاتھ سے چابک گرگیا۔ انہوں نے یہ پسند نہ کیا کہ کسی سے کہہ کر چابک اٹھوالیں بلکہ خود اونٹ سے اترے اور چابک اٹھایا۔ اس حوالہ سے علامہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دوسروں کا احسان مند ہونے سے بچو، خود پر انحصار کرو اور یوں اپنی غیرت وحمیت کو برقرار رکھو۔

۶۔ تا کجے دریوزۂ منصب کنی — صورت طفلاں ز نے مرکب کنی

۷۔ فطرتے کو بر فلک بندد نظر — پست می گردد ز احسان دگر

۸۔ از سوال افلاس گردد خوارتر — از گدائی گدیہ گر نادار تر

۹۔ از سوال آشفتہ اجزائے خودی — بے تجلی نخل سینائے خودی

۱۰۔ مشت خاک خویش را از ہم مپاش — مثل مہ رزق خود از پہلو تراش

۶۔ تو کب تک مرتبہ واقتدار کی بھیک مانگتا رہے گا یعنی بچوں کی طرح بانس کے ڈنڈے کی سواری (فضول اور بیہودہ کاموں) میں مصروف رہے گا جس طرح بچوں کی سواری (فرہنگ دیکھیے) والا معاملہ محض ایک کھیل ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں، اسی طرح مذکورہ بھیک سے حاصل تو کچھ نہیں ہوتا البتہ انسان اپنی عزت وقدر کھو دیتا ہے۔

۷۔ وہ فطرت / سرشت جو آسمان یعنی عظمت وبلندی پر نظریں جمانے والی ہے، دوسروں کا احسان مند ہونے کے نتیجے میں پست / ذلیل ہو کر رہ جاتی ہے۔ وہی بات شعر ۶ والی۔ مطلب یہ کہ بڑے بڑے بلند نظر انسان اسی احسان مندی کے باعث ذلت و پستی کا شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ احسان کرنے والا پھر اپنے احسان مند کو اپنی مرضی پر چلاتا ہے۔

۸۔ دوسروں سے کچھ مانگنے / سوال کرنے کے باعث مفلسی مزید ذلیل وخوار ہو جاتی ہے، بھیک مانگنے سے بھکاری مزید مفلس وفقیر بن جاتا ہے۔ افلاس / غریبی خود ایک ذلت ہے، اسے دور کرنے کی خاطر محنت اور جدوجہد کرنے کی بجائے اگر کسی کے آگے ہاتھ پھیلایا جائے تو یہ گویا اپنی خودی وخودداری کا سودا کرنا ہے، یوں ایسا انسان ذلت در ذلت کا شکار ہو جاتا ہے، جب کہ ذلت کی ہزار سالہ زندگی سے عزت ووقار کی چندروزہ زندگی کہیں بہتر ہے۔

۹۔ سوال کی وجہ سے خودی کے اجزا بکھر کے رہ جاتے ہیں، یوں خودی کے طور سینا کا درخت تجلی سے محروم رہ جاتا ہے۔ مذکورہ درخت پر جلوہ ایزدی ظاہر ہوا تھا جس کی بنا پر اسے عظمت حاصل ہے، بغیر تجلی کے اس درخت کی کوئی حیثیت نہیں۔ مراد یہ کہ کسی کے آگے دست سوال دراز کرنے سے انسان اپنی خودی سے محروم ہو جاتا ہے، وہ خودی جس کی پہچان کے نتیجے میں وہ اپنے ممکنات کو بروئے کار لا کر بڑے بڑے کارنامے انجام دے سکتا ہے۔ سوال کی صورت میں اس کی تمام صلاحیتیں اور اہلیتیں مٹ کے رہ جاتی ہیں۔

۱۰۔ تو اپنی مٹھی بھر خاک (جسم) کو مت بکھیر۔ چاند کی مانند اپنی روزی پہلو سے پیدا کر۔ چاند یعنی ہلال ایک پھانک کی صورت میں طلوع ہوتا ہے، یہ گویا خوراک کی علامت ہے، دوسرے لفظوں میں چاند اپنا رزق خود تراشتا / پیدا کرتا ہے۔ مراد یہ کہ سوال کر کے اپنے آپ کو ضائع مت کر اور اپنا رزق خود کمانے کے لیے محنت کر۔

۱۱۔ گرچہ باشی تنگ روز و تنگ بخت　　در رہ سیل بلا افگندہ رخت
۱۲۔ رزق خویش از نعمت دیگر مجو　　موج آب از چشمہ خاور مجو
۱۳۔ تانباشی پیش پیغمبرؐ خجل　　روز فردائے کہ باشد جاں گسل
۱۴۔ ماہ را روزی رسد از خوانِ مہر　　داغ بردل دارد از احسانِ مہر
۱۵۔ ہمت از حق خواہ و باگردوں ستیز　　آبروے ملت بیضا مریز

۱۱-۱۳: اگرچہ تیرے دن کتنی ہی تنگی ترشی میں گزریں اور تو بدحالی کا شکار ہو، اس طرح کہ مصیبتوں کے سیلاب کے راستے میں تو نے اپنا سامان ڈال رکھا ہو، پھر بھی تو اپنی روزی کسی دوسرے کے مال و دولت میں مت تلاش کر اور مشرق کے چشمے یعنی سورج سے پانی کی موج کا جویا / ڈھونڈنے والا نہ بن، تاکہ کل قیامت کے دن جو بڑا ہی جان توڑ اور عذاب کا دن ہوگا، تجھے حضور اکرمؐ کے سامنے شرمندہ و نادم نہ ہونا پڑے۔ مطلب یہ کہ تیرے حالات کیسے ہی ناگفتہ بہ کیوں نہ ہوں، تجھ پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہوں۔ پھر بھی دوسروں کے مال و رزق کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھنا کہ یہ امر قیامت کے روز حضور اکرمؐ کے سامنے تیری شرمندگی و ندامت کا باعث بنے گا۔

۱۴۔ چاند کو سورج کے دستر خوان سے رزق پہنچتا ہے۔ سورج کے اس احسان کے سبب اس.

(چاند) کے دل پر داغ ہے۔ سائنس کی رو سے چاند، سورج سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ چاند میں ایک قدرتی داغ ہے، علامہ نے اس کا سبب یہ بتایا ہے کہ چونکہ چاند روشنی کے معاملے میں سورج کا احسان مند ہے۔ اس لیے اس کے دل پر دھبا لگ گیا ہے جس نے اس کے اپنے حسن کو بگاڑ کے رکھ دیا ہے (اس میں صنعت حسن تعلیل ہے) یہی کچھ حالت سوال کرنے والے کی ہوتی ہے۔

۱۵- ہمت خدا سے مانگ اور آسمان سے الجھ جا، روشن ملت/ ملت اسلامیہ کی عزت و آبرو خاک میں نہ ملا۔ مسلمان اپنا ہر کام اللہ کا نام لے کر شروع کرتا ہے۔ یہ گویا اللہ سے ہمت و توفیق مانگنا ہے تاکہ کام کرنے والا صرف اللہ ہی کو اپنا رازق و مالک جان کر محنت کرے اور اپنے رزق حلال کے حصول کے لیے جد و جہد سے کام لے۔ محنت سے جی چرانے والے افراد اور قومیں دوسروں کی نظروں میں ذلیل و خوار ہو کے رہ جاتے/ جاتی ہیں۔ ہم اپنی تقدیر کے بننے بگڑنے کا سارا الزام آسمان پر تھوپ کر اپنی کوتاہیوں پر پردہ ڈال لیتے ہیں، جب کہ اپنی تقدیر انسان اپنے جہد و عمل سے خود بناتا ہے۔ بقول علامہ:

عبث ہے شکوۂ تقدیر یزداں تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں

اپنی قسمت سنورے گی تو ملت کی تقدیر بھی سنور جائے گی، کیونکہ:

ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

۱۶- آن کہ خاشاک بتاں از کعبہ رفت مرد کاسب را حبیب اللہ گفت
۱۷- وائے برمنت پذیرِ خوانِ غیر گردنش خم گشتۂ احسانِ غیر
۱۸- خویش را از برق لطف غیر سوخت باپشیزے مایہ غیرت فروخت
۱۹- اے خنک آں تشنہ کاندر آفتاب می نخواہد از خضر یک جام آب
۲۰- ترجبیں از خجلت سائل نشد شکل آدم ماند و مشت گل نشد

۱۶- وہ بلند ہستی جس نے کعبہ سے بتوں کا خس و خاشاک/ کوڑا کرکٹ صاف کر ڈالا، اس ہستی نے محنت مزدوری کرنے والے کو اللہ کا دوست کہا ہے۔ حضور اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ محنت کرنے والے یعنی اپنے ہاتھوں سے اپنی روزی کمانے والے کو دوست رکھتا ہے۔

۱۷- دوسروں کے دسترخوان کا احسان اٹھانے والے کی حالت لائق افسوس ہے۔

دوسروں کا احسان اٹھانے کے باعث اس کی گردن جھکی رہتی ہے یعنی وہ شرمندگی و ندامت سے دوچار رہتا ہے۔

۱۸- دوسروں کا ممنون ہونے والے نے ان کی عنایت و مہربانی سے خود کو جلا ڈالا۔ اس نے ایک کوڑی یعنی معمولی سی شے کے عوض اپنی غیرت کی متاع بیچ ڈالی۔ بات ایک ہی چل رہی ہے، انداز بدل رہے ہیں۔

۱۹-۲۰: (اس کے برعکس) وہ پیاسا بڑا ہی مبارک انسان ہے جو کڑکتی دھوپ میں بھی خضر سے پانی کا ایک پیالہ بھی لینے کو تیار نہیں۔ وہ مبارک انسان سوال کرنے کی ذلت سے بچا اور ندامت و شرمندگی کے پسینے سے اس کی پیشانی گیلی نہ ہوئی۔ وہ ایک انسان کی صورت جیا اور مٹھی بھر مٹی نہ بنا یعنی مٹی کا مادھو نہ بنا۔ غالب نے اسی غیرت کے حوالے سے کیا خوب کہا ہے:

تشنہ لب بر ساحلِ دریا ز غیرت جاں دہم　　　　گر بہ موج افتد گمانِ چینِ پیشانی مرا

(اگر سمندر کی پیشانی پر مجھے شکن پڑنے کا شک گزرے تو میں غیرت کے مارے کنارے پر تشنہ لب مر جانا گوارا کرلوں گا لیکن سمندر سے پانی کی بھیک نہیں مانگوں گا)

۲۱- زیرِ گردوں آں جوانِ ارجمند　　　　می رود مثلِ صنوبر سربلند

۲۲- در تہی دستی شود خود دار تر　　　　بختِ او خوابیدہ او بیدار تر

۲۳- قلزمِ زنبیل، سیلِ آتش است　　　　گرز دستِ خود رسد شبنم خوش است

۲۴- چوں حباب از غیرتِ مردانہ باش　　　　ہم بہ بحر اندر نگوں پیمانہ باش

۲۱-۲۲: اس دنیا میں ایسا باوقار جوان (شعر ۱۹ والا) اپنی گردن صنوبر کی مانند بلند کر کے چلتا ہے، وہ تنگ دستی/مفلسی میں بھی غیرت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ ہر چند اس کا نصیبہ سویا ہوتا ہے۔ (نصیبہ اس کا ساتھ نہیں دیتا) وہ خود کہیں زیادہ بیدار ہوتا ہے۔ اس کا ضمیر بیدار ہوتا ہے۔ اس لیے وہ کتنا ہی تنگ دست اور پریشان حال کیوں نہ ہو، کبھی یہ گوارا نہیں کرتا کہ اس کی غیرت و حمیت اور خودداری پر معمولی سی بھی آنچ آئے اور یہی انسانیت کی معراج ہے۔

۲۳- (بھیک کی) ٹوکری کا سمندر گویا آگ کا طوفان ہے، ہاں اگر اپنے ہاتھوں سے شبنم بھی میسر آ جائے تو وہ خوب ہے۔ کسی کے آگے دستِ سوال دراز کرنے سے بے شک بہت کچھ میسر آئے لیکن غیرت و وقار کے لیے وہ سیلِ آتش ہو گا یعنی جلا ڈالے گا جبکہ

اپنی محنت و کوشش سے اگر بہت تھوڑا بھی میسر آئے تو وہ کہیں باعظمت ہوگا۔

۲۴۔ تو خود میں مردانہ غیرت پیدا کر کے بلبلے کی مانند ہو جا، یعنی اس (بلبلے) کی طرح سمندر میں بھی رہتے ہوئے اپنا پیالہ الٹا/ اوندھا رکھ۔ بلبلا سمندر میں یوں دکھائی دیتا ہے جیسے الٹا پیالہ ہو، گویا وہ پانی کے لیے سمندر کا احسان اٹھانا نہیں چاہتا تا کہ شرمندگی نہ ہو۔ صنعت حسن تعلیل سے کام لیتے ہوئے علامہ نے اچھوتے انداز میں خوددار بننے کی تلقین کی ہے۔ خودداری کو انہوں نے مردانہ غیرت کا نام دیا ہے جس کے بغیر انسانیت کی تکمیل اور آدمی کا اشرف مخلوقات ہونا ممکن نہیں۔

در بیانِ ایں کہ چوں خودی از عشق و محبت محکم می گردد قوائے ظاہرہ و مخفیہ نظام عالم را مسخر می سازد

(اس بیان میں کہ جب خودی، عشق و محبت سے قوی ہو جاتی ہے تو وہ نظام کائنات کی ظاہری اور پوشیدہ قوتوں کو اپنے تصرف میں لے آتی ہے)

۱۔ از محبت چوں خودی محکم شود　　قوتش فرمان دہ عالم شود

۲۔ پیر گردوں کز کواکب نقش بست　　غنچہ ہا از شاخسار او شکست

۳۔ پنجہ او پنجہ حق می شود　　ماہ از انگشت او شق می شود

۴۔ در خصومات جہاں گردد حکم　　تابع فرمانِ او دارا و جم

۱۔ جب خودی، محبت کے نتیجے میں مضبوط و قوی ہو جاتی ہے تو اس کی قوت و طاقت کائنات پر حکمرانی کرنے لگتی ہے۔ خودی کے اندر بیشمار ممکنات پوشیدہ ہیں۔ ان سے کام لینا خودی کو مضبوط کرنا ہے۔ خودی ہر لحہ ارتقا/ آگے بڑھنے کی طالب ہے۔ اس کا اپنے ارتقا سے یہی عشق و محبت اس کی مضبوطی کا باعث ہے۔ نیز علامہ کے مطابق جن ہستیوں نے اپنی خودی کے ممکنات بروئے کار لائے ہیں ان سے عشق کیا جائے، یوں صاحب خودی ایک زبردست قوت کا مالک بن کر اس کائنات کو اپنے تصرف میں لے آتا ہے۔

۲۔ آسمان کے بزرگ یعنی آسمان نے (آسمان ہزاروں سال پہلے کا ہے، اس لیے اسے

آسمان کا بوڑھا کہا ہے) ستاروں سے تصویریں بنائیں، دراصل یہ تصویریں (ستارے) نہیں ہیں بلکہ خودی کی شاخ سے کلیاں پھوٹی ہیں۔ گویا آسمان کی خودی کے اندر جو پوشیدہ ممکنات تھے، انہیں بروئے کار لا کر اس (آسمان) نے انہیں ستاروں کی شکل دے دی۔ اسی طرح گل کا شاخ سے پھوٹنا گویا شاخ کا اپنی خودی کے اظہار کی خاطر ہے۔

۳۔ خودی کا پنجہ حق کا پنجہ/ ہاتھ بن جاتا ہے۔ اس کی انگلی سے چاند ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ جب خودی محکم ہو جاتی ہے تو صاحب خودی کا ہر کام اور اس کا ہر قول وفعل اللہ کا قول وفعل بن جاتا ہے۔ حدیث قدسی کا حوالہ ہے جس کے مطابق انسان جب اللہ کی عبادت کرتا ہے یا نفلوں کے ذریعے اس کے نزدیک ہوتا چلا جاتا ہے تو خدا اس سے محبت کرنے لگتا ہے اور اس کے جسم کے اعضا بن جاتا ہے جن سے انسان کام لیتا ہے۔ اردو شعر کا پہلا مصرع اسی حدیث قدسی سے ماخوذ ہے:

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ　　غالب و کار آفریں، کارکشا، کارساز

دوسرے مصرعے میں حضور اکرمؐ کے معجزۂ شق القمر کی طرف اشارہ ہے۔ یہ معجزہ حضورؐ کی خودی کی مضبوطی کے باعث تھا۔

۴۔ دنیا کے تنازعات میں وہ (صاحب خودی) ایک عمدہ ثالث/ منصف کا کردار ادا کرتا ہے۔ دارا اور جمشید جیسے بڑے بڑے فرمانروا اس یعنی صاحب خودی کے حکم بردار بن جاتے ہیں۔ تنازعات کیا ہیں؟ جابر و ظالم انسانوں/ قوتوں کا عام انسانوں پر ظلم و ستم، ان کے حقوق غصب کرنا اور اسی قسم کی بہت سی بے اعتدالیاں۔ صاحب خودی ان سب خرابیوں کیخلاف جہاد کر کے مذکورہ باطل قوتوں کو فنا کر دیتا ہے اور یوں انسانی معاشرے میں حق وانصاف، مساوات اور انسان دوستی جیسے اوصاف پیدا کر دیتا ہے۔

۵۔ با تو می گویم حدیث بوعلیؒ　　در سواد ہند نام او جلی
۶۔ آں نوا پیرائے گلزار کہن　　گفت با ما از گل رعنا سخن
۷۔ خطہ ایں جنت آتش نژاد　　از ہوائے دامنش مینو سواد
۸۔ کوچک ابدالش سوے بازار رفت　　از شراب بوعلیؒ سرشار رفت
۹۔ عامل آں شہر می آمد سوار　　ہم رکاب او غلام و چوبدار
۱۰۔ پیش رو زد بانگ اے ناہوشمند　　بر جلو داران عامل رہ مبند

۱۱- رفت آں درویش سر افگندہ پیش غوطہ زن اندر یم افکار خویش
۱۲- چوبدار از جامِ استکبار مست برسر درویش چوب خود شکست

۵- میں تجھے بوعلی قلندرؒ پانی پت کی بات سناتا ہوں، وہ بوعلیؒ جن کا نام نامی خطہ ہند میں مشہور ہے۔

۶- قدیم گلزار/ عالم ارواح کے اس نغمہ پرداز (قلندرؒ) نے ہمیں شگفتہ اور حسین پھول کی بات سنائی ہے۔ (فرہنگ دیکھیے)

۷- اس جنت (سرزمین ہند) کا خطہ جو کبھی اپنی اصل کے لحاظ سے آگ/ کفرستان تھا، حضرت بوعلیؒ کے دامن کی ہوا ہی سے بہشت صورت بنا۔ انہوں نے یہاں اسلام پھیلایا۔

۸-۱۲: ایک موقع پر ان کا ایک چھوٹا/ نیا نیا مرید کسی غرض سے بازار گیا، اس حالت میں کہ وہ حضرت بوعلیؒ کی شراب سے سرشار و مست تھا (حضرت سے انتہائی ارادت و محبت میں ڈوبا ہوا جا رہا تھا)۔ اتفاق سے اس شہر کے حاکم کی سواری ادھر سے گزر رہی تھی، جس کے ساتھ اس کے غلام اور عصا بردار تھے۔ اس حاکم کے نقیب نے اس درویش یعنی مرید کو یوں چلتے دیکھ کر اسے ڈانٹتے ہوئے کہا کہ: ''او بے عقل/ گنوار حاکم کے نقیبوں کا راستہ نہ روک۔'' لیکن وہ درویش اسی سرشاری کی حالت میں سر آگے کو جھکائے، اپنے خیالات کے سمندر میں غوطہ زن/ غرق چلتا رہا۔ (اس نے نقیب کی بات سنی ان سنی کر دی) اس عصا بردار نقیب نے غرور کے نشے میں اس درویش کے سر پر اپنا عصا کھینچ مارا۔

۱۳- از رہِ عامل فقیر آزردہ رفت دل گران و ناخوش و افسردہ رفت
۱۴- در حضور بو علی فریاد کرد اشک از زندانِ چشم آزاد کرد
۱۵- صورت برقے کہ بر کہسار ریخت شیخ سیل آتش از گفتار ریخت
۱۶- از رگِ جاں آتش دیگر کشود با دبیر خویش ارشادے نمود
۱۷- خامہ را بر گیر و فرمانے نویس از فقیرے سوئے سلطانے نویس

۱۳- وہ درویش، حاکم کے راستے سے (اس سلوک کی بنا پر) آزردہ خاطر گیا، اس کا دل بوجھل تھا اور وہ غمگین اور افسردہ تھا۔

۱۴- اس نے حضرت بوعلیؒ کی خدمت میں پہنچ کر فریاد کی اور آنکھوں کے قید خانے سے

آنسوؤں کو آزاد کیا۔ حضرت کو یہ واقعہ روتے روتے سنایا۔

۱۵۔ شیخ بوعلی نے اس بجلی کی طرح جو پہاڑوں پر گرتی ہے، اپنی گفتار سے آگ کا طوفان رواں کر دیا یعنی غصے میں آ گئے۔

۱۶-۱۷: انہوں (شیخ) نے شدت کے ساتھ منہ سے ایک آگ برسائی (وہ جلال میں آ گئے) اور اپنے منشی سے فرمایا کہ قلم اٹھا اور ایک فرمان لکھ۔ یہ فرمان ایک فقیر کی طرف سے سلطان کے نام لکھا جائے گا۔

۱۸۔ "بندہ ام را عاملت بر سر زدہ است — بر متاعِ جان خود اخگر زدہ است
۱۹۔ باز گیر ایں عاملِ بد گوہرے — ورنہ بخشم ملکِ تو با دیگرے"
۲۰۔ نامۂ آں بندۂ حق دستگاہ — لرزہ ہا انداخت در اندامِ شاہ
۲۱۔ پیکرش سرمایۂ آلام گشت — زرد مثلِ آفتابِ شام گشت
۲۲۔ بہرِ عامل حلقۂ زنجیر جست — از قلندر عفوِ ایں تقصیر جست

۱۸-۱۹: (اور وہ فرمان یہ ہے کہ) تیرے حاکم نے میرے ایک خادم کے سر پر ڈنڈا مارا ہے، اس طرح اس نے گویا اپنی جان کی متاع کو آگ دکھائی ہے۔ اس بدفطرت حاکم کو واپس بلا لے، ورنہ میں تیرا ملک کسی اور کو عطا کر دوں گا۔

۲۰-۲۱: خدا تک رسائی رکھنے والے اس درویش کے خط سے بادشاہ کے جسم پر کپکپی طاری ہو گئی۔ اس کا جسم رنج والم کا مجموعہ بن گیا اور شام کے وقت ڈوبتے سورج کی طرح اس کا رنگ پیلا پڑ گیا۔

۲۲۔ اس (بادشاہ) نے حاکم کو قید میں ڈال دیا اور قلندر سے اس قصور کی معافی چاہی۔ ان اشعار میں علامہ نے یہ واقعہ بیان کر کے اپنے اس قول کی تصدیق کی ہے کہ خودی جب محبت سے محکم ہو جاتی ہے تو صاحب خودی نظام عالم کی تمام ظاہری اور پوشیدہ قوتوں کو مسخر کر لیتا ہے اور یہ کہ بڑی طاقتیں/قوتیں ایسے بوریا نشین صاحب خودی کا نام ہی سن کر لرز جاتی ہیں۔

۲۳۔ خسرو شیریں زباں، رنگیں بیاں — نغمہ ہایش از ضمیرِ کن فکاں
۲۴۔ فطرتش روشن مثالِ آفتاب — گشت از بہرِ سفارت انتخاب
۲۵۔ چنگ را پیشِ قلندر چوں نواخت — از نوائے، شیشۂ جانش گداخت
۲۶۔ شوکتے کو پختہ چوں کہسار بود — قیمتِ یک نغمۂ گفتار بود

۲۷۔ نیشتر بر قلب درویشاں مزن　　خویش را در آتش سوزاں مزن

۲۳-۲۵: شیریں زباں اور رنگیں بیاں شاعر امیر خسروؒ کو، جس کے نغمے کائنات کے اسرار کے حامل ہیں، اور جس کا باطن چاندنی کی مانند تابناک ہے، سفارت کے لیے چنا گیا (یعنی بادشاہ کا پیغام قلندر تک پہنچانے کے لیے)۔ جب اس (خسرو) نے وہاں پہنچ کر قلندؒ کے سامنے ستار پر نغمہ چھیڑا تو اس نغمے سے ان (قلندر) کی جان کا شیشہ پگھلا کے رکھ دیا (ان پر وجد طاری ہو گیا)

۲۶۔ وہ ہیبت و دبدبہ جو پہاڑوں کی طرح مضبوط و مستحکم تھا، اس کی قیمت گفتار کا ایک نغمہ ٹھہری، یعنی شیخ کا جلال وغضب جاتا رہا۔ ستار امیر خسروؒ نے ایجاد کی تھی اور وہ اسے بڑے سوز وجذبہ میں ڈوب کر بجایا کرتے تھے جس سے سامعین پر وجد طاری ہو جاتا تھا۔ یہاں بھی کچھ یہی کیفیت شیخ (قلندر) کی ہوئی۔

۲۷۔ (دیکھ اے مخاطب!) درویشوں کے دل پر نشتر نہ لگا، خود کو راکھ کر دینے والی آگ میں نہ جھونک۔ اللہ والوں کو تنگ کرنا گویا ان کے دل پر نشتر لگانا ہے، ایسا کرنے والا آدمی خود اپنی تباہی کا سامان کرتا ہے۔

حکایت در این معنی کہ مسئلہ نفی خودی از مخترعات اقوام مغلوبہ بنی نوع انسان است کہ باین طریق مخفی اخلاق اقوام غالبہ را ضعیف می سازند

(اس موضوع سے متعلق حکایت کہ خودی کی نفی کا مسئلہ بنی نوع انسان کی مغلوب قوموں کی اختراعات میں سے ہے جو اس خفیہ طریقے سے غالب قوموں کے اخلاق کو کمزور کرتی ہیں)

۱۔ آں شنیدستی کہ در عہد قدیم　　گوسفنداں در علف زارے مقیم

۲۔ از وفور کاہ نسل افزا بدند　　فارغ از اندیشۂ اعدا بدند

۳۔ آخر از ناسازی تقدیر میش　　گشت از تیر بلائے، سینہ ریش

۴۔ شیرہا از بیشہ سر بیروں زدند　　بر علف زار بزاں شبخوں زدند

۵۔ جذب و استیلا شعار قوت است　　فتح راز آشکار قوت است

۱۔ تو نے (اے مخاطب!) وہ کہانی سن رکھی ہوگی کہ قدیم زمانے میں بہت سی بھیڑ

بکریاں کسی چراگاہ میں ٹھکانا بنائے ہوئے تھیں۔

۲۔ وہاں گھاس چارے کی فراوانی کی وجہ سے ان کی نسل میں بھی اضافہ ہو رہا تھا اور وہ دشمنوں کے ڈر خوف سے بھی بے فکر تھیں۔

۳-۴: آخر بدقسمتی سے ایک وقت ایسا آ گیا کہ ان بھیڑ بکریوں کا سینہ دکھوں کے تیر سے زخمی ہو گیا۔ ہوا یوں کہ چند شیر کسی جنگل سے ادھر آ نکلے اور انہوں نے رات کے وقت (جب وہ سو رہی تھیں) ان پر حملہ کر دیا۔

۵۔ (حقیقت یہ ہے کہ) اپنی طرف کھینچ لینا اور دوسروں پر غلبہ پا لینا قوت کا پرانا طریق کار ہے اور فتح اسی قوت کا کھلا راز ہے یعنی فتح ہر صورت قوت و طاقت ہی کو حاصل ہوتی ہے۔

(گویا علامہ نے اپنی بات میں تاکید پیدا کرنے اور اس کی تفہیم کی خاطر تمثیل کا سہارا لیا ہے اور اس طرح اپنے روحانی مرشد رومیؒ کی تقلید کی ہے)

۶۔ شیر نر کوس شہنشاہی نواخت　　میش را از حریت محروم ساخت

۷۔ بسکہ از شیراں نیاید جز شکار　　سرخ شد از خونِ میش آں مرغزار

۸۔ گوسفندے زیر کے فہمیدہ ے　　کہنہ سالے، گرگِ باراں دیدہ ے

۹۔ تنگ دل از روزگار قوم خویش　　از ستم ہائے ہزبراں سینہ ریش

۱۰۔ شکوہ ہا از گردش تقدیر کرد　　کار خود را محکم از تدبیر کرد

۶۔ شیر نر (قوی شیر) نے سلطنت/شہنشاہی کا ڈنکا بجایا اور اس طرح بھیڑ بکریوں کو آزادی سے محروم کر دیا۔

۷۔ شیر چونکہ صرف شکار کرنا ہی جانتے ہیں، اس لیے وہ چراگاہ بھیڑوں کے خون سے سرخ ہو گئی۔

۸-۱۰: (ان بھیڑ بکریوں میں) ایک بھیڑ زیرک و دانا تھی، باشعور تھی، پختہ عمر کی اور جہاں دیدہ تھی۔ وہ اپنی قوم کے حالات سے پریشان تھی۔ اس کا سینہ شیروں کے ظلم و ستم کے سبب زخمی تھا۔ چنانچہ اس نے تقدیر کی گردش کا شکوہ کرتے ہوئے اپنے معاملے کو تدبیر سے مستحکم کیا۔

۱۱۔ بہرِ حفظِ خویش مردِ ناتواں　　حیلہ ہا جوید ز عقلِ کارداں

۱۲۔ در غلامی از پے دفع ضرر　　قوتِ تدبیر گردد تیز تر

۱۳- پختہ چوں گردد جنونِ انتقام   فتنہ اندیشی کند عقلِ غلام
۱۴- گفت با خود عقدۂ ما مشکل است   قلزمِ غمہائے ما بے ساحل است
۱۵- میش نتواند بزور از شیر رست   سیم ساعد ما و او پولاد دست

۱۱- (حقیقت یہ ہے کہ) کمزور آدمی اپنے تحفظ/ حفاظت کے لیے تجربہ کار اور معاملہ فہم عقل سے کام لینے کے انداز سوچتا ہے۔

۱۲- غلامی میں نقصان اور تکلیف سے بچنے کے لیے تدبیر کی قوت بہت بڑھ جایا کرتی ہے یعنی غلام قوم میں مقابلہ کرنے کی طاقت تو نہیں ہوتی، تاہم وہ اپنے بچاؤ کی خاطر تدبیریں سوچنے ہی میں لگی رہتی ہے۔

۱۳- جب انتقام کا جنون یعنی شدید جذبہ قوی/ پختہ ہو جاتا ہے تو غلام کی عقل نت نئے مکر و فریب سوچنے میں مصروف رہتی ہے۔

۱۴-۱۵: اس (زیرک بھیڑ) نے دل میں کہا/ سوچا کہ ہماری گتھی کا سلجھاؤ مشکل ہے۔ اس لیے کہ ہمارے غموں کا سمندر بیکراں ہے۔ بھیڑ بکری میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ اس کے بل پر شیر سے نجات/ رہائی پا سکے کیونکہ ہم (بھیڑ بکریاں) گویا چاندی کی کلائی والی ہیں (بہت کمزور ہیں) جبکہ شیر فولاد کے ہاتھوں والا (بہت طاقتور) ہے۔

۱۶- نیست ممکن کز کمالِ وعظ و پند   خوئے گرگی آفریند گوسفند
۱۷- شیر نر را میش کردن ممکن است   غافلش از خویش کردن ممکن است
۱۸- صاحبِ آوازۂ الہام گشت   واعظِ شیرانِ خوں آشام گشت
۱۹- نعرہ زد "اے قومِ کذّابِ اشر   بے خبر از یومِ نحسٍ مستمر
۲۰- مایہ دار از قوتِ روحانیم   بہرِ شیراں مرسلِ یزدانیم
۲۱- دیدۂ بے نور را نور آدم ۔   صاحبِ دستور و مامور آدم

۱۶- ایسا امر ممکن نہیں ہے کہ وعظ ونصیحت سے بھیڑ، بھیڑیے کی سی خوخصلت پیدا کر لے۔

۱۷- ہاں، شیر نر کو بکری بنا لینا ممکن ہے، اسے اس کی ذات و شخصیت سے غافل/ بے خبر کر دینا بھی ممکن ہے۔

۱۸- چنانچہ اس (زیرک بھیڑ) نے کچھ ایسا ڈھنڈورا پیٹ دیا جیسے اس پر وحی نازل ہوتی ہو اور یوں وہ خون پینے والے شیروں کی واعظ بن گئی۔

۱۹- وہ بھیڑ نعرہ زن ہوئی کہ "اے بے حد جھوٹی اور شیخی باز قوم (شیر) تم لوگ ہمیشہ ہمیشہ

کی نحوست سے بے خبر ہو۔ ارشادِ خداوندی ہے: ''ہم نے ان (قوم ثمود) پر ایک سخت منحوس دن میں بادِ تند بھیج دی۔'' دراصل قوم ثمود نے حضرت صالحؑ کے لیے ''بہت جھوٹا اور خود پسند'' کے الفاظ استعمال کیے تھے۔ یہاں اس کا وہ سیاق وسباق تو نہیں جو قرآن کریم میں ہے، تاہم اس حوالے اور اس منظر کے ساتھ بھیڑ کا یہ نعرہ خاصا وزنی بن گیا ہے اور مخالف گروہ (شیر) کے لیے باعث خوف وعبرت بھی۔

۲۰۔ میں (بھیڑ) روحانی قوت سے مالا مال ہوں یعنی مجھے بے حد روحانی قوت عطا ہوئی ہے، میں شیروں کے لیے خدا کی طرف سے بھیجی گئی یعنی رسول ہوں۔ (شیروں کو مرعوب کرنے کی خاطر اس نے یہ دعویٰ کیا)

۲۱۔ میں بصارت سے محروم آنکھوں کے لیے نور کی صورت میں آئی ہوں، میں شریعت لے کر اور خاص حکم ومنصب لے کر آئی ہوں یعنی تم لوگ (شیر) شعور اور بصیرت سے محروم ہو اور بھٹکے ہوئے ہو، میں تمہاری اصلاح وخیر خواہی کے لیے بھیجی گئی ہوں۔

۲۲۔ توبہ از اعمالِ نامحمود کن ‏ ‏ ‏ اے زیاں اندیش فکر سود کن

۲۳۔ ہر کہ باشد تند و زور آور، شقی است ‏ ‏ ‏ زندگی مستحکم از نفی خودی است

۲۴۔ روح نیکاں از علف یابد غذا ‏ ‏ ‏ تارک اللحم است مقبول خدا

۲۵۔ تیزی دنداں ترا رسوا کند ‏ ‏ ‏ دیدۂ ادراک را اعمیٰ کند

۲۶۔ جنت از بہر ضعیفان است و بس ‏ ‏ ‏ قوت از اسباب خسران است و بس

۲۲۔ (تو اے شیروں کی قوم) تو اپنے برے عملوں سے توبہ کر۔ اے نقصان کی حامل سوچ رکھنے والی قوم اپنی بھلائی اور فائدے کا خیال کر۔

۲۳۔ جو کوئی بھی غصیلا اور طاقت کے نشے میں چور ہے، وہ بد بخت اور سنگدل ہے، زندگی کو استحکام تو اپنی ذات، اپنی قوت کی نفی ہی سے میسر آتا ہے (اس شعر میں شیروں کو براہِ راست کچھ کہنے کی بجائے عمومی انداز اختیار کیا گیا ہے اور یہ انداز زیادہ نتیجہ خیز ثابت ہوسکتا ہے۔)

۲۴۔ نیک لوگوں کی روح گھاس چارے سے اپنی غذا حاصل کرتی ہے۔ گوشت چھوڑنے یعنی گوشت کی عادت نہ رکھنے والے کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔

۲۵۔ دانتوں کی تیزی تیرے لیے رسوائی کا باعث بن رہی ہے اور یہ بات فہم وشعور کی آنکھوں کو اندھا/نابینا کر دیتی ہے۔ گویا اس وعظ ونصیحت سے اس بھیڑ کا مقصد یہ

ہے کہ شیر بھیڑوں کو شکار کرنا چھوڑ دیں، ان کا گوشت نہ کھائیں۔

۲۶۔ جنت تو صرف اور صرف کمزوروں اور ناتوانوں کے لیے ہے جبکہ قوت وطاقت سراسر گھاٹے اور نقصان/زیاں کا باعث بنتی ہے۔

۲۷۔ جستجوے عظمت و سطوت شراست — تنگ دستی از امارت خوشتر است

۲۸۔ برق سوزاں در کمین دانہ نیست — دانہ گر خرمن شود فرزانہ نیست

۲۹۔ ذرہ شو، صحرا مشوگر عاقلی — تا ز نورِ آفتابے بر خوری

۳۰۔ اے کہ می نازی بذبحِ گوسفند — ذبح کن خود را کہ باشی ارجمند

۳۱۔ زندگی را می کند ناپایدار — جبر و قہر و انتقام و اقتدار

۳۲۔ سبزہ پامال است و روید بار بار — خوابِ مرگ از دیدہ شوید بار بار

۲۷۔ شان وشوکت اور ہیبت و دبدبہ کی تلاش وکوشش تو نرا فساد ہے۔ مفلسی، امیری سے کہیں بہتر ہے۔

۲۸۔ جلا کر راکھ کر دینے والی بجلی بھی دانے کی گھات میں نہیں رہتی۔ سو دانہ اگر خرمن/کھلیان کی صورت اختیار کر لے تو وہ عقلمند نہیں ہے (صنعت تجسیم (Personification) سے کام لیا ہے، گویا دانہ کوئی انسان ہے جو اگر دولت کا لالچ کرے گا تو نقصان اٹھائے گا)، کھیتی قوتوں اور صلاحیتوں کی اور دانہ ضعف و ناتوانی کی علامت ہے۔

۲۹۔ اگر تجھ میں کچھ عقل ہے تو ذرے کی صورت اختیار کر لے، صحرا نہ بن تا کہ تو کسی آفتاب کے نور سے بہرہ ور ہو۔ سورج کی شعاعوں میں ذرے نظر آتے ہیں۔ گویا وہ اس کے نور/روشنی سے بہرہ ور ہو رہے ہوتے ہیں۔

۳۰۔ تو (شیر) جو بھیڑ بکری کو مار کر اتراتا ہے، اپنے آپ کو مار تاکہ تیری قدر و وقعت ہو یعنی اپنی خودی کی نفی کر اور یوں سرخرو ہو جا۔

۳۱۔ سبزہ حالانکہ پاؤں تلے روندا جاتا ہے لیکن پھر بھی وہ بار بار اگتا رہتا ہے اور یوں اپنی آنکھوں سے موت کی نیند بار بار دھوتا رہتا ہے۔ نادر مثالوں سے علامہ نے اپنی بات میں تاثیر و دلکشی پیدا کی ہے۔ (رومی کا شعر ذیل اگرچہ اس موضوع کے برعکس ہے، تاہم اس کی ندرت کی بنا پر یہاں درج کیا جاتا ہے:

دانہ باشی، مرغکانت برچنند — غنچہ باشی، کودکانت برکنند

[اگر تو دانہ بنے گا تو پرندے تجھے کھا جائیں گے اور اگر غنچہ ہو گا تو بچے تجھے توڑ لیں گے] دفتر اول)

۳۳۔ غافل از خود شو اگر فرزانہ ای — گر ز خود غافل نہ ای، دیوانہ ای
۳۴۔ چشم بند و گوش بند و لب بہ بند — تا رسد فکر تو بر چرخ بلند
۳۵۔ ایں علفزار جہاں ہیچ است ہیچ — تو بریں موہوم اے ناداں مپیچ
۳۶۔ خیل شیر از سخت کوشی خستہ بود — دل بذوق تن پرستی بستہ بود
۳۷۔ آمدش ایں پند خواب آور پسند — خورد از خامی فسون گوسفند
۳۸۔ آں کہ کردے گوسفنداں را شکار — کرد دین گوسفندی اختیار

۳۳۔ اگر تو صاحب عقل وشعور ہے تو اپنی ذات (اپنی اہلیتوں) سے غافل ہو جا، بھول جا اور اگر تو خود غافل نہیں ہے تو پھر تو دیوانہ ہے۔

۳۴۔ آنکھ بند کر لے، کان بند کر لے اور ہونٹ یعنی منہ بند کر لے تا کہ تیری فکر بلند آسمان تک جا پہنچے۔ اس سے پہلے تو بھیڑ نے یہ نصیحت کی ہے کہ تو (شیر) اپنی ذات سے بے خبر ہو جا اور اب یہ کہ تو اپنے حواس خمسہ سے بھی کام نہ لے۔ مطلب یہ کہ شیر (یا غالب قوم) ہر لحاظ سے کمزور اور بے بس ہو کر رہ جائے۔

۳۵۔ دنیا کی یہ چراگاہ کچھ بھی نہیں ہے۔ کچھ بھی نہیں ہے یعنی بے وقعت اور بے حیثیت ہے، منہ لگانے کے لائق نہیں۔ تو اے پگلے! اس خیالی دنیا سے مت لپٹ، اسی کا نہ ہو کر رہ جا۔

۳۶۔ شیروں کا گلہ اگر وہ اپنی سخت محنت اور جدوجہد (بار بار شکار کرنے) کی بنا پر تھک چکا تھا، چنانچہ اس نے آرام طلبی کا ذوق دل میں پیدا کر لیا تھا (آرام طلب ہو گیا تھا)

۳۷-۳۸: اسے جدوجہد/محنت سے بیگانہ کر دینے والی یہ نصیحت پسند آ گئی اور وہ (گروہ) اپنی کم عقلی کے باعث بھیڑ کے مکروفریب کا شکار ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گروہ جو بھی بھیڑوں کا شکار کیا کرتا تھا، اب اس نے بھیڑوں کی سی خصلت اپنا لی۔

۳۹۔ باپلنگاں سازگار آمد علف — گشت آخر گوہر شیری خزف
۴۰۔ از علف آں تیزی دنداں نماند — ہیبت چشم شرار افشاں نماند
۴۱۔ دل بتدریج از میان سینہ رفت — جوہر آئینہ از آئینہ رفت
۴۲۔ آن جنون کوشش کامل نماند — آں تقاضائے عمل در دل نماند

۴۳- اقتدار و عزم و استقلال رفت اعتبار و عزت و اقبال رفت

۳۹- آخر شیروں کو اب گھاس مزہ دینے لگی اور یوں ان کے شیرپن کا موتی خشکیری بن کے رہ گیا۔ وہ شیرانہ قوت اور ہیبت و دبدبہ ختم ہو گیا، گویا غالب قوم اب مغلوب قوم کے لیے کسی خطرے کا باعث نہ رہی۔

۴۰- گھاس کھانے سے شیروں کے دانتوں کی وہ پہلی سی تیزی/کاٹ نہ رہی اور چنگاریاں بکھیرنے والی آنکھوں کی وہ پہلی سی ہیبت نہ رہی، پہلے والا سب دبدبہ جاتا رہا۔

۴۱- ان کا دل (جو کبھی جرأت و دلیری وغیرہ کا سرچشمہ/منبع تھا) سینے سے نکل گیا، گویا آئینے کی چمک آئینے سے جاتی رہی یعنی وہ جرات و دلیری ختم ہو گئی۔ علامہ نے دل کی کیفیت کو اس شعر میں یوں بیان کیا ہے:

سمجھا لہو کی بوند اگر تو اسے تو خیر دل آدمی کا ہے فقط اک جذبۂ بلند

ایک جگہ کہا ہے:

دلِ مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

اور بقولِ میر درد:

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مر جائے کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

۴۲- وہ پورے طور پر جدوجہد کرنے کا شوق و جذبہ نہ رہا اور عمل کا وہ تقاضا دل سے جاتا رہا یعنی شیروں کے اس گروہ (غالب قوم) کے سارے جذبے ٹھنڈے پڑ گئے اور ان کی زندگی بیکار ہو کر رہ گئی۔

۴۳- اقتدار، عزم/ارادہ اور ثابت قدمی سے وہ محروم ہو گئے، ان کی ساکھ، عزت اور خوش بختی نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔

۴۴- پنجہ ہائے آہنیں بے زور شد مردہ شد دلہا و تنہا گور شد

۴۵- زورِ تن کاہید و خوفِ جاں فزود خوفِ جاں سرمایہ ہمت ربود

۴۶- صد مرض پیدا شد از بے ہمتی کوتہ دستی، بیدلی، دوں فطرتی

۴۷- شیر بیدار از فسون میش خفت انحطاط خویش را تہذیب گفت

۴۴- لوہے ایسے مضبوط پنجے کمزور ہو کر رہ گئے، دل مردہ ہو گئے اور جسموں نے قبر کی سی صورت اختیار کر لی۔ جسم اور اعضا بیکار اور سست ہو کر رہ گئے۔ (قوت عمل سے بیگانہ

قوم کی یہی حالت ہوتی ہے)

۴۵۔ جسم کی قوت و طاقت گھٹ گئی اور جان کا خوف بڑھ گیا۔ جان کے اس خوف نے ہمت و عزم کی پونجی اڑا لی۔ جب ہر وقت جان کا خوف طاری رہے گا تو یہ ایک قدرتی امر ہے کہ ایسا خوف زدہ انسان کم ہمتی اور بے بسی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوگا۔ (یہاں شیروں کے حوالے سے غالب قوم کا مغلوب قوم کی عیارانہ نصیحت پر عمل کرنے کا نتیجہ بیان کیا گیا ہے۔)

۴۶۔ چنانچہ اس بے ہمتی کے نتیجے میں شیروں کو کئی مرض لاحق ہو گئے، جیسے کوتاہ دستی، بے دلی اور پست فطرتی۔ (فرہنگ دیکھیے)

۴۷۔ وہ شیر جو بیدار یعنی دلیر و قوی تھا، بھیڑ کے سحرا جادو سے سو گیا، بیکار و بزدل اور کمزور ہو کے رہ گیا، اس کی سوچوں میں بھی تبدیلی آ گئی۔ چنانچہ اس نے اپنے اس جسمانی و روحانی زوال کو تہذیب کا نام دے دیا اور یوں اپنے دل کی تسلی کا سامان کیا۔ مختصر یہ کہ عیار مغلوب قوم، غالب قوم کو انہی چالوں سے بیکار کر کے رکھ دیتی ہے۔

در معنیٰ این کہ افلاطونِ یونانی کہ تصوف و ادبیاتِ اقوام اسلامیہ از افکار او اثرِ عظیم پذیرفتہ بر مسلک گوسفندی رفتہ است واز تخیلاتِ او احتراز واجب است

(اس بیان میں کہ یونان کا فلسفی افلاطون، جس کے افکار سے مسلم اقوام کے تصوف اور ادب نے بہت زیادہ اثر قبول کیا ہے، مسلک گوسفندی پر ہی چلا ہے اس لیے اس کے افکار سے دوری ضروری ہے)

۱۔ راہب دیرینہ افلاطون حکیم — از گروہ گوسفندانِ قدیم
۲۔ رخشِ او در ظلمت معقول گم — در کہستانِ وجود افگندہ سم
۳۔ آں چناں افسونِ نامحسوس خورد — اعتبار از دست و چشم و گوش برد
۴۔ گفت سر زندگی در مردن است — شمع را صد جلوہ از افسردن است

۵- بر تخیل ہائے ما فرماں رواست ۔ جام او خواب آور و گیتی رباست

۱-۲: وہ قدیم پادری یعنی تارک دنیا فلسفی افلاطون قدیم بھیڑوں کے ریوڑ میں سے تھا، اس کا گھوڑا فلسفے کی تاریکی میں کھو گیا۔ وہ (گھوڑا) وجود کے کوہستان میں چلنے سے عاجز رہ گیا۔ علامہ نے افلاطون کو تارک دنیا اس کے نظریات کے حوالے سے کہا ہے۔ اس نے معقول کو حقیقت اور محسوس کو نمود محض قرار دیا ہے جبکہ علامہ کے مطابق اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ محسوس اور معقول دونوں حقیقت ہیں اور ان دونوں کے ماورا بھی ایک حقیقت ہے۔ قدیم بھیڑوں کے ریوڑ سے اس کے تعلق کا مطلب ہے کہ اس کا نظریہ اس قسم کا ہے جس میں جدوجہد کی بجائے ترک دنیا پر زور ہے۔ اس کے گھوڑے سے مراد اس کی سوچ اور فکر ہے، گویا فکر و خیال کی دنیا میں وہ کچھ ایسا غوطہ زن ہوا کہ گرد و پیش کی دنیا سے بے تعلق ہو کر رہ گیا۔

۳- وہ (افلاطون) نا محسوس کے فریب کا کچھ اس حد تک شکار ہو گیا کہ اسے ہاتھ، آنکھ اور کان کے وجود کا اعتبار ہی نہ رہا۔ اس نے اس دنیائے محسوس کو محض وہم و خیال قرار دیا ہے جس کا مطلب ہے کہ انسان ایسا تصور اپنا کر تسخیر کائنات اور جہد و عمل کی طرف متوجہ نہ ہو اور اس کا علم حاصل کرنا محض علم کی خاطر ہو اور یوں اس کی قوت جہد و عمل مردہ ہو کر رہ جائے۔

۴- افلاطون کا قول ہے یا اس نے یہ دعویٰ کیا کہ زندگی کی حقیقت مرنے ہی میں پوشیدہ ہے اور شمع کے بجھ جانے ہی سے اس کے سینکڑوں جلوے ظاہر ہوتے ہیں۔ گویا یہ دنیا محض فریب ہے، یہاں خود کو فنا کر لینے ہی میں زندگی کا راز ہے۔ مسلمان صوفیا نے بھی فنائے ذات پر توجہ رکھی اور اس کی تعلیم دی۔

۵- وہ ہمارے افکار و خیالات پر بری طرح چھایا ہوا ہے۔ اس کا جام نیند لانے والا اور زمانے کو اچک لے جانے والا ہے۔ یعنی اس کی تعلیم/ اس کا فلسفہ انسان کو بیکار اور بے عمل کر دینے اور دنیا سے تعلق ختم کر دینے والی ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے صوفیا اور فلسفیوں نے فنائے ذات پر زور دے کر مسلمانوں کی قوت عمل ختم کر کے رکھ دی۔

۶- گوسفندے در لباسِ آدم است ۔ حکم او بر جانِ صوفی محکم است

۷- عقل خود را بر سر گردوں رساند ۔ عالم اسباب را افسانہ خواند

۸- کارِ او تحلیل اجزائے حیات ۔ قطع شاخ سرو رعنائے حیات

۹۔ فکر افلاطوں زیاں را سود گفت حکمت او بود را نابود گفت
۱۰۔ فطرتش خوابید و خوابے آفرید چشم ہوشِ او سرابے آفرید
۱۱۔ بسکہ از ذوقِ عمل محروم بود جانِ او وارفتۂ معدوم بود

۶۔ (درحقیقت) وہ آدمی کے لباس میں ایک بھیڑ ہے، اس کا حکم (اس کی تعلیم) صوفی کی روح پر پوری طرح غالب ہے۔ (بھیڑ وہی جس کا ذکر ہو چکا ہے)، مسلمان صوفیوں نے اس کے فلسفے سے جو بھر پور اثر لیا۔ دوسرے مصرعے میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

۷۔ اس نے اپنی عقل آسمان کی سی بلندی تک پہنچا دی اور اس مادی دنیا کو بے حقیقت کہا۔ عقل و فلسفہ کے لحاظ سے تو افلاطون کا مقام واقعی بلند ہے لیکن اس نے اس عقل سے منفی کام لیا اور دنیا کو بے حقیقت (جس کا کوئی وجود نہ ہو) کہہ کر قوموں اور افراد کو قوتِ عمل سے بیگانہ کر دیا۔

۸۔ اس کا کام زندگی کے اجزا کا تجزیہ کرنا اور زندگی کے دل کش و تازہ سرو کی شاخ کو کاٹنا ہے۔ وہی بات اب دوسرے انداز میں۔ اس نے زندگی کی حقیقت اور دنیا سے انسانی تعلق کو جھٹلا دیا، حالانکہ اسی عالم اسباب میں رہ کر انسان درجہ کمال کو پہنچ سکتا ہے۔ زندگی کے سرو کی شاخیں کاٹنا بھی اسی مفہوم کا حامل ہے: استعارے سے کام لیا گیا ہے۔

۹۔ افلاطون کی فکر نے نقصان کو نفع کا نام دیا اور اس کی حکمت نے وجود کو غیر وجود کہا۔ وہی دنیا اور زندگی کے بارے میں افلاطون کے منفی نظریہ کا ذکر۔

۱۰۔ اس کی فطرت سوگئی اور اس نے ایک خواب کو جنم دیا۔ اس کے فہم و ادراک نے ایک سراب تخلیق کیا۔ گویا اس کا زندگی اور دنیا کو وہم و خیال قرار دینا ایسا ہی ہے جیسے اس نے کوئی خواب دیکھا ہو اور اس خواب کے بارے میں دوسروں کو بتا رہا ہو۔ سراب تخلیق کرنے سے مراد ہے اس کا عالم موجودات کو وہم و خیال اور فریب قرار دینا۔

۱۱۔ وہ عمل کے ذوق سے کچھ زیادہ ہی محروم تھا۔ اس کی روح معدوم / نیستی کی دیوانی تھی۔ وہی فنا سے اور بے عملی سے اس کی دلچسپی یا ان پر اس کا ایمان۔

۱۲۔ منکر ہنگامۂ موجود گشت خالقِ اعیانِ نامشہود گشت
۱۳۔ زندہ جاں را عالمِ امکاں خوش است مردہ دل را عالمِ اعیاں خوش است
۱۴۔ آہوش بے بہرہ از لطفِ خرام لذتِ رفتار برکبکش حرام
۱۵۔ شبنمش از طاقتِ رم بے نصیب طائرش را سینہ از دم بے نصیب

۱۶۔ ذوق روئیدن ندارد دانہ اش / از تپیدن بے خبر پروانہ اش

(اس سے پہلے علامہ، افلاطون کے نظریات کا نچوڑ پیش کر چکے ہیں، اب وہی باتیں شاعرانہ انداز میں مختلف استعاروں کی صورت میں بیان کر رہے ہیں)

۱۲۔ افلاطون موجود کے ہنگامے کا منکر ہو گیا۔ اس نے خارج میں غیر موجود اشیا تخلیق کیں۔ وہ نظر نہ آنے والی اشیا کو زیادہ پایدار قرار دیتا ہے۔

۱۳۔ (حقیقت یہ ہے کہ) زندہ روح رکھنے والے انسان کے لیے یہ فانی دنیا اچھی ہے اور جو مردہ دل ہے اس کے لیے وہ دنیا اچھی ہے جس کی محسوس اشیا اس کے نزدیک کوئی وجود نہیں رکھتیں۔ گویا عالم اسباب ایک ٹھوس حقیقت ہے جو انسان جہد و عمل کے جذبے سے سرشار ہیں وہ اسی عالم میں رہ کر تسخیر کائنات کی طرف مائل ہونے اور یوں اپنی سربلندی کا سامان کرتے ہیں۔

۱۴۔ اس کا ہرن لطف خرام سے محروم ہے اور اس کے چکور پر رفتار کی لذت حرام ہے۔ یہ نئے استعارے افلاطون کے فلسفے کے بودے پن پر تنقید کی عمدہ مثال ہیں۔ ہرن کے خرام اور چکور کی چال میں ایک خاص دل کشی ہے، جب ان میں یہ خوبی نہیں تو ان کا وجود بیکار ہے۔

۱۵۔ اس کی شبنم اڑ جانے کی طاقت سے بے نصیب ہے، اس کا پرندہ دم خم/طاقت سے بے خبر ہے۔ شعر ۱۴ والی بات اس استعارے/تمثیل میں۔

۱۶۔ اس کے دانے میں اگنے اور نمو پانے کا ذوق نہیں ہے۔ اس کا پروانہ تڑپنے سے بے خبر ہے۔ وہی بات نئی تمثیل میں۔

۱۷۔ راہب ما چارہ غیر از رم نداشت	طاقت غوغائے ایں عالم نداشت
۱۸۔ دل بسوز شعلہ افسردہ بست	نقش آں دنیائے افیوں خوردہ بست
۱۹۔ از نشیمن سوئے گردوں پر کشود	باز سوئے آشیاں نامد فرود
۲۰۔ در خم گردوں خیال او گم است	من ندانم دُرد یا خشت خم است
۲۱۔ قومہا از سکر او مسموم گشت	خفت و از ذوق عمل محروم گشت

۱۷۔ ہمارے تارک دنیا افلاطون کے لیے فرار کے سوا کوئی اور چارہ نہ تھا۔ اس میں دنیا کے ہنگامے یعنی اپنی بقا کی خاطر جد و جہد کی طاقت نہ تھی۔ ظاہر ہے جب کسی انسان میں یہ طاقت نہ ہو تو وہ اسی طرح مختلف انداز میں فرار کی راہ اختیار کرتا ہے۔

افلاطون نے جو فلسفہ پیش کیا وہ بھی عملی زندگی سے فرار کی ایک راہ تھی۔

۱۸۔ اس نے بجھے ہوئے/ٹھنڈے شعلے سے دل لگایا اور اس افیون خوردہ یعنی عمل سے بیگانہ ست الوجود دنیا کی تصویر بنائی۔ یعنی اس کا فلسفہ بے حسی، سوز و حرارت اور پیہم جہد و عمل کی کوشش سے عاری کرنے والا ہے۔

۱۹۔ وہ (افلاطون) آشیانے سے آسمان کی طرف اڑا، لیکن پھر وہ آشیانے میں نہیں اترا۔ یعنی اس دنیا میں رہتے ہوئے وہ خیالی دنیا میں کھو گیا۔ اس ٹھوس اور حقیقت کی دنیا کو تو اس نے تسلیم نہ کیا اور ایک ایسی دنیا کا تصور پیش کیا جس کا سرے سے کوئی وجود نہ تھا۔

۲۰۔ آسمان کے مٹکے میں اس کا خیال گم ہے، خدا جانے وہ تلچھٹ ہے یا مٹکے کی اینٹ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ افلاطون کسی مسئلے کی تحقیق کے سلسلے میں ایک بڑے مٹکے کے اندر بیٹھا محو فکر تھا کہ اسی میں اس کی موت واقع ہو گئی۔ آسمان کو شکل کی لحاظ سے مٹکا کہا گیا ہے۔ اس صورت میں یہ ایک لطیف مضمون بن گیا۔ تلچھٹ یا مٹکے کی اینٹ سے مراد بے مصرف اور بیکار شے ہوتا ہے۔ گویا اس کے نظریات سب بیکار اور بودے ہیں، ان سے بنی نوع انسان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا الٹا نقصان بہت پہنچتا ہے۔

۲۱۔ قومیں اس کے غفلت انگیز فلسفے کے زہر کا شکار ہو کر سو گئیں اور یوں عمل سے بیگانہ ہو گئیں۔ جس انسان کو زہر دیا جائے اس کی زندگی ختم ہو جاتی ہے، بعینہ جو قومیں ذوق عمل سے محروم ہو جائیں جلد یا بدیر ان کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹ جاتا ہے۔ سو افلاطون کا فلسفہ بھی زہر تھا۔ جن قوموں نے وہ فلسفہ اپنا لیا انہوں نے گویا اپنا وجود مٹا لیا۔ مسلمانوں کو عجمی تصوف ہی نے، جو افلاطونی فلسفے کی تاثیر کا نتیجہ تھا، ذوق عمل سے بیگانہ کر کے ذلت و پستی کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل دیا۔

در حقیقت شعر و اصلاح ادبیات اسلامیہ

(شعر کی حقیقت اور اسلامی ادبیات کی اصلاح کے بارے میں)

۱۔ گرم خوں انساں ز داغ آرزو　　آتش ایں خاک از چراغ آرزو

۲۔ از تمنا مے بجام آمد حیات　　گرم خیز و تیز گام آمد حیات

۳- زندگی مضمون تسخیر است و بس — آرزو افسون تسخیر ست و بس

۴- زندگی صید افگن و دام آرزو — حسن را از عشق پیغام آرزو

۵- از چه رو خیزد تمنا دم بدم؟ — ایں نوائے زندگی را زیر و بم

۱- آرزو کی گرمی ہی سے انسان میں جدوجہد اور عمل کی سرگرمی پیدا ہوتی ہے۔ یہ خاک یعنی انسان آرزو کے چراغ سے (عمل میں سرگرمی کے لحاظ سے) آگ بن جاتی / جاتا ہے۔ جب کوئی مقصد اعلیٰ انسان کے پیش نظر ہوتا ہے تو وہ اس کے حصول کے لیے جو تگ ودو اور جدوجہد کرتا ہے اس کی بنا پر وہ ایک ارفع مقام / بلند مرتبہ پر پہنچ جاتا اور یوں اپنی بقا کا سامان کرتا ہے۔

۲- آرزو اور تمنا سے زندگی میں حصول مقصد و آرزو کی خاطر جوش و ولولہ پیدا ہوتا ہے اور آرزو کے طفیل ہی زندگی میں تیز روی، سرگرمی اور تیزی آجاتی ہے۔

۳- زندگی تو فقط فطرت پر غلبہ پا کر اسے اپنے کام میں لانے کا مضمون ہے، جب کہ آرزو اس تسخیر کا جادو ہے اور بس۔ گویا آرزو زندگی کی بنیاد ہے۔ زندگی یہ نہیں کہ انسان اپنے آپ کو صرف سونے، جاگنے اور کھانے پینے تک محدود رکھے یا بقول شاعر:

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے — عمر یونہی تمام ہوتی ہے

بلکہ اس کا اصل مقصد کائنات کی تسخیر ہے اور یہ آرزو کے بغیر ممکن نہیں۔ یعنی آرزو دل میں پیدا ہوگی تو انسان آگے بڑھے گا۔

۴- زندگی، شکار کرنے والی ہے اور اس شکار کے لیے آرزو جال کا کام دیتی ہے۔ یہ آرزو گویا عشق کی طرف سے حسن کے نام پیغام ہے۔ تیسرے شعر والی بات دوسری تمثیل میں۔

۵- آخر یہ آرزو و تمنا کس لیے ہر لحہ وجود میں آتی رہتی ہے؟۔ یہ حقیقت میں زندگی کے نغمے کی نیچی لے اور اونچی لے ہے۔ زیر و بم کے بغیر کوئی بھی نغمہ تخلیق نہیں ہوسکتا یا نہیں ہو پاتا۔ گویا یہ کسی نغمے کی اساس ہیں۔ بعینہٖ زندگی اس وقت تک حقیقی زندگی قرار نہیں پاتی جب تک اس میں کوئی مقصد و آرزو نہ ہو۔

۶- ہر چہ باشد خوب و زیبا و جمیل — در بیابان طلب مارا دلیل

۷- نقش او محکم نشیند در دلت — آرزو ہا آفریند در دلت

۸- حسن خلاق بہار آرزوست — جلوہ اش پروردگار آرزوست

۹۔ سینۂ شاعر تجلی زارِ حسن خیزد از سینائے او انوارِ حسن
۱۰۔ از نگاہش خوب گردد خوبتر فطرت از افسونِ او محبوب تر

۶۔۷: جو چیز/ شے بھی دل کش، خوبصورت اور حسن و جمال سے آراستہ ہے، وہ آرزو اور خواہش کے جنگل/صحرا میں ہماری رہنمائی کرنے والی ہے۔ اس دل کش شے کا نقش تیرے دل میں گہرا اور مستحکم/مضبوط بیٹھتا ہے۔ یہ تیرے دل میں آرزو کو جنم دیتی ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ اسے جو بھی چیز یا فن پارہ وغیرہ خوبصورت اور جاذب نظر آتا ہے، وہ اس کے حصول کے لیے کوشش کرنے لگتا ہے۔ گویا یہ حسین شے آرزو پیدا کر دیتی ہے اور اس کا نقش کچھ اس حد تک انسان کے دل میں جم جاتا ہے کہ وہ اس تک رسائی یا اس کے حصول کے لیے نت نئی تدبیریں سوچتا اور ان پر عمل پیرا ہونے لگتا ہے۔

۸۔ حسن' آرزو کی بہار کا تخلیق کار/پیدا کرنے والا ہے۔ اس کا جلوہ/پرتو آرزو کی پرورش کرنے والا ہے۔ مطلب یہ کہ حسن کی دلکشی ہی آرزو کی نشو ونما یا ارتقا کا باعث بنتی ہے۔

۹۔ شاعر کا سینہ/ دل حسن کی جلوہ گاہ ہے۔ اس کے طورِ سینا سے حسن کے جلوے پھوٹتے ہیں۔ شاعر سے مراد عام شاعر نہیں بلکہ ایک ایسا شاعر جو ایک اعلیٰ مقصد لے کر چلتا اور قوم کو اپنے حسن بیان سے عمل پر مائل کرتا ہے۔ اس کے دل سے اعلیٰ و ارفع جذبات و احساسات شعر کی صورت میں باہر آتے ہیں۔ اس لیے وہ (دلِ شاعر) ایک ایسا مقام ہے جہاں حسن اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔ دوسرے مصرعے میں وہی بات قرآنی تلمیح کے حوالے سے کہی ہے۔

۱۰۔ اس کی نگاہ سے حسن میں مزید نکھار آ جاتا ہے اور یہ فطرت/ کائنات اس کے سحر سے اور بھی زیادہ محبوب ہو جاتی ہے۔ گویا ایسے شاعر کا اپنے الفاظ میں قدرتی مناظر کی تصویر کشی کرنا کچھ ایسا پر سحر انداز ہوتا ہے کہ اس (تصویر کشی) کے مقابلے میں اصل منظر کا حسن ماند پڑ جاتا ہے۔

۱۔ از دمش بلبل نوا آموخت است غازہ اش رخسارِ گل افروخت است
۱۲۔ سوزِ او اندر دلِ پروانہ ہا عشق را رنگیں ازو افسانہ ہا
۱۳۔ بحر و بر پوشیدہ در آب و گلش صد جہانِ تازہ مضمر در دلش

۱۴۔ در دماغش نادمیدہ لالہ ہا ناشنیدہ نغمہ ہا، ہم نالہ ہا
۱۵۔ فکر او با ماہ و انجم ہم نشیں زشت را نا آشنا، خوب آفریں
۱۶۔ خضر و در ظلماتِ او آبِ حیات زندہ تر از آبِ چشمش کائنات

۱۱۔ اس کے نغمے (شاعری) سے بلبل نے چہکنا سیکھا ہے۔ اس کی سرخی/ غازہ نے گلاب کے چہرے کو منور کیا ہے۔ بلبل کا چہکنا اور گل کا سرخ ہونا ایک قدرتی امر ہے لیکن علامہ نے ان سب کا باعث نغمۂ شاعر قرار دیا ہے۔ مراد یہ کہ وہ اپنے اشعار میں الفاظ کی ایسی جادوگری دکھاتا اور ایسی منظر کشی کرتا ہے کہ گلاب کی سرخی اور اس پر چہچہاتی بلبل اپنے اصل روپ میں نظر آنے لگتی ہے۔

۱۲۔ اس کا سوز پروانوں کے دل میں ہے اور عشق کے افسانے اسی کی وجہ سے رنگین ہیں۔ شاعر کا دلی سوز و تپش گویا پروانے کے دل کا سوز ہے اور عشق کے افسانے کی رنگینی اس بنا پر کہ وہ زیادہ تر عشقیہ مضامین پر طبع آزمائی کرتا اور ان میں بڑے بڑے دل کش رنگ بھرتا ہے۔

۱۳۔ اس کی سرشت/ خمیر میں بحر و بر پوشیدہ ہیں۔ بے شمار نئے نئے جہان اس کے دل میں پوشیدہ ہیں۔ وہی مراد ہے کہ وہ ایسے ایسے تازہ اور بے شمار افکار سامنے لاتا ہے جو اس سے پہلے کسی نے پیش نہیں کیے۔

۱۴۔ اس کے دماغ میں ایسے لالہ موجود ہیں جو ابھی کھلے نہیں اور ایسے نغمے اور نالے بھی اس کے دماغ میں پوشیدہ ہیں جو ابھی سنے نہیں گئے۔ نئے استعاروں میں وہی بات، گویا بہت سے افکار پیش کر چکنے کے بعد بھی اس کا دماغ ایسے رنگا رنگ افکار سے مالا مال ہے جنھیں اس نے ابھی شعر کا جامہ نہیں پہنایا۔

۱۵۔ اس کی فکر چاند ستاروں کی ہم نشین ہے۔ وہ برائی سے ناواقف اور خوبیاں/ اچھائیاں تخلیق کرنے والا ہے۔ شاعر کی فکر بلند کی بات کی ہے اور یہ کہ صحیح شاعر برے افکار کی بجائے اچھے افکار پیش کرتا ہے۔

۱۶۔ وہ گویا خضر ہے اور اس کے ظلمات میں آبِ حیات موجود ہے۔ اس کی آنکھوں کے پانی یعنی آنسوؤں سے کائنات اور بھی زیادہ زندہ ہے۔ ظلمات گویا شاعر کا دل ہے جس میں ایسے افکار موجود ہیں جو قوم کے لیے بقائے دوام کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس کی رقتِ قلبی جب ان افکار کی صورت میں باہر آتی ہے تو کائنات یا ملت میں ایک

نئی روح پھونک دیتی ہے۔

۱۷۔ ما گراں سیریم و خام و سادہ ایم — در رہ منزل تپا افتادہ ایم
۱۸۔ عندلیب او نوا پرداخت است — حیلہ ے از بہر ما انداخت است
۱۹۔ تا کشد مارا بفردوس حیات — حلقہ کامل شود قوس حیات
۲۰۔ کاروانہا از درایش گام زن — در پے آواز نالیش گام زن
۲۱۔ چوں نسیمش در ریاض ما وزد — نرمک اندر لالہ و گل می خزد
۲۲۔ از فریب او خود افزا زندگی — خود حساب و ناشکیبا زندگی
۲۳۔ اہل عالم را صلا بر خواں کند — آتش خود را چو باد ارزاں کند

۱۷۔ ہم دشواری سے چلنے والے ہیں، ناپختہ اور نا سمجھ ہیں اور منزل کے راستے میں گرے پڑے ہیں۔ یعنی ہم زندگی کی حقیقت سے بے خبر ہیں اور یوں ذوق عمل سے بیگانہ ہونے کے باعث اپنی منزل مقصود (قوم کی منزل مقصود) سے بہت دور رہ گئے ہیں۔

۱۸-۱۹: اس کی بلبل چہچہا اٹھی ہے، اس نے ہمارے لیے کوئی تدبیر سوچی ہے تاکہ وہ ہمیں زندگی کے بہشت میں کھینچ لے جائے اور یوں زندگی کا نیم دائرہ مکمل حلقے کی صورت اختیار کر جائے۔ یعنی شاعر ہمیں ایسے موقع پر اپنے اشعار سے بیدار اور ہم میں جوش و ولولہ پیدا کرتا ہے جب ہم قوت عمل سے محروم ہو چکے ہوتے ہیں۔ گویا اس کے افکار میں ایسے ایسے لائحہ ہائے عمل ہوتے ہیں جن کو بروئے کار لا کر قوم ایک بلند مقام حاصل کر لیتی ہے۔

۲۰۔ قافلے اس کی بانگ درا سے کوچ کرنے لگتے ہیں۔ وہ یعنی قافلے اس کی بانسری کی آواز کے پیچھے پیچھے گام زن ہوتے ہیں یعنی شاعر کی حامل پیغام شاعری قوم کو اس کا صحیح مقصد اور منزل بتا کر اسے اس مقصد کے حصول اور اس منزل تک رسائی پر آمادہ کر کے روبہ عمل کر دیتی ہے۔

۲۱۔ جب اس کی باد نسیم ہمارے باغ میں چلتی ہے تو وہ نرمی اور آہستگی سے گل و لالہ میں داخل ہوتی ہے۔ یہاں شاعر کے افکار کو نسیم سے اور قوم کے دل کو گل و لالہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ گویا جس طرح باد نسیم کلی کو پھول بنا دیتی ہے۔ بعینہٖ شاعر کی عظیم افکار کی حامل شاعری قوم میں ایک زبردست انقلاب پیدا کر دیتی ہے۔ خود علامہ اس کی ایک مثال ہیں۔

۲۲- اس کی ترغیب / تخیل سے زندگی خود کو افزائش کی طرف لے جاتی ہے اور وہ (زندگی) اپنا محاسبہ آپ کرنے والی اور بے قرار ہو جاتی ہے۔ ترغیب سے مراد اس کی شاعری ہے جس میں موجود افکار و پیغام، قوم کے عظمت و بقا کی طرف بڑھنے میں مددگار/ممد ثابت ہوتے ہیں۔ وہ قوم کی خامیوں، کوتاہیوں کی نشان دہی کر کے ان کا علاج بھی تجویز کرتا ہے جس کے نتیجے میں وہ شعور پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ اپنے اعمال کا خود جائزہ لیتی اور اپنا محاسبہ کرتی ہے اور یوں وہ عمل پیہم کی راہ پر گامزن ہو جاتی ہے (اس کے لیے ناشکیبا کی ترکیب استعمال ہوتی ہے)

۲۳- وہ دنیا والوں کو دسترخوان پر دعوتِ عام دیتا ہے اور اپنی آگ کو ہوا کی طرح ارزاں/ سستی کر دیتا ہے۔ مراد یہ کہ وہ اپنا پیغام عام کر دیتا یا اپنے افکار سب تک پہنچا دیتا ہے جس طرح ہوا اپنے راستے میں آنے والی ہر شے اور ہر جاندار کو چھوتی چلی جاتی ہے، اسی طرح شاعر اپنے سوز دروں اور پرحدت جذبوں کو الفاظ کا روپ دے کر ہر کس و ناکس تک پہنچاتا ہے۔

۲۴- وائے قومے کز اجل گیرد برات — شاعرش وا بوسد از ذوقِ حیات
۲۵- خوش نماید زشت را آئینہ اش — در جگر صد نشتر از نوشینہ اش
۲۶- بوسۂ او تازگی از گل برد — ذوقِ پرواز از دلِ بلبل برد
۲۷- ست اعصاب تو از افیون او — زندگانی قیمتِ مضمون او
۲۸- می رباید ذوقِ رعنائی ز سرو — جرہ شاہیں از دمِ سردش تذرو
۲۹- ماہی و از سینہ تا سر آدم است — چوں بنات آشیاں اندریم است
۳۰- از نوا بر ناخدا افسوں زند — کشتیش در قعرِ دریا افگند

۲۴- اس قوم کی حالت افسوسناک ہے جو موت یعنی جذبۂ عمل کی موت سے خوشی حاصل کرتی ہے جبکہ اس کا شاعر زندگی کے ذوق سے روگردانی کرتا ہے۔ جب کوئی قوم جدوجہد اور عمل سے بیگانہ ہو جاتی ہے تو اگرچہ اس کی کاہلی اس کے لیے بظاہر آرام و مسرت کا سامان کرتی ہے لیکن وہ جلد ہی زوال کا شکار ہو کر اپنا وجود کھو بیٹھتی ہے۔ شاعر کا کام ہے کہ وہ اپنی قوم کو عمل کا پیغام دے کر اسے بیدار کرے لیکن جب وہ خود ہی اس جذبے سے محروم ہو گا تو قوم کی کیا رہنمائی کرے گا۔ ایسے معاشرے/قوم کا شاعر گل و بلبل اور کنگھی چوٹی اور زلف و رخسار یا اس قسم کی نزاکت ہی کی باتیں کرے گا:

ناتواں ہوں کفن بھی ہو ہلکا ڈال دو سایہ اپنے آنچل کا

۲۵۔ اس (شاعر) کا آئینہ بدصورت / بری چیزوں کو بھی اس (قوم) کے سامنے خوش نما کر کے دکھاتا ہے اور اس کے شیریں مشروب سے جگر میں سینکڑوں نشتر چبھتے ہیں۔ ایسے شاعر کے منفی رجحانات ہیں۔ اس کی شاعری سے جذبہ عمل پیدا نہیں ہوتا بلکہ وہ ایسے مضامین پیش کرتا ہے جو الٹا قوم کو بے حس بنا دیتے ہیں۔ مثلاً:

غربت جس کو راس نہ آئی اور وطن بھی چھوٹ گیا فانی ہم تو جیتے جی وہ میت ہیں بے گور و کفن

جب بس نہ چل سکا تو مرے یار، مر گئے گھبرانہ میرؔ عشق میں اس سہل زیست پر

۲۶۔ اگر وہ (شاعر) پھول کا بوسہ لے لے تو پھول کی تازگی ختم ہو کے رہ جائے۔ وہ بلبل کے دل سے پرواز کا ذوق لے جاتا یعنی ختم کر دیتا ہے۔ وہی منفی تاثر کی حامل شاعری کی بات کی ہے جو جذبے اور ولولے پیدا کرنے کی بجائے ان سے دور کر دیتی اور قوم کو مردہ بظاہر زندہ بنا دیتی ہے۔

۲۷۔ تیرے اعصاب اس شاعر کی افیون یعنی شاعری سے بے حس اور بیکار ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس کے شاعرانہ مضامین کی قیمت زندگی ہے۔ یعنی اس کی شاعری سے قاری خود میں ولولے اور جذبے تو پیدا نہیں کر پاتا بلکہ افیون کے نشے کی طرح غنودگی، افسردگی، مایوسی اور بے عملی کا شکار ہو جاتا ہے اور یوں وہ زندگی کی صحیح قدروں سے دور ہو جاتا ہے۔

۲۸۔ وہ سرو سے اس کی زیبائی و خوش قامتی کا ذوق چھین لے جاتا ہے۔ اس کے حرارت و گرمی سے عاری سانس سے نر باز بھی چکور یعنی بزدل بن جاتا ہے۔ سرو ایک خوبصورت اور بلند قامت درخت ہے، محبوب کے خوبصورت قد کو اس سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ مثلاً بقول سعدی:

سرو قدے میان انجمنے بہ ز ہفتاد سرو در چمنے

(محفل میں ایک سرو قد محبوب کا ہونا، چمن میں ستر سروں سے بہتر ہے)۔ وہی مضمون بدل بدل کر آ رہا ہے۔ یعنی اس کی شاعری کے مطالعہ سے قاری اپنے تمام قویٰ سے عاری ہو کر ڈرپوک سی اور مقصد سے عاری زندگی بسر کرنے لگتے ہیں۔ ایسی شاعری قوم کے لیے زہر ہلاہل سے کم نہیں۔

۲۹-۳۰: وہ (شاعر) نچلے دھڑ سے مچھلی اور سینے سے سر تک آدمی ہے، گویا وہ سمندر کی

پریوں کی مانند ہے جو اپنی خوش آوازی سے ملاح پر سحر پھونکتی ہیں اور اس کے جہاز / کشتی کو سمندر کی گہرائی میں ڈبو دیتی ہے (فرہنگ دیکھیے)

۳۱۔ نغمہ ہایش از دلت دزدد ثبات مرگ را از سحر او دانی حیات

۳۲۔ دایہ ہستی زجانت تو برد لعل عنابی زکانت تو برد

۳۳۔ چوں زیاں پیرایہ بندد سود را می کند مذموم ہر محمود را

۳۴۔ دریم اندیشہ اندازد ترا از عمل بیگانہ می سازد ترا

۳۵۔ خستہ و ما از کلامش خستہ تر انجمن از دور جامش خستہ تر

۳۱۔ اس (شاعر) کے نغمے (یعنی اس کی شاعری) تیرے دل سے استقلال و ثابت قدمی چرا لے جاتے ہیں۔ اس کے جادو کے سبب تو موت کو زندگی سمجھنے لگتا ہے۔ زندگی کا مقصد تسخیر کائنات ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب انسان ہر طرح کی رکاوٹوں، مصیبتوں وغیرہ سے ٹکراتا ہوا ثابت قدمی سے آگے بڑھتا چلا جائے لیکن شاعر کا کلام ایسے مضامین کا حامل ہوتا ہے جن سے متاثر ہو کر قاری زندگی کو بیکار سمجھنے لگتا ہے اور اپنے ممکنات کو باہر لانے سے عاری اور جہد و عمل کے جذبے سے محروم ہو جاتا ہے۔ مولانا حالی نے بھی ایسی شاعری پر سخت تنقید کی ہے:

وہ شعر اور قصاید کا ناپاک دفتر عفونت میں سنڈاس سے جو ہے بدتر
عبث جھوٹ بکنا اگر ناروا ہے تو وہ محکمہ جس کا قاضی خدا ہے
گنہگار واں چھوٹ جائیں گے سارے جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے

۳۲۔ وہ تیری روح سے زندہ رہنے کی آرزو اڑا لے جاتا ہے، تیری کان سے عناب ایسا سرخ لعل لے جاتا ہے۔ نئی علامتوں میں بات ہوئی ہے۔ پہلا مصرع واضح ہے۔ درج ذیل قسم کے اشعار کا اثر منفی ہی ہوگا:

موت کی نیند آگئی بیمار کو غیب سے سامان شفا ہوگیا (فانی بدایونی)
موت بھی آہی جائے گی فانی تیری محروں خیالیاں نہ گئیں

لعل عنابی سے مراد قوت عمل ہی ہے۔

۳۳۔ وہ نفع کو نقصان اٹھانے کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ وہ ہر اچھی شے کو بری بنا کر پیش کرتا ہے۔ یعنی شاعر ایسے ایسے مضامین باندھتا ہے جو زندگی کی حقیقتوں کے برعکس ہوتے ہیں۔ علامہ تو آرزو و تخلیق کرنے کا درس دیتے جبکہ یہ شعرا اس کے الٹ تعلیم

دیتے ہیں۔ مثلاً بقول غالب:

گر تجھ کو ہے یقین اجابت، دعا نہ مانگ   یعنی بغیر یک دل بے مدعا نہ مانگ

۳۴۔ وہ تجھے خوف اور ڈر کے سمندر میں پھینک دیتا ہے، تجھے عمل سے بیگانہ کر دیتا ہے یعنی اس کی شاعری ذوق عمل پیدا کرنے کی بجائے قاری کو خوف میں مبتلا کر دیتی اور اس حالت میں وہ نکما، مردہ دل اور بیکار قسم کی زندگی بسر کرنے والا بن جاتا ہے۔

۳۵۔ وہ خود مضمحل ہے اور ہم اس کے کلام (کے اثر) سے اور بھی زیادہ مضمحل ہیں۔ محفل اس کے جام کی گردش سے بہت ہی مضمحل تھکی ماندی ہے۔ شاعر کے پیش نام راہپوری: کردہ مضامین سے یوں لگتا ہے جیسے خستگی اور اضمحلال اس پر بری طرح طاری ہو، اس صورت میں قاری بھی اس کا ایسا ہی اثر لے گا جیسے بقول فانی:

ٹھہر اے نشتر حرماں ٹھہر، یہ ماجرا کیا ہے   مجھے کچھ جان کا دھوکا سا ہوتا ہے رگِ جاں پر

یا جیسے میر تقی میر کہتے ہیں:

ہم خستہ دل ہیں تجھ سے بھی نازک مزاج تر   تیوری چڑھائی تو نے کہ یاں دم نکل گیا

قامت خمیدہ، رنگ شکستہ، بدن نزار   تیرا تو میر غم میں عجب حال ہو گیا

اس قسم کے اشعار کا جو منفی اثر ممکن ہے، وہ واضح ہے۔

۳۶۔ جوے برقے نیست در نیسان او   یک سراب رنگ و بوستان او

۳۷۔ حسن او را با صداقت کار نیست   در یمش جز گوہر تف دار نیست

۳۸۔ خواب را خوشتر ز بیداری شمرد   آتش ما از نفسہایش فسرد

۳۹۔ قلب مسموم از سرود بلبلش   خفتہ مارے زیر انبار گلش

۴۰۔ از خم و مینا و جامش الحذر   از مے آئینہ فامش الحذر

۳۶۔ اس کی موسم بہار کی پہلی بارش میں کسی بجلی کی ندی نہیں ہے۔ اس کا باغ تو رنگ و بو کے معاملے میں سراسر فریب نظر ہے، دھوکا ہے۔ بجلی زندگی کی علامت ہے، مراد یہ کہ اس شاعری کی تاثیر ایسی ہے کہ پڑھنے والا مردہ دلی کا شکار ہو جاتا ہے جب کہ بقول میر درد:

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مر جائے   کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

اور یہ شاعری سراسر حقیقت سے خالی اور محض ظاہری باتوں / مضامین کی حامل ہے۔

۳۷۔ اس کے حسن و خوبی کو راستی اور حقیقت سے کوئی سروکار نہیں۔ اس کے سمندر میں ناقص

موتیوں کے سوا کچھ نہیں یعنی ایسی شاعری میں حسن و خوبی کے جو قصے بیان ہوئے ہیں، وہ سراسر مبالغے اور غلو کے حامل اور حقیقت سے دور ہیں۔ شاعر محبوب کے حسن اور سراپا کا ایسا نقشہ کھینچتا ہے جس کا وجود انسانی دنیا میں کہیں نظر نہیں آتا۔ مثلاً بقول میر ممنون:

غلط کہ صرف خرابی ہے گردشِ شب و روز — کہ گھر کے گھر تیری آنکھوں نے ہیں تباہ کی

یا: دیکھو تو چشمِ یار کی جادو نگاہیاں — بے ہوش اِک نظر سے ہوئی انجمن تمام

نیز: رفتار تری ہے کا برستا ہوا بادل — جس راہ سے گزرے تو، وہی راہگذر مست

ناظم رامپوری: بے خود ہے یہ اس چشمِ سیہ مست کا مارا — ہر چند قیامت ہوئی برپا، نہیں اٹھا

۳۸۔ اس (شاعر) نے نیند کو بیداری سے بہتر جانا ہے۔ ہماری آگ اس کے سانسوں سے بجھ گئی / ٹھنڈی ہو گئی۔ یعنی اس کی شاعری، قوتِ عمل کو ابھارنے یا بڑھانے کی بجائے قاری کی عملی صلاحیتوں اور قوتوں کو اس حد تک مفلوج کر دیتی ہے کہ وہ غنودگی / کاہلی ہی میں عافیت سمجھ کر دنیائے عمل سے دور ہو جاتا ہے اور اس کا سارا جوش و ولولہ اور ذوقِ جہد و عمل سرد ہو کے رہ جاتا ہے۔ مثال کے طور پر دو شعر:

میر تقی میر: سرہانے میر کے آہستہ بولو — ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

میر درد: زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے — ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

۳۹۔ دل اس کی بلبل کے نغمے / چہچہے سے زہر آلود ہو گیا۔ اس کے پھولوں کے ڈھیر کے نیچے ایک سانپ سویا ہوا ہے۔ شاعری کے منفی اثرات کو نئے استعاروں میں پیش کیا ہے۔ بظاہر اس میں پھولوں کی ایسی دل کشی و زیبائی ہے لیکن بباطن وہ باعثِ ہلاکت ہے یعنی اپنی قوتوں سے ہاتھ دھو بیٹھنا ہے۔

۴۰۔ اس کی صراحی، اس کے شراب کے مٹکے اور اس کے جام سے بچو / دوری اختیار کرو۔ اس کی آئینے جیسی شفاف شراب سے بچو۔ اس شاعری کو مذکورہ استعاروں میں بیان کر کے یہ تلقین کی گئی ہے کہ اس کے مطالعہ سے دور رہو۔

۴۱۔ اے ز پا افتادہ ے صہبائے او — صبح تو از مشرق مینائے او

۴۲۔ اے دلت از نغمہ ہائش سرد جوش — زہرِ قاتل خوردہ ای از راہِ گوش

۴۳۔ اے دلیلِ انحطاط اندازِ تو — از نوا افتاد تارِ سازِ تو

۴۴- آں چناں زار از تن آسانی شدی　　در جہاں ننگ مسلمانی شدی
۴۵- از رگِ گُل می تواں بستن ترا　　از نسیمے می تواں خستن ترا

۴۱- اے (مخاطب/قوم) کہ تو اس (شاعر) کی شراب کے نشے کے سبب ٹھوکر کھا کر گرا پڑا ہے، تیرے دن کا طلوع اس کی شراب کی صراحی کے مشرق سے ہوتا ہے۔ شراب سے مراد شاعری، ایسی شاعری جو قاری کو اپنی منفی تاثیر سے بیگانۂ عمل کر دے اور اس کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کی بجائے انہیں آہستہ آہستہ ختم کر دے۔ صہبا یا صبوحی صبح کو پی جانے والی شراب ہے۔ جیسا کہ بقول ریاض خیر آبادی:

آئی آواز اذان صبح اٹھو بھی ریاضؔ　　میکدے میں بھی تو شور قلقل و مینا ہوا

دوسرے مصرع سے مراد ہے کہ اس شاعری کے قاری کا حال اس شخص کا سا ہے جس کے دن کا آغاز ہی نشے یعنی بے خودی سے ہو۔

۴۲- اے کہ تیرا دل اس کے نغموں/شعروں سے جوش و ولولہ سے عاری ہو چکا ہے، تو نے کانوں کے راستے سے مہلک زہر کھا لیا ہے۔ اس شاعری کے مطالعہ سے قاری کی جو کیفیت ہو سکتی ہے، وہ ظاہر ہے۔ بقول شاعر:

بھرے ساغر میں ہے بھرپور رنگ ان کی جوانی کا　　غضب ہے بے پئے نشے میں میرا چور ہو جانا

کچھ ایسی ہی کیفیت اس قسم کی شاعری کے سامع کی بھی ہوگی جو گویا کانوں کے راستے مہلک زہر کھانے کے برابر ہے۔

۴۳- اے کہ تیرا طریق/انداز تیرے زوال و پستی کی دلیل ہے۔ تیرے ساز کا تار آواز/نغمے سے عاری ہو چکا ہے۔ ساز کے تار کا بے آواز ہونا یہی ہے کہ قاری کو اس شاعری نے بے بس اور بے عمل بنا دیا جس کے سبب وہ پستی کا شکار ہو گیا۔

۴۴- تو اپنی تن آسانی یعنی سستی و کاہلی اور راحت و آرام کے باعث اس حد تک پست و خوار ہو گیا ہے کہ دنیا میں تو مسلمانی کے چہرے پر کلنک کا ٹیکا بن کے رہ گیا ہے۔ گویا اس قسم کی شاعری نے مسلم امہ کو تن آسان و کاہل بنا دیا جیسے بقول غالبؔ:

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن　　بیٹھے رہیں تصور جاناں کیے ہوئے

یعنی 'اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا'' پر اس کی نظر ہی نہیں۔ یہ تن آسانی ملت کی ذلت و خواری کا باعث بنی ہے۔

۴۵- (تیری ناتوانی اور کمزوری کا یہ عالم ہے کہ) تجھے رگ گل سے باندھا جا سکتا اور ہلکی

سی ہوا سے تجھے زخمی کیا جا سکتا ہے۔ اردو شاعری میں عاشق کی ناتوانی سے متعلق جو غیر حقیقی مضامین باندھے گئے ہیں، اس شعر میں ان کی طرف اشارہ ہے۔ چند ایک مثالیں:

ناتواں ہوں کفن بھی ہو ہلکا ڈال دو سایہ اپنے آنچل کا

ع: رگ گل سے بلبل کے پر باندھتے ہیں

یا یہ کہ:

کانٹا مجھے اے گل تری فرقت نے کیا ہے تولا تو برابر مرے ماشا نہیں اٹھتا

چلی ہزار ہوا لاکھ آندھیاں اٹھیں تری گلی سے مری خاک ناتواں نہ اٹھی — اسیر لکھنوی

اور: فقط اک سانس باقی ہے مریض ہجر کے تن میں یہ کانٹا بھی نکل جائے تو راحت سے بسر ہو گی

ایک شاعر نے یہ کہا ہے کہ میں اتنا ناتواں ہو گیا کہ موت آ کر مجھے بستر پر ڈھونڈتی رہی۔

۴۶۔ عشق رسوا گشتہ از فریاد تو زشت رو تمثالش از بہزاد تو

۴۷۔ زرد از آزار تو رخسار او سردی تو پردہ سوز از نار او

۴۸۔ خستہ جاں از خستہ جانی ہاے تو ناتواں از ناتوانی ہاے تو

۴۹۔ گریہ طفلانہ در پیمانہ اش کلفت آہے متاع خانہ اش

۵۰۔ سرخوش از دریوزۂ میخانہ ہا جلوہ دزد روزن کاشانہ ہا

۵۱۔ ناخوشے، افسردہ ے، آزردہ ے از لگدکوب نگہباں مردہ ے

۴۶۔ تیری فریاد کے نتیجے میں عشق رسوا ہو کر رہ گیا ہے۔ اس (عشق) کی تصویر تیرے بہزاد نے بدصورت بنائی ہے۔ اس میں بھی اردو شاعری کے مضامین کے حوالے سے بات ہوئی ہے۔ عشق کا رسوا ہونا ان معنوں میں کہ اس شاعری میں عاشق رو رو کر آسمان سر پر اٹھا لیتا ہے جب کہ عشق صبر و تحمل کا تقاضا کرتا ہے۔ میر کے یہ دو شعر مثال ہیں:

جو اس شور سے میر روتا رہے گا تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہے گا

سرہانے میر کے آہستہ بولو ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

شاعری میں وارد عشق سے متعلق بھونڈے مضامین کو بہزاد (مراد شاعر) کی بدصورت

تصویر کشی سے تشبیہ دی گئی ہے۔

۴۷۔ تیری ایذا رسانی کے سبب اس (عشق) کے رخسار پیلے پڑ گئے ہیں۔ تیری سرد مہری نے اس کی آگ کی حرارت ہی اڑا لی ہے۔ یعنی اس شاعری میں عشق سے متعلق مضامین کچھ اتنے غیر حقیقی ہیں کہ ان سے عشق کی توقیر بڑھنے کی بجائے اس کی تذلیل کا سامان ہوتا ہے۔ ان کے مطابق گویا نہ عاشق میں کوئی غیرت وحمیت ہے اور نہ محبوب میں کوئی شرم وحیا ہے۔

۴۸۔ وہ (عشق) تیری ذہنی تھکن اور زخمی روح / جان کے سبب خستہ جاں اور تیری کمزوریوں کے باعث ناتواں ہو گیا ہے۔ وہی غیر حقیقی شاعرانہ مضامین کی بات۔

۴۹۔ اس کے پیمانے میں بچوں کی سی گریہ ہے۔ ایک آہ کی تکلیف اس کے گھر کا اثاثہ ہے۔ اردو شاعری کے ''محبوب'' موضوعات پر تنقید ہے۔ اس شاعری میں عاشق کو اس طرح روتے دکھایا گیا ہے جیسے کوئی بچہ رو رہا اور شور مچا رہا ہو۔ بقول میر:

جو اس شور سے میر روتا رہے گا الخ

میرؔ: عشق کیا ہے اس گل کا یا آفت لائے سر پہ ہم
جھانکتے اسکو ساتھ صبا کے صبح پھریں ہیں گھر گھر ہم

اور یہ کہ عاشق رونے پیٹنے اور آہیں بھرنے ہی میں لگا رہتا ہے:

ع: آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک (غالبؔ)

ع: مزہ ہے آہ کا اشک رواں کے ساتھ جلیلؔ

ع: وہ سمجھے ہیں ہماری آہ سوزاں بے اثر ہوگی (نظر لکھنوی)

۵۰۔ مے خانوں سے مانگی ہوئی بھیک ہی سے وہ سرمست ہے۔ وہ گھروں کے سوراخوں میں سے (محبوب کا) نظارہ چرانے والا ہے۔ اس میں مے اور میخانے سے متعلق مضامین کی طرف اشارہ ہے جو اردو شاعری میں عام ہیں:

= کام کی چیز ہے ملے تو ریاضؔ نوجواں دخت رز شباب فروش (ریاض خیرآبادی)

= مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو اِک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے (غالبؔ)

= اچھی پی لی، خراب پی لی جیسی ملی شراب پی لی

= سر پہ مستوں کی طرح جھوم کے چھائے بادل مفتی شہر کا فتویٰ ہے کہ آئے بوتل (رندؔ)

دوسرے مصرعے کے لیے میرؔ کا یہ مصرع اوپر آ گیا ہے: جھانکتے اس کو.... الخ

یا بقول داغ:

کیسا پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

۵۱- وہ (مراد عاشق) ایک غمگین و ملول، ایک افسردہ اور ایک آزردہ (انسان) ہے جو (محبوب کے دروازے کے) چوکیدار کی لاتوں کی ٹھوکروں ہی سے مر جانے والا ہے۔ اس قسم کے مضمون بھی اردو شاعری میں بہت ہیں۔ مثلاً:

شام ہی سے بجھا سا رہتا ہوں دل ہوا ہے چراغ مفلس کا (میر تقی میر)

ہمہ تن داغ غم عشق بتاں ہوں فانی دل سے بھاتا ہے مجھے نقش سویدا ہوتا (فانی بدایونی)

چوکیدار والا مضمون:

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لیے (غالب)

۵۲- از غمش مانند نے کاہیدہ ئے وز فلک صد شکوہ برلب چیدہ ئے

۵۳- لابہ و کیں جوہر آئینہ اش ناتوانی ہمدم دیرینہ اش

۵۴- پست بخت و زیر دست و دوں نہاد ناسزا و ناامید و نامراد

۵۵- شیونش از جانِ تو سرمایہ برد لطف خواب از دیدۂ ہمسایہ برد

۵۶- وائے برعشقے کہ نار او فسرد در حرم زائید و در بت خانہ مرد

۵۲- (ان سے پہلے اور اب آنیوالے اشعار میں عشق کے لیے صنعت تجسیم (Personification) سے کام لیا گیا ہے۔ اس سے مراد عاشق بھی ہے) غموں کے سبب وہ بانس کی باریک شاخ کی طرح سوکھا ہوا ہے اور اس کے ہونٹوں پر فلک (کی ستم زانیوں) کے خلاف سینکڑوں شکوے ہیں۔ ایسے مضامین کی چند مثالیں اوپر آ چکی ہیں۔ فلک کے خلاف شکوے کی مثال:

بھلا گردش فلک کی چین دیتی ہے کسے انشا غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں

نظیر اکبر آبادی:

گردش آسماں میں ہم کیا ہیں پر کاہ ہے میانۂ گرداب

۵۳- چاپلوسی، خوشامد اور کینہ و دشمنی اس کی فطرت کا خاصہ ہے، ضعف اور کمزوری اس کی پرانی ساتھی ہے۔

۵۴- وہ بد نصیب ہے، محکوم و محتاج ہے اور پست فطرت ہے۔ وہ ناپسندیدہ و ناشایستہ ہے، ناامید اور نامراد ہے۔

۵۵- اس کے رونے دھونے اور فریاد کے انداز نے تیری روح کا سرمایہ ہی غارت کر دیا ہے۔ اس نے ہمسایہ کی آنکھوں سے نیند کا مزہ ہی اڑا دیا ہے۔ ان تین شعروں (۵۳-۵۵) میں بھی اردو شاعری کے مختلف موضوعات کے حوالے سے بات ہوئی ہے۔ کچھ مثالیں دی جا چکی ہیں۔ دو ایک اور ملاحظہ ہوں۔ (بہادر شاہ ظفر کی حکومت لال قلعے تک محدود ہو کر رہ گئی تھی لیکن ذوق نے اس حالت میں بھی اسے بہت بڑی طاقت ثابت کیا جو چاپلوسی کی علامت ہے)

= ناتوانوں کو جو دے زور حمایت تیری مارے لات اڑ کے سرِ پیل دماں، بچہ بق

= کس سے محرومیِ قسمت کی شکایت کیجیے ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں، سو وہ بھی نہ ہوا (غالب)

ہمسایہ کی نیند سے متعلق میر کا شعر دیا جا چکا ہے۔

۵۶- تف / افسوس ہے ایسے عشق پر جس کی حرارت وگرمی سرد پڑ گئی ہو، جو پیدا تو حرم میں ہوا ہو لیکن مرا بت خانے میں ہو۔ ایسی شاعری کو تنقید کا ہدف بنایا گیا ہے جس نے قوم کو جوش و جذبہ سے سرشار کرنے کی بجائے اس کو ضعیف و ناتواں بنا دیا اور شعرا نے محبوب کو گویا بت بنا کر اس کی پوجا شروع کر دی۔ یعنی عاشق اس بت (محبوب) پر دل و جان سے فریفتہ ہے۔

۵۷- اے میان کیسہ ات نقد سخن بر عیار زندگی او را بزن

۵۸- فکر روشن بیں عمل را رہبر است چوں درخش برق پیش از تندر است

۵۹- فکر صالح در ادب می بایدت رجعتے سوے عرب می بایدت

۶۰- دل بہ سلمائے عرب باید سپرد تا دمد صبح حجاز از شام کرد

۶۱- از چمنزار عجم گل چیدہ ای نوبہار ہند و ایراں دیدہ ای

۶۲- اندکے از گرمی صحرا بخور بادۂ دیرینہ از خرما بخور

۶۳- سر یکے اندر برگرمش بدہ تن دمے با صرصر گرمش بدہ

۵۷- اے مخاطب (شاعر) تیری تھیلی میں شعر و سخن کی نقدی ہے (سکے ہیں) تو اسے زندگی کی کسوٹی پر پرکھ، مراد یہ کہ اگر قدرت نے تجھے ایسے عطیے (شاعری) سے نوازا ہے تو اس سے ایسا کام لے جو قوم میں جوش و جذبہ پیدا کر کے اسے مایوسیوں، محرومیوں کی دلدل سے نکال دے اور وہ یقین کی دولت سے مالا مال ہو کر ایک انقلاب آفریں قوم بن جائے۔

۵۸- روشن پہلو دیکھنے والی فکر، عمل کے لیے رہنما کا کام دیتی ہے۔ بالکل اس چمک کی طرح جو بجلی کے گرجنے سے پہلے نمودار ہوتی ہے۔ بجلی کی اس اچھوتی مثال سے علامہ نے اپنی بات میں تاکید پیدا کی ہے۔ ظاہر ہے جب شاعر زندگی کے روشن پہلوؤں کو اپنی شاعری کا موضوع بنائے گا تو اس کا قوم پر ایک مثبت اور تعمیری اثر ہوگا، اس کی مثال خود علامہ ہیں۔

۵۹- شعروادب میں تجھے چاہیے کہ تو درستی وصلاح والی فکر سے کام لے اور اس سلسلے میں تجھے عرب کی طرف لوٹ جانا چاہیے۔ یعنی تو ایسا شعروادب تخلیق کر جس سے ملت اسلامیہ میں عمل کی طرف رغبت ہو اور وہ جوش وولولہ سے سرشار ہو کر اپنی ہر طرح کی پستی وغلامی کا داغ دھو ڈالے۔ عرب کی طرف لوٹنے سے مراد عرب شاعری کا سا انداز اختیار کرنا ہے جو ہر طرح کی بناوٹ/تصنع سے خالی اور سادگی و پرکاری کے ساتھ ساتھ واقعیت پر زور کی حامل ہے۔ اس میں ہماری شاعری کی طرح غلو اور مبالغہ نہیں ہے۔

۶۰- تجھے اپنا دل عرب کی سلمٰی سے لگانا چاہیے تاکہ حجاز کی صبح کرد کی شام سے پھوٹے۔ سلمٰی ایک عرب معشوقہ کا نام ہے۔ اس سے پہلے شعر والی بات یعنی واقعیت کی حامل اور غلو سے خالی شاعری کی طرف توجہ کر (نیز فرہنگ دیکھیے) مراد ایسا شعروادب جو مسلمانوں کو صحیح اسلامی زندگی کی طرف لائے۔

۶۱- تو نے عجم (ایران، ہند یعنی غیر عرب ممالک) کے باغ سے پھول چنے ہیں، تو نے ہند اور ایران کی تازہ بہار دیکھی ہے۔ یعنی اردو شاعری کی بیشتر روایات فارسی یعنی ایرانی اور ہندی شاعری کی روایات پر مبنی ہیں جس میں وہی غلو اور مبالغہ ہے اور حقیقت سے دور مضامین ہیں۔

۶۲- تو کچھ دیر کے لیے یا تھوڑی سی صحرا کی تپش بھی چکھ لے، پرانی شراب کھجور (یعنی کھجور سے بنی ہوئی شراب) سے چکھ لے۔ (۶۱ اور ۶۲ مسلسل ہیں) یعنی عرب کی حقیقت پسند شاعری کا انداز اپنا اور اس طرح ملت میں اپنے شعروادب سے صحیح اسلامی جذبہ وروح پیدا کر۔

۶۳- کچھ دیر کے لیے اپنا سر اس کی آغوش میں رکھ اور کچھ دیر کے لیے اپنا جسم اس کی گرم تیز ہوا کے سپرد کر دے۔ وہی بات جو پہلے اشعار میں کہی ہے، اب دوسری علامتوں

میں بیان کی ہے۔

۶۴- مدتے غلتیدہ ای اندر حریر — خو بہ کرپاس درشتے ہم بگیر
۶۵- قرنہا بر لالہ پا کوبیدہ ای — عارض از شبنم چو گل شوئیدہ ای
۶۶- خویش را بر ریگ سوزاں ہم بزن — غوطہ اندر چشمۂ زمزم بزن
۶۷- مثل بلبل ذوق شیون تا کجا — در چمن زاراں نشیمن تا کجا
۶۸- اے ہما از یمن دامت ارجمند — آشیانے ساز برکوہ بلند
۶۹- آشیانے برق و تندر در برے — از کنام جرہ بازاں برترے
۷۰- تا شوی در خورد پیکار حیات — جسم و جانت سوزد از نار حیات

۶۴- تو (شاعر) ایک مدت تک ریشمی کپڑوں میں رہا ہے، اب ذرا موٹے کپڑے کی بھی عادت ڈال لے۔ مراد ایسا شعروادب تخلیق کیا ہے جس میں نزاکت اور گل وبلبل پر مبنی مضامین ہیں تو اب حقیقت پسندی کی طرف آ اور قوم کو ایسا شعری سرمایہ دے جو اس میں سخت کوشی اور جہد وعمل کا جذبہ وجوش پیدا کردے۔

۶۵-۶۷: مدتوں تو نے لالہ پر پاؤں چلائے ہیں اور پھول کی طرح شبنم سے اپنے گال دھوئے ہیں، اب سخت تپتی ریت پر بھی ذرا خود کو ڈال دے اور زمزم کے چشمے میں بھی غوطہ لگا لے۔ بلبل کی مانند یہ رونے دھونے کا شوق آخر کب تک رہے گا اور باغوں میں یہ آشیاں بندی کب تک؟ ان تین شعروں میں بھی بات وہی چل رہی ہے۔ البتہ علامتیں بدل گئی ہیں۔ اردو شاعری میں گل وبلبل وغیرہ سے متعلق حقیقت سے دور مضامین ہیں، مثلاً:

ع: رگ گل سے بلبل کے پر باندھتے ہیں

یا: بہار باغ و گل و لالہ، دل ربا بن حیف — بھرے ہیں پھولوں سے جیب وکنار لیکن حیف (میر)

ان علامتوں سے مراد یہ ہے کہ شعرا نے اب تک بیکار قسم کی اور حقیقت سے عاری شاعری کی ہے اور بے تکی باتیں کی ہیں۔ اب انھیں چاہیے کہ وہ اسلام کے حوالے سے شاعری کریں اور اسے حقیقت کا رنگ دیں جو عرب شعرا کا وطیرہ رہا ہے۔ (رونے دھونے سے متعلق اشعار پہلے دیے جا چکے ہیں) اور جہد وعمل کی زندگی کی طرف آئیں تاکہ قاری اس کا مثبت اثر لے۔

۶۸-۶۹: اے (شاعر) ہما کو تیرے دام ہی کی بدولت قدر و منزلت حاصل ہے۔ تو بلند

پہاڑ پر اپنا آشیانہ/ٹھکانا بنا، ایسا آشیانہ جس کی آغوش/پہلو میں بجلی اور گرج ہو جو زر بازوں کے آشیانے سے بھی کہیں برتر ہو۔(ہما کے لیے فرہنگ دیکھیے)۔ کہتے ہیں ہما پہاڑ کی چوٹی پر آشیانہ بناتا ہے۔ چمن زاروں میں آشیانہ/ٹھکانا بنانے سے مراد ہے آرام و آسائش کی زندگی بسر کرنا جب کہ پہاڑوں کی بلندی پر آشیانہ بنانے کا مطلب ہے سخت کوشی اور بلند پروازی کی زندگی۔ یعنی اپنی شاعری میں ایسے موضوعات پیش کرو جو حقیقت پر بھی مبنی ہوں اور جن کے مطالعے سے قاری میں سخت کوشی، جہد و عمل اور سعی و کوشش کی بھی لگن پیدا ہو۔

۷۰۔ (اس سے پہلے اشعار میں علامتوں کے حوالے سے بات ہوئی ہے اب واضح طور پر بات کی ہے) تا کہ تو زندگی کی کشمکش کے لائق ٹھہرے۔ تیری جان اور تیرا جسم زندگی کی آگ سے تپش حاصل کرے۔ یعنی ٹھوس حقیقتوں کو سامنے رکھنے سے تو خود میں ایسی قوت پیدا کرلے گا جس کی بدولت تو (شاعر اور اس کا قاری) عمل پیہم اور جہد مسلسل کو بروئے کار لا کر زندگی کی رفعتوں کو چھو لے گا۔ ''جسم کا زندگی کی آگ سے تپش حاصل کرنا'' سے مراد ہے کہ شاعر کے دل میں ایسا جوش و جذبہ پیدا ہو جاتا ہے جو اسے بلندیوں پر لے جاتا ہے۔ ایسے سوز و جذبہ و گداز کے نتیجے میں کہے جانے والے اشعار صحیح زندگی کے عکاس ہوں گے۔

در بیانِ ایں کہ تربیت خودی را سہ مراحل است، مرحلہ اول را اطاعت و مرحلہ دوم را ضبط نفس و مرحلہ سوم را نیابت الٰہی نامیدہ اند

مرحلہ اول: اطاعت

۱۔ خدمت و محنت شعار اشتر است ... صبر و استقلال کار اشتر است

۲۔ گام او در راہ کم غوغاستے ... کارواں را زورقِ صحرا ست

۳۔ نقش پایش قسمت ہر بیشہ ے ... کم خور و کم خواب و محنت پیشہ ے

۴۔ مست زیرِ بار محمل می رود ... پائے کوباں سوے منزل می رود

۵۔ سرخوش از کیفیت رفتارِ خویش — در سفر صابر تر از اسوارِ خویش

۱۔ خدمت اور محنت کرتے رہنا اونٹ کا شیوہ ہے۔ صبر، بردباری اور ثابت قدمی سے کام میں جتے رہنا اونٹ کی عادت ہے۔

۲۔ راستہ چلتے ہوئے اس کے پاؤں سے شور کم پیدا ہوتا ہے (پیدا ہی نہیں ہوتا)۔ وہ قافلے کے لیے صحرا کا جہاز ہے۔

۳۔ اس کے پاؤں کے نشان ہر جنگل اور صحرا کا مقدر ہیں (یعنی وہ ہر جگہ چلتا ہے) وہ کم کھاتا ہے، کم سوتا ہے اور محنت کو اپنی روش بنائے رکھتا ہے۔

۴۔ وہ محمل کا بوجھ اٹھائے مزے مزے سے چلتا ہے اور پاؤں چلاتے مارتے منزل کی طرف بڑھتا ہے۔

۵۔ وہ اپنی رفتار کی کیفیت سے مست ہوتا ہے۔ سفر میں وہ اپنے سوار سے بھی زیادہ صبر و بردباری سے کام لیتا ہے۔

ان اشعار میں علامہ نے اونٹ کی خوبیوں کے حوالے سے اطاعت اختیار کرنے پر زور دیا ہے، ان کے نزدیک اونٹ اطاعت کا ایک عملی نمونہ ہے۔

۶۔ تو ہم از بارِ فرائض سرمتاب — برخوری از عندہٗ حسن المآب
۷۔ در اطاعت کوش اے غفلت شعار — می شود از جبر پیدا اختیار
۸۔ ناکس از فرماں پذیری کس شود — آتش ار باشد ز طغیاں خس شود
۹۔ ہر کہ تسخیرِ مہ و پرویں کند — خویش را زنجیری آئیں کند
۱۰۔ باد را زندانِ گل خوشبو کند — قید بو را نافۂ آہو کند
۱۱۔ می زند اختر سوے منزل قدم — پیش آئینے سر تسلیم خم

۶۔ (سوائے مخاطب) تو بھی ذمہ داریوں/فرائض کے بوجھ سے سرتابی نہ کر، فرائض بجا لانے/ادا کرنے سے تو خدا کی طرف سے اچھے انجام کا فائدہ اٹھائے گا/پھل پائے گا۔ یعنی قرآنی رو سے یہ اچھا انجام صرف شریعت اور دستورِ خداوندی پر چلنے ہی سے ممکن ہے۔

۷۔ اے غفلت کے عادی انسان تو اطاعت خداوندی کی کوشش کر، جبر ہی سے اختیار پیدا ہوتا ہے۔ اس میں خود علامہ کے بقول ''مسئلہ جبر و اختیار کی طرف اشارہ ہے، مقصود یہ ہے کہ اعلیٰ اور سچی حریت، اطاعت یعنی پابندی فرائض سے پیدا ہوتی ہے۔''

۸۔ اسی فرماں پذیری/اطاعت کے طفیل ایک نااہل انسان ایک اہل بامرتبہ انسان بن جاتا ہے، اگر وہ آگ بھی ہے تو سرکشی/نافرمانی کی بنا پر اس کی حیثیت تنکے کی سی ہو جاتی ہے۔ آئین پر پابند رہنے سے انسان کی مخفی صلاحیتیں اور قوتیں باہر آ جاتی ہیں اور یوں اس کا مقام عام انسانوں کے مقابلے میں بلند ہو جاتا ہے لیکن اس پابندی کے بغیر کوئی انسان، دنیوی لحاظ سے کتنا ہی صاحب جاہ و مرتبہ کیوں نہ ہو، اس کی حیثیت کچھ نہیں رہتی۔

۹۔ جو کوئی چاند ستاروں پر کمندیں ڈالتا ہے یعنی تسخیر کائنات کرتا ہے، وہ پہلے اپنے آپ کو آئین کا مقید و پابند بناتا ہے۔ یعنی فرماں پذیری ہی سے انسان میں اس تسخیر کی قوت پیدا ہوتی ہے۔

۱۰۔ ہوا کو پھول کا قید خانہ خوشبودار بنا دیتا ہے، یہی قید (آئین کی پابندی) خوشبو کو ہرن کا نافہ بنا دیتی ہے۔ پھول پہلے کلی کی صورت بند ہوتا ہے۔ کھلنے پر اس کی خوشبو باہر آتی ہے، اگر بند رہے تو خوش بو نہ پھیلے۔ یہ گویا آئین کی پابندی ہے، کچھ یہی کیفیت نافہ آہو کی ہے۔

۱۱۔ ستارہ منزل کی طرف قدم اٹھاتا ہے تو اطاعت کا سر جھکائے ہوئے چلتا ہے۔ یعنی نظام فلکی کے تحت وہ چلتا ہے، اگر اس نظام سے وہ روگردانی کرے یعنی ذرا سا بھی ادھر ادھر سرک جائے تو تباہی مچ جائے۔ کچھ یہی کیفیت یا معاملہ انسان/انسانی معاشرے کا ہے۔ فرائض کی پابندی نے اجتناب تباہی کا باعث بنتا ہے۔

۱۲۔ سبزہ بر دین نمو روئیدہ است   پائمال از ترک آں گردیدہ است

۱۳۔ لالہ پیہم سوختن قانون او   برجہد اندر رگ او خون او

۱۴۔ قطرہا، دریاست از آئین وصل   ذرہ ہا صحرا است از آئین وصل

۱۵۔ باطن ہر شے ز آئینے قوی   تو چرا غافل ز ایں ساماں روی

۱۶۔ باز اے آزاد دستور قدیم   زینت پا کن ہماں زنجیر سیم

۱۷۔ شکوہ سنج سختی آئیں مشو   از حدود مصطفیٰ بیروں مرو

(ان اشعار میں بھی مختلف تشبیہات و استعارات اور مثالوں سے اس بات پر زور ہے کہ قانون و شریعت کی پابندی کر کے اعلیٰ مقام حاصل کرو، بصورت دیگر ذلت و خواری اور تباہی تمہارا مقدر ہوگی۔)

۱۲۔ سبزہ بڑھنے پھولنے کے نظام کے تحت ہی اگتا ہے، اگر وہ اس نظام سے پہلو تہی کرے (جس طرح اسے اگنا چاہیے۔ ویسے نہ اگے) تو وہ پاؤں تلے روندا جاتا ہے۔

۱۳۔ لالہ کا مسلسل جلتے رہنا اس کا قانون ہے، اسی بنا پر اس کی رگوں میں خون اچھلتا ہے۔ لالہ سرخ رنگ کا پھول ہے، اس سرخی کو ہیم جلنے کا نام دیا ہے، خون کا اس کی رگوں میں دوڑنا سے مراد اس کی تازگی ہے۔ گویا یہ سب دستور و آئین کی پابندی کے باعث ہے۔

۱۴۔ قطرے باہم اکٹھے ہو جائیں تو دریا کی صورت اختیار کر جاتے ہیں، اسی طرح ذرے باہم مل کر صحرا بن جاتے ہیں۔ بقول سعدی ''قطرہ قطرہ بہم شود دریا۔'' یہ بھی گویا آئین و دستور کی پابندی کا نتیجہ ہے ورنہ اکیلا قطرہ اور ذرہ جلد فنا ہو کر رہ جائیں۔

۱۵۔ ہر چیز کا باطن کسی نہ کسی آئین کی وجہ سے مضبوط و مستحکم بنتا ہے تو پھر تو کس لیے اس ضروری سامان (آئین کی پابندی) کے بغیر چل رہا ہے۔ اس سے کیوں غفلت برت رہا ہے۔

۱۶۔ اے پرانے آئین و دستور (شریعت محمدیؐ) سے بے تعلق مسلمان تو پھر سے اسی چاندی کی زنجیر کو پاؤں کی زینت بنالے یعنی اس کی پابندی کر کے اپنا کھویا ہوا مقام پھر سے حاصل کر لے اور یوں اپنا تابناک ماضی پھر سے لے آ۔

۱۷۔ آئین کی سختی کا گلہ شکوہ نہ کر۔ حضور نبی کریمؐ کے مقرر کردہ آئین و دستور/شریعت کے دائرے سے باہر نہ نکل۔ چونکہ یہ آئین و دستور ہی ملت اسلامیہ کی فلاح و بقا کا ضامن ہے اس لیے اس کی سختی کا شکوہ کرنا گویا نادانی کا مظاہرہ کرنا ہے، اس لیے اس نادانی سے بچنا اور اس دستور کا پابند ہونا لازمی ہے۔

مرحلۂ دوم: ضبطِ نفس

۱۔ نفسِ تو مثلِ شتر خود پرور است | خود پرست و خود سوار و خود سر است

۲۔ مرد شو، آور زمامِ او بکف | تا شوی گوہر اگر باشی خزف

۳۔ ہر کہ بر خود نیست فرمانش رواں | می شود فرماں پذیر از دیگراں

۴۔ طرحِ تعمیرِ تو از گِل ریختند | با محبت، خوف را آمیختند

۵- خوف دنیا، خوف عقبیٰ خوف جاں　　خوف آلام زمین و آسماں
۶- حب مال و دولت و حب وطن　　حب خویش و اقربا و حب زن
۷- امتزاج ما وطین تن پرور است　　کشتۂ فحشا ہلاک منکر است

۱- تیرا نفس اونٹ کی طرح خود پرور ہے۔ وہ خود پسند، اپنا سوار آپ اور ضدی و سرکش ہے۔ اونٹ کی خوبیاں پہلے بیان ہو چکی ہیں، اب اس کی برائیوں کے حوالے سے انسانی نفس کی خامیاں بیان کی ہیں۔ اونٹ کی ایک برائی ''شتر کینہ'' تو ضرب المثل ہے۔

۲- تو مرد بن یعنی دلیر ہو جا اور اس کی لگام ہاتھ میں تھام لے، اس پر قابو پالے تا کہ اگر تو ٹھیکری ہے تو اس پر قابو پانے سے تو گوہر بن جائے گا۔ اس پر قابو پانے سے تو ہر طرح کی آلودگیوں اور برائیوں سے پاک ہو کر خدا کا برگزیدہ بن جائے گا۔ ذوق نے یوں کہا ہے:

بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا　　نہنگ و اژدھا و شیر نر مارا تو کیا مارا

۳- جس کسی کا بھی اپنے نفس پر حکم نہیں چلتا، وہ دوسروں ہی کا حکم ماننے پر لگا رہتا ہے۔ ایسا انسان اپنے چھوٹے مفادات کے حصول کی خاطر ہر کس و ناکس کی ایک طرح سے غلامی قبول کرے گا۔

۴-۶: تیرے وجود کی بنیاد مٹی سے اٹھائی گئی ہے، اس میں محبت اور خوف کی باہم آمیزش کی گئی ہے۔ وہ خوف اس طرح کے ہیں: دنیا کا خوف، آخرت کا خوف، جان کا خوف اور زمین و آسمان سے پہنچنے والے غموں دکھوں کا خوف جبکہ محبت کی قسمیں کچھ اس قسم کی ہیں: مال و دولت کی محبت، وطن کی محبت، اپنے عزیزوں رشتہ داروں کی محبت اور عورت/بیوی کی محبت۔

۷- پانی اور مٹی کی آمیزش جسم کی پرورش کرنے والی ہے۔ یہ گناہ کی باتوں کا مارا ہوا یعنی شیدائی اور شریعت کی طرف سے منع کی گئی باتوں پر فریفتہ ہے۔ یعنی انسان مادیات کا شکار ہو کر اسی دنیا کو سب کچھ سمجھنے لگتا ہے اور یوں گناہوں میں ڈوب جاتا ہے۔

۸- تا عصائے لا الٰہ داری بدست　　ہر طلسم خوف را خواہی شکست
۹- ہر کہ حق باشد چو جاں اندر تنش　　خم نگردد پیش باطل گردنش
۱۰- خوف را در سینۂ او راہ نیست　　خاطرش مرعوب غیر اللہ نیست

۱۱- ہر کہ در اقلیم "لا" آباد شد فارغ از بند زن و اولاد شد
۱۲- می کند از ما سوا قطع نظر می نہد ساطور بر حلق پسر
۱۳- با یکی مثل ہجوم لشکر است جاں بچشم او ز باد ارزاں تر است

۸- جب تک تیرے ہاتھ میں "لا الٰہ" کا عصا ہے تو ڈر اور خوف کے طلسم / جادو کو توڑ کے رکھ دے گا۔ انسان جب صرف خدا ہی کو حاکم مطلق اور معبود مطلق مانے گا، اس پر پختہ ایمان ہو گا تو وہ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت سے بھی خوف زدہ نہیں ہو گا۔

۹- جس کسی کے جسم میں حق (خدا) جان کی طرح موجود ہے، اس کی گردن کسی باطل قوت کے آگے نہیں جھکتی۔ توحید خدا پر ایمان کامل کے نتیجے میں اس میں وہ قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ کسی بھی مادی قوت سے نہیں دبتا۔

۱۰- ایسے انسان کے سینے / دل میں خوف کا گذر ہو ہی نہیں سکتا، اس کا دل ماسوا اللہ سے مرعوب نہیں ہوتا۔ وہی بات جو پہلے کہی ہے، اب ذرا بدل کر۔

۱۱- جو کوئی "لا" (لا الٰہ الا اللہ) کی مملکت میں آباد ہو گیا، وہ بال بچوں یعنی دنیاوی دھندوں وغیرہ کی قید سے آزاد ہو گیا۔ وہی بات کہ اللہ پر پختہ ایمان ہونے کے باعث انسان دنیاوی مفادات سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

۱۲- ایسا انسان غیر اللہ سے قطع نظر کر لیتا ہے، اسے کوئی توجہ نہیں دیتا۔ وہ اس پختہ ایمان کی بدولت اپنے بیٹے تک کے گلے پر چھری چلا دیتا ہے۔ قرآنی تلمیح، حضرت ابراہیمؑ کے اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کے گلے پر چھری چلانے کے واقعے کی طرف اشارہ ہے۔

۱۳- (خدا پر پختہ ایمان رکھنے والا انسان) اکیلا ہونے کے باوصف ایک بہت بڑے لشکر کی صورت ہوتا ہے۔ اس کی نظروں میں اس کی اپنی جان ہوا سے بھی زیادہ سستی ہے۔ ایسا مردِ مومن باطل قوتوں سے نہ ڈرنے کے باعث اکیلا ہی ان کی کثرت کی پروا کیے بغیر ان سے ٹکر لے لیتا ہے اور اسے اپنی جان کی ذرا بھی پروا نہیں ہوتی۔ گویا اس کا احساس کچھ اس قسم کا ہوتا ہے:

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا غالب

اس کی مثال حضرت امام حسینؓ کی سی ہے (واقعہ کربلا)

داد نہ داد دست در دست یزید حقا کہ بنائے لا الٰہ ہست حسینؓ

(حسینؓ نے اپنا سر کٹوا لیا لیکن یزید کی باطل قوت کی بیعت نہیں کی، بلاشبہ وہ لاالٰہ کی بنیاد ہیں)

۱۴- لا الٰہ باشد صدف، گوہر نماز   قلب مسلم را حج اصغر نماز

۱۵- در کف مسلم مثال خنجر است   قاتل فحشا و بغی و منکر است

۱۶- روزہ برجوع و عطش شبخون زند   خیبر تن پروری را بشکند

۱۷- مومناں را فطرت افروز است حج   ہجرت آموز و وطن سوز است حج

۱۸- طاعتے سرمایہ جمعیتے   ربطِ اوراق کتاب ملتے

۱۴- لاالٰہ سیپی ہے تو نماز گوہر ہے۔ مسلمان کے دل کے لیے نماز حج اصغر کی حیثیت رکھتی ہے۔ گویا سب سے پہلے اللہ کی توحید اور حضور اکرمؐ کے رسول ہونے پر ایمان ضروری ہے۔ اس کے بعد نماز کی باری آتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں سیپی ہو گی تو موتی بنے گا۔

۱۵- یہ (نماز) مسلمان کے ہاتھ میں خنجر کی مانند ہے جو بری اور بے حیائی کی باتوں، خدائی احکام سے سرکشی اور برے کاموں کو مٹا دینے والی ہے۔ قرآنی تلمیح "ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء" کے حوالے سے بات کی ہے۔

۱۶- روزہ (ایک بنیادی رکن) بھوک اور پیاس پر شبخون مارتا یعنی ان (بھوک پیاس) سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ وہ صرف بدن کی پرورش کرنے والے خیبر کو فتح کرتا ہے۔ مراد یہ کہ روزے کی بدولت جو اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک ہے، روزہ دار دنیا کی بے جا خواہشات اور شہوات وغیرہ سے محفوظ رہتا ہے۔

۱۷-۱۸: حج مومنوں کی فطرت کو منور یعنی ان کے ایمان میں اضافہ کرنے والا ہے۔ حج ہجرت سکھانے والا اور علاقائی/جغرافیائی حدود کا امتیاز مٹا ڈالنے والا ہے۔ وہ ایک ایسی عبادت ہے جو پوری ملت اسلامیہ کو ایک لڑی میں پرونے والی اور ملت کی کتاب کی شیرازہ بندی کرنے والی ہے یعنی حج کے لیے تمام دنیا سے مسلمان مکہ مدینہ آتے ہیں، یہ ان کی ایک طرح سے ہجرت یعنی وطن سے دوری ہے۔ یہ سب جغرافیائی یا علاقائی حدود سے بے نیاز ہو کر ایک جگہ (خانہ کعبہ میں) اکٹھے ہوتے ہیں جو ملت کی جمعیت کا بہت بڑا ثبوت ہے۔ اس بات کو کتاب ملت کی شیرازہ بندی سے تشبیہ دی گئی ہے۔

۱۹۔ حب دولت را فنا سازد زکوٰۃ　　هم مساوات آشنا سازد حیات
۲۰۔ دل ز "حتی تنفقوا" محکم کند　　زر فزاید الفت زر کم کند
۲۱۔ این همه اسباب استحکام تست　　پخته ای، محکم اگر اسلام تست
۲۲۔ اہل قوت شو ز ورد "یاقوی"　　تا سوار اشتر خاکی شوی

۱۹-۲۰: زکوٰۃ، مال و دولت کی محبت کو مٹا دیتی ہے، زکوٰۃ ملت کے افراد کو برابری سے بھی آگاہ کرتی ہے۔ یہ "حتی تنفقوا" (فرہنگ دیکھیے) کے ارشاد ربانی سے دل کو مضبوط کرتی ہے، دولت کو برکت عطا کرتی ہے اور اس (دولت) سے محبت میں کمی کا باعث بنتی ہے۔ زکوٰۃ دینے والا خوشی خوشی دیتا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اسے مال و دولت سے بس مناسب حد تک محبت ہے۔ وہ اس پر سانپ بن کر نہیں بیٹھتا۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کی اس دولت پر ان لوگوں کا بھی حق ہے جو کسی نہ کسی وجہ سے مفلس رہ گئے، یہ گویا مساوات کی دلیل ہے۔

۲۱۔ یہ سب (تمام بنیادی ارکان) تیری قوت و مضبوطی کا سامان ہیں۔ اگر تیرا اسلام مضبوط ہے تو تو بھی مضبوط ہے۔ ان ارکان پر خلوص دل سے عمل کرنے کے باعث تیرا دل مضبوط ہوگا اور یوں تو صاحب عزم و ہمت بن کر ایک کامیاب اور باعظمت زندگی بسر کرے گا۔

۲۲۔ "یاقوی" کے ورد سے اپنے آپ کو صاحب قوت بنالے تاکہ تو مٹی کے اونٹ پر سوار ہو جائے (نفس پر قابو پالے)۔ قوی اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔ گویا ہر وقت اسی کو یاد کرنے اور صرف اسی کو حاکم مطلق تسلیم کرنے سے مسلمان میں وہ قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ نفس کو پوری طرح قابو میں رکھتا ہے اور یوں باطل قوتوں سے ٹکرا جاتا ہے اور بے جا قسم کی خواہشات و مفادات سے خود کو محفوظ رکھتا ہے۔

مرحلہ سوم: نیابت الٰہی

۱۔ گر شتر بانی، جہاں بانی کنی　　زیب سر تاج سلیمانی کنی
۲۔ تا جہاں باشد جہاں آرا شوی　　تاجدار ملک "لایبلی" شوی
۳۔ نائب حق در جہاں بودن خوش است　　بر عناصر حکمراں بودن خوش است

۴۔ نائب حق ہمچو جانِ عالم است   ہستیِ او ظلِّ اسمِ اعظم است
۵۔ از رموزِ جزو و کل آگہ بود   در جہاں قائم بامراللہ بود
۶۔ خیمہ چوں در وسعتِ عالم زند   ایں بساطِ کہنہ را برہم زند

۱۔ اگر تو شتربان بن جائے تو دنیا پر حکمرانی کرے گا۔ اسی طرح تو اپنے سر کو تاجِ سلیمانی سے سجائے گا۔ یعنی نفس پر قابو پالینے سے تجھ میں میں ایسی قوتیں پیدا ہو جائیں گی جن سے تو یہ کائنات تسخیر کر سکے گا بالکل اسی طرح جس طرح حضرت سلیمانؑ نے جن و انس، فضا و ہوا اور چرند درند وغیرہ کو تسخیر کر رکھا تھا۔

۲۔ جب تک یہ دنیا قائم ہے تو اس کو سجانے والا رہے گا اور اس ملک کا بادشاہ/حکمران ہوگا جس میں کوئی اجلا نہ ہوگی۔ یعنی جو اس دنیا کی دست برد سے ہمیشہ محفوظ رہے گا، نفس پر قابو پانے کا نتیجہ دوسرے انداز میں بیان ہوا ہے۔

۳۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا نائب بننا اچھی بات ہے۔ عناصر/کائنات پر حکمرانی کرنا اچھی بات ہے۔ گویا ایک مردِ مومن اللہ تعالیٰ کی صفات اپنا کر کائنات کو مسخر کر لیتا ہے۔

۴۔ خدا کا نائب، دنیا کی روح کی مانند ہے۔ اس کا وجود اسمِ اعظم کا پرتو ہے (فرہنگ دیکھیے)

۵۔ وہ (نائبِ خدا) اس کائنات کی ہر ہر شے سے آگاہ ہوتا ہے اور دنیا میں اللہ کی طرف سے مامور ہوتا ہے۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ علیم و بصیر ہے اسی طرح اس کا نائب (صحیح معنوں میں مردِ مومن) بھی ان صفات سے متصف ہوتا اور ہر شے پر اس کی نظر ہوتی ہے اس لیے کہ خدا نے اسے اس کائنات پر مامور کیا ہوتا ہے۔

۶۔ جب وہ اس کائنات کی وسعتوں میں خیمہ لگاتا ہے تو اس پرانی چٹائی/کائنات کو الٹ کے رکھ دیتا ہے۔ مراد یہ کہ نائبِ حق مامور ہونے پر جب وہ اپنے فرائض انجام دینے لگتا ہے تو وہ ہر طرح کے فرسودہ اور بیہودہ معاشرتی نظام/نظاموں کو ختم کر کے انسانوں میں ایک زبردست انقلاب پیدا کر دیتا اور ظلم و جبر کی بجائے اس معاشرے میں اخوت و ہمدردی اور انصاف رواج پذیر ہو جاتا ہے۔

۷۔ فطرتش معمور و می خواہد نمود   عالمے دیگر بیارد در وجود
۸۔ صد جہاں مثلِ جہانِ جزو و کل   روید از کشتِ خیالِ او چو گل
۹۔ پختہ سازد فطرتِ ہر خام را   از حرم بیروں کند اصنام را

۱۰۔ نغمہ زا تار دل از مضراب او ۔۔۔ بہر حق بیداری او، خواب او
۱۱۔ شیب را آموزد آہنگ شباب ۔۔۔ می دہد ہر چیز را رنگ شباب
۱۲۔ نوع انساں را بشیر و ہم نذیر ۔۔۔ ہم سپاہی، ہم سپہگر، ہم امیر

۷۔ اس (نائب حق، مرد مومن) کی فطرت حق و صداقت کے خزینوں سے بھری ہوتی ہے اور اس کا اظہار وہ ایک نئی دنیا کو وجود میں لانے سے کرنا چاہتی ہے۔ یہاں بھی مذکورہ صفات کے حوالے سے بات ہوئی ہے یعنی وہ اپنے معاشرے کی خرابیوں' برائیوں کو جڑ سے کاٹ کر اس میں ایک نئی روح پھونک دیتا ہے اور یوں وہ معاشرہ گویا ایک نئی دنیا میں داخل ہو جاتا ہے۔

۸۔ اس کائنات جیسے سینکڑوں عالم اس کے فکر کی کھیتی سے پھول کی صورت پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی وہ اپنی بصیرت اور خدائی صفات کی بنا پر اس کائنات میں نت نئی تبدیلیاں لا سکتا ہے جو گویا کئی دنیائیں وجود میں لاتا ہے۔

۹۔ وہ ہر ناقص عرفان رکھنے والے کی فطرت/معرفت کو پختہ کرتا یعنی کمال تک پہنچاتا اور حرم سے بتوں کو باہر نکال پھینکتا ہے۔ اس میں بالواسطہ حضورؐ سے متعلق ایک تلمیح ہے۔ حضور اکرمؐ نے کعبہ کو، جو بتوں کا بہت بڑا گھر تھا، ان بتوں سے پاک کر کے معاشرے کو ایک بہت بڑی لعنت سے پاک کر دیا۔ گویا نائب حق انسانوں کی خام فطرتی کو دور کر کے ایک ایسا مرکز دیتا ہے جس کی بدولت ان میں توحید کا پختہ شعور پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنے اندر کے تمام بتوں، حرص و ہوس، ظلم و جبر اور ناانصافی وغیرہ کو باہر نکال پھینکتے ہیں۔ یوں اللہ کی رضا ان کی زندگی کا مقصد بن جاتی ہے اور اس طرح ایک صحیح انسانی معاشرہ وجود پذیر ہوتا ہے۔

۱۰۔ اس کے مضراب سے دل کے ساز میں سے نغمے پھوٹنے لگتے ہیں۔ اس کا جاگنا اور سونا سب رضائے خدا کی خاطر ہوتا ہے۔ وہی مراد کہ پہلے جو دل کفر و شرک میں مبتلا اور انسان دوستی سے عاری ہوتے ہیں، اس کے پیغام و عمل کی بدولت توحید وغیرہ سے سرشار ہو جاتے ہیں۔

۱۱۔ وہ بڑھاپے/پیری کو جوانی کی لے سکھاتا ہے۔ یعنی جوانی کا سا عزم و ولولہ پیدا کرتا ہے۔ وہ ہر چیز کو شباب کے رنگ میں رنگ دیتا ہے۔ یعنی نائب حق نعرۂ توحید و حق بلند کر کے کمزور سے کمزور انسان میں بھی بڑا جوش و جذبہ پیدا کر دیتا ہے جس سے باطل

قوتوں سے بھی ٹکرا جاتا ہے۔

۱۲۔ وہ (نائب حق) بنی نوع انسان کے لیے بشیر بھی ہے اور نذیر بھی، وہ سپاہی بھی ہے، فوج کا سالار بھی اور سردار/حکمران بھی۔ اس میں اس کی جبّاری وقہاری اور انسان دوستی کا ذکر ہے۔ بقول علامہ:

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت ۔ یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

یعنی مشرکین اور معاشرے کے ناسوروں کے لیے وہ نذیر اور توحید پرستوں کے لیے بشیر ہے:

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم ۔ رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

(علامہ کا یہ شعر سورۃ المائدہ کی آیہ ۵۴ کے ایک ٹکڑے کا منظوم ترجمہ ہے) اس کے سپاہی وغیرہ ہونے کا مطلب ہے کہ وہ زندگی کے ہر ہر شعبے میں ملت کی رہنمائی کرتا ہے اور مصافِ زندگانی میں اسے آگے لے کر بڑھتا ہے۔

۱۳۔ مدعاے "علم الاسما" ستے ۔ سر "سبحان الذی اسرا" ستے

۱۴۔ از عصا دست سفیدش محکم است ۔ قدرت کامل بعلمش توام است

۱۵۔ چوں عناں گیرد بدست آں شہسوار ۔ تیز تر گردد سمند روزگار

۱۶۔ خشک سازد ہیبت او نیل را ۔ می برد از مصر اسرائیل را

۱۷۔ از قم او خیزد اندر گور تن ۔ مردہ جانہا چوں صنوبر در چمن

۱۳۔ وہ (نائب حق) "علم الاسما" کا مقصود ہے۔ وہ سبحان الذی اسرا کا بھید ہے (فرہنگ دیکھیے)

۱۴۔ عصا سے اس کا سفید ہاتھ (ید بیضا) مضبوط ہے۔ اس کا مکمل اختیار وقدرت اس کے علم کے ساتھ ملا/ جڑا ہوا ہے (فرہنگ)

۱۵۔ جب وہ شہسوار (نائب حق) اپنے ہاتھوں میں زمانے کے گھوڑے کی باگ تھام لیتا ہے تو اس گھوڑے کی رفتار اور بھی تیز ہو جاتی ہے۔ جس طرح ایک ماہر سوار گھوڑے پر پورا قابو رکھتا اور اپنی مرضی کے مطابق چلاتا ہے اسی طرح نائب حق زمانے کا اسیر ہونے کی بجائے اسے اپنی قدرت وقوت سے مسخر کر کے اپنے حسب منشا اس سے کام لیتا اور اس میں یہ انقلابات وتغیرات لاتا رہتا ہے۔

۱۶۔ اس (نائب حق) کی ہیبت نیل کو خشک کر دیتی ہے اور وہ مصر سے اسرائیل کو لے جاتا

ہے (فرہنگ دیکھیے)

۱۷- اس کے ''قم'' کہنے سے مردہ جانیں بدن کی قبر میں یوں اٹھ کھڑی ہوتی ہیں جیسے باغ میں صنوبر کا سیدھا درخت ہوتا ہے (فرہنگ دیکھیے)

۱۸- ذاتِ او توجیہ ذاتِ عالم است — از جلال او نجاتِ عالم است

۱۹- ذرہ، خورشید آشنا از سایہ اش — قیمت ہستی گراں از مایہ اش

۲۰- زندگی بخشد ز اعجاز عمل — می کند تجدید انداز عمل

۲۱- جلوہ ہا خیزد ز نقش پاے او — صد کلیم آوارۂ سینائے او

۲۲- زندگی را می کند تفسیر نو — می دہد ایں خواب را تعبیر نو

۲۳- ہستی مکنونِ او رازِ حیات — نغمۂ نشنیدۂ سازِ حیات

۱۸- اس کا وجود کائنات کے وجود کی دلیل / تفسیر ہے۔ اس کے جلال سے کائنات / دنیا کی نجات ہے۔ پہلے مصرع میں اس حدیث قدسی کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے کہ اگر تجھے (حضور اکرم کو) پیدا نہ کیا جاتا تو یہ کائنات بھی پیدا نہ کی جاتی۔'' مراد یہ کہ نائب حق ہونے کی بنا پر دنیا کی تمام باطل قوتیں اس سے ڈرتی ہیں جس کی وجہ سے دنیا ان تمام قوتوں کے ظلم وستم سے محفوظ ہو جاتی ہے۔ جلال سے کائنات کی نجات سے یہی مراد ہے۔

۱۹- اس (نائب حق) کے سائے سے ذرہ بھی خورشید آشنا بن جاتا ہے۔ اس کے سرمائے یعنی علوم وروحانیت سے کائنات کی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے۔ (مثنوی پس چہ باید کرد'' میں علامہ نے ''حکمت کلیمی'' کے تحت جو کچھ کہا ہے، وہ یہاں نائب حق پر منطبق ہوتا ہے)۔ مراد یہ کہ اس سے لگ کر یا اس کا دامن تھام کر ایک معمولی انسان بھی کمالات حاصل کر لیتا ہے یا کمالات کی طرف گامزن ہو جاتا ہے۔ وہ صحیح معنوں میں اعلیٰ انسانی اقدار کی ترویج کر کے اس دنیا کو جنگل کے قانون سے بچالیتا ہے اور اس کا یہی عمل اس دنیا کی قدر و قیمت میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔

۲۰- وہ اپنے عمل کے اعجاز سے زندگی عطا کرتا اور عمل کے انداز کو نئے سرے سے زندہ کر دیتا ہے۔ گویا اس کا ہر عمل ایک طرح سے معجزہ ہے جو انسانی معاشرے میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دیتا ہے، ایک نیا انداز عمل جس کی بدولت ملت، عظمت اور واضح غلبہ (سلطان مبین) کی حامل بن جاتی ہے (پیغمبروں کی مثالیں اس کی دلیل ہیں)

۲۱- اس کے پاؤں کے نقش سے کئی جلوے پھوٹتے ہیں، سینکڑوں کلیم اس کے طورِ سینا پر گھومنے پھرنے والے ہیں۔ قرآنی تلمیح، حضرت موسیٰ اور طور کا واقعہ کے حوالے سے یہ کہنا چاہا ہے کہ اس کے عمل میں ایسی کیفیت ہوتی ہے جو انسانوں کو بے حد متاثر کرتی ہے اور یوں خدا کی ایک مخلوق اس کی پیروکار بن کر اس کے نقشِ قدم پر چلنے لگتی ہے اور یوں نورِ ہدایت سے منور ہوتی چلی جاتی ہے۔

۲۲- وہ زندگی کی نئی تفسیر کرتا ہے اور اس خواب کو نئی تعبیر دیتا ہے۔ یعنی وہ اپنے پیغام اور عمل سے اپنے معاشرے یا ملت میں ایسے انقلابات لاتا ہے جن کی بدولت اس (ملت) کی تمام خرابیاں دور ہو جاتی ہیں اور ان کی جگہ ہدایت وصفا اور امن و آسودگی کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ عربوں کے دورِ جاہلیت اور حضور اکرم کی بعثت اس کی مثال ہے۔

۲۳- اس کی پوشیدہ شخصیت زندگی کا راز ہے۔ وہ زندگی کے ساز کا ایسا نغمہ ہے جو سنا نہ گیا ہو۔ پہلے مصرعے کو دوسرے مصرعے میں مثال دے کر واضح کیا ہے۔ مطلب یہ کہ زندگی کی حقیقت اور اس کا مقصد نائب حق کے وجود اور اس کے عمل سے واضح ہو جاتا ہے۔ چونکہ آئندہ شعروں میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ ہم میں سے اٹھے گا، اس لیے ''ہستی مکنون'' کی ترکیب استعمال کی ہے۔ گویا ابھی اس کا وجود ظاہر ہونا ہے (نغمہ جو سنا نہیں گیا) اور یہ وجود ملت اسلامیہ میں سے اٹھے گا۔

۲۴- طبعِ مضموں بندِ فطرت خوں شود تا دو بیتِ ذاتِ او موزوں شود
۲۵- مشتِ خاکِ ما سرِ گردوں رسید زیں غبار آں شہسوار آید پدید
۲۶- خفتہ در خاکسترِ امروزِ ما شعلۂ فردائے عالم سوزِ ما
۲۷- غنچۂ ما گلستاں در دامن است چشمِ ما از صبحِ فردا روشن است

۲۴- نئے نئے خیالات و مضامین باندھنے والی فطرت کی طبیعت خون ہو جاتی ہے۔ تب کہیں اس (نائب حق) کی ذات کے متعلق دو شعر موزوں ہوتے ہیں۔ حالی کا یہ شعر لائق توجہ ہے:

خشک سیروں تنِ شاعر میں لہو ہوتا ہے تب نظر آتی ہے اک مصرعِ تر کی صورت

علامہ نے فطرت (Nature) کو ایک شاعر قرار دیا ہے جو نت نئے مضمون باندھنے میں مشغول ہے۔ یعنی وہ نت نئی تخلیقات وجود میں لا رہی ہے۔ شاعر کی طرح فطرت بھی بہت محنت اور عرصے کے بعد ایک نائب حق پیدا کرتی ہے، علامہ ہی کے بقول:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے — بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

سنائی غزنوی کا یہ شعر بھی کچھ ایسا ہی ہے:

دورہا باید کہ تا یک مردِ حق پیدا شود — بایزیدؒ اندر خراساں یا اویسؒ اندر قرن

(ایک مردِ حق کے وجود میں آنے کے لیے بہت سے زمانے درکار ہیں یا خراسان میں بایزیدؒ مردِ حق ہیں یا پھر قرن میں اویس قرنی ہیں)

۲۵۔ ہماری خاک کی مٹھی آسمان پر جا پہنچی، اب اس غبار سے وہ شہسوار (نائب حق) ظاہر ہوگا۔ یعنی وہ شہسوار گھوڑے کی دوڑ سے اٹھنے والی گرد میں نظروں سے اوجھل تھا، اب یہ خاک چھٹ گئی ہے اور وہ اب نظر آنے والا ہے۔ گویا ملت اسلامیہ کے حالات بدل رہے ہیں اور وہ وقت قریب ہے جب اسی میں سے وہ مردِ خدا پیدا ہوگا جو اس دنیا کو صحیح معنوں میں راہِ ہدایت پر لے آئے گا۔ ''مشت خاک....'' میں فخریہ لہجہ بھی ممکن ہے، یعنی اسے (خاک) کو آسمان/بلندی پر پہنچنے کا موقع میسر آیا۔

۲۶۔ کائنات کو جلا دینے والا ہمارے آنے والے ''کل'' کا شعلہ ہمارے ''آج'' کی راکھ میں سویا پڑا ہے۔ شعلہ یعنی نائب حق۔ یعنی اگرچہ ہماری حالت اس وقت راکھ کی سی ہے، تاہم وہ ہماری ملت ہی سے پیدا ہونے والا ہے اور وہ آ کر اس دنیا کا سارا نقشہ بدل ڈالے گا۔ ظلم و جور وغیرہ کو ختم کر کے انسان دوستی اور باہمی تکریم و تعظیم والے رویوں کو رواج دے گا۔

۲۷۔ ہمارا غنچہ اپنے دامن میں گلستاں سمیٹے ہوئے ہے۔ ہماری آنکھ صبح فردا سے روشن ہے۔ اس میں استعارہ بدل کر وہی بات کی ہے جو اوپر کہی ہے۔ ملت اسلامیہ میں نائب حق کے پیدا ہونے کو آنکھ کے صبح فردا سے روشن ہونے کے استعارے سے واضح کیا ہے۔

۲۸۔ اے سوارِ اشہبِ دوراں بیا — اے فروغِ دیدۂ امکاں بیا

۲۹۔ رونقِ ہنگامۂ ایجاد شو — در سوادِ دیدہ ہا آباد شو

۳۰۔ شورشِ اقوام را خاموش کن — نغمۂ خود را بہشتِ گوش کن

۳۱۔ خیز و قانونِ اخوت ساز دہ — جامِ صہبائے محبت باز دہ

۳۲۔ باز در عالم بیار ایامِ صلح — جنگ جویاں را بدہ پیغامِ صلح

۳۳۔ نوعِ انساں مزرع و تو حاصلی — کاروانِ زندگی را منزلی

۳۴- ریخت از جور خزاں برگ شجر　　چوں بہاراں بر ریاضِ ما گذر
۳۵- سجدہ ہائے طفلک و برنا و پیر　　از جبینِ شرمسارِ ما بگیر
۳۶- از وجودِ تو سر افرازیم ما　　پس بہ سوزِ ایں جہاں سازیم ما

۲۸- اے زمانے کے گھوڑے پر سوار آ جا، اے اس کائنات کی آنکھوں کی روشنی آ جا۔ جس طرح گھوڑا اپنے سوار کے قابو میں ہوتا اور اس کے حسب خواہش چلتا ہے، اسی طرح نائب حق / مرد خدا زمانے کو صحیح سمت پر چلاتا اور اسے ٹھوکروں سے بچاتا ہے۔ آنے کی درخواست گویا ایک طرح سے دعا ہے کہ خدا کرے تو آ جائے۔

۲۹- تو موجودات عالم کی رونق بن اور آنکھوں کی پتلیوں میں آباد ہو جا۔ مطلب یہ کہ جب نائب حق اس دنیا کو صحیح ڈگر پر چلائے گا تو دنیا ہر طرح کے فتنہ وفساد اور تباہیوں سے پاک اور محفوظ ہو کر امن وخوشحالی کی طرف گامزن ہوگی۔ آنکھوں کی پتلیوں میں آباد ہونے سے مراد ہے کہ اس کے وجود سے اہل دنیا کو زندگی بسر کرنے کی صحیح سمتیں معلوم ہوں گی۔

۳۰- دنیا کی مختلف قوموں نے جو ہنگامہ برپا کر رکھا ہے، اسے ختم کر دے اور اپنے نغمے (پیغام) کو انسانوں کی سماعت کی خاطر بہشت کی سی تازگی والا بنا دے۔ یہ اشارہ ہے پہلی جنگ عظیم کی طرف جو اس وقت زوروں پر تھی۔ (یہ مثنوی ۱۹۱۵ء میں لکھی گئی تھی)۔ علامہ کو اس کشت وخون پر بڑا دکھ تھا اور وہ اسے دنیا کے لیے بہت بڑی مصیبت سمجھتے تھے۔ یہ شعر اسی پس منظر میں لکھا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ چونکہ اس صورت حال کی اصلاح نائب حق کے وجود ہی سے ممکن ہے، اس کا پیغام جاں فزا ہے، اس لیے اس سے التجا ہے کہ وہ اپنے اس پیغام سے انسانوں کے لیے مسرت وشادمانی اور امن وصلح کا سامان کر دے۔

۳۱- (اے نائب حق) تو اٹھ اور دنیا کے لیے بھائی چارے کا دستور وآئین ترتیب دے / تیار کر اور محبت کا جام پھر سے دے یعنی تیرے وجود ہی سے دنیا میں بھائی چارے اور باہمی ہمدردی ومحبت کا نظام چل سکتا ہے کیونکہ تو سراپا رحمت ہے۔

۳۲- ایک مرتبہ پھر باہمی میل محبت کا دور لے آ اور جنگ وفساد پر آمادہ افراد واقوام کو صلح کا پیغام دے۔ وہی بات جو پہلے کہی گئی ہے۔

۳۳- بنی نوع انسان کھیتی ہے اور تو اس کا حاصل ہے تو زندگی کے قافلے کی منزل ہے۔ گویا

یہ دنیا تیرے بغیر ویران اور بنجر ہے۔ تیرے وجود یا تیری آمد سے انسانی معاشرہ / دنیا آباد اور رونق پذیر ہو جائے گا۔ قافلے کی منزل سے مراد ہے کہ نائب حق کے بغیر انسانی معاشرہ راہ راست پر چلنے سے عاری رہتا ہے، اس کی آمد پر وہ صحیح سمت کو گامزن ہوگا۔

۳۴- درخت کے پتے خزاں کے ظلم وستم سے جھڑ گئے ہیں تو موسم بہار کی صورت ہمارے باغ پر سے گذر۔ یعنی دنیا میں ظالم اور فتنہ پرور لوگوں / قوموں نے دنیا کا امن تباہ کر دیا ہے۔ تو آ اور اس دنیا کو مذکورہ بالا دستور و پیغام سے مسرت و شادمانی اور امن و سکون اور باہمی محبت کی آماجگاہ بنا دے۔

۳۵- تو ہماری ندامت سے پُر پیشانی سے ہمارے بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کے سجدے لے، یعنی ہماری طرف سے عقیدت و تعظیم وصول کر۔ ندامت سے پُر پیشانی کا مطلب ہے کہ اس دور میں جو کچھ ہو رہا تھا، وہ انسانیت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکا تھا۔ اگر نائب حق وارد ہو جاتا ہے تو ظلم و جبر کی ستائی ہوئی مخلوق اس کے لیے سراپا عقیدت واحترام بن جائے گی کیونکہ اس کے وجود سے دنیا کو موجودہ تباہ کن صورت حال سے نجات مل جائے گی۔

۳۶- تیرے وجود سے ہمیں سربلندی حاصل ہے، اسی لیے ہم اس دنیا کے سوز / تپش سے نباہ کر رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ نائب حق چونکہ ملت اسلامیہ میں سے اٹھے گا، اس لیے اس کا وجود ملت کے لیے باعث سرفرازی و فخر ہوگا۔ چنانچہ اسی فخر کی بدولت ملت اسلامیہ موجودہ اندیشناک صورت حال سے نباہ کرنے پر آمادہ ہے۔

در شرح اسرار اسمائے حضرت علیؓ

(حضرت علی مرتضیٰؓ کے ناموں کے بھیدوں کی وضاحت)

۱- مسلم اول شہ مرداں علیؓ عشق را سرمایہ ایماں علیؓ
۲- از ولائے دودمانش زندہ ام در جہاں مثل گہر تابندہ ام
۳- نرگسم وارفتہ نظارہ ام در خیابانش چو بو آوارہ ام
۴- زمزم ار جوشد ز خاک من ازوست مے اگر ریزد ز تاک من، ازوست

۵- خاکم و از مہر او آئینہ ام می تواں دیدن نوا در سینہ ام
۶- از رخ او فال پیغمبرؐ گرفت ملت حق از شکوہش فر گرفت
۷- قوت دین مبیں فرمودہ اش کائنات آئیں پذیر از دودہ اش

۱- حضرت علیؓ جو دلیروں کے سردار ہیں، اسلام لانے والوں میں سرفہرست ہیں۔ حضرت علیؓ عشق کے لیے ایمان کی بہت بڑی پونجی ہیں۔ عشق حق میں حضرت علیؓ اپنی مثال آپ تھے۔ اسی لیے انہیں ایمان کا سرمایہ کہا ہے۔

۲- میں (علامہ) انؓ کے خاندان کی محبت والفت کے سبب زندہ ہوں اور اس کے نتیجے میں دنیا میں موتی کی مانند چمکتا ہوں۔ علامہ نے انؓ سے اپنی بے حد عقیدت کا اظہار کیا ہے۔

۳- میں نرگس ہوں، یعنی میں نرگس کی صورت نظارے میں کھویا ہوا ہوں، میں انؓ کی کیاری/ باغ میں خوشبو کی طرح پھیلا ہوا ہوں۔ نرگس کی شکل ایسی آنکھ کی مانند ہوتی ہے جیسے وہ کسی چیز کی طرف دیکھنے میں محو ہو۔ اس حوالے سے علامہ نے انؓ کی ذات میں اپنی محویت کی عکاسی کی ہے اور یہ کہ جس طرح خوشبو اپنے مخصوص حلقے سے وابستہ اور منتشر رہتی ہے، اسی طرح علامہ بھی اس مبارک خاندان سے وابستہ ہیں۔

۴- اگر میری خاک سے زمزم کا چشمہ پھوٹتا ہے تو یہ حضرت علیؓ ہی سے محبت کے سبب ہے اور اگر میری تاک (انگور کی بیل) سے شراب ٹپکتی ہے تو یہ بھی اسی باعث ہے۔ مطلب یہ کہ علامہ نے چشمہ زمزم کی تلمیح کے حوالے سے گویا یہ کہنا چاہا ہے کہ انہوں نے جو اپنی شاعری میں پیغام دے کر سوئی ہوئی یا مردہ قوم میں ایک نئی روح پھونکی ہے، تو یہ سب اسی محبت وعقیدت کا نتیجہ ہے۔ شراب سے مراد شراب معرفت ہے۔

۵- میں خاک ہوں اور حضرت علیؓ سے محبت کے نتیجے میں آئینہ صفت ہو گیا ہوں۔ چنانچہ میرے سینے میں آواز کو دیکھا جا سکتا ہے۔ محبت وعقیدت کا اظہار نئے استعارے میں گویا اس محبت کی وجہ سے وہ آلودگیوں سے پاک ہو کر مصفا باطن ہو گئے ہیں۔

۶- انؓ کے مبارک چہرے سے حضور اکرمؐ نے اچھا شگون لیا، ملت اسلامیہ کو انؓ کے شکوہ و دبدبہ کے باعث عظمت ملی یعنی حضور اکرمؐ نے حضرت علیؓ کے چہرے بشرے سے یہ جان لیا کہ ان کا وجود اسلام کے حق میں مفید ہوگا اور پھر واقعات نے یہ بات ثابت کردی۔

۷- ان کے فرمودات روشن دین یعنی اسلام کے لیے قوت کا باعث ہیں۔ کائنات ان کے خاندان سے آئین یعنی آراستگی حاصل کرنے والی ہے۔ گویا اس کائنات کو ان کے خاندان کی بدولت آراستگی ملی۔ اگر یہ خاندان نہ ہوتا تو باطل قوتیں دنیا پر چھا گئی ہوتیں۔

۸-	مرسل حق کرد نامش "بوتراب"	حق "یداللہ" خواند در ام الکتاب
۹-	ہر کہ دانائے رموز زندگی ست	سرّ اسمائے علیؓ داند کہ چیست
۱۰-	خاک تاریکے کہ نام او تن است	عقل از بیداد او در شیون است
۱۱-	فکر گردوں رس زمیں پیما ازو	چشم کور و گوش ناشنوا ازو
۱۲-	از ہوس تیغ دو رو دارد بدست	رہ رواں را دل بریں رہ زن شکست
۱۳-	شیر حقؓ ایں خاک را تسخیر کرد	ایں گل تاریک را اکسیر کرد
۱۴-	مرتضیٰؓ کز تیغ او حق روشن است	بوتراب از فتح اقلیم تن است

۸- حضور اکرمؐ نے انؓ کو "بوتراب" کے لقب سے پکارا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انہیں "اللہ کا ہاتھ" کہا۔ (فرہنگ دیکھیے) دوسرے مصرعے والی بات اشارہ ہے، سورہ ۴۸، آیہ ۱۰ کی طرف لیکن اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔

۹- جو کوئی بھی زندگی کی حقیقتوں سے پوری طرح آگاہ ہے، اسے علم ہے کہ حضرت علیؓ کے اسما (ناموں) اور لقبوں کا راز کیا ہے۔

۱۰-۱۲: وہ سیاہ خاک جسے بدن کہا جاتا ہے اور عقل جس کے ظلم وستم سے نالاں ہے، آسمانوں کی سی بلندی والا فکر وتخیل اس کے ہاتھوں پستی کا شکار رہتا ہے اور دیکھنے والی آنکھ اس کے سبب نابینا ہے اور کان بہرے ہیں۔ جس کے ہاتھ میں حرص وہوس کی دو دھاری تلواری ہے اور اللہ کی راہ میں چلنے والوں کے دل اس سے خوف زدہ ہیں۔ ان شعروں میں تن بدن کے حوالے سے مادیت اور نفس امارہ کی بات ہوئی ہے۔ نفس امارہ جس طرح انسانی قوتوں اور صلاحیتوں کو بیکار کر دیتا ہے، اسے مختلف صورتوں میں بیان کیا ہے۔

۱۳- اللہ کے شیر (اسد اللہ، حضرت علیؓ) نے اس خاک / بدن یا نفس امارہ پر قابو پالیا، اسی طرح انہوں نے اس سیاہ خاک کو اکسیر یعنی کیمیا میں بدل دیا۔ انہوں نے اپنی شجاعت و دلیری کے جو کارنامے انجام دیے، وہ سب راہ حق اور رضائے الٰہی کی

خاطر انجام دیے اور بوتراب ہونے کے باعث گویا اس خاک کو کیمیا میں بدل دیا۔

۱۴۔ مرتضیٰؓ: جن کی تلوار سے حق روشن ہے، جو بوتراب کہلائے ہیں تو یہ بدن کی مملکت کو فتح کرنے کے باعث ہے۔ مطلب یہ کہ انہوں نے جو بڑے بڑے کارنامے انجام دیے وہ سب اسی نفس/امارہ پر قابو پانے کے نتیجے میں تھے۔

۱۵۔ مرد کشور گیر از کراری است — گوہرش را آبرو خود داری است

۱۶۔ ہر کہ در آفاق گردد بوتراب — باز گرداند ز مغرب آفتاب

۱۷۔ ہر کہ زیں بر مرکب تن تنگ بست — چوں نگیں بر خاتم دولت نشست

۱۸۔ زیر پاش اینجا شکوہ خیبر است — دست او آنجا قسیم کوثر است

۱۹۔ ازخود آگاہی، ید اللّٰہی کند — از ید اللّٰہی، شہنشاہی کند

۲۰۔ ذات او دروازۂ شہر علوم — زیرفرمانش حجاز و چین و روم

۱۵۔ دلیر اور شجاع آدمی کراری ہی سے فاتح ملک بنتا ہے۔ اس کے گوہر کی آب و تاب خودداری کے باعث ہے۔ مراد یہ کہ جو شخصیت اپنی ذات اور اپنے وقار کا خود تحفظ کرتی، کسی باطل قوت کے آگے نہیں جھکتی اور بلند ہمتی سے کام لیتی ہے، وہی کرار کہلا سکتی اور فاتح کشور بن سکتی ہے اور حضرت علیؓ میں یہ تمام اوصاف تھے۔

۱۶۔ جو کوئی بھی اس کائنات میں بوتراب بنتا ہے، اسی کو یہ قوت میسر آتی ہے کہ وہ سورج کو مغرب سے لوٹا لاتا ہے۔ اس میں حضور اکرمؐ اور حضرت علیؓ کے حوالے سے مشہور معجزہ کی طرف اشارہ ہے۔

۱۷۔ جس کسی نے بھی تن/جسم کی سواری پر کس کر زین باندھی، اسی کو یہ مرتبہ ملا کہ وہ حکومت کی مہر میں نگینے کی طرح بیٹھ گیا۔ مطلب یہ کہ جو کوئی اپنے نفس امارہ پر قابو پالیتا اور مادیات پر غلبہ حاصل کرلیتا ہے، وہی اس دنیا پر حکمرانی کرنے کے لائق ہو جاتا ہے۔

۱۸۔ (اس بوتراب کی کیفیت یہ ہے کہ) اس دنیا میں تو خیبر جیسے باشکوہ قلعے کی ساری شان وشوکت اس کے پاؤں کے نیچے ہوتی ہے اور دوسری دنیا یعنی آخرت میں اس کا ہاتھ حوضِ کوثر کا شیریں پانی تقسیم کرنے والا بن جاتا ہے (فرہنگ دیکھیے) ماسوا اللہ سے بےخوفی کے باعث بڑی بڑی قوتیں، شان اور شوکتیں مردِ مومن کے لیے بے اہمیت و بے حقیقت ہو جاتی ہیں۔

۱۹۔ وہ اپنی ذات کے ممکنات سے بخوبی آگاہ ہونے کے نتیجے میں اللہ کا ہاتھ بن جاتا اور

پھر اسی الوہی ہاتھ کے ساتھ وہ کائنات پر حکمرانی کرنے لگتا ہے۔ علامہ نے اردو میں ایک جگہ کہا ہے:

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ　　غالب و کار آفریں، کار کشا، کارساز

(نیز فرہنگ)

۲۰- اس کی ذات شہر علوم کا دروازہ بن جاتی ہے اور حجاز، چین اور شام یعنی ساری دنیا اس کے زیرنگیں آ جاتی ہے۔ حضور اکرمؐ کی ایک حدیث کے حوالے سے یہ کہا ہے۔ حدیث ہے: ''میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہے۔''

۲۱- حکمراں باید شدن برخاک خویش　　تا مے روشن خوری از تاک خویش
۲۲- خاک گشتن مذہب پروانگی است　　خاک رااب شو کہ ایں مردانگی است
۲۳- سنگ شو، اے ہم چو گل نازک بدن　　تاشوی بنیادِ دیوارِ چمن
۲۴- از گل خود آدمے تعمیر کن　　آدمے را عالمے تعمیر کن
۲۵- گر بنا سازی نہ دیوار و درے　　خشت از خاک تو بندو دیگرے
۲۶- اے زجور چرخ ناہنجار تنگ　　جام تو فریادی بیدادِ سنگ
۲۷- نالہ و فریاد و ماتم تا کجا　　سینہ کوبی ہائے پیہم تا کجا

۲۱- اپنے بدن/نفس پر حکم چلانے والا بننا چاہیے تاکہ تو اپنی انگور کی بیل سے روشن شراب پیے یعنی نفس پر قابو پا کر انسان اپنی مخفی صلاحیتوں اور قوتوں سے آگاہ ہو اور انہیں بروئے کار لائے جس کے بہترین فوائد ہیں۔

۲۲- جل کر راکھ ہو جانا پروانے کا دستور ہے۔ تو مٹی کا باپ بن جا کہ یہی مردانگی ہے۔ یعنی پروانے کی طرح خود خاک بننے کی بجائے خاک/نفس کو تسخیر کرو کہ یہی شجاعت و دلیری ہے۔ بقول ذوق:

بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا　　نہنگ و اژدھا و شیر نر مارا تو کیا مارا

۲۳- تو جو پھول کی مانند نازک بدن بنا ہوا ہے، پتھر یعنی سخت جان بن جا تاکہ تو چمن کی دیوار کی بنیاد بن جائے۔ یعنی اپنے آپ میں مذکورہ صفات پیدا کر کے قوم کا محافظ بن جا۔

۲۴- تو اپنی مٹی گارے سے ایک (صاحب عمل) انسان کی تعمیر کر اور ایسے آدمی کے لیے ایک نیا عالم تعمیر کر۔ یعنی تو جو اس وقت کمزوری اور غلامانہ صورت حال کا شکار ہے،

اس سے نکل اور خود کو جہد و عمل کی ڈگر پر لا کر سرشار ہو جا اور مصائب و آلام اور ہر طرح کی رکاوٹوں سے ٹکراتا ہوا عظمت و سربلندی کی راہ پر گامزن ہو جا۔

۲۵- اگر تو کوئی دیوار اور دروازہ نہیں بنائے گا تو کوئی دوسرا تیری مٹی سے اینٹ بنا لے گا۔ یعنی اگر تو خود اپنی حفاظت نہیں کرے گا، اپنی بقا کا سامان نہیں کرے گا تو کوئی دوسرا (یعنی کوئی دوسری قوم) تجھ پر غلبہ پا لے گی جو تیری فنا کا سامان بنے گا۔

۲۶- اے مخاطب! (اس دور کے مسلمان) تو جو اس بے اصولے آسمان کے ظلم و ستم کے ہاتھوں نالاں ہے، تیرا جام پتھر کے ستم کا فریادی ہے۔ یعنی اپنی تمام نااہلیوں اور کوتاہیوں کو تقدیر کے کھاتے میں ڈال کر خود کو بری الذمہ قرار نہ دے اور نہ دوسروں (دوسری قوموں) کی سختیوں کا شکوہ کر بلکہ خود میدان عمل میں کود جا اور یوں اپنی تقدیر کا مالک خود بن جا۔ علامہ ہی کے بقول:

عبث ہے شیوۂ تقدیر یزداں تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے

۲۷- یہ رونا پیٹنا، ماتم کرنا اور شکوہ و شکایت کرنا کب تک، یہ مسلسل سینہ کوبی کرنا کب تک؟ اسے چھوڑ اور عمل و جہد کی طرف آ۔

۲۸- در عمل پوشیدہ مضمونِ حیات لذتِ تخلیق قانونِ حیات
۲۹- خیز و خلاقِ جہانِ تازہ شو شعلہ در برکن خلیل آوازہ شو
۳۰- با جہانِ نامساعد ساختن ہست در میدان سپر انداختن
۳۱- مردِ خود دارے کہ باشد پختہ کار با مزاجِ او بسازد روزگار
۳۲- گر نہ سازد با مزاجِ او جہاں می شود جنگ آزما با آسماں
۳۳- برکند بنیادِ موجودات را می دہد ترکیبِ نو ذرات را
۳۴- گردشِ ایام را برہم زند چرخِ نیلی فام را برہم زند
۳۵- می کند از قوتِ خود آشکار روزگارِ نو کہ باشد سازگار

۲۸- عمل ہی میں زندگی کا مقصد پوشیدہ ہے اور تخلیق کا لطف، زندگی کا دستور ہے۔ یعنی نت نئے اعلیٰ مقاصد پیدا کر کے ان کے حصول میں پیہم جدوجہد کرتے رہنا ہے۔ صحیح معنوں میں زندگی بلکہ پر لطف زندگی ہے۔

۲۹- اٹھ اور ایک نئی دنیا تخلیق کر، اپنے جسم میں خون کی حرارت اور عزم و ارادہ کی آگ بھڑکا کر خود کو حضرت خلیلؑ کی شہرت کا مالک بنا۔ مراد یہ کہ جس طرح حضرت ابراہیمؑ

نے طاغوتی طاقت (نمرود) کے خلاف جہاد کر کے بنی نوع انسان کی فلاح کا سامان کیا تو بھی اپنے دور کی طاغوتی طاقتوں سے ٹکرا کر انہیں مغلوب کر اور یوں ایک نئی دنیا وجود میں لا۔

۳۰۔ ناموافق دنیا سے نباہ کرنا ایسے ہی ہے جیسے میدانِ جنگ میں ہتھیار ڈال کر اپنی شکست تسلیم کر لینا۔ یعنی اگر ان طاغوتی طاقتوں سے نباہ کر لیا جائے تو یہ امر مزید تباہی و خرابی کا باعث بنے گا۔

۳۱۔ جو خوددار انسان تجربہ کار/ منجھا ہوا ہوتا ہے، زمانہ اس کے مزاج کے مطابق چلتا ہے۔ یعنی ایک مردِ مومن جو اپنی صلاحیتوں اور قوتوں سے آگاہ ہے، وہ ایسا انقلاب پیدا کر دیتا ہے کہ زمانہ اس کے موافق و مطابق چلنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

۳۲۔ اور اگر زمانہ اس خوددار انسان کے مزاج سے موافقت/ نباہ نہیں کرتا تو وہ آسمان سے جنگ کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ یعنی اس صورتِ حال میں وہ بڑی سے بڑی قوت کو بھی دعوتِ مبارزہ دینے لگتا ہے۔

۳۳۔ وہ کائنات کی بنیاد اکھیڑ ڈالتا اور اس کی جگہ ذروں کو ایک نئی ترکیب/ نئی دنیا میں ڈھال دیتا ہے۔ یعنی وہ اپنے دور کے ظالمانہ نظام کو مکمل طور پر بدل دیتا ہے اور جس طرح ٹکڑوں یا ریزوں وغیرہ کو جوڑ کر ایک نئی چیز بنائی جاتی ہے اسی طرح وہ بھی مختلف اصول و قوانین سے ایک مکمل نظام وجود میں لاتا ہے جو انسانی معاشرے کے لیے سراسر فلاح و بہبود کا حامل ہوتا ہے۔

۳۴-۳۵: وہ (مردِ خوددار) زمانے کی گردش کو درہم برہم/ الٹ پلٹ کر کے رکھ دیتا ہے اور نیلے آسمان کو تلپٹ کر دیتا ہے۔ وہ اپنی قوت سے ایک ایسا نیا زمانہ وجود میں لاتا ہے جو موافق ہوتا ہے۔ یعنی وہ اپنی قوتوں صلاحیتوں سے اس قسم کے انقلابات لاتا ہے جو انسانیت کے لیے عزت و توقیر کا باعث بنتے ہیں۔

۳۶۔ در جہاں نتواں اگر مردانہ زیست | ہم چو مرداں جاں سپردن زندگیست
۳۷۔ آزماید صاحبِ قلبِ سلیم | زورِ خود را از مہماتِ عظیم
۳۸۔ عشق با دشوار ورزیدن خوش است | چوں خلیلؑ از شعلہ گل چیدن خوش است
۳۹۔ ممکناتِ قوتِ مردانِ کار | گردد از مشکل پسندی آشکار
۴۰۔ حربۂ دوں ہمتاں کین است و بس | زندگی را ایں یک آئین است و بس

۴۱۔ زندگانی قوت پیداستے اصل او از ذوقِ استیلاستے

۴۲۔ عفو بیجا سردیِ خونِ حیات سکتہ ے در بیت موزونِ حیات

۳۶۔ اگر دنیا میں دلیرانہ زندگی بسر نہیں کی جا سکتی تو پھر مردانہ وار/ دلیرانہ موت کو سینے سے لگا لینا زندگی ہے۔ دلیری سے اگر زندگی بسر کرنا ممکن نہیں تو باطل قوتوں سے ٹکرا کر کم از کم دلیرانہ موت تو مرا جائے ورنہ یہ کوئی زندگی نہیں کہ:

صبح ہوتی ہے، شام ہوتی ہے عمر یونہی تمام ہوتی ہے

چوتھی صدی ہجری/ دسویں صدی عیسوی کے ایک ایرانی شاعر حنظلہ بادغیسی کا یہ قطعہ علامہ کے اس شعر کی خوب وضاحت کرتا ہے:

مہتری گر بکام شیر در است شو خطر کن زکام شیر بجوی

یا بزرگی و عز و نعمت و جاہ یا چو مردانت مرگ رو با روی

(عظمت اگر شیر کے منہ میں ہے تو جا اور خطرہ مول لے کر شیر کے منہ سے تلاش کر۔ یا تو تجھے عظمت و بزرگی اور نعمت و جاہ میسر آئے گی یا پھر تیری موت دلیرانہ/ باعظمت ہوگی)

۳۷۔ صحت مند و توانا دل والا بڑے بڑے کارنامے سرانجام دے کر اپنی قوتوں کی آزمائش کرتا ہے۔

۳۸۔ کٹھن کاموں سے دلچسپی اور وابستگی ایک اچھی بات ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی مانند آگ سے پھول چننے کا عمل اچھا ہے۔ (وضاحت پہلے آ چکی ہے)

۳۹۔ صاحبانِ عمل کی قوت کے ممکنات ان کی دشوار اور کٹھن کاموں سے رغبت کی بنا پر ظاہر ہوتے ہیں۔ بقول غالب:

ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں جی خوش ہوا ہے راہ کو پرخار دیکھ کر

۴۰-۴۱: پست ہمت لوگوں کا ہتھیار تو صرف حسد و دشمنی ہے، ان کے نزدیک زندگی کا بس یہی ایک دستور ہے، حالانکہ زندگی تو ایک واضح قوت ہے جس کی بنیاد غلبہ پا لینے کی فطری خواہش پر ہے۔

۴۲۔ بے موقع/ بے محل قسم کی درگذر کرنا درحقیقت زندگی کے خون میں جوش و حرارت کے فقدان (کمی) کا نتیجہ ہے، دوسرے لفظوں میں ایسی درگذر زندگی کے موزوں شعر میں ایک سکتہ کی سی ہے یعنی انسانی معاشرے کے جو ناسور ہیں، ان سے درگذر کرنا دراصل انسانی معاشرے پر ظلم کرنا ہے۔ بقول سعدیؒ:

نکوئی بابداں کردن چنانست کہ بد کردن بجائے نیک مرداں
(برے لوگوں کے ساتھ نیکی کرنا / اچھا سلوک کرنا یعنی ان سے درگذر کرنا ایسا ہی ہے جیسے اچھے لوگوں کے ساتھ برا سلوک کرنا)

۴۳۔ ہر کہ در قعر مذلت ماندہ است — ناتوانی را قناعت خواندہ است
۴۴۔ ناتوانی زندگی را رہ زن است — بطنش از خوف و دروغ آبستن است
۴۵۔ از مکارم اندرونِ او تہی است — شیرش از بہر ذمائم فربہی است
۴۶۔ ہوشیار! اے صاحب عقل سلیم — در کمینہا می نشیند ایں غنیم
۴۷۔ گر خرد مندی فریب او مخور — مثل حربا ہر زماں رنگش دگر

۴۳۔ جو کوئی بھی ذلت وپستی کے گڑھے میں گرا / پڑا ہوا ہے، اس نے ضعف وسستی (بے عملی) کو قناعت کا نام دے رکھا ہے۔ مراد جس فرد یا قوم کا زندگی سے متعلق اس قسم کا منفی رویہ ہوگا، ذلت وپستی اس کا مقدر بنے گی اور وہ ترقی، ارتقا نیز بقا سے محروم رہے گا / رہے گی جبکہ معاملہ کچھ ایسا ہونا چاہیے:

نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا — کہ صبح وشام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں

۴۴۔ حالانکہ ناتوانی زندگی کو لوٹ لے جانے والی (دشمن) ہے، اس کا باطن خوف اور جھوٹ سے بھرا ہوا ہے۔ مطلب یہ کہ سیاسی ومعاشی لحاظ سے کمزور قوم جس میں جہد وعمل کا شوق وجذبہ نہیں ہے، بہت جلد زوال کا شکار ہو جاتی ہے۔ ہر وقت خوف زدہ رہنے کے باعث وہ اپنے بچاؤ کی خاطر جھوٹ اور فریب سے کام لیتی ہے۔

۴۵۔ اس کا اندر (باطن) دل اچھے اوصاف سے خالی ہے اس (ناتوانی) کا دودھ بری باتوں یا برے کاموں کے موٹاپے۔ یعنی اضافے کا باعث ہے۔ ناتوانی گویا ایک گائے ہے جس کا دودھ اس قسم کا ہے۔ یعنی ناتوانی، بے عملی اور جدوجہد سے دوری، بہت سی برائیوں (جھوٹ، فریب وغیرہ) کو جنم دیتی ہے۔

۴۶-۴۷: اے درست اور صائب عقل ودانش کے مالک، خبردار رہ، یہ دشمن (ناتوانی، بے عملی) ہر وقت گھات میں لگا رہتا ہے۔ اگر تو صاحب شعور ہے تو اس کے فریب میں مت آنا، اس لیے کہ یہ تو گرگٹ کی طرح ہر لمحہ رنگ بدلتی رہی ہے۔

۴۸۔ شکلِ او اہل نظر نشناختند — پردہ ہا بر روئے او انداختند
۴۹۔ گاہ او را رحم و نرمی پردہ دار — گاہ می پوشد ردائے انکسار

۵۰- گاہ او مستور در مجبوری است گاہ پنہاں در تہ معذوری است

۵۱- چہرہ در شکل تن آسانی نمود دل ز دست صاحب قوت ربود

۵۲- باتوانائی صداقت توام است گر خود آگاہی ہمیں جام جم است

۵۳- زندگی کشت است و حاصل قوت است شرح رمز حق و باطل قوت است

۴۸- (ظاہری) نظر والے اس دشمن کو نہ پہچان پائے۔ چنانچہ انہوں نے اس کے چہرے پر کئی پردے ڈال دیے۔ یعنی اپنی ناتوانی اور بے عملی کو برا سمجھنے کی بجائے اس کے حق میں کئی تاویلیں گھڑ لیں (ان تاویلات کو اگلے شعروں میں بیان کیا گیا ہے)

۴۹- چنانچہ کبھی تو رحم دلی اور نرمی اس کی پردہ داری کرتی ہے اور کبھی وہ عاجزی اور مسکینی کی چادر اوڑھ لیتی ہے۔ یہ سب بہانے ہیں۔ بظاہر یہ اچھی صفات ہیں لیکن اگر ان کا بے موقع اظہار ہو تو یہ تباہی کا باعث بنتی ہیں۔

۵۰- کبھی وہ ''مجبوری'' کے پردے میں چھپ جاتی ہے اور کبھی ''معذوری'' کی تہ میں مخفی ہو جاتی ہے۔ دراصل یہ سب مصلحت کوشی اور چھوٹے مفادات کے حصول کے انداز ہیں جو ایک ناتواں یعنی عمل سے بیگانہ انسان اختیار کرتا ہے۔

۵۱- اس نے ''تن آسانی'' کے پردے میں اپنا چہرہ نمایاں کیا اور اس طرح صاحب قوت کا دل اڑا لیا۔ گویا تن آسانی اور آرام طلبی میں کچھ ایسی دل کشی ہے کہ صاحب قوت اس کا شکار ہو کر اپنی قوتوں صلاحیتوں کو بھول جاتا اور زندگی کے صحیح مقصد سے دور ہٹ جاتا ہے۔

۵۲- توانائی (قوت و قدرت) اور صداقت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اگر تجھے اپنی ذات کے ممکنات سے پوری آگاہی ہے تو پھر تیرے لیے یہی جام جم ہے (فرہنگ دیکھیے)

۵۳- زندگی ایک کھیتی ہے اور اس کی فصل، قوت ہے۔ حق اور باطل میں جو بھید ہے، قوت اس کی شرح (آشکار) کرنے والی ہے۔ یعنی خواہ حق ہے، خواہ باطل دونوں اس قوت کے بل پر ہی اپنے مثبت اور منفی عمل جاری رکھ سکتے ہیں (مثبت عمل حق کے اور منفی عمل باطل کے ہیں)

۵۴- مدعی گر مایہ دار از قوت است دعوی او بے نیاز از حجت است

۵۵- باطل از قوت پذیرد شانِ حق خویش را حق داند از بطلانِ حق

۵۶- از "کن" او زہر کوثر می شود . خیر را گوید شرے، شر می شود

۵۷- اے ز آدابِ امانت بے خبر از دو عالم خویش را بہتر شمر

۵۸- از رموزِ زندگی آگاہ شو ظالم و جاہل زغیر اللہ شو

۵۹- چشم و گوش و لب کشا اے ہوشمند گر نہ بینی راہِ حق بر من بخند

۵۴- اگر کوئی دعویٰ کرنے والا (مدِ مقابل) قوت کی دولت سے مالا مال ہے تو اس کے دعویٰ کے ثبوت کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ باطل قوتیں اپنے فعل کو جائز قرار دیتی ہیں، اس کی تازہ مثال آج ۲۰۰۳ء میں امریکا کا عراق پر حملہ اور قبضہ ہے۔ دلیل کی ضرورت نہیں، یعنی ایسی قوتیں کمزور قوم سے جو چاہیں منوالیں، وہ اپنے اقدام کے جائز یا ناجائز ہونے کا قطعاً نہیں سوچتیں۔

۵۵- باطل، قوت کی بدولت حق کی سی شان پیدا کر لیتا ہے اور حق کو باطل کہہ کر خود کو حق ماننے لگتا ہے۔ وہی بات جو اس سے پہلے کہی ہے، گویا "جس کی لاٹھی اس کی بھینس"

۵۶- اس کے کن (حکم) سے کوثر کا پانی زہر میں بدل جاتا ہے۔ وہ خیر کو شر کا نام دے کر اسے شر بنا دیتا ہے۔ وہی بات نئے استعارے میں (نیز فرہنگ دیکھیے) کوثر استعارہ ہے خیر اور زہر، شر کا۔

۵۷- اے (مخاطب، قاری) تو جو "امانت" کے آداب (طور طریقوں) سے بے خبر ہے تو اپنے آپ کو دونوں جہانوں سے افضل سمجھ۔ امانت یعنی خلافت الٰہی۔ سورۂ الاحزاب، آیہ ۷۲ میں ارشاد ہوا ہے:

"ہم نے خلافت کی امانت فرشتوں، جنوں اور پہاڑوں وغیرہ کے سپرد کرنا چاہی، سب نے مارے خوف کے اس بوجھ کو اٹھانے سے معذوری ظاہر کر دی۔ آخر انسان نے اسے اٹھا لیا، بے شک انسان ظالم اور نادان ہے" (یہ الفاظ محبت کے طور پر استعمال ہوئے ہیں) بعض شعرا نے اس موضوع پر طبع آزمائی کی ہے:

حافظ: آسماں بارِ امانت نتوانست کشید قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

سعدی: مرا گناہِ خود است ار ملامت تو برم کہ عشق بارِ گراں بود و من "ظلوم و جہول"

میر: کی عرض جو متاعِ امانت ازل کے بیچ جب اور لے سکے نہ خریدار ہم ہوئے

بہر حال علامہ کا "امانت" سے مطلب خدا کے مقرر کردہ قوانین کی پابندی ہے تاکہ اس سے انسانی معاشرے کو ظلم و ستم اور فتنہ و فساد وغیرہ سے پاک کر دیا جائے اور اس

کی ذمہ دار قوتوں کو فنا کر دیا جائے۔ جب انسان خود کو صحیح معنوں میں نائب خدا اور اشرف المخلوقات سمجھے تو وہ ایک ایسی قوت بن کر ابھرتا ہے جو مذکورہ برائیوں کو دور کر کے معاشرے کو تعمیر کی طرف لاتا اور اس کا صحیح مقام عطا کرتا ہے۔

۵۸۔ تو زندگی کے اسرار و رموز (حقیقتوں) سے واقف ہو اور اللہ کے سوا جو کچھ ہے، اس کے معاملے میں ظالم اور جاہل ہو جا۔ زندگی کی حقیقت یہی ہے کہ اللہ کے سوا اور کوئی حاکم و معبود مطلق نہیں ہے۔ اس پر صحیح ایمان اور عمل سے انسان باطل قوتوں سے ٹکرا جاتا ہے، یعنی ان کے لیے ظالم ثابت ہوتا ہے۔ جاہل ہو جانے سے مراد ہے کہ ماسوا کے وجود کو تسلیم نہ کر۔

۵۹۔ اے صاحب عقل و شعور (مسلمان) تو اپنے کان، ہونٹ اور آنکھیں کھول، پھر اگر تجھے حق و صداقت کی راہ نظر نہ آئے تو اس وقت تو مجھ پر ہنس یعنی میرا مذاق اڑا۔ مراد یہ کہ قدرت نے تجھے جو صلاحیتیں اور قوتیں عطا کی ہیں، ان سے بھرپور استفادہ کر اور یوں اپنے صحیح مقام (نائب خدا، اشرف المخلوقات) پر فائز ہو جا۔ علامہ نے اپنا دعویٰ پرزور الفاظ میں بیان کیا ہے۔ مطلب یہ کہ جو کچھ میں نے کہا ہے اگر اس پر عمل سے حق و صداقت کی راہ نظر نہ آئے تو میرے اس دعویٰ کو غلط سمجھ کر میری ہنسی اڑاؤ۔

حکایتِ نوجوانے از مرو کہ پیش حضرت سید مخدوم علی ہجویریؒ آمدہ از ستم اعداء فریاد کرد

(مرو کے ایک نوجوان کی داستان جو مخدوم حضرت سید علی ہجویریؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دشمنوں کے ستم کے خلاف فریاد کی)

۱۔ سید ہجویرؒ مخدومِ اُمم — مرقدِ او پیرِ سنجر را حرم
۲۔ بندہائے کوہسار آساں گسیخت — در زمینِ ہند تخمِ سجدہ ریخت
۳۔ عہدِ فاروقؓ از جمالش تازہ شد — حق ز حرفِ او بلند آوازہ شد
۴۔ پاسبانِ عزتِ اُم الکتاب — از نگاہش خانۂ باطل خراب
۵۔ خاکِ پنجاب از دمِ او زندہ گشت — صبحِ ما از مہرِ او تابندہ گشت

۶- عاشق و ہم قاصد طیار عشق از جبینش آشکار اسرار عشق

۱- ہجویر کے سید اور مسلمانوں کے مخدوم (حضرت علی ہجویریؒ) جن کا مزار حضرت معین الدین چشتی ہجری (س ج ز ی) کے لیے ایک مقدس مقام تھا۔ حضرت معین الدین بجستان کے رہنے والے تھے جس کی بنا پر انہیں ہجزی کہا جاتا ہے۔ علامہ کو یہاں سہو ہوا ہے۔ سنجری (س ن ج ر ی) تو وہ ہے جس کا سنجر سے تعلق ہو جبکہ ایسا نہیں تھا، برصغیر پاک و ہند میں سلسلہ چشتیہ کے بانی اور اپنے وقت کے بہت بڑے صوفی تھے، انہیں سلطان الہند خواجہ غریب نواز اجمیری کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ وفات ۶۳۳ھ/ ۱۲۳۵ء اجمیر میں ان کا مزار ہے۔

۲- انہوں نے پہاڑوں کے کٹھن راستے آسانی سے طے کیے اور یوں سفر کرتے کراتے پنجاب پہنچے جہاں کی سرزمین میں انہوں نے اسلام کی بنیاد رکھی۔ وہ پہلے صوفی ہیں جن کی بدولت کفر کا یہ گڑھ اسلام کی روشنی سے منور ہوا۔

۳- ان کے جمال سے حضرت عمر فاروقؓ کے دور مبارک کی یاد تازہ ہو گئی۔ ان کی باتوں یعنی تبلیغ سے حق کا دور دور تک خوب چرچا ہوا۔ حضرت عمرؓ نے جب تک اسلام قبول نہیں کیا تھا، مسلمان مکہ معظمہ میں اسلام کا نام ڈرتے ڈرتے لیتے تھے لیکن جب وہ مشرف بہ اسلام ہوئے تو مسلمانوں کا سارا ڈر جاتا رہا۔ کچھ یہی کیفیت اس علاقے کی تھی۔ یہاں حضرت علی ہجویریؒ کے ورود کے بعد اسلام تیزی سے پھیلا۔

۴- حضرت، قرآن کریم کی عزت کے محافظ تھے۔ ان کی نگاہ سے باطل یعنی کفر و شرک کی بربادی کا سامان ہوا۔ حضرت قرآن کریم کا درس دیا کرتے تھے۔

۵- ان کی ذات بابرکات کے طفیل پنجاب کی سرزمین کو ایک نئی زندگی ملی۔ ہماری صبح ان کے آفتاب سے روشن ہو گئی۔ چونکہ حضرت لاہور میں مقیم تھے اور پنجاب کے دوسرے شہروں کے بھی لوگ ان کی تبلیغ سے مشرف بہ اسلام ہوئے، اس لیے یہ کہا کہ ہماری صبح روشن ہو گئی یعنی ان کی بدولت کفر کی تاریکی چھٹ گئی اور اسلام کی روشنی پھیلتی چلی گئی۔

۶- وہ عاشق بھی تھے اور عشق کا پیغام پہنچانے کی خاطر ہر وقت پرواز کے لیے تیار رہنے والے پیغام رساں بھی۔ ان کی پیشانی سے عشق کے راز ظاہر تھے یعنی وہ عشق حقیقی سے سرشار تھے۔ انہوں نے اس عشق کو آگے پھیلایا۔ عشق کے راز ظاہر ہونے سے

مراد ہے کہ وہ سراپا عشق حقیقی میں ڈوبے ہوئے تھے۔

۷- داستانے از کمالش سر کنم ‏ گلشنے در غنچہ ے مضمر کنم
۸- نوجوانے قامتش بالا چو سرو ‏ وارد لاہور شد از شہر مرو
۹- رفت پیش سید والا جناب ‏ تا رباید ظلمتش را آفتاب
۱۰- گفت "محصور صف اعداستم ‏ درمیان سنگہا میناستم
۱۱- با من آموز اے شہ گردوں مکاں ‏ زندگی کردن میانِ دشمناں"

۷- میں یہاں ان کے ولی کامل ہونے کے ثبوت میں ایک داستان بیان کرتا ہوں اور یہ اس طرح کہ میں ایک کلی میں ایک پورا باغ سمو رہا ہوں یعنی کوزے میں دریا بند کر رہا ہوں۔

۸- ایک نوجوان جس کا قد سرو کی طرح بلند تھا، ایران کے ایک شہر مرو سے لاہور آیا۔

۹- وہ اس بلند مرتبہ شخصیت حضرت سید علیؒ کی خدمت میں پہنچا تا کہ سورج اس کی تاریکی کو دور کر دے یعنی حضرت اس کی پریشانی اور خوف دور کرنے کا سامان فرمائیں۔

۱۰- ان کی خدمت میں پہنچ کر اس نے عرض کیا کہ "میں دشمنوں کی صف میں گھرا ہوا ہوں، میری حالت ایسی ہے جیسے صراحی پتھروں میں گھری ہوئی ہو۔"

۱۱- اے آسمان کی سی بلندی والے مرتبے کی حامل ذاتِ گرامی مجھے دشمنوں کے درمیان رہ کر زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھایئے۔

۱۲- پیر دانائے کہ در ذاتش جمال ‏ بست پیمان محبت با جلال
۱۳- گفت: "اے نامحرم از رازِ حیات ‏ غافل از انجام و آغازِ حیات
۱۴- فارغ از اندیشۂ اغیار شو ‏ قوت خوابیدہ ای بیدار شو
۱۵- سنگ چون برخود گمانِ شیشہ کرد ‏ شیشہ گردید و شکستن پیشہ کرد
۱۶- ناتواں خود را اگر رہ رو شمرد ‏ نقد جانِ خویش با رہ زن سپرد
۱۷- تاکجا خود را شماری ماء و طین ‏ از گل خود شعلۂ طور آفرین
۱۸- با عزیزاں سرگراں بودن چرا ‏ شکوہ سنج دشمناں بودن چرا

۱۲-۱۳: اس دانا مرشدؒ نے، جن کی ذات میں حسن و خوبی اور شفقت نے دبدبہ اور غیظ کے ساتھ محبت کا عہد باندھ رکھا تھا (یعنی سراپا محبت تھے اور دشمنوں سے بھی محبت کرنے والے تھے) فرمایا، اے زندگی کے راز سے ناواقف انسان تو زندگی کے

انجام اور آغاز سے بے خبر ہے۔

۱۴۔ تو غیروں یعنی دشمنوں کے خوف و فکر سے بے نیاز ہو جا۔ تو ایک سوئی ہوئی قوت ہے، بیدار ہو جا۔

۱۵۔ پتھر جب خود کو شیشہ سمجھنے لگتا ہے تو وہ شیشہ ہی بن جاتا ہے اور ٹوٹنا اس کی فطرت بن جاتی ہے۔ یعنی ڈرپوک انسان خود ہی اپنی ہلاکت کا سامان کرتا ہے۔

۱۶۔ اگر مسافر نے خود کو کمزور سمجھ لیا تو اس نے گویا اپنی جان کی پونجی راہ مار لٹیرے کے حوالے کر دی۔

۱۷۔ تو کب تک خود کو پانی اور مٹی یعنی حقیر و پست اور کمزور سمجھتا رہے گا۔ تو اپنی مٹی سے طور کا سا شعلہ پیدا کر۔ یعنی تو اپنی صلاحیتوں اور قوتوں سے کام لے کر خود میں جوش و ولولہ پیدا کر اور ہر طرح کے خوف سے بے فکر ہو جا۔

۱۸۔ اپنوں سے ناراض ہونا، کس خاطر اور دشمنوں کی شکایت کرتے رہنا، کیوں؟ کس لیے؟ مطلب یہ کہ ایسا کرنا کم حوصلگی اور بے ہمتی کی دلیل ہے۔ ارباب عزم و ہمت کے سامنے بڑے امور ہوتے ہیں، وہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر توجہ نہیں دیتے۔

۱۹۔ راست می گویم عدو ہم یار تست ہستی او رونق بازار تست

۲۰۔ ہر کہ دانائے مقامات خودی است فضل حق داند اگر دشمن قوی است

۲۱۔ کشت انساں را عدو باشد سحاب ممکناتش را بر انگیزد ز خواب

۲۲۔ سنگ رہ آب است اگر ہمت قوی است سیل را پست و بلند جادہ چیست

۲۳۔ سنگ رہ گردد فسان تیغ عزم قطع منزل امتحان تیغ عزم

۲۴۔ مثل حیواں خوردن آسودن چہ سود گر بخود محکم نہ ای، بودن چہ سود

۱۹۔ میں سچ کہتا ہوں کہ دشمن بھی (حقیقت میں) تیرا دوست ہے۔ اس کا وجود تیرے بازار کی رونق ہے۔ یعنی اگر دشمن یا مخالف قوتیں نہ ہوں تو انسان کی خفیہ صلاحیتوں اور قوتوں کی بیداری کا سامان نہیں ہو پاتا۔ اس لیے کہ دشمن سے ٹکراؤ کی خاطر وہ اپنی تمام فطری قوتوں کو کام میں لاتا اور عزم و ہمت سے کام لیتا ہے۔ اس طرح اس کی زندگی ہنگامہ پرور بن جاتی ہے۔ یوں دشمن کا وجود ایک نعمت بن جاتا ہے۔

۲۰۔ (حضرت داتا گنج بخشؒ کا ارشاد ختم ہوا۔ اب علامہ اس حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کرنے لگے ہیں) جو کوئی خودی کی درجہ بدرجہ منزلوں کا پورا شعور رکھتا ہے، وہ

اپنے قوی دشمن کو خدا کے فضل و کرم سے تعبیر کرتا ہے۔ اس سے پہلے شعر والی بات خودی کے حوالے سے ہوئی ہے۔ خودی یعنی اپنی صلاحیتوں اور قوتوں سے آگاہی جس کی بنا پر انسان بڑے بڑے کارنامے انجام دیتا ہے۔

۲۱۔ دشمن تو انسان کی کھیتی کے لیے بادل کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ انسان کے ممکنات کو نیند یا غفلت سے بیدار کرتا ہے۔ مذکورہ بات نئے استعارے میں۔

۲۲۔ اگر انسان کا حوصلہ مضبوط اور ہمت قوی ہو تو راستے کا پتھر اس کے لیے پانی بن جاتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے سیلاب کے لیے راستے کے نشیب و فراز (اونچ نیچ) کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ اس میں قوی ہمت اور بلند حوصلگی کا بالواسطہ درس ہے۔ ظاہر ہے سیلاب ہر رکاوٹ سے ٹکراتا ہوا آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہی حالت بلند حوصلہ اور عالی ہمت انسان کی ہے۔ اس کے لیے ہر طرح کی رکاوٹیں، دشواریاں وغیرہ کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔

۲۳۔ قوی ارادے کی تلوار کے لیے راستے کا پتھر سان بن جاتا ہے۔ کٹھن راستوں کو کاٹنا قوی ارادے کی تلوار کی آزمائش ہے۔ تلوار کو سان پر لگایا جائے تو وہ تیز ہو جاتی ہے۔ اسی طرح قوی ارادہ والے انسان کے لیے دشواریاں، رکاوٹیں، مصیبتیں وغیرہ سب اس کے ارادے اور ہمت کو مزید مضبوط و قوی بناتی ہیں۔

۲۴۔ حیوانوں کی طرح کھانے پینے اور لیٹے رہنے سے کیا حاصل ہے۔ اگر تو اپنی ذات میں مضبوط نہیں ہے تو کیا فائدہ؟ یعنی زندگی کھانے پینے اور سو رہنے کا نام نہیں، یہ تو جانوروں کی سی زندگی بسر کرنا ہے، یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ:

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے عمر یونہی تمام ہوتی ہے

زندگی تو نام ہے معرکہ آرائی کا۔ بقول علامہ:

ع: بڑے معرکے زندہ قوموں نے مارے

۲۵۔ خویش را چوں از خودی محکم کنی تو اگر خواہی جہاں برہم کنی
۲۶۔ گر فنا خواہی ز خود آزاد شو گر بقا خواہی بخود آباد شو
۲۷۔ چیست مردن؟ از خودی غافل شدن تو چہ پنداری فراق جان و تن؟
۲۸۔ در خودی کن صورتِ یوسف مقام از اسیری تا شہنشاہی خرام
۲۹۔ از خودی اندیش و مردِ کار شو مردِ حق شو، حاملِ اسرار شو

۳۰۔ شرح راز از داستانہامی کنم غنچہ از زور نفس وامی کنم

۳۱۔ "خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگراں"

۲۵۔ جب تو خود کو "خودی" سے مضبوط کر لے تو اس قوت کی بدولت اگر تو چاہے تو دنیا کو درہم برہم کر سکے گا۔ یعنی اپنی صلاحیتوں اور مخفی قوتوں سے پورے طور پر آگاہ ہونے کے بعد انسان دنیا میں زبردست انقلاب یا تغیرات لا سکتا ہے۔

۲۶۔ اگر تو فنا کا طالب ہے تو اپنی ذات سے آزاد ہو جا اور اگر تجھے دوام یا حیات جاوید کی خواہش ہے تو پھر تو اپنی ذات میں آباد ہو جا۔ کم ہمتی اور بزدلی کے باعث انسان کوئی کارنامہ انجام نہیں دے سکتا۔ حالانکہ موت کو تو بہر صورت آنا ہے تو کیا یہ بہتر نہیں کہ موت کسی باعظمت مقصد کے حصول میں جدوجہد کرتے وقت آئے کہ ایسی موت فنا کا نہیں بلکہ حیات جاوید کا باعث بنتی ہے۔

۲۷۔ مرنے سے کیا مراد ہے؟ یہی کہ اپنی خودی سے غافل ہو جانا۔ تو مرنے سے کیا مراد لیتا ہے؟ جان کا بدن سے نکل جانا؟ نہیں، خودی سے غافل ہونا انسان کی موت ہے اور وہ اس طرح کہ چونکہ وہ کسی عظیم مقصد کے لیے جدوجہد نہیں کرتا، اس لیے وہ بظاہر زندہ نظر آتا ہے لیکن اس کی حیثیت ایک چلتی پھرتی لاش سے زیادہ کی نہیں ہوتی۔

۲۸۔ تو حضرت یوسفؑ کی طرح خودی میں قیام کر اور یوں قیدی بننے سے شہنشاہی تک کے مرحلے طے کر لے۔ قرآنی تلمیح سے استفادہ کیا گیا ہے۔ حضرتؑ کے بھائیوں نے انہیں کنویں میں ڈال دیا تھا۔ ایک تاجر نے انہیں نکال کر عزیز مصر کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ زلیخا نے انہیں پھسلانا چاہا، لیکن جب بات نہ بنی تو عزیز مصر سے کہہ کر انہیں قید میں ڈال دیا۔ اپنی بلند ہمتی، ثابت قدمی اور صبر و استقلال کی بدولت وہ رہا بھی ہوئے اور پھر عزیز مصر بھی بن گئے۔ گویا جب انسان کی خودی مضبوط ہو تو وہ بڑے بڑے مصائب سے ٹکراتا ہوا بلند مقام و مرتبہ پا لیتا ہے۔

۲۹۔ خودی کے بارے میں غور و فکر کر اور میدان عمل کا جواں مرد ہو جا، اس طرح مرد حق بن کر صاحب اسرار ہو جا یعنی تو اپنی خودی کو پہچان اور وہ اس طرح کہ عظیم مقاصد کے حصول کے لیے جدوجہد کر اور اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کو عملی طور پر کام میں لا۔ جب انسان حق و صداقت کی خاطر باطل قوتوں کے سامنے ڈٹ جاتا ہے تو اس پر کائنات کے اسرار منکشف ہونے لگتے ہیں اور یہی صاحب اسرار ہو جانا ہے۔

۳۰- میں نے جو "راز" کا کہا ہے تو اس کی وضاحت میں داستانوں سے کروں گا، دوسرے لفظوں میں کلی کو پھونک کے زور سے کھلاؤں گا۔ گویا کہانی کے ذریعے وضاحت کرنا پھونک سے کلی کھلانا ہے۔

۳۱- اچھی بات یہی ہے کہ دلبروں کی باتیں اور راز دوسروں کی باتوں یعنی اشاروں کنایوں میں بیان کی جائیں۔ یہ شعر مولانا رومؒ کی مثنوی معنوی کا ہے۔ مطلب یہ کہ حسینوں کے راز براہِ راست بیان کیے جائیں تو کم فہم لوگ انہیں سمجھنے سے عاری ہونے کے باعث فتنے بھی کھڑے کر سکتے ہیں۔ اشاروں، کنایوں میں ایسی باتیں کرنے سے شعور و عقل والے انہیں بخوبی سمجھ جاتے ہیں اور یوں کسی فتنہ و فساد کا اندیشہ نہیں رہتا۔

حکایت طائرے کہ از تشنگی بیتاب بود

(ایک پرندے کی کہانی جو پیاس کے باعث نڈھال تھا)

۱- طائرے از تشنگی بیتاب بود   در تن او دم مثالِ موج دود
۲- ریزۂ الماس در گلزار دید   تشنگی نظارۂ آب آفرید
۳- از فریبِ ریزۂ خورشید تاب   مرغ ناداں سنگ را پنداشت آب
۴- مایہ اندوزِ نم از گوہر نشد   زد برو منقار و کامش تر نشد
۵- گفت الماس اے گرفتارِ ہوس   تیز بر من کردہ منقارِ ہوس
۶- قطرہ آبے نیم، ساقی نیم   من برائے دیگراں باقی نیم

۱- ایک پرندہ پیاس کی وجہ سے نڈھال تھا۔ سانس اس کے جسم میں لہر کی مانند چل رہا تھا یعنی وہ ہانپ رہا تھا۔

۲- اس نے باغ میں ہیرے کی ایک کنی (ٹکڑا) دیکھی۔ پیاس کے سبب وہ اسے پانی سمجھا۔

۳- سورج کی مانند چمکنے والے اس ٹکڑے کے دھوکے میں اس کم عقل پرندے نے پتھر کو پانی سمجھ لیا۔

۴- اسے اس ٹکڑے سے ذرا سی بھی نمی حاصل نہ ہو سکی۔ اس نے اس پر چونچ ماری لیکن

اس کا حلق تر نہ ہوا۔

۵۔ ہیرے کے اس ٹکڑے نے اس پرندے سے کہا: ''اے حرص اور لالچ میں گرفتار پرندے تو نے مجھ پر حرص کی چونچ تیز کی ہے۔

۶۔ میں نہ تو پانی کا کوئی قطرہ ہوں اور نہ ساقی ہی ہوں۔ میں دوسروں کے لیے زندہ نہیں ہوں۔

۷۔	قصد آزارم کنی دیوانہ ای	از حیات خود نما بیگانہ ای
۸۔	آب من منقار مرغاں بشکند	آدمی را گوہر جاں بشکند
۹۔	طائر از الماس کام دل نیافت	روئے خویش از ریزۂ تابندہ تافت
۱۰۔	حسرت اندر سینہ اش آباد گشت	در گلوئے او نوا فریاد گشت
۱۱۔	قطرۂ شبنم سرشاخ گلے	تافت مثل اشک چشم بلبلے
۱۲۔	تاب او محو سپاس آفتاب	لرزہ برتن از ہراس آفتاب
۱۳۔	کوکب رم خوے گردوں زادہ ے	یک دم از ذوق نمود استادہ ے
۱۴۔	صد فریب از غنچہ وگل خوردہ ے	بہرہ ے از زندگی نابردہ ے
۱۵۔	مثل اشک عاشق دل دادہ ے	زیب مژگانے چکید آمادہ ے

۷۔ تو مجھے تکلیف پہنچانے کا ارادہ کر رہا ہے تو پاگل ہو گیا ہے۔ تو اپنی خودی کو ظاہر کرنے والی زندگی سے ناواقف ہے۔ ہیرا ایک سخت چیز ہے جسے نگلا نہیں جا سکتا۔ جس کا مطلب ہے کہ اس نے اپنی خودی کو برقرار رکھا۔ اسی لیے وہ اپنے حوالے سے پرندے کو ایسی زندگی سے آشنا ہونے کا بالواسطہ درس دیتا ہے۔

۸۔ میری چمک (جو دور سے پانی نظر آتی ہے) پرندوں کی چونچ توڑ ڈالتی ہے اور وہ انسان کی جان کا موتی توڑ ڈالتی ہے (اسے ہلاک کر دیتی ہے)۔ ہیرے کی یہ سختی یا سخت جانی گویا اس کی خودی کی مضبوطی کے باعث ہے اور اس بنا پر کوئی بھی اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

۹۔ پرندے کے دل کی آرزو ہیرے سے پوری نہ ہوئی۔ چنانچہ اس نے اس چمکتے ہوئے ریزے سے اپنا منہ موڑ لیا۔

۱۰۔ اس کے سینے میں حسرت نے ڈیرا جما لیا۔ اس کے گلے میں چہچہاہٹ یا آواز، شکایت کی صورت اختیار کر گئی۔

۱۱- کسی پھول کی ٹہنی پر شبنم کا ایک قطرہ کسی بلبل کے آنسو کی طرح چمک رہا تھا۔

۱۲- اس کی چمک سورج کا شکریہ ادا کرنے میں کھوئی ہوئی تھی (یہ چمک اس پر دھوپ پڑنے کے سبب تھی)۔ سو سورج کے خوف سے اس کے جسم پر کپکپی طاری تھی یعنی سورج نکلتے ہی شبنم کا وجود ختم ہو جاتا ہے، بقول غالبؔ:

ع: پرتو خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم

۱۳- (شبنم کا وہ قطرہ) گویا آسمان میں پیدا ہونے والا اور خوف کے مارے بھاگنے کی عادت رکھنے والا کوئی ستارہ تھا جو اپنی ذات کے اظہار کی خاطر ایک لمحے کے لیے رکا ہوا تھا۔ چونکہ شبنم بخارات کی ایک صورت ہے اور فضا سے نیچے آتی ہے، اس لیے اسے آسمان کی اولاد کہا۔ خوف سورج کا جس کے طلوع ہوتے ہی شبنم ختم ہو جاتی ہے۔

۱۴- ایک ایسا قطرہ جس نے غنچے اور پھول کے سینکڑوں فریب کھائے یا برداشت کیے ہوں، جس نے زندگی سے کچھ حاصل نہ کیا ہو۔ فریب یہی کہ وہ پھولوں پر پڑی پڑی سورج چڑھنے پر غائب یا ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی زندگی بہت ہی عارضی ہونے کی بنا پر یہ کہا کہ اس نے زندگی سے کوئی حظ نہیں اٹھایا۔

۱۵- وہ قطرہ ایسا تھا جیسے کسی دل دینے والے کا آنسو ہو، کسی پلک پر سجا ہو اور ٹپکنے کے قریب ہو۔ نئی تشبیہ سے شعریت کو برقرار رکھا ہے۔

۱۶- مرغ مضطر زیرِ شاخِ گل رسید　　در دہانش قطرۂ شبنم چکید
۱۷- اے کہ می خواہی ز دشمن جاں بری　　از تو پرسم قطرہ ای یا گوہری؟
۱۸- چوں ز سوزِ تشنگی طائر گداخت　　از حیاتِ دیگرے سرمایہ ساخت
۱۹- قطرہ سخت اندام و گوہر خو نبود　　ریزۂ الماس بود و او نبود
۲۰- غافل از حفظِ خودی یک دم مشو　　ریزۂ الماس شو شبنم مشو
۲۱- پختہ فطرت صورتِ کہسار باش　　حاملِ صد ابرِ دریا بار باش
۲۲- خویش را دریاب از ایجابِ خویش　　سیم شو از بستنِ سیمابِ خویش
۲۳- نغمہ ے پیدا کن از تارِ خودی　　آشکارا ساز اسرارِ خودی

۱۶- وہ بے قرار پرندہ پھول کی ٹہنی کے نیچے پہنچا۔ شبنم کا وہ قطرہ اس کے منہ میں ٹپک گیا۔ مطلب یہ کہ قطرہ چونکہ نرم تھا، اس لیے اس کی خودی مضبوط نہ تھی جس کے سبب و

اپنی حفاظت نہ کر سکا۔

۱۷- تو (اے مخاطب) جو اس بات کا خواہاں ہے کہ تو دشمن سے اپنی جان بچا لے جائے، میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ تو قطرہ شبنم ہے یا گوہر۔ مراد یہ کہ تیری خودی کمزور ہے یا قوی؟

۱۸- جب وہ پرندہ پیاس کی تپش سے پگھل گیا یعنی ہانپ اٹھا تو اس نے کسی دوسرے (یعنی قطرے) کی زندگی سے اپنی زندگی بچانے کا سامان کیا۔ گویا یہ قانون فطرت ہے کہ ہر قوی کمزور کو کھا جاتا ہے۔

۱۹- قطرہ سخت جسم والا اور گوہر کی سی خصلت والا نہ تھا۔ سخت جسم والا تو ریزۂ الماس تھا، قطرہ نہ تھا۔ دوسرے لفظوں میں قطرے کی خودی کمزور اور ہیرے کی کنی کی خودی مضبوط تھی۔ اسی لیے اس کا وجود برقرار رہا جبکہ قطرے کا وجود نہ رہا۔

۲۰- تو ایک پل بھی اپنی خودی کی حفاظت سے غافل نہ رہ، ہیرے کی کنی بن جا، شبنم نہ بن۔ ان دو مثالوں سے قاری کو یہ تلقین کی گئی ہے کہ اگر تم ایک باوقار زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو خودی کی مضبوطی پر توجہ دو تا کہ کسی دشمن یا کسی دوسری طاقت یا باطل قوت کو تمہیں نقصان پہنچانے کی جرأت نہ ہو سکے۔ بصورت دیگر تمہارا حال قطرہ شبنم کا سا ہوگا۔

۲۱- تو پہاڑ کی مانند مضبوط بنیاد والا بن جا، ایسا بن جا کہ تجھ میں چھاجوں پانی برسانے والے سینکڑوں بادل سمائے ہوں۔ نئی تشبیہ سے خودی کو مضبوط کرنے کا درس دیا ہے۔ مطلب یہ کہ تم چٹان کی طرح مضبوط ہو جاؤ اور جذبہ اور جوش و ولولہ کے سینکڑوں طوفان تمہارے اندر برپا ہوں تا کہ تمہیں کوئی دشمن طاقت زیر نہ کر سکے بلکہ تم سے ٹکرا کر خود پاش پاش ہو جائے۔

۲۲- تو اپنی ذات کا اقرار کر کے اپنے آپ کو یعنی اپنے ممکنات کو پا لے۔ اپنے پارے کو منجمد کر کے چاندی بن جا۔ مطلب یہ کہ اپنی مخفی صلاحیتوں اور قوتوں سے پورے طور پر آگاہ ہو جانا اپنی خودی کو پا لینا ہے۔ سیماب (چاندی کا پانی یعنی پارا) کو منجمد کر کے چاندی بننے سے مراد ہے کہ اپنی کمزوریوں کو دور کر کے اپنی قوتوں صلاحیتوں کو بروئے کار لاؤ اور قوت و جذبہ کی علامت بن جاؤ۔

۲۳- تو خودی کے ساز پر کوئی نغمہ چھیڑ اور اس طرح خودی کے راز ظاہر کر دے۔ وہی بات

اس سے پہلے شعر والی۔ مطلب یہ کہ اپنی خودی سے کماحقہ آگاہ ہو کر اپنی قوتوں صلاحیتوں کا عملی مظاہرہ کرتا کہ جس ذلت و غلامی سے تو (ملت اسلامیہ) اس وقت دوچار ہے، اس سے تو اپنی جان چھڑا سکے اور پھر کوئی بھی تجھے ذرا سا بھی نقصان نہ پہنچا سکے۔

حکایتِ الماس و زغال

(ہیرے اور کوئلے کی داستان)

۱۔ از حقیقت باز بکشایم درے ۔۔۔ با تو می گویم حدیث دیگرے
۲۔ گفت با الماس در معدن زغال ۔۔۔ "اے امین جلوہ ہاے لازوال
۳۔ ہم دمیم و ہست و بود ما یکیست ۔۔۔ در جہاں اصل وجود ما یکیست
۴۔ من بکاں میرم ز درد ناکسی ۔۔۔ تو سرتاج شہنشاہاں رسی
۵۔ قدر من از بدگلی کمتر زخاک ۔۔۔ از جمال تو دل آئینہ چاک
۶۔ روشن از تاریکی من مجمر است ۔۔۔ پس کمال جوہرم خاکستر است
۷۔ پشت پا ہر کس مرا برسر زند ۔۔۔ بر متاع ہستیم اخگر زند
۸۔ برسر و سامانِ من باید گریست ۔۔۔ برگ و ساز ہستیم دانی کہ چیست؟
۹۔ موجۂ دودے بہم پیوستہ ے ۔۔۔ مایہ دار یک شرار جستہ ے
۱۰۔ مثل انجم روے تو ہم خوے تو ۔۔۔ جلوہ ہا خیزد ز ہر پہلوے تو
۱۱۔ گاہ نور دیدۂ قیصر شوی ۔۔۔ گاہ زیب دستۂ خنجر شوی"

۱۔ میں مذکورہ حقیقت کی مزید وضاحت کے لیے ایک اور باب وا کرتا ہوں یعنی میں تجھ سے ایک اور بات کرتا ہوں۔

۲۔ کسی کوئلے نے کان میں ہیرے سے کہا: اے کہ تو ختم نہ ہونے والی روشنیوں / چمک کا امانت دار ہے (یعنی تجھ میں ہمیشہ بہت چمک رہتی ہے)

۳۔ ہم دونوں ایک ہی کان کے پروردہ ہونے کے باعث ایک دوسرے کے ساتھی ہیں اور ہماری زندگی بھی ایک ہے۔ دنیا میں ہمارے خمیر کا وجود بھی ایک ہی ہے۔

۴۔ میں تو اپنے گھٹیا ہونے کے دکھ سے کان میں مر رہا ہوں، جب کہ تجھے شہنشاہوں کے

تاج تک رسائی ہے۔

۵۔ بدشکل ہونے کی وجہ سے میری قدر و قیمت مٹی سے بھی کم ہے جبکہ تیرے حسن سے رشک کی بنا پر آئینے کا دل پھٹ کے رہ گیا ہے۔

۶۔ میری کالک / سیاہی سے انگیٹھی روشن ہے (اس میں مجھ سے آگ جلائی جاتی ہے) یوں سمجھ کہ میرے خمیر کی انجام راکھ ہے یعنی میرا کامل و مکمل ہونا راکھ کی صورت میں ہے۔

۷۔ ہر کوئی مجھے پاؤں سے ٹھوکر مارتا اور میرے وجود کے سرمائے / پونجی کو آگ دکھاتا ہے۔

۸-۹: میرے سرو سامان پر رونا چاہیے۔ تجھے علم ہے کہ میرا ساز و سامان کیا ہے؟ (میری زندگی کے لوازم کیا ہیں؟) یوں سمجھ کہ دھوئیں کی لہریں باہم یکجا ہو گئی ہیں اور یوں باہم ست کردہ ایک اچھلنے والی چنگاری کا سرمایہ / پونجی بن گئی ہیں۔

۱۰۔ جب کہ تیرا چہرہ بھی اور تیری خو بھی ستاروں کی سی ہے۔ تیرے ہر ہر رخ سے کرنیں پھوٹتی ہیں۔

۱۱۔ کبھی تو تو بادشاہوں کی آنکھوں کا نور (ان کا نورِ نظر، بے حد عزیز) ہوتا ہے اور کبھی تو خنجر کے قبضے کی آرائش و زیبائش بنتا ہے۔

سارے اشعار واضح ہیں۔ کوئلے کے حوالے سے دراصل کمزور خودی والوں کی عبرتناک زندگی کی عکاسی ہے۔ اس کے جواب میں الماس جو کچھ کہے گا، وہ اس بات کو ثابت کرے گا۔

۱۲۔ گفت الماس "اے رفیقِ نکتہ بیں	تیرہ خاک از پختگی گردد نگیں
۱۳۔ تا بہ پیرامونِ خود درجنگ شد	پختہ از پیکار مثلِ سنگ شد
۱۴۔ پیکرم از پختگی ذوالنور شد	سینہ ام از جلوہ ہا معمور شد
۱۵۔ خوار گشتی از وجودِ خام خویش	سوختی از نرمیِ اندام خویش
۱۶۔ فارغ از خوف و غم و وسواس باش	پختہ مثلِ سنگ شو الماس باش
۱۷۔ می شود از وے دو عالم مستنیر	ہر کہ باشد سخت کوش و سخت گیر
۱۸۔ مشتِ خاکے اصلِ سنگِ اسود است	کو سر از جیبِ حرم بیروں زد است
۱۹۔ رتبہ اش از طور بالا تر شد است	بوسہ گاہ اسود و احمر شد است
۲۰۔ در صلابت آبروئے زندگی است	ناتوانی، ناکسی، ناپختگی است

۱۲۔ الماس نے کوئلے سے کہا کہ اے میرے گہری باتوں کو سمجھنے والے ساتھی (یہ جان لے

کہ) سیاہ خاک مضبوطی اور استحکام کی بنا پر نگین بن جاتی ہے۔ سائنس کی رو سے سورج کی کرنوں اور دیگر عوامل کے نتیجے میں کوئلہ ایک حالت سے دوسری حالت میں پہنچتا اور قیمتی پتھر کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ مضبوطی سے مراد خودی کی مضبوطی ہے۔

۱۳- جب وہ (سیاہ خاک) اپنے ماحول سے برسرِ پیکار رہی تو اس جنگ کے نتیجے میں وہ پتھر کی طرح مضبوط ہو گئی۔ وہی پہلے شعر والی بات جسے جنگ کا نام دیا گیا ہے۔

۱۴- میرا وجود مضبوطی ہی کے باعث روشن/ چمک والا بنا اور اسی وجہ سے میرا سینہ جلووں سے پر ہو گیا/ بھر گیا۔ گویا خودی کے استحکام سے اسے یہ مقام ملا۔

۱۵- (اس کے برعکس) تو اپنے کچے وجود کے سبب ذلیل و خوار ٹھہرا اور اپنے وجود کی نرمی کے باعث جل گیا۔ جس قوم یا فرد نے اپنی کمزوری اور ناتوانی، دوسرے لفظوں میں غیر مستحکم خودی کا مظاہرہ کیا، اسے دوسروں کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہونا پڑا۔

۱۶- تو ہر قسم کے غم، خوف اور بیہودہ خیالات سے خود کو بچائے رکھ، یوں پتھر کی مانند سخت ہو کر ہیرا بن جا۔ الماس کے حوالے سے قوم/ ملت کے لیے نصیحت ہے۔ بے خوف اور جرأت مند ملت ہی ہر طرح کے حادثات اور مصائب و آلام وغیرہ کا مقابلہ کر کے خود کو اعلیٰ مقام و مرتبہ پر پہنچا لیتی ہے۔ یہ طرزِ زندگی اپنا کر تم بھی عظیم اور بلند مرتبہ بن جاؤ۔

۱۷- جو کوئی بھی سخت جد و جہد کرنے اور مضبوط گرفت والا ہوتا ہے، اس سے دونوں جہان منور/ روشن ہوتے ہیں جس طرح ہیرے کی چمک دمک سے اس کا ماحول منور ہو جاتا ہے (اور ہیرا اس مقام پر کئی مرحلے طے کر کے پہنچتا ہے) اسی طرح جو فرد جد و جہد اور پیہم عمل میں مصروف رہتا ہے، وہ انسانی معاشرے کے لیے ایسے کارنامے انجام دیتا ہے جن سے انسانیت تابناک ہو جاتی اور ظلم و ستم اور ناانصافی وغیرہ کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں۔

۱۸- سنگِ اسود جیسے متبرک پتھر کی اصل یہی مٹھی بھر خاک ہے جس (سنگِ اسود) نے خانہ کعبہ کے دامن سے سر باہر نکال رکھا ہے۔ گویا اس مبارک پتھر کو بھی جسے چومنا ارکانِ حج میں سے ہے، مختلف عوامل سے برسرِ پیکار رہنے کے باعث یہ مقام و مرتبہ ملا ہے۔

۱۹- اس (سنگِ اسود) کا مقام و مرتبہ کوہِ طور جیسے پہاڑ سے بھی بلند تر ہو گیا ہے۔ وہ سیاہ

اور سرخ قوموں کی بوسہ گاہ بن گیا ہے۔ حج کے موقع پر دنیا بھر کے مسلمان اکٹھے ہوتے ہیں۔ ان میں کسی قسم کی رنگ و نسل کی تمیز نہیں ہوتی، وہ اول و آخر مسلمان ہوتے ہیں۔ ان کا حجر اسود کو چومنا اس پتھر کی بے پناہ عظمت کا غماز ہے۔

۲۰- پختگی و مضبوطی ہی زندگی کی عزت و آبرو ہے۔ ضعف و کمزوری تو نااہل اور کچے پن کی صورت ہے۔ نااہلی یہی ہے کہ اپنی صلاحیتوں اور قوتوں سے کما حقہ کام نہ لینا اور یوں ذلت و خواری کا شکار ہونا ہے۔ اس طرح ہمیں یہ درس دیا گیا ہے کہ اپنی خودی کو مضبوط کر کے عزت و مرتبہ حاصل کرو اور ذلت کی زندگی سے بچو۔

حکایت شیخ و برہمن و مکالمہ گنگا و ہمالہ

در معنی این کہ تسلسل حیاتِ ملیہ از محکم گرفتن روایاتِ مخصوصۂ ملیہ می باشد

۱- در بنارس برہمنے محترم — سرفرو اندر یم بود و عدم
۲- بہرۂ وافر ز حکمت داشتے — باخدا جویاں ارادت داشتے
۳- ذہن او گیرا و ندرت کوش بود — با ثریا عقل او ہمدوش بود
۴- آشیانش صورتِ عنقا بلند — مہر و مہ برشعلہ فکرش سپند
۵- مدتے مینائے او درخوں نشست — ساقیٔ حکمت بجامش مے نہ بست
۶- در ریاضِ علم و دانش دام چید — چشمِ دامش طائرِ معنی ندید
۷- ناخنِ فکرش بخوں آلودہ ماند — عقدۂ بود و عدم نکشودہ ماند
۸- آہ برلب شاہدِ حرمانِ او — چہرہ غمازِ دلِ حیرانِ او
۹- رفت روزے نزد شیخ کاملے — آں کہ اندر سینہ پروردہ دلے
۱۰- گوش برگفتار آں فرزانہ داد — برلب خود مہر خاموشی نہاد

۱- بنارس (بھارت کے صوبہ اتر پردیش میں دریائے گنگا کے کنارے واقع ہندوؤں کا ایک مقدس مقام) میں ایک معزز برہمن ہستی اور نیستی کے سمندر میں ڈوبا رہتا تھا اور فنا کی فلسفیانہ گتھیاں سلجھانے میں مصروف رہتا۔

۲- اسے قدرت کی طرف سے دانائی کا بہت بڑا حصہ عطا ہوا تھا۔ اسے اللہ کی تلاش میں رہنے والوں (اللہ والوں) سے عقیدت تھی۔

۳۔ اس کا ذہن مطلب کو پا جانے والا اور نت نئی نرالی بات نکالنے کی کوشش کرنے والا تھا، اس کی عقل، بلندی میں پروین ستاروں کی ہم پلہ / برابر تھی (بہت عقلمند تھا)

۴۔ اس کا آشیانہ / ٹھکانا عنقا کے آشیانے کی طرح بلند تھا۔ آفتاب اور چاند اس کے فکر کے شعلے پر ہرل / کالے دانے کی مانند تھے یعنی اس برہمن کی فکر آگ کی طرح روشن تھی جس کے مقابلے میں سورج اور چاند کی روشنی بھی گویا مات تھی۔

۵۔ ایک مدت تک اس کی صراحی (دل) خون میں رہی یعنی اس کا دل خون ہو گیا لیکن حکمت و دانائی کے ساقی نے اس کے جام میں شراب نہ بھری۔ گویا وجود اور عدم کے مسئلے پر بے حد غور و فکر کے باوجود اسے اس کا حل نظر نہ آیا۔ یہ مسئلہ ہی ایسا ہے جسے آج تک کوئی بھی حل نہیں کر سکا۔ بقول ابو طالب کلیم:

ما ز آغاز و ز انجام جہاں بے خبریم   اول و آخر ایں کہنہ کتاب افتاد است

(ہم دنیا کے آغاز اور انجام سے بے خبر ہیں کیونکہ اس پرانی کتاب کے پہلے اور آخری صفحات کہیں گر چکے ہیں) بقول شاد عظیم آبادی:

سنی حکایت ہستی تو درمیاں سے سنی   نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

نظیر اکبر آبادی:

بھٹکتے پھرتے ہیں لاکھوں پنڈت، کروڑوں مُلا، ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یارو آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

۶۔ اس نے علم و دانش کے باغ میں جال بچھایا لیکن اس کے جال کی آنکھ کو حقیقت کا پرندہ نظر آیا۔ وہی بات شعر ۵ والی۔

۷۔ اس کی فکر کا ناخن خون میں لتھڑ گیا لیکن پھر بھی ہستی اور نیستی کے فلسفے کی گرہ نہ کھل سکی / گتھی نہ سلجھ سکی (شعر ۵ والی بات)

۸۔ اس کے ہونٹوں پر آہ اس کی محرومی و ناکامی کی گواہ ٹھہری۔ اس کا چہرہ اس کے حیران دل کا غماز بنا یعنی انتہائی غور و فکر کے باوجود جب وہ مذکورہ مسئلہ حل نہ کر سکا تو حیرانی میں ڈوب کے رہ گیا۔

۹۔ ایک روز وہ کسی کامل بزرگ کی خدمت میں پہنچا۔ وہ ایک ایسا بزرگ تھا جس کا دل عالی جذبات سے پر تھا۔

۱۰۔ برہمن نے اس دانشمند کی باتوں پر کان لگائے رکھے اور اپنے ہونٹوں پر خاموشی کی مہر لگالی۔

۱۱- گفت شیخ: "اے طائف چرخ بلند اندکے عہد وفا با خاک بند

۱۲- تا شدی آوارۂ صحرا و دشت فکر بے باک تو از گردوں گذشت

۱۳- با زمیں در ساز اے گردوں نورد در تلاش گوہر انجم مگرد

۱۴- من نگویم از بتاں بیزار شو کافری شایستہ زنار شو

۱۵- اے امانت دار تہذیب کہن پشت پا بر مسلک آبا مزن

۱۶- گر ز جمعیت حیات ملت است کفر ہم سرمایہ جمعیت است

۱۷- تو کہ ہم در کافری کامل نہ ای درخور طوف حریم دل نہ ای

۱۸- ماندہ ایم از جادۂ تسلیم دور تو ز آزر من ز ابراہیمؑ دور

۱۹- قیس ما سودائی محمل نشد درجنون عاشقی کامل نشد

۲۰- مُرد چوں شمع خودی اندر وجود از خیال آسماں پیما چہ سود؟

۱۱- شیخ نے برہمن سے کہا: "اے بلند آسمان کا طواف کرنے والے کچھ دیر کے لیے خاک کے ساتھ بھی پیمان وفا باندھ لے۔ مطلب یہ کہ تو بڑا بلند خیال ہے لیکن زندگی کے جزوئی مسائل ہیں، ان پر بھی ذرا غور و فکر کر۔

۱۲- جب تو دشت و صحرا میں آوارہ ہو گیا تو تیرا بے خوف فکر آسمان سے بھی اونچا نکل گیا (یا جب سے تو دشت و صحرا میں آوارہ ہوا ہے، تیری نڈر سوچ آسمان سے بھی آگے نکل گئی ہے۔) دشت و صحرا میں آوارہ رہنا سے مراد زندگی کی حقیقتوں سے منہ موڑ کر یا عملی زندگی سے ناطہ توڑ کر مذکورہ مسائل ہی میں کھوئے رہنا ہے۔

۱۳- اے آسمان کو طے کرنے والے زمین کے ساتھ نباہ کر۔ ستاروں کے موتی کی تلاش میں مت گھوم پھر۔ وہی شعر ۱۲ والی بات۔ بلند فکری، زمین کے ساتھ نباہ سے مراد یہاں کی عملی زندگی کی طرف توجہ دینا ہے۔

۱۴- میں تجھے یہ تو نہیں کہتا کہ تو بتوں سے بیزار ہو جا۔ بہر حال تو چونکہ کافر ہے، اس لیے اپنے آپ کو زنار کے لائق کر لے۔ تیرا عقیدہ کیسا ہی سہی تو اس میں پختگی پیدا کر لے۔ بقول غالب:

وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے
مرے بت خانہ میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

۱۵- اے کہ تو (برہمن) قدیم تہذیب کا محافظ ہے، اپنے بزرگوں کے دین کو ٹھوکر نہ مار یعنی تیرا دین کیسا ہی سہی، پہلے تو اس کے ساتھ اپنی وابستگی میں استواری تو پیدا کر کہ

یہی اصل دین ہے۔

۱۶۔ اگر جمعیت سے ملت کی زندگی کا سامان ہوتا ہے تو اس صورت میں کفر بھی جمعیت کا سرمایہ ہے۔ اصل بات پوری قوم کا ایک ہی فکر اور ایک ہی سوچ پر متفق اور مجتمع ہو کر استواری کے ساتھ چلنے ہی میں اس قوم کی بقا ہے۔

۱۷۔ تو جو کفر میں بھی کامل نہیں ہے، کعبہ دل کے طواف کے لائق نہیں ہے۔ مراد یہ کہ تو صاحب دل (جذبۂ عشق سے سرشار) نہیں ہے۔ اس صورت میں تجھ میں وہ قوت پیدا نہیں ہو سکتی جس کی بدولت انسان آسمان پر کمندیں ڈالتا ہے (جو کوئی اپنے دین پر خواہ وہ کفر ہی سہی، استواری کے ساتھ قائم نہیں، وہ بھلا دوسرے دین پر کیا چل سکے گا۔)

۱۸۔ ہم تسلیم و رضا کے راستے سے بھٹک گئے ہیں تو آزر سے دور ہو گیا ہے اور میں ابراہیمؑ سے دور ہو گیا ہوں۔ شیخ نے خود کو بھی ان کوتاہیوں کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ برہمن بت پرست ہونے کے باوجود آزر سے یعنی بت پرستی سے دور ہو گیا ہے، اپنے دین پر استواری سے قائم نہیں۔ اسی طرح شیخ کا حضرت ابراہیمؑ سے دور ہونا اس کا اسلام سے دور ہونا ہے۔ اس معبود مطلق کی رضا کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہم نے چھوڑ دیا ہے اور یہی بات ملت کے انتشار اور فنا کا باعث بنتی ہے۔

۱۹۔ ہمارا مجنوں، محمل کا دیوانہ نہیں رہا۔ وہ عاشقی کے جنون میں کامل نہیں ہوا۔ وہی بات نئے استعارے میں۔ گویا ہم لوگ بظاہر کسی نہ کسی دین سے وابستہ تو ہیں لیکن اس وابستگی کیلئے جس عشق و استواری کی ضرورت ہے، اس سے ہمارے دل خالی ہیں۔

۲۰۔ جب خودی کی شمع ہی وجود میں بجھ گئی تو آسمان کی سی بلندی والے خیال کا کیا فائدہ؟ شیخ نے برہمن کے جواب میں تان اس بات پر توڑی ہے کہ اصل زندگی تو اپنے دین یا مقصد پر مضبوطی سے قائم رہنا ہے کیونکہ ''وفاداری بشرط استواری'' ہی اصل ایمان ہے۔ جب یہ نہیں تو خالی بلند فکری کس کام کی۔ مذکورہ استواری خودی ہی کی بدولت پیدا ہو سکتی ہے، اگر خودی نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

۲۱۔ آب زد در دامن کہسار چنگ   گفت روزے با ہمالہ رود گنگ

۲۲۔ ''اے ز صبح آفرینش یخ بدوش   پیکرت از رودہا زنار پوش

۲۳۔ حق ترا با آسمان ہم راز ساخت   پات محروم خرام ناز ساخت

۲۴- طاقتِ رفتار از پایت ربود   ایں وقار و رفعت و تمکیں چہ سود
۲۵- زندگانی از خرامِ پیہم است   برگ و سازِ ہستیِ موج از رم است"

۲۱- پانی نے پہاڑ کے دامن/ پہلو پر پنجہ مارا یعنی ایک روز دریائے گنگا نے کوہ ہمالیہ سے کہا:

۲۲- تو کہ کائنات کے وجود میں آنے کے دن سے کندھوں پر برف رکھے ہوئے ہے، تیرا جسم ندی نالوں کی وجہ سے اس طرح ہے جیسے تو نے کوئی زنار پہن رکھی ہو۔

۲۳- خدا نے تجھے بلندی کے لحاظ سے آسمان کا ہمراز بنایا لیکن تیرے پاؤں کو ملک/ چال سے محروم رکھا۔

۲۴- اس نے تیرے پاؤں سے چلنے کی قوت اڑا لی۔ اس صورت حال میں اس وقار، بلندی اور شان و شوکت کا کیا فائدہ؟ گویا اصل زندگی حرکت و عمل میں ہے۔ جمود کی حامل زندگی بظاہر کتنی ہی شان و شوکت والی کیوں نہ ہو، بیکار ہے۔

۲۵- زندگی تو نام ہے مسلسل چلتے رہنے کا۔ موج کے وجود کا ساز و سامان چلنے ہی پر ہے۔ موج چلتی رہے تو موج ہے ورنہ اس کا کوئی وجود نہیں۔

۲۶- کوہ چوں این طعنہ از دریا شنید   ہم چو بحرِ آتش از کیں بردمید
۲۷- گفت: "اے پہنائے تو آئینہ ام   چوں تو صد دریا درون سینہ ام
۲۸- این خرامِ ناز سامانِ فناست   ہر کہ از خود رفت شایانِ فناست
۲۹- از مقامِ خود نداری آگہی   بر زیانِ خویش نازی، ابلہی
۳۰- اے زبطنِ چرخِ گرداں زادہ ے   از تو بہتر ساحلِ افتادہ ے
۳۱- ہستیِ خود نذرِ قلزم ساختی   پیشِ رہزن نقدِ جاں انداختی

۲۶- پہاڑ نے جب دریا سے یہ طعنہ سنا تو وہ آگ کے سمندر کی مانند غصے سے بھڑک اٹھا۔

۲۷- وہ بولا: اے دریا تیرا پھیلاؤ میرا آئینہ ہے (میرے لیے آئینہ ہے) تجھ ایسے سینکڑوں دریا میرے اندر سمائے ہوئے ہیں۔

۲۸- یہ ملک چال تو فنا کا سامان بنتی ہے۔ جو کوئی اپنی ذات یعنی خودی سے گیا، وہ فنا ہی کے لائق ہے۔ جس نے اپنی خودی کھودی، اس کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے۔ دریا چونکہ آخر کار سمندر میں غرق ہو جاتا ہے، اس لیے اس کا یہ عمل اپنی خودی کھو دینا اور فنا ہو جانا ہے۔

۲۹- تجھے اپنے مقام سے آگاہی نہیں ہے۔ تو اپنے نقصان پر الٹا فخر کر رہا ہے۔ تیرا یہ فخر

تیری نادانی کے باعث ہے یعنی اگر تو صاحب خودی ہوتا تو اپنے وجود کو برقرار رکھتا اور سمندر میں غرق نہ ہوتا۔

۳۰- تو جو گھومتے ہوئے آسمان کے پیٹ سے وجود میں آیا ہے، تجھ سے تو ایک ساکن ساحل ہی بہتر ہے۔ گویا ایسا جمود جس سے اپنی ذات و وجود کسی دوسرے میں فنا ہونے سے محفوظ رہے اس خرام سے کہیں افضل ہے جو کسی صاحب وجود کو کسی دوسرے میں ضم کر کے فنا کا شکار کر دے۔

۳۱- تو نے اپنے وجود کو سمندر کی بھینٹ چڑھا دیا۔ دوسرے لفظوں میں تو نے اپنی جان کی نقدی لٹیرے کے آگے رکھ دی۔

۳۲- ہم چو گل در گلستان خود دار شو ‏ ‏ بہر نشر بو پے گل چیں مرو
۳۳- زندگی بر جائے خود بالیدن است ‏ ‏ از خیابان خودی گل چیدن است
۳۴- قرن ہا بگذشت و من پا در گلم ‏ ‏ تو گماں داری کہ دور از منزلم
۳۵- ہستیم بالید و تا گردوں رسید ‏ ‏ زیر داما نم ثریا آرمید
۳۶- ہستی تو بے نشاں در قلزم است ‏ ‏ ذرۂ من سجدہ گاہ انجم است
۳۷- چشم من بینائے اسرار فلک ‏ ‏ آشنا گوشم ز پرواز ملک
۳۸- تا ز سوز سعی پیہم سوختم ‏ ‏ لعل و الماس و گہر اندوختم

۳۲- باغ میں پھول کی مانند خوددار بن جا اور خوشبو پھیلانے کی خاطر پھول توڑنے والے (مالی) کے پیچھے مت جا۔ خوشبودار پھول کو مالی توڑ لیتا ہے لیکن جن میں خوشبو نہ ہو، انہیں وہ ہاتھ تک نہیں لگاتا۔ گویا ایسے پھول خوددار ہیں۔ اس لیے مالی کی جرأت نہیں ہوتی کہ انہیں توڑ سکے۔ گویا خوددار قوموں میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ دوسری قومیں ان پر دست درازی کی جرأت نہیں کر سکتیں۔

۳۳- زندگی در حقیقت اپنی جگہ پر برقرار رہ کر نشوونما پانے کا نام ہے یعنی خودی کی کیاری سے پھول توڑنے کا نام زندگی ہے۔ گویا خودی سے مکمل آگاہی ہی اصل زندگی ہے کہ اسی کی بدولت انسان اپنی مخفی قوتوں اور ممکنات سے آگاہ ہو کر اپنی بقا کا سامان کرتا ہے۔

۳۴- صدیاں گذر چکی ہیں اور میں اپنی جگہ پر قائم و برقرار ہوں، تو یہ خیال کرتا ہے کہ میں اپنی منزل سے دور ہوں۔ یہ برقراری اسی خودی کی حفاظت کے باعث ہے۔

۳۵- میرا وجود اس حد تک بڑھا پھولا کہ آسماں تک جا پہنچا اور ثریا/ پروین جیسے بلند ستاروں نے میرے دامن میں آرام کیا یعنی خودی کی حفاظت کی بنا پر بلندیاں بھی اس (پہاڑ) کی رفعت وعظمت کا سہارا لیتی ہیں۔ یہاں پہاڑ ایک علامت ہے خودی کی حفاظت کرنے والے انسان کی جو بڑی سر بلندی وعظمت حاصل کرتا ہے۔

۳۶- تیرا وجود سمندر میں جا کر مٹ جاتا ہے، جب کہ میری چوٹی ستاروں کے سجدے کی جگہ ہے۔ کمزور خودی والا انسان جلد فنا کا شکار ہو جاتا ہے جبکہ خودی کے محافظ کی عظمت و بلند مقامی اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ بڑی بڑی بلندیاں بھی خود کو اس کے مقابلے میں کمتر سمجھتی ہیں۔

۳۷- (اس بلندی کے باعث) میری آنکھ آسمان کی چھپی ہوئی چیزوں کو دیکھ لیتی ہے یعنی آسمان کے رازوں سے آگاہ ہے۔ میرے کان فرشتے کی پرواز کی آواز سے واقف ہیں۔ وہی بات نئے استعارے میں ہے۔

۳۸- میں مسلسل جدوجہد کی تپش کے ہاتھوں جلتا رہا تب کہیں میں نے لعل، ہیرے اور موتی حاصل کیے۔ پہاڑ میں مختلف قسم کی کانیں ہوتی ہیں، ان میں موجود ہیرے وغیرہ پتھر ہی ہوتے ہیں لیکن ان پر سورج کی شعاعیں مسلسل اور مختلف زاویوں سے پڑنے کے باعث وہ ہیرے اور لعل وغیرہ بن جاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ خودی کی حفاظت اور جذبوں کی تپش یا سرشاری سے انسان بہت کچھ حاصل کرتا ہے، دونوں جہانوں میں اسے سرخروئی حاصل ہوتی ہے۔

۳۹- در درونم سنگ و اندر سنگ نار	آب را بر نار من نبود گذار
۴۰- قطرہ ای؟ خود را بپاے خود مریز	در طلاطم کوش و با قلزم ستیز
۴۱- آب گوہر خواہ و گوہر ریزہ شو	بہر گوش شاہدے آویزہ شو
۴۲- یا خود افزا شو، سبک رفتار شو	ابر برق انداز و دریا بار شو
۴۳- از تو قلزم گدیہ طوفاں کند	شکوہ ہا از تنگی داماں کند
۴۴- کمتر از موجے شمارد خویش را	پیش پاے تو گذارد خویش را

۳۹- میرے اندر/ باطن میں پتھر ہے اور پتھر میں آگ سمائی ہوئی ہے۔ پانی کی ہمت نہیں کہ وہ میری آگ پر سے گزر سکے۔ یہ شعر مولانا روم کی مثنوی معنوی، کے اس شعر کی بدلی ہوئی صورت ہے:

سنگ و آہن در درون دارند نار　　آب را بر نارشاں نبود گذار

پتھر کو پتھر پر رگڑا جائے تو اس سے چنگاری نکلتی ہے۔ پہاڑ پتھر کا ہے اس لیے ایسا کہا۔ دوسری آگ پر پانی ڈالا جائے تو فوراً بجھ جاتی ہے۔ گویا اس آگ کی خودی پانی کے مقابلے میں بہت کمزور ہے، جب کہ پہاڑ کے پتھر کی خودی اتنی مضبوط ہے کہ پانی اس میں موجود آگ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

۴۰۔ کیا تو قطرہ ہے؟ اپنے آپ کو اپنے پاؤں پر مت گرا یعنی خود کو ذلیل نہ کر۔ تھپیڑوں میں جدوجہد کر اور سمندر سے الجھ جا۔ پہاڑ کی زبان سے ملت کو یہ درس دیا گیا ہے کہ تھپیڑوں سے الجھ کر (مصائب و آلام یا باطل قوتوں سے ٹکرا کر) زندگی کرنے کی خو کر لے۔ علامہ ہی کے بقول:

بدریا غلت و با موجش در آویز　　حیاتِ جاوداں اندر ستیز است

زندگی کو بقا جدوجہد اور پیہم عمل سے حاصل ہوتی ہے۔

۴۱۔ گوہر کی آب (چمک) کا طالب بن اور موتی کا ریزہ بن جا۔ اس طرح کسی حسین کے کانوں کے لیے بندا بن جا۔ موتی کی چمک پر پانی کا دھوکا ہوتا ہے لیکن اس پانی کو کوئی پی نہیں سکتا۔ اسی طرح ہیرے کی کنی سخت جان ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ عظمت و شرکت کے لیے سخت جانی اور خودی کی مضبوطی لازمی ہے۔

۴۲۔۴۳: یا تو اپنے آپ کو آگے بڑھانے والا بن اور تیز رفتار ہو جا، بجلی گرانے اور چھاجوں مینہ برسانے والا بادل بن جا تا کہ سمندر تجھ سے طوفان کی بھیک مانگے اور اپنے دامن کی تنگی کا شکوہ کرے۔ مطلب یہ کہ تم اپنی مخفی قوتوں اور صلاحیتوں کو اس طرح بروئے کار لاؤ کہ کوئی بھی باطل قوت یا دشمن تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے، البتہ تم دوسروں کے کام آ کر انہیں اپنا ممنون بنالو۔

۴۴۔ سمندر تیرے مقابل خود کو محض ایک موج سمجھے اور اپنے آپ کو تیرے پاؤں میں ڈال دے۔ وہی بات دوسرے استعارے میں۔ مطلب یہ کہ جب کوئی قوم اپنے ممکنات سے آگاہ ہو جاتی اور مسلسل جہد و عمل سے کام لینے لگتی ہے تو پھر بڑی سے بڑی قوت بھی اس کے آگے زیر ہو جاتی ہے۔

در بیان این کہ مقصد حیاتِ مسلم اعلائے کلمۃ اللہ است و جہادؑ

اگر محرک او جوع الارض باشد، در مذہب اسلام حرام است

(اس موضوع کے بارے میں کہ مسلمان کی زندگی کا مقصد کلمۃ اللہ کا بلند کرنا اور جہاد ہے اور ایسا جہاد جو تسخیر ممالک کا باعث بنے، وہ مذہب اسلام میں حرام ہے)

۱۔ قلب را از صبغۃ اللہ رنگ دہ — عشق را ناموس و نام و ننگ دہ
۲۔ طبع مسلم از محبت قاہر است — مسلم ار عاشق نباشد کافر است
۳۔ تابع حق دیدنش، نادیدنش — خوردنش، نوشیدنش، خوابیدنش
۴۔ در رضایش مرضی حق گم شود — ''این سخن کے باور مردم شود''
۵۔ خیمہ در میدانِ الا اللہ زدست — در جہاں شاہد علی الناس آمدست
۶۔ شاہد حالش نبیؐ انس و جاں — شاہد صادق ترین شاہدان

۱۔ تو اپنے دل کو خدا کے رنگ میں رنگ ڈال اور عشق کو عزت و احترام اور قدر و منزل دے۔ اس حصے میں مسلمانوں کی زندگی کا جو اصل مقصد ہے، اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ قرآنی تلمیح کے مطابق: ''ہم (دین کی) اس حالت پر ہیں جس میں (ہم کو) اللہ تعالیٰ نے رنگ دیا ہے اور دوسرا کون ہے جس کے رنگ دینے کی حالت اللہ تعالیٰ سے خوب تر ہے اور......ہم اسی کی غلامی اختیار کیے ہوئے ہیں۔'' مطلب یہ کہ تو خود کو محبوب حقیقی کی رضا کے سپرد کر دے۔ عشق کا تقاضا یہی ہے کہ جو کچھ محبوب کہے، اس پر سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے وہ حکم بجالا کہ اسی سے عشق کا بھرم قائم ہے۔

۲۔ مسلمان کی فطرت محبت سے غلبہ پاتی ہے، لہٰذا اگر مسلمان عاشق نہیں یعنی محبت اور انسان دوستی کے جذبے سے عاری ہے تو وہ کافر ہے۔ مشہور صوفی حضرت شرف الدین یحییٰ منیری (صوبہ بہار، بھارت) اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ اگر حضور اکرمؐ کے پاس اپنے پیغمبر ہونے کا کوئی معجزہ نہ بھی ہوتا تو بھی حضورؐ کا اخلاق ستودہ حضورؐ کے پیغمبر ہونے کا شاہد کافی تھا۔ گویا مسلمان میں حسن خلق کا ہونا بنیادی شرط ہے۔ علامہ ہی کے بقول:

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم — جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

۳- مسلمان کا دیکھنے اور نہ دیکھنے کا عمل، اس کے کھانے، پینے اور سونے کا عمل سب حق کی پابندی سے مشروط ہوتا ہے۔ سورۂ انعام آیہ ۱۶۲ کی طرف اشارہ ہے: ''کہہ دیجیے میری نماز اور میری ساری عبادات اور میرا جینا اور میرا مرنا سب خالص اللہ ہی کا ہے اور سب ماننے والوں میں پہلا ہوں۔'' یعنی مسلمان کا ہر ہر عمل محض خدا کی رضا کے لیے ہو۔

۴- اس کی خوشنودی میں حق کی مرضی کھو جاتی ہے۔ (دونوں باہم مل کر ایک صورت اختیار کر لیتی ہیں) لیکن عام لوگ اس پر کیونکر یقین کریں گے۔ وہی خدا کی رضا پر چلنے کے عمل کی بات۔ دوسرا مصرع مثنوی رومی کا ہے۔ اس کا پہلا مصرع ہے:

علم حق در علم صوفی گم شود

۵-۶: اس نے ''الا اللہ'' کے میدان میں ڈیرے جما رکھے ہیں۔ دنیا میں وہ یعنی مرد مومن لوگوں کے لیے توحید باری تعالیٰ کا گواہ بن کر آیا ہے۔ اس کے حال کی گواہی دینے والے حضور نبی کریمؐ ہیں جو صرف انسانوں ہی کے نہیں، جنوں کے بھی نبی آخر الزماں ہیں اور جو سب گواہوں سے کہیں زیادہ سچے گواہ ہیں۔ مطلب یہ کہ مسلمان صرف اس معبود مطلق کو عبادت کے لائق سمجھتا اور اسی کے حضور سر بسجود ہوتا ہے۔ دنیا کی دوسری طاقتیں اس کے نزدیک باطل قوتیں ہیں۔ (نیز ملاحظہ ہو فرہنگ میں سورۂ بقرہ آیہ ۱۴۳ کا حوالہ) گویا اس ضمن میں مسلمانوں کے لیے حضور اکرمؐ کی ذات والا صفات کامل نمونہ اور معیار ہے۔

۷- قال را بگذار و باب حال زن	نور حق بر ظلمت اعمال زن
۸- در قبای خسروی درویش زی	دیدہ بیدار و خدا اندیش زی
۹- قرب حق از ہر عمل مقصود دار	تا ز تو گردد جلالش آشکار
۱۰- صلح، شر گردد چو مقصود است غیر	گر خدا باشد غرض، جنگ است خیر
۱۱- گر نہ گردد حق ز تیغ ما بلند	جنگ باشد قوم را نا ارجمند

۷- تو بحث مباحثے کو چھوڑ اور حال یعنی ولولہ عشق کو کام میں لا۔ اعمال کی تاریکی پر نور حق ڈال۔ فلسفیانہ بحثوں میں پڑنے کی بجائے عمل کی راہ اختیار کر، ایسا عمل یا ایسے اعمال جو سراسر خدا کی خوشنودی اور رضا کے حصول کے لیے ہوں ورنہ اس سے ہٹ کر جو بھی عمل ہوگا، وہ ایک تاریک عمل ہوگا۔

۸۔ سلطانی و شاہی لباس میں رہتے ہوئے بھی درویشانہ زندگی بسر کر، جاگتی ہوئی آنکھوں والا اور خدا اندیش بن کر جی۔ اگر تجھے دنیا کا بڑے سے بڑا اقتدار بھی میسر آئے تو بھی زندگی میں اکڑفوں ہونے کی بجائے درویشانہ انداز ہو اور غفلت کا پردہ آنکھوں پر نہ پڑنے دے اور ہر لمحہ اس حاکم اور معبود مطلق کو دھیان میں رکھ۔

۹۔ اپنے ہر عمل سے تیرا مقصد حق کے قرب کا حصول ہو تاکہ تجھ سے اس کی عظمت و شکوہ ظاہر ہو۔ تیرا ہر عمل اس معبود مطلق کی رضا و خوشنودی کے حصول کی طرف ہو کہ اسی سے اس کا قرب میسر آ سکتا ہے اور اسی عمل سے تجھ میں خدائی صفات پیدا ہو جائیں گی۔

۱۰۔ جب مقصد اللہ کے سوا کچھ اور ہو یعنی دنیوی غرض ہو تو پھر صلح بھی شر کا روپ دھار لیتی ہے اور اگر مقصد حق ہو تو جنگ میں بھی خیر کا پہلو ہوتا ہے۔ دنیاوی مفاد کی غرض سے صلح کسی نہ کسی صورت میں انسانی معاشرے کے لیے شر کا باعث ہو سکتی ہے جبکہ رضائے الٰہی کی خاطر کوئی جنگ اس لحاظ سے خیر کی حامل ہوگی کہ وہ انسانیت دشمن قوت یا قوتوں کے خلاف ہوگی۔

۱۱۔ اگر ہماری تلوار حق کا نام بلند کرنے میں ناکام رہتی ہے تو اس قسم کی جنگ ملت کے لیے بیکار اور بے قدر و وقعت ہوگی۔ دنیا کو صرف ایک حاکم و معبود مطلق کے سامنے سر جھکانے کی دعوت دینا ملت اسلامیہ کا اصل فرض ہے۔ اس لیے کہ اس صورت میں انسان کئی معبودوں کی پوجا کرنے اور کئی حاکموں کے خوف سے محفوظ ہو کر امن و سکون کی زندگی بسر کرنے لگتا ہے۔ بقول علامہ:

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ۔۔۔ ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

۱۲۔ حضرت شیخ میاں میرؒ ولی ۔۔۔ ہر خفی از نور جانِ او جلی
۱۳۔ بر طریق مصطفیٰ محکم پے ۔۔۔ نغمہ عشق و محبت را نَے
۱۴۔ تربتش ایمان خاک شہر ما ۔۔۔ مشعل نور ہدایت بہر ما
۱۵۔ بر درِ او جبہ فرسا آسماں ۔۔۔ از مریدانش شہ ہندوستان
۱۶۔ شاہ تخم حرص در دل کاشتے ۔۔۔ قصد تسخیر ممالک داشتے
۱۷۔ از ہوس آتش بجاں افروختے ۔۔۔ تیغ را ''ھل من مزید'' آموختے
۱۸۔ در دکن ہنگامہ ہا بسیار بود ۔۔۔ لشکرش در عرصہ پیکار بود
۱۹۔ رفت پیش شیخ گردوں پایہ ے ۔۔۔ تا بگیرد از دعا سرمایہ ے

۱۲- حضرت شیخ میاں میرؒ ولی ایک ایسے صوفی بزرگ تھے جن کے نورِ جاں یعنی روحانی انوار کی بدولت معرفت کا ہر راز روشن/ واضح تھا۔ ان کے روحانی کمالات کا بیان ہے۔

۱۳- وہ شریعت محمدیؐ پر بڑے ثابت قدم تھے۔ وہ ایسی بانسری تھے جس سے عشق و محبت کے نغمے پھوٹتے تھے۔ ان کی حق پرستی اور انسان دوستی کی بات کی ہے۔

۱۴- ان کا مزار ہمارے شہر لاہور کی خاک کا اعتبار ہے یعنی باعث عزت و احترام و عظمت ہے۔ وہ مزار ہمارے لیے نورِ ہدایت کی مشعل ہے۔

۱۵- ان کی عظمت کا یہ حال ہے کہ آسمان بھی اپنی تمام تر رفعت اور بلندی کے باوجود ان کے در پر ماتھا رگڑنے والا یعنی تعظیم کرنے والا ہے۔ ہندوستان کا شہنشاہ ان کا مرید ہے۔ بہت باعظمت ولی تھے۔ شاہ جہاں ان کا مرید تھا۔

۱۶- بادشاہ حرص و ہوس کا بیج دل میں بوتا رہتا، یعنی دوسرے ملکوں کو فتح کرنے کا ارادہ کرتا رہتا۔

۱۷- اس ہوس اور لالچ کے نتیجے میں اس کی جان اضطراب اور بیقراری کا شکار رہتی۔ وہ اپنی تلوار کو ''کیا کچھ اور ہے'' کا سبق پڑھاتا رہتا۔ ہر وقت دوسرے ملکوں پر چڑھ دوڑنے کے چکر میں پڑا رہتا۔

۱۸- اودھر دکن میں بہت سی شورشیں برپا تھیں۔ بادشاہ کا لشکر میدان جنگ میں تھا۔

۱۹- چنانچہ ایک روز وہ (شاہ جہان) اس باعظمت شیخ (حضرت میاں میرؒ) کی خدمت میں پہنچا تاکہ وہ ان کی دعا (فتوحات وغیرہ کے سلسلے میں) حاصل کرے۔

۲۰- مسلم از دنیا سوے حق رم کند — از دعا تدبیر را محکم کند
۲۱- شیخ از گفتار شہ خاموش ماند — بزم درویشاں سراپا گوش ماند
۲۲- تا مریدِ سکۂ سیمیں بدست — لب کشود و مہر خاموشی شکست
۲۳- گفت "ایں نذر حقیر از من پذیر — اے ز حق آوارگاں را دستگیر
۲۴- غوطہ ہا زد در خوے محنت تنم — تا گرہ زد درہمے را دامنم

۲۰- مسلمان/ مردِ مومن تو دنیا کا خیال ترک کر کے حق کی طرف بڑھتا ہے۔ وہ اپنی تدبیر کو دعا سے محکم و مضبوط کرتا ہے یعنی مسلمان اگر کسی بزرگ سے دعا کا طالب ہوتا بھی ہے تو اس کے پیشِ نظر دنیا کا مفاد نہیں ہوتا' صرف حق تک رسائی اس کا مقصد ہوتی ہے۔

پہلے وہ تدبیر کرتا ہے، پھر دعا کا طالب ہوتا ہے۔ بقول ایک پنجابی صوفی شاعر کے:

مالی دا کم پانی پاناں بھر بھر مشکاں پاوے　　مولا دا کم پھل پھل لانا لاوے یا نہ لاوے

۲۱- شیخ (حضرت میاں میرؒ) بادشاہ کی باتیں سن کر خاموش رہے۔ درویشوں کی یہ محفل پوری طرح ان کی طرف کان لگائے رہی۔

۲۲- تا آنکہ ایک مرید نے، جس کے ہاتھ میں چاندی کا ایک سکہ تھا، خاموشی کی مہر توڑ دی (بول اٹھا)

۲۳- اس مرید نے کہا: ''حضرت یہ معمولی سی نذر مجھ سے قبول کیجیے کہ آپ حق کی تلاش میں سرگرداں لوگوں کا ہاتھ پکڑنے والے یعنی ان کی رہنمائی کرنے والے ہیں۔

۲۴- میرے جسم نے محنت کے پسینے میں غوطے لگائے تب کہیں یہ ایک درہم میری جھولی میں آیا۔

۲۵- گفت شیخ ''ایں زرحق سلطان ماست　　آں کہ در پیراہن شاہی گداست

۲۶- حکمرانِ مہر و ماہ و انجم است　　شاہ ما مفلس ترین مردم است

۲۷- دیدہ بر خوانِ اجانب دوخت است　　آتش جوعش جہانے سوخت است

۲۸- قحط و طاعوں تابع شمشیر او　　عالمے ویرانہ از تعمیر او

۲۹- خلق در فریاد از ناداریش　　از تہی دستی ضعیف آزاریش

۳۰- سطوتش اہل جہاں را دشمن است　　نوع انساں کارواں او رہزن است

۳۱- از خیال خود فریب و فکر خام　　می کند تاراج را تسخیر نام

۳۲- عسکر شاہی و افواج غنیم　　ہر دو از شمشیر جوع او دونیم

۳۳- آتش جانِ گدا جوع گدا ست　　جوع سلطاں ملک و ملت را فناست

۳۴- ہر کہ خنجر بہر غیر اللہ کشید　　تیغ او در سینہ او آرمید

۳۵- (ان تمام اشعار میں بادشاہ کے حوالے سے حضرت نے دنیادار بادشاہوں کی لوٹ مار، ظلم وستم اور غارت گری اور حرص وہوس وغیرہ کا نقشہ کھینچا ہے) شیخ نے فرمایا کہ یہ سکہ ہمارے سلطان کا حق ہے یعنی وہ اس کا مستحق ہے۔ وہ جس نے لباس تو شاہانہ پہن رکھا ہے لیکن حقیقت میں بھک منگا ہے۔

۳۶- ہمارا بادشاہ اگرچہ سورج، چاند اور ستاروں کا حکمران ہے لیکن (بے بیچارہ) سب سے زیادہ غریب یعنی اتنی وسیع سلطنت کا مالک ہونے کے باوجود حرص وہوس کا بری

طرح شکار ہے۔

۲۷- اس نے غیروں کے دسترخوان پر نظریں گاڑ رکھی ہیں۔ اس کی بھوک یعنی حرص و ہوس کی آگ نے ایک دنیا کو جلا ڈالا ہے۔ دوسرے ملکوں پر قبضہ جمانے کی خاطر لشکر کے ذریعے ایک طرح سے قتل و غارت گری کا سامان کرتا ہے۔

۲۸- خشک سالی اور طاعون جیسی بیماری بھی اس کی تلوار کے تابع ہے یعنی یہ چیزیں اتنا نقصان نہیں پہنچاتیں جتنا اس کی تلوار پہنچاتی ہے۔ اس کی فتوحات کے نتیجے میں ایک دنیا ویران ہو گئی ہے۔

۲۹- مخلوق خدا اس کی مفلسی اور کمزوروں کو آزار پہنچانے والی کنگالی کے ہاتھوں واویلا مچا رہی ہے۔ اتنی وسیع سلطنت اور بے پناہ دولت کے باوجود اس کی ہوس ایسی ہے جیسے وہ بھوکا ننگا ہو اور دولت و ملک کے حصول کے لیے بے گناہوں کو مار اور مروا رہا ہے۔

۳۰- اس کی شان و شوکت دنیا والوں کی دشمن ہے۔ بنی نوع انسان اگر قافلہ ہیں تو یہ لٹیرا / راہ مار ہے۔ وہی حرص و ہوس کی انتہا والی بات۔

۳۱- وہ خود کو دھوکا دینے والے خیال اور ناقص سوچ کی بنا پر لوٹ مار اور غارت گری کو فتوحات کا نام دیتا ہے۔

۳۲- شاہی فوج اور دشمن کی فوجیں سبھی اس کی بھوک / حرص و ہوس کی تلوار سے دو ٹکڑے ہیں یعنی وہ اس کے حرص کے نتیجے میں باہم لڑ کر قتل ہو رہی ہیں۔

۳۳- بھک منگے کی جان کو جلانے والی خود اس کی بھوک ہے، گویا بھک منگے کی بھوک صرف اس کی اپنی جان کی دشمن ہوتی ہے جبکہ سلطان کی بھوک ملک و ملت کو تباہ کر کے رکھ دیتی ہے۔ اصل گداگر اور سلطان کی صورت میں گداگر کا موازنہ کر کے سلطان کے ظلم و ستم اور غارت گری کی بات کی ہے۔

۳۴- جو کوئی بھی اللہ سے ہٹ کر کسی اور مقصد کی خاطر، یعنی دنیاوی مفادات کے لیے خنجر نکالتا ہے، یعنی جنگ کرتا ہے، اس کی تلوار خود اس کے اپنے سینے میں آرام کرتی ہے، گویا خود اس کی اپنی ہلاکت کا باعث بنتی ہے۔

اندرز میر نجات نقشبند المعروف بہ بابائے صحرائی کہ

برائے مسلمانانِ ہندوستان رقم فرمودہ است

(میر نجات نقشبند کی جو بابائے صحرائی کے نام سے معروف ہیں، نصیحت جو انہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے تحریر فرمائی ہے)

۱۔ اے کہ مثلِ گل ز گل بالیدہ ای	تو ہم از بطنِ خودی زائیدہ ای
۲۔ از خودی مگذر بقا انجام باش	قطرہ ے می باش و بحر آشام باش
۳۔ تو کہ از نورِ خودی تابندہ ای	گر خودی محکم کنی پایندہ ای
۴۔ سود در جیب ہمیں سوداستے	خواجگی از حفظ ایں کالاستے
۵۔ ہستی و از نیستی ترسیدہ ای	اے سرت گردم غلط فہمیدہ ای
۶۔ چوں خبردارم ز سازِ زندگی	باتو گویم چیست رازِ زندگی

۱۔ اے (مخاطب) تو جو پھول کی صورت خاک سے پھوٹا ہے یعنی تو نے نشو ونما پائی ہے تو بھی خودی ہی کے لیے پیٹ سے پیدا ہوا ہے یعنی انسان کا خمیر بھی پھول کی طرح مٹی سے اٹھا ہے اور پھول کی طرح نشو ونما پاتا ہے۔ خودی سے مراد خودی مطلق / انائے مطلق یا خدا ہے جس نے ذوق نمود میں اپنے اندر سے لاتعداد خودی کے مرکز پیدا کیے ہیں۔ اس لحاظ سے انسان کا وجود بھی ایسے ہی عمل کا نتیجہ ہے۔

۲۔ تو اپنی خودی مت چھوڑ، اس پر قائم رہ اور اس طرح خود کو ایسا بنالے جس کا خاتمہ بقا پر ہو یعنی دوام حاصل کرلے تو ایک قطرہ بن جا اور سمندر پی جانے والا بن جا۔ (خودی سے متعلق کئی دفعہ وضاحت ہو چکی ہے) قطرہ سے مراد ایک عام انسان کسی لیکن خودی کے زور پر عظیم کارنامے انجام دے کر اپنی بقا کا سامان کرلے۔

۳۔ تو جو خودی کے نور سے منور ہے۔ اگر تو اپنی خودی کو مضبوط کرلے تو تجھے حیات جاوید حاصل ہو جائے۔

۴۔ اسی سودے کی جیب میں منافع ہے۔ امیری / امارت اسی سامانِ تجارت کی حفاظت کی وجہ سے ہے، استعارے میں وہی بات جو پہلے کہی ہے۔

۵۔ تو تو زندہ ہے (تیرا وجود قائم ہے) لیکن تو نیستی / عدم ہونے سے ڈر گیا ہے۔ میں

تیرے صدقے جاؤں تو نے غلط سمجھا ہے۔ مطلب یہ کہ تیری اصل زندگی تیرے عظیم کارناموں سے ہے، جسمانی زندگی تو بہرحال ختم ہو جائے گی لیکن عظیم کارنامے تجھے زندہ رکھیں گے۔ اس لیے موت سے مت ڈر۔

۶- چونکہ مجھے زندگی کے ساز یعنی راز سے آگاہی ہے۔ اس لیے میں تجھے بتاتا ہوں کہ زندگی کی حقیقت کیا ہے۔

۷- غوطہ در خود صورت گوہر زدن — پس ز خلوت گاہِ خود سر برزدن

۸- زیرِ خاکستر شرار اندوختن — شعلہ گردیدن، نظر ہا سوختن

۹- خانہ سوز محنت چہل سالہ شو — طوفِ خود کن شعلہ جوالہ شو

۱۰- زندگی از طوفِ دیگر رستن است — خویش را بیت الحرم دانستن است

۱۱- پر زن و از جذبِ خاک آزاد باش — ہم چو طائر ایمن از افتاد باش

۱۲- تو اگر طائر نہ ای اے ہوشمند — برسرِ غار آشیان خود مبند

۷- (حقیقت یہ ہے کہ) پہلے موتی کی طرح اپنی ذات/خودی میں غوطہ لگانا اور پھر اپنی خلوت گاہ/تنہائی سے سر باہر نکالنا ہے۔ موتی پہلے سیپ کے اندر ایک قطرہ ہوتا ہے۔ پھر وہ موتی بن جاتا ہے۔ یہ گویا اپنی خودی میں غوطہ لگانا ہے۔ ان تمام اشعار میں مختلف استعاروں سے اور خودی کے حوالے سے زندگی کے اصل مقصد کی عکاسی کی گئی ہے گویا:

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی

مضبوط خودی کے ساتھ باہر آنے سے انسان اہل دنیا کی نظروں میں عزیز و معتبر ٹھہرے گا۔

۸- راکھ کے نیچے چنگاریاں جمع کرنا، شعلے کی صورت اختیار کر لینا، دیکھنے والوں کی نظریں جلا ڈالنا (زندگی کا راز ہے) یعنی پہلے انسان خود میں تھوڑی تھوڑی قوت پیدا کرے اور پھر مکمل قوت سے باطل اور ظالم قوتوں کو جلا کر راکھ کر دے/تباہ کر دے۔

۹- تو چالیس سالہ محنت کا گھر پھونکنے والا بن جا۔ اپنے گرد طواف کر یعنی اپنی خودی میں محو ہو جا، بھڑکنے اور اچھلنے والا شعلہ بن جا۔ مطلب یہ کہ غلامی کی طویل عرصے کی صعوبت سے نجات پانے کے لیے اپنی خودی سے پوری طرح آشنا ہو کر اسے مضبوط کر لے اور ایسی تکلیفوں صعوبتوں سے رہائی پا لے۔

۱۰۔ زندگی نام ہے دوسروں کے گرد طواف کرنے سے نجات پانے کا اور اپنی ذات ہی کو کعبہ/ بیت الحرم جاننے کا یعنی خودی کو مضبوط کر کے دوسروں یا دوسری قوموں کی غلامی سے نجات پا جا۔

۱۱۔ تو پر مار/ اڑ اور خاک کی کشش سے آزاد ہو جا اور یوں پرندے کی طرح گرنے سے محفوظ ہو جا یعنی اس جسم کے مٹنے کے خوف سے بے نیاز ہو جا اور اعلیٰ مقصد لے کر آگے بڑھ تو موت تیرا کچھ نہ بگاڑ سکے گی۔ تجھے مضبوط خودی کے باعث حیات جاوید حاصل ہو جائے گی۔

۱۲۔ اے صاحب عقل و دانش اگر تو پرندہ نہیں ہے تو پھر غار کے منہ پر اپنا گھونسلا نہ بنا یعنی اگر تو صاحب خودی نہیں ہے، تجھ میں ہمت و حوصلہ اور جوش و جذبہ نہیں ہے تو خود کو تباہی میں نہ دھکیل۔

۱۳۔ اے کہ باشی در پے کسب علوم — با تو می گویم پیام پیر رومؒ
۱۴۔ ''علم را برتن زنی مارے بود — علم رابر دل زنی یارے بود''
۱۵۔ آگہی از قصہ اخوند روم — آں کہ داد اندر حلب درس علوم
۱۶۔ پائے در زنجیر توجیہات عقل — کشتیش طوفانی ''ظلمات'' عقل
۱۷۔ موسیٰ ے بیگانہ سینائے عشق — بے خبر از عشق و از سودائے عشق
۱۸۔ از تشکک گفت و از اشراق گفت — وز حکم صد گوہر تابندہ سفت
۱۹۔ عقدہائے قول مشائیں کشود — نور فکرش ہر خفی را وا نمود
۲۰۔ گرد و پیشش بود انبار کتب — برلب او شرح اسرار کتب

۱۳۔ تو جو علوم حاصل کرنے میں مصروف ہے، میں تجھے مرشد رومؒ کا پیغام سناتا ہوں جو یوں ہے کہ

۱۴۔ اگر تو علم سے تن پروری کا کام لے گا تو یہ تیرے لیے ایک سانپ کی مانند ہوگا (جو تجھے ڈسنے والا ہے گا) اور اگر تو علم کو دل کی اصلاح کے کام میں لائے گا تو یہ تیرے لیے ایک سچا رفیق ہوگا۔ دنیوی مفاد کی خاطر حصول علم نقصان دہ جبکہ دوسری صورت میں وہ قلب و روح کی اصلاح کرے گا۔

۱۵۔ تو روم کے مُلّا (رومی) کے قصے سے تو واقف ہے، وہ جو حلب کے شہر میں مختلف علوم کا درس دیا کرتے تھے۔

۱۶۔ ان کے پاؤں عقل کے استدلالات (موشگافیوں) کی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے اور ان کی کشتی فلسفہ کی تاریکیوں کے طوفان میں تھپیڑے کھاتی رہتی تھی یعنی وہ شروع شروع میں فلسفہ اور علوم عقلی کا درس دیا کرتے تھے، روحانیت سے دور تھے۔

۱۷۔ وہ ایک ایسے موسیٰ تھے جو عشق کے طورِ سینا سے بے خبر تھے۔ وہ عشق سے اور عشق کے جنون سے بے خبر تھے۔

۱۸۔ وہ تشکک اور اشراق ایسے نظریات پر درس دیا کرتے اور حکمت و فلسفہ کے بارے میں سینکڑوں موتی پروتے۔ ان کا سارا زورِ تدریس فلسفہ پر ہوتا۔

۱۹۔ مولانا نے مشائین کے افکار و نظریات کی گتھیاں سلجھائیں (سلجھاتے رہتے) ان کے فکر کے نور نے ہر پوشیدہ معنی کو ظاہر کر دیا یعنی ان کی فکر بڑی تابناک تھی۔

۲۰۔ ان کے ارد گرد اور سامنے کتابوں کے ڈھیر لگے رہتے اور ان کے ہونٹوں/زبان پر کتابوں کے معانی کی تشریح ہوتی۔ رومیؒ کی وسعت مطالعہ اور علم سے ان کی بے پناہ لگن کی بات کی ہے۔

۲۱۔ پیرِ تبریزی ز ارشادِ کمال / جست راہِ مکتبِ ملّا جلال
۲۲۔ گفت "ایں غوغا و قیل و قال چیست؟ / ایں قیاس و وہم و استدلال چیست؟
۲۳۔ مولوی فرمود "ناداں لب بہ بند / بر مقالاتِ خرد منداں مخند
۲۴۔ پائے خویش از مکتبم بیروں گذار / قیل و قال است ایں ترا باوے چہ کار؟
۲۵۔ قالِ ما از فہمِ تو بالا تر است / شیشۂ ادراک را روشن گر است"
۲۶۔ سوزِ شمس از گفتۂ ملا فزود / آتشے از جانِ تبریزی کشود
۲۷۔ بر زمیں برقِ نگاہِ او فتاد / خاک از سوزِ دمِ او شعلہ زاد
۲۸۔ آتشِ دل خرمنِ ادراک سوخت / دفترِ آں فلسفی را پاک سوخت

۲۱۔ شمس تبریزیؒ نے اپنے مرشد کمال الدین کے ایما پر مولانا جلال (رومیؒ) کے مدرسے کا پتا چلا لیا جہاں وہ درس دیا کرتے تھے۔ شمس وہاں پہنچ گئے۔

۲۲۔ وہاں انہوں نے رومی سے کہا: بھئی یہ سب شور و غوغا اور بحث مباحثہ کیا ہے؟ یہ منطقیانہ اصلاحات قیاس، وہم اور استدلال، جن کے حوالے سے یہ بحثیں ہو رہی ہیں، سب کیا ہیں؟

۲۳۔ مولانا روم نے جواب میں فرمایا: او نادان منہ بند رکھ (خاموش ہو جا) تو اہلِ خرد کی

باتوں کا مذاق مت اڑا۔

۲۴- تو میرے مدرسے سے نکل جا۔ یہ بحث مباحثہ ہے، تجھے اس سے کیا واسطہ؟

۲۵- ہماری بحث و گفتگو تیری سمجھ سے بالکل باہر ہے۔ یہ قیل و قال اور ادراک کے شیشے کو چمکانے والی ہے۔ اس بحث مباحثے سے عقل و شعور اور فہم میں اضافہ ہوتا ہے۔

۲۶- شمس نے جو یہ جواب سنا تو ان کی گرمی (غصہ) بڑھ گئی۔ ان کی جان میں دبی ہوئی آگ باہر شعلہ زن ہو گئی۔

۲۷- چنانچہ زمین پر ان کی نگاہ کی بجلی گری اور ان کی پھونک / دم سے مٹی، آگ کی صورت اختیار کر گئی۔ یہ ان کی کرامت تھی۔ انہوں نے جوش جذبہ اور غصے میں زمین پر نگاہ ڈالی جس سے یہ صورت پیدا ہو گئی۔

۲۸- دل کی آگ (جوش و جذبہ عشق) نے ادراک (عقل و فلسفہ) کا کھلیان جلا ڈالا۔ اس آگ نے اس فلسفی (مولانا رومؒ کی کتابوں کا ڈھیر جلا کر راکھ کر ڈالا)

۲۹- مولوی بیگانہ از اعجاز عشق ناشناس نغمہائے ساز عشق

۳۰- گفت: "ایں آتش چساں افروختی دفتر ارباب حکمت سوختی"

۳۱- گفت شیخ: "اے مسلم زنار دار ذوق و حال است ایں ترا باوے چکار

۳۲- حال ما از فکر تو بالاتر است شعلہ ما کیمیائے احمر است

۳۳- ساختی از برف حکمت ساز و برگ از سحاب فکر تو بارد تگرگ

۳۴- آتشے افروز از خاشاک خویش شعلہ ے تعمیر کن از خاک خویش

۳۵- علم مسلم کامل از سوز دل است معنی اسلام ترک آفل است

۳۶- چوں زبند آفل ابراہیمؑ رست درمیانِ شعلہ ہا نیکو نشست

۲۹-۳۰: مولوی رومیؒ جو عشق کی کرامت سے بے خبر اور عشق کے ساز کے نغموں سے ناواقف تھے، بولے: "تو نے یہ آگ کس طرح جلائی ہے، تو نے تو اہل حکمت و فلسفہ کی کتابیں جلا ڈالی ہیں۔"

۳۱- شیخ بولے: اے بظاہر مسلم لیکن عملاً مشرک، یہ جذبہ عشق حقیقی کا ذوق و وجد ہے یعنی اس عشق کے نتیجے میں یہ کرامت ملی ہے، تجھے اس سے کیا واسطہ؟ رومی والے انداز میں بات کی۔ مطلب یہ کہ اس عمل کو سمجھنا تیرے بس کی بات نہیں۔

۳۲- ہمارا ذوق و وجد / حال تیری سمجھ سے باہر ہے، ہمارا شعلہ سرخ کیمیا (پارس پتھر) ہے

یعنی وجد و حال یا عشق و جذبہ انسان کو سونا بنا دیتا یعنی ایسے مقام پر پہنچا دیتا ہے جس تک عقل کی رسائی ممکن نہیں۔

۳۳۔ تو نے فلسفہ و حکمت کی برف سے اپنا ساز و سامان تیار کیا ہے۔ تیری فکر کے بادلوں سے تو اولے برس رہے ہیں۔ گویا فلسفہ و حکمت سوز و تپش سے جو عشق کی علامت ہے، عاری ہے۔

۳۴۔ تو (رومی) اپنی خاشاک سے عشق و جذبہ کی کوئی آگ بھڑکا۔ اپنی خاک سے کوئی شعلہ اٹھا۔ خود کو عشق حق کی طرف لا۔ عشق حقیقی اختیار کر تا کہ تجھ میں سوز و جذبہ اور وجد و حال پیدا ہو۔

۳۵۔ مومن کا علم تو دل کی حرارت و تپش ہی سے مکمل ہوتا ہے۔ اسلام کے معنی ہیں غروب ہو جانے والوں سے دور رہنا یا انہیں ترک کر دینا ہے یعنی اسلام میں شرک کسی صورت میں بھی پسندیدہ نہیں ہے (فرہنگ دیکھیے)

۳۶۔ جب حضرت ابراہیم نے اسی آفل (غروب ہو جانے والوں) سے نجات پالی تو وہ آتش نمرود میں بڑے اطمینان سے بیٹھ گئے یعنی صرف خدا کو حاکم و معبود مطلق جاننے کے باعث مومن بڑی بڑی باطل قوتوں سے ٹکر لینے سے نہیں ڈرتا اور ان قوتوں سے پہنچنے والے مصائب و آلام اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے یا وہ ان کی پروا نہیں کرتا۔

۳۷۔ علم حق را در قفا انداختی — بہر نانے نقد دیں در باختی

۳۸۔ گرم رو در جستجوے سرمہ ای — واقف از چشم سیاہ خود نہ ای

۳۹۔ آب حیواں از دم خنجر طلب — از دہانِ اژدہا کوثر طلب

۴۰۔ سنگ اسود از در بتخانہ خواہ — نافہ مشک از سگ دیوانہ خواہ

۴۱۔ سوز عشق از دانش حاضر مجوے — کیف حق از جام ایں کافر مجوے

۴۲۔ مدتے محو تگ و دو بودہ ام — رازدانِ دانش تو بودہ ام

۴۳۔ باغباناں امتحانم کردہ اند — محرم ایں گلستانم کردہ اند

۴۴۔ گلستانے لالہ زار عبرتے — چوں گل کاغذ سراب نکہتے

۴۵۔ تا زبند ایں گلستاں رستہ ام — آشیاں برشاخ طوبیٰ بستہ ام

۳۷۔ تو نے (اے مخاطب) علم حق سے بے اعتنائی برت رکھی ہے اور محض ایک روٹی کی خاطر تو دین کی نقدی بازی پر لگا بیٹھا ہے (یہ علامہ کی طرف سے خطاب ہے) علم کا

مقصد تو معرفت الٰہی ہے لیکن مغرب کے نظام تعلیم نے حصول رزق کی خاطر در در کی ٹھوکریں کھانے پر ہمیں لگا رکھا ہے۔ ہم پڑھ لکھ کر ملازمتوں کے لیے بھاگ دوڑ میں لگے رہتے ہیں۔

۳۸- تو سرمے کی تلاش میں تیز رفتاری سے چل رہا ہے لیکن اپنی چشم سیاہ سے واقف نہیں ہے۔ سرمہ یعنی دور حاضر کے علوم وفنون، سیاہ آنکھیں یعنی علم دین یا علم حق۔ تو دوسروں کا مرہونِ منت ہو رہا ہے جبکہ خود اللہ تعالیٰ نے تجھے اس دولت سے نوازا ہے۔

۳۹-۴۰: تو آب حیات خنجر کی دھار سے طلب کر اور اژدھا کے منہ سے کوثر کا خواہاں ہو۔ سنگ اسود بت خانے کے دروازے سے لے اور مشک کا نافہ پاگل کتے سے حاصل کر۔ یہ ایک طرح سے طنزیہ انداز ہے، مطلب یہ ہے کہ کیا ایسی چیزیں اس طور حاصل ہو سکتی ہیں یعنی ایسا ناممکن ہے۔ گویا جدید دور کے علوم وفنون انسان کو انسانیت کی صحیح راہ دکھانے کی بجائے الٹا اس کے اندر کے انسان کا گلا گھونٹ دیتے ہیں، اسے سوز دروں اور عشق حق کی دولت سے محروم کر دیتے ہیں۔ علامہ ہی کے بقول:

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا ... کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الا اللہ

۴۱- دور حاضر کے علوم وفنون میں سوز حق کی جستجو نہ کر، حق کے سرور کی اس کافر کے جام سے توقع مت رکھ۔

۴۲- میں (علامہ) ایک عرصے تک دوڑ دھوپ میں رہا ہوں، میں نے دور حاضر کے علوم و فنون کو بڑے قریب سے دیکھا، جانا ہے۔

۴۳- باغبانوں نے مجھے جانچا پرکھا ہے اور مجھے اس گلستاں کا رازداں بنایا ہے۔ ان اشعار میں علامہ نے ذاتی تجربات کے حوالے سے بات کی ہے۔ انہوں نے یورپ میں جو وقت گزارا اس میں مغربی علوم اور تہذیب و معاشرت کا بڑا قریب سے مشاہدہ کیا ہے۔ باغبانوں سے مراد وہ استاد ہیں جو ان علوم کی تدریس کرتے تھے۔ گلستان کا رازدان بنانے سے مراد ہے، ان علوم کی باریکیوں وغیرہ سے آگاہ کرنا۔

۴۴- (عہد حاضر کے علوم وفنون کا) گلستان ایک ایسا گلستان ہے جو عبرت کا ایک لالہ زار ہے، یعنی سراپا عبرت و نصیحت ہے۔ اس کی کیفیت کاغذ کے پھول کی سی ہے، یعنی خوشبو سے عاری اور خوش بو کا محض ایک فریب۔

۴۵- جب سے میں اس گلستان کی قید سے رہا ہوا ہوں، میں نے طوبیٰ کی شاخ پر اپنا آشیانہ بنالیا ہے یعنی ان علوم وفنون کے اثر سے آزاد یا پاک ہوگیا ہوں۔ جب سے میرا دل عشق اور سوز درد سے سرشار و سرمست ہوا ہے، ان علوم کی بے مائیگی اور ان کا بودا پن مجھ پر کھل گیا ہے۔

۴۶- دانشِ حاضر حجابِ اکبر است — بت پرست و بت فروش و بت گر است
۴۷- پا بزندانِ مظاہر بستہ ے — از حدودِ حس بروں ناجستہ ے
۴۸- در صراطِ زندگی از پا فتاد — برگلوے خویشتن خنجر نہاد
۴۹- آتشے دارد مثالِ لالہ سرد — شعلہ اے دارد مثالِ ژالہ سرد
۵۰- فطرتش از سوزِ عشق آزاد ماند — در جہانِ جستجو ناشاد ماند
۵۱- عشق افلاطونِ علتہائے عقل — بہ شود از نشترش سودائے عقل
۵۲- جملہ عالم ساجد و مسجودِ عشق — سومناتِ عقل را محمودِ عشق
۵۳- ایں مے دیرینہ در میناش نیست — شورِ "یارب" قسمتِ شبہاش نیست

۴۶- موجودہ دور کے علوم وفنون بہت بڑا پردہ ہیں۔ یہ علوم وفنون بت پرست ہیں۔ بت فروش اور بت تراش ہیں۔ مراد یہ کہ یہ علوم وفنون انسان کے قلب و روح کی تربیت کی بجائے الٹا انہیں بے حس بنا دیتے اور مادیت کی طرف دھکیل دیتے ہیں۔ گویا انہیں روشنی پہنچانے کی بجائے تاریکی میں ڈبوئے رکھتے ہیں۔ ان اشعار میں مذکورہ علوم پر تنقید ہے۔

۴۷- دانش حاضر کی حالت ایسی ہے کہ یہ مظاہر کے قید خانے میں مقید ہے اور محسوسات کی حدود سے باہر نکلنے سے قاصر ہے۔ مراد یہ کہ علوم بہت محدود ہیں اور مادیت سے باہر نکلنے اور عشق کی سی بے پایاں وسعت حاصل کرنے سے عاری ہیں۔

۴۸- یہ زندگی کے راستے میں چلنے سے عاجز ہیں۔ ان علوم نے اپنے ہی گلے پر خنجر رکھ لیا ہے۔ یہ علوم زندگی کی حقیقت (جس کا تعلق عشق حقیقی سے ہے) کو جاننے اور اس تک پہنچنے سے قاصر ہیں۔ چونکہ یہ مادیت پر زور دیتے ہیں اور مادیت کو فنا ہے، اس لیے انہوں نے گویا خود کو ہلاک کرنے کا سامان کر رکھا ہے۔

۴۹- ان میں جو آگ ہے وہ لالہ کے پھول کے رنگ کی طرح سرخ تو ہے لیکن گرمی/تپش سے خالی ہے۔ اس کا شعلہ اولے کی طرح سرد ہے یعنی ان میں عشق و جذبہ کی وہ

کیفیت و سرمستی نہیں ہے، وہ سوز و گرمی نہیں ہے جو انسان کو عظیم کارنامے انجام دینے اور یوں بقا حاصل کرنے پر آمادہ کر سکے۔

۵۰- اس کی فطرت عشق کی تپش سے محروم رہی، وہ (فطرت) جستجو کی دنیا میں ناخوش رہی۔ گویا وہ (علوم) انسان میں عقل تو پیدا کرتے ہیں لیکن ایسی عقل جو عشق کے بغیر محدود اور اس مقام تک پہنچانے سے عاجز ہے جس تک عشق پہنچا دیتا ہے، بقول علامہ

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق　　عقل ہے محو تماشائے لبِ بام ابھی

۵۱- عشق، عقل کی بیماریوں کا علاج کرنے والا طبیب (افلاطون) ہے۔ اس کے نشتر سے عقل کا جنون ٹھیک ہو جاتا ہے۔ اس میں رومیؒ کے ان اشعار سے استفادہ کیا گیا ہے:

شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما　　اے طبیبِ جملہ علت ہائے ما

اے دوائے نخوت و ناموسِ ما　　اے تو افلاطون و جالینوسِ ما

گویا محض عقل انسان کو عظمتوں تک نہیں پہنچا سکتی۔ اس کی خامیاں وغیرہ عشق ہی سے دور ہو سکتی ہیں۔

۵۲- تمام کائنات سجدہ کرنے والی اور عشق اس کا مسجود ہے۔ عقل کے سومنات (قلعہ، مندر) کا فاتح (محمود) عشق ہے یعنی عشق کی بدولت اس کائنات کو تسخیر کیا جا سکتا ہے۔ یہ (عشق) عقل کے تمام بتوں کو توڑ سکتا یعنی اس کی خامیاں دور کر سکتا ہے۔

۵۳- یہ پرانی شراب (عشق) دانشِ حاضر کی صراحی میں نہیں ہے۔ ''یارب'' کا شور اس کی راتوں کے مقدر میں نہیں ہے۔ عشق ہی انسان کو اس معبودِ مطلق کے حضور گڑگڑانے اور راتوں کو اسے یاد کرنے پر آمادہ کرتا ہے جس کی بدولت وہ بڑی قوتوں کا مالک بن جاتا اور باطل قوتوں سے بے خوف ہو جاتا ہے جبکہ عقل اس جوش و جذبہ سے عاری ہے۔

۵۴- قیمتِ شمشادِ خود نشناختی　　سروِ دیگر را بلند انداختی

۵۵- مثلِ نے خود را ز خود کردی تہی　　بر نوائے دیگراں دل می نہی

۵۶- اے گدائے ریزہ اے از خوانِ غیر　　جنسِ خود می جوئی از دکانِ غیر

۵۷- بزمِ مسلم از چراغِ غیر سوخت　　مسجدِ او از شرارِ دیر سوخت

۵۸- از سوادِ کعبہ چوں آہو رمید　　ناوکِ صیاد پہلویش درید

۵۹- شد پریشاں برگِ گل چوں بوئے خویش　　اے زخود رم کردہ باز آ سوئے خویش

۶۰۔ اے امین حکمت ام الکتاب   وحدت گم گشتۂ خود بازیاب

۵۴۔ (اے ملت اسلامیہ) تو نے اپنے شمشاد یعنی علوم وفنون کی قدر نہ جانی اور دوسروں کے سرو (علوم وفنون) کو برتر و بالا سمجھ لیا۔

۵۵۔ تو نے بانسری کی طرح خود کو اپنے آپ سے خالی کر لیا اور اب دوسروں کے نغمے سے دل لگائے ہوئے ہے۔ وہی مطلب کہ تو نے عظمت و افادیت سے پر علوم سے بے اعتنائی برتی اور دانش حاضر کی ظاہری چکا چوند سے متاثر ہو کر اپنے شاندار ماضی کو بھلا دیا۔

۵۶۔ اے دوسروں کے دستر خوان سے ایک ٹکڑے کی بھیک مانگنے والے (مسلم، ملت اسلامیہ) تو اپنا تیار کردہ مال دوسروں کی دکان میں تلاش کر رہا ہے۔ نئے استعارے میں وہی بات۔ حالانکہ یورپ نے ہمارے علوم سے استفادہ کر کے اپنا دورِ جہالت (Dark Ages) ختم کر لیا۔ علامہ ہی کے بقول:

وہ موتی علم کے، یعنی کتابیں اپنے آبا کی   جو دیکھیں جا کے یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ

۵۷۔ مسلمان کی محفل غیروں کے چراغ سے جل گئی۔ اس کی مسجد، بت خانے کی چنگاری سے جل گئی۔ نئے استعارے میں وہی بات۔

۵۸۔ حرم کی حدود سے جب ہرن بھاگ اٹھا تو شکاری کے تیر نے اس کا پہلو چیر ڈالا۔ گویا مسلمان اپنے مرکز سے کٹ گئے اور اسلام کی تعلیمات سے دور ہو گئے جس کے نتیجے میں دوسری قوموں کو مسلمانوں کو تباہ کرنے کا موقع مل گیا۔

۵۹۔ پھول کی پتیاں اپنی خوشبو کی طرح منتشر ہو گئیں/بکھیل گئیں۔ اے اپنے آپ سے بھاگے ہوئے لوٹ آ یعنی ملت اسلامیہ نے اپنی ذات کو بھلا دیا، اپنے مرکز اور ماضی سے کٹ گئی جو گویا اپنے آپ سے بھاگنا ہے۔ علامہ نے امت کو تلقین کی ہے کہ وہ پھر سے اپنے مرکز و ماضی کا دامن تھامے، اسلام سے وابستہ اور اسلامی احکام پر کاربند رہے۔

۶۰۔ اے قرآن کریم کی حکمت کے رکھوالے تو اپنی گمشدہ وحدت کو پھر سے پالے/ حاصل کر لے۔ قرآن کریم کی تعلیمات پر پھر سے عمل کرنے کی تلقین ہے۔ قرآن کریم کی حکمت یہی ہے کہ "اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور گروہوں، فرقوں میں مت بٹو کہیں تمہاری ہوا اکھڑ جائے۔" (سورہ آل عمران، آیہ ۱۰۳، نیز ۱۰۵) اسی وحدت

پر عمل پیرا ہو کر مسلمان دنیا و آخرت میں سرخرو ٹھہرے۔

۶۱۔ ما کہ دربانِ حصارِ ملتیم ‏ کافر از ترکِ شعارِ ملتیم

۶۲۔ ساقیِ دیرینہ را ساغر شکست ‏ بزمِ رندانِ حجازی برشکست

۶۳۔ کعبہ آباد است از اصنامِ ما ‏ خندہ زن کفر است بر اسلامِ ما

۶۴۔ شیخ در عشقِ بتاں اسلام باخت ‏ رشتۂ تسبیح از زنار ساخت

۶۵۔ پیرہا پیر از بیاضِ مو شدند ‏ سخرۂ بہرِ کودکانِ کو شدند

۶۶۔ دل ز نقشِ لا الٰہ بیگانہ ‏ از صنم ہائے ہوس بت خانہ ‏

۶۱۔ ہم جو ملت کے قلعہ کے دربان/محافظ ہیں، ہم نے ملت کے آداب و شعائر ترک کر کے خود کو گویا کافر بنا لیا ہے یعنی ہم نے قرآنی تعلیمات پر عمل نہیں کیا اور یوں انتشار و افتراق کا شکار ہو کر خود کو ذلیل و خوار کر لیا ہے جو دوسرے لفظوں میں خود کو کافر بنانے کے مترادف ہے۔

۶۲۔ قدیم ساقی کا جام ٹوٹ گیا اور حجازی رندوں کی محفل درہم برہم ہو گئی یعنی مسلمانوں کی پہلی سی وحدت اور یکجہتی نہ رہی (نیز فرہنگ دیکھیے)

۶۳۔ کعبہ ہمارے بتوں سے آباد ہے اور کفر ہمارے اسلام کا مذاق اڑا رہا ہے۔ اسلام سے پہلے کعبہ بتوں کا گھر تھا۔ ہر قبیلے کے اپنے بت تھے۔ پہلے مصرعے سے مراد یہ ہے کہ ہم نے چھوٹے فقہی اور نسلی اختلافات کی بنا پر خود میں افتراق پیدا کر لیا اور ہم مسلمان بعد میں اور حنبلی، شافعی، مالکی اور حنفی وغیرہ پہلے ہیں۔ یہ گویا بتوں ہی کی قسمیں ہیں۔ علامہ ہی کے بقول:

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو ‏ تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟

دوسرے مصرعے سے مراد ہے کہ ہمارے مقابلے میں ''الکفر ملت واحد'' (کفر ایک جماعت کی صورت ہے) جبکہ ہم ایک جماعت ہوتے ہوئے کئی جماعتوں میں بٹے ہوئے ہیں۔

۶۴۔ شیخ بتوں کے عشق میں اسلام ہی سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے۔ اس نے زنار سے تسبیح کے دھاگے کا کام لیا ہے۔ مراد یہ کہ مذہبی رہنماؤں نے مسلمانوں میں صحیح اسلامی روح و جذبہ پیدا کرنے اور انہیں یک جہتی و یگانگت کا درس دینے کی بجائے ''اپنی اپنی ڈفلی اپنا اپنا راگ'' کے مطابق ان گروہوں میں تقسیم کر دیا تا کہ ان کے حلوے مانڈے کا چکر

چھتار ہے۔ نیز غیروں کے شعائر کو اسلامی تعلیمات کا نام دے کر ان کی ترویج کی۔

۶۵- بوڑھے محض بالوں کی سفیدی کے باعث بزرگ ٹھہرے، محلے کے بچوں/لڑکوں کے لیے وہ مذاق بن گئے۔ بوڑھوں کا کام ہے کہ وہ اپنے تجربوں اور مشاہدوں کی روشنی میں اپنے علاقے کی نئی نسل کی تربیت و رہنمائی اسلامی خطوط پر کریں تاکہ وہ معاشرے کے بہترین افراد کی حامل بنے لیکن وہ خود اس جوہر سے خالی ہیں، دوسروں کی کیا تربیت کریں گے۔ نتیجہ یہ ہے کہ نوجوان نسل ان کا احترام کرنے کی بجائے ان کا مذاق اڑاتی ہے۔

۶۶- دل "لاالٰہ" کی تحریر سے عاری اور ہوس کے بتوں کا ٹھکانا بنا ہوا ہے یعنی ہم صرف اس ذات اقدس کو معبود مطلق ماننے کی بجائے حرص و ہوس میں ڈوبے ہوئے اور صرف دنیاوی مفادات کے حصول میں بھاگ دوڑ رہے ہیں۔ ہماری یہ خواہشات گویا ہمارے لیے بت ہیں جن کی پرستش میں ہم ہر وقت مصروف رہتے ہیں۔

۶۷-	می شود ہر مو درازے خرقہ پوش	آہ ازیں سوداگرانِ دیں فروش
۶۸-	با مریداں روز و شب اندر سفر	از ضرورت ہائے ملت بے خبر
۶۹-	دیدہ ہا بے نور مثل نرگس اند	سینہ ہا از دولت دل مفلس اند
۷۰-	واعظاں ہم صوفیاں منصب پرست	اعتبار ملت بیضا شکست
۷۱-	واعظ ما چشم بربت خانہ دوخت	مفتی دین مبیں فتویٰ فروخت
۷۱-	چیست یاراں بعد ازیں تدبیر ما	رخ سوے میخانہ دارد پیر ما

۶۷- ہر لمبے بالوں والا گدڑی پوش یعنی صوفی بن بیٹھتا ہے۔ ان دین فروش سوداگروں کی حالت قابل افسوس ہے۔ نام نہاد صوفیا اور ان کے غیر اسلامی طرز عمل پر دکھ کا اظہار کیا گیا ہے۔ وہ لوگوں کی جہالت سے فائدہ اٹھاتے اور خوب گل چھرے اڑاتے ہیں۔ ان کا یہ کردار دین فروشی کا عکاس ہے۔

۶۸- یہ نام نہاد صوفیا شب و روز مریدوں کے ساتھ سفر میں رہتے ہیں۔ ملت کے مسائل کیا ہیں، اس کی انہیں کچھ خبر نہیں۔ وہ اپنے ذاتی مفادات کے حصول ہی میں لگے رہتے ہیں، ملت یا ملت کے مسائل سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں۔

۶۹- ان کی نگاہیں نرگس کے پھول کی مانند بے نور ہیں (نرگس کی شکل آنکھ جیسی ہوتی ہے) اور ان کے سینے دل کی دولت کے معاملے میں کنگال ہیں۔ عشق حقیقی ان کے قریب

بھی نہیں پھٹکا، یہی وجہ ہے کہ ان کی آنکھوں میں وہ چمک اور کشش نہیں ہے جو ایک صحیح اللہ والے کی خاصیت ہے۔

۷۰۔ کیا واعظ اور کیا صوفی، سبھی منصب کے بھوکے ہیں۔ ان لوگوں کی ان حرکتوں سے ملت اسلامیہ کا وقار خاک میں مل گیا ہے۔

۷۱۔ ہمارے واعظ نے نظریں بت خانے پر جمادیں جبکہ دین اسلام کے مفتی نے فتوے فروخت کیے یعنی اللہ کی طرف توجہ کرنے اور اس سے کچھ مانگنے کی بجائے اپنے مغربی آقاؤں سے مانگتے رہے۔ (نیز فرہنگ دیکھیے)

۷۲۔ دوستو! اب اس کے بعد ہمارے لیے کیا چارہ کار ہے کہ ہمارے پیر صاحب کا رخ تو شراب خانے کی طرف ہے۔ مطلب یہ کہ ہمارے مذہبی پیشوا اور رہنما جب ملت سے بے تعلق ہیں تو پھر کون اس کی دست گیری کرے گا۔ یہ شعر حافظ شیرازی کے اس شعر کی بدلی ہوئی صورت ہے:

دوش از مسجد سوے میخانہ آمد پیر ما — چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما

الوقت سیف

(وقت تلوار ہے)

۱۔ سبز بادا خاک پاک شافعیؒ — عالمے سرخوش ز تاک شافعیؒ
۲۔ فکر او کوکب ز گردوں چیدہ است — سیف براں وقت را نامیدہ است
۳۔ من چہ گویم سر ایں شمشیر چیست — آب او سرمایہ دار از زندگیست
۴۔ صاحبش بالاتر از امید و بیم — دست او بیضا تراز دست کلیمؑ
۵۔ سنگ از یک ضربت او ترشود — بحر از محرومی نم بر شود
۶۔ در کف موسیٰ ہمیں شمشیر بود — کار او بالاتر از تدبیر بود
۷۔ سینۂ دریاے احمر چاک کرد — قلزمے را خشک مثلِ خاک کرد
۸۔ پنجہ حیدرؓ کہ خیبر گیر بود — قوتِ او از ہمیں شمشیر بود

۱۔ امام شافعیؒ کا مزار/مرقد پر رونق ہے۔ امام شافعیؒ کی شراب علم وفن سے ایک دنیا سرمست ہے۔ ان کی تصانیف کے حوالے سے شراب علم وفن کہا ہے۔ ان اشعار میں

علامہ نے وقت کی نوعیت اور زندگی اور وقت کے باہمی ربط کا تجزیہ کیا ہے۔

۲- ان کی فکر نے آسمان سے تارے توڑے ہیں۔ انہوں نے وقت کو تیز تلوار کا نام دیا ہے یعنی ان کی تصنیفات میں ان کی فکر کی بلندی آسمانوں کو چھو رہی ہے۔ ''وقت تیز تلوار ہے'' سے مراد ہے کہ وقت کسی کے لیے رکتا نہیں۔ اس کی گردش جاری رہتی ہے جس کی بنا پر انقلاب آتے رہتے اور نت نئے حوادث پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

۳- میں کیا بتاؤں کہ اس شمشیر کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی دھار زندگی سے مالا مال ہے۔ وقت یا زمان ایک تخلیقی حرکت ہے، گویا یہ ایک ایسی تلوار ہے جو راستے میں آنے والی ہر مزاحمت کو کاٹتی اور اپنا راستہ بناتی چلی جاتی ہے اور صاحب سیف یعنی وقت/ زمان پر قابو پانے والے کی بقا کا سامان کرتی ہے۔

۴- ایسی تلوار والا امید اور خوف سے بے پروا ہے۔ اس کا ہاتھ حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے ہاتھ سے بھی زیادہ روشن ہے۔ ید بیضا حضرت موسیٰ کا معجزہ ہے۔ مطلب یہ کہ آزادیا حر کی روح اس وقت سے جو سورج کی گردش کا نتیجہ ہے، آزاد ہو کر حقیقی زمان میں غوطہ زن ہوتی اور مسلسل خلاقی اور پیہم تسخیر کائنات میں مصروف رہتی ہے۔ اس کے پیش نظر کوئی ذاتی مفادات نہیں ہوتے، اسی لیے ایسا انسان امید وبیم سے بے نیاز ہوتا ہے۔

۵- پتھر اس صاحب سیف کی ایک ضرب سے چشمے کی صورت میں پھوٹ پڑتا ہے اور سمندر (دریائے نیل) نمی یعنی پانی سے محروم ہو کر خشکی کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ قرآنی حوالے سے حضرت موسیٰ کے دو معجزوں کا ذکر ہے۔ (نیز فرہنگ دیکھیے)

۶- حضرت موسیٰ کے ہاتھ میں یہی (وقت کی) تلوار تھی۔ ان کا معاملہ تدبیر سے بہت آگے تھا یعنی وقت یا زمان پر قابو پالینے کے سبب انہیں یہ قوت حاصل ہوئی۔ یہ تدبیر یا عقل کے بس کی بات نہ تھی۔

۷- انہوں نے بحر احمر یعنی دریائے نیل کا سینہ چاک کر ڈالا اور ایک سمندر کو خاک کی مانند خشک کر ڈالا۔ وہی بات جو شعر نمبر ۵ میں کہی ہے۔

۸- وہ جو حیدرؓ (حضرت علیؓ) کا ہاتھ خیبر کا فاتح تھا تو ان کی قوت کے پیچھے بھی یہی تلوار کارفرما تھی۔ حضرت علیؓ نے جس دلیری وشجاعت سے قلعۂ خیبر فتح کیا تھا، اس کے حوالے سے مذکورہ قول کی تصدیق کی ہے۔

۹۔ گردش گردون گرداں دیدنی است | انقلاب روز و شب فہمیدنی است
۱۰۔ اے اسیر دوش و فردا درنگر | در دل خود عالم دیگر نگر
۱۱۔ در گل خود تخم ظلمت کاشتی | وقت را مثل خطے پنداشتی
۱۲۔ باز با پیمانہ لیل و نہار | فکر تو پیمود طول روزگار
۱۳۔ ساختی ایں رشتہ را زنار دوش | گشتہ ای مثل بتاں باطل فروش
۱۴۔ کیمیا بودی و مشت گل شدی | سر حق زائیدی و باطل شدی
۱۵۔ مسلمی؟ آزاد ایں زنار باش | شمع بزم ملت احرار باش
۱۶۔ تو کہ از اصل زماں آگہ نہ ای | از حیات جاوداں آگہ نہ ای

۹۔ گردش کرنے والے آسمان کی گردش دیکھنے کے لائق ہے۔ روز و شب کی تبدیلی غور و فکر کی متقاضی ہے۔ قرآنی تلمیح، سورہ آل عمران، آیہ ۱۹۰: ''بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور دن اور رات کے آگے پیچھے آنے میں صاحبانِ عقل و شعور کے لیے (حکمت الٰہی) کی نشانیاں ہیں'' گویا ان علامتوں یعنی آیات الٰہی کو سرسری دیکھنے کی بجائے ان پر غور و فکر کی ضرورت ہے۔

۱۰۔ اے ماضی اور حال کے اسیر ذرا غور و فکر سے کام لے اور یوں اپنے دل میں ایک اور ہی دنیا بسی ہوئی دیکھ۔ مطلب یہ کہ وقت کوئی ایسی لکیر / لائن نہیں ہے جسے ماضی و حال یا دن اور رات کے پیمانے سے ناپا جا سکے۔ وقت یا زمانِ حقیقی ان باتوں سے بے نیاز ہے، یہ ایک ارتقائی اور تخلیقی قوت ہے جس نے مختلف اوقات میں مختلف افراد کی شکل اختیار کی اور وہ کارنامے انجام دیے جو اب تک دنیا میں تخلیق اور اخلاق کا عظیم ترین معیار ہیں۔ مسلمان / ملت اسلامیہ سے خطاب ہے کہ تو اس دوش و فردا کے چکر سے نکل۔ تجھے ایک اور ہی دنیا نظر آئے گی جس سے تجھے وقت کی حقیقی حیثیت کا علم ہوگا، یہ دنیا تسخیر و تخلیق کی دنیا ہے۔

۱۱۔ تو نے اپنے خمیر میں تاریکی کا بیج بو لیا ہے۔ تو نے وقت کو ایک لکیر کی طرح سمجھ لیا۔ وقت کے عام تصور پر یقین کو اپنے خمیر میں تاریکی کا بیج بونے سے تعبیر کیا ہے، اس یقین کی بنا پر آدمی تسخیر و تخلیق کے عظیم کارنامے سرانجام دینے کا اہل نہیں رہتا۔

۱۲۔ پھر تیرے فکر نے شب و روز کے پیمانے سے زمانے کی لمبائی کو ناپا۔ وہی مطلب جو شعر نمبر ۱۱ کا ہے۔

۱۳- تو نے اس دھاگے کو اپنے کندھے کی زنار بنا لیا۔ جس کے نتیجے میں تو بتوں کی مانند باطل فروش بن گیا ہے۔ یہاں وقت کو دھاگے سے تشبیہ دی ہے۔ مطلب یہ کہ اس گردش آفتاب کے نتیجے میں پیدا ہونے والے تغیر پذیر وقت کا اسیر ہو کر تو نے اپنی صلاحیتیں اور قوتیں ضائع کر دیں اور یوں دنیا کا غلام ہو کر رہ گیا۔

۱۴- تو اکسیر تھا لیکن اب مٹی کا ڈھیر ہو کے رہ گیا ہے۔ تو نے (کبھی) حق کے بھید کو ظاہر کیا تھا لیکن پھر باطل ہو کے رہ گیا۔ ماضی میں مسلمانوں نے اس وقت پر قابو پا کر ایسے ایسے کارنامے انجام دیے جو رہتی دنیا تک قائم رہیں گے۔ کلمہ حق کو بلند کیا اور تخلیق و تسخیر کے ساتھ ساتھ باطل قوتوں کو مٹا کے رکھ دیا لیکن آج کا مسلمان قوت عمل اور جوش و جذبہ سے عاری ہونے کے باعث گویا مٹی کا ڈھیر بن گیا ہے۔

۱۵- کیا تو مسلمان ہے؟ (یعنی اگر تو خود کو مسلمان سمجھتا ہے تو) اس زنار سے آزاد ہو جا اور یوں آزاد لوگوں کی ملت کی بزم کی شمع بن یعنی تو بھی قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح جوش و جذبہ اور عمل پیہم سے کام لے کر نہ صرف غلامی کی زنجیروں کو توڑ ڈال بلکہ انسانیت کی فلاح کی خاطر کام کر کے اور دیگر عظیم کارناموں سے دنیا کی زندہ و آزاد قوموں کے لیے روشنی کا مینار بن جا اور اس طرح اپنی بقا کا سامان کر لے۔

۱۶- تجھے تو زمان کی اصل/حقیقت کی خبر ہی نہیں ہے۔ تو حیات دوام سے واقف ہی نہیں ہے۔ وقت یا زمان کی حقیقت حیات دوام ہے جو صرف عظیم کارنامے انجام دینے سے ملتی ہے۔ موجودہ مسلمان اس سے بے خبر ہے یعنی وہ اپنی خودی یا اپنی مخفی صلاحیتوں اور قوتوں سے پوری طرح آگاہ نہیں ہے جو عظیم کارنامے انجام دے کر اپنی بقا کا سامان کرے۔

۱۷- تا کجا در روز و شب باشی اسیر ... رمزِ وقت از "لی مع اللہ" یاد گیر
۱۸- این و آں پیداست از رفتارِ وقت ... زندگی سریست از اسرارِ وقت
۱۹- اصلِ وقت از گردشِ خورشید نیست ... وقت جاوید است و خور جاوید نیست
۲۰- عیش و غم عاشور و ہم عید است وقت ... سرِ تابِ ماہ و خورشید است وقت
۲۱- وقت را مثلِ مکاں گسترده ای ... امتیازِ دوش و فردا کرده ای
۲۲- اے چو بو رم کرده از بستانِ خویش ... ساختی از دستِ خود زندانِ خویش
۲۳- وقتِ ما کو اول و آخر ندید ... از خیابانِ ضمیرِ ما

۲۴- زندہ از عرفان اصلش زندہ تر ہستی او از سحر تابندہ تر

۲۵- زندگی از دہر و دہر از زندگی است "لاتسبو الدہر" فرمان نبیؐ است

۱۷- تو کب تک اس دن اور رات کے چکر میں الجھا رہے گا۔ ذرا "لی مع اللہ" سے وقت کی حقیقت پر غور کر اور سمجھ یعنی وقت ایک ایسی کیفیت ہے جس کا احساس صرف وجدان اور ذوق ہی کر سکتا ہے، اسے لمحوں اور ساعتوں سے محسوس نہیں کیا جا سکتا (نیز فرہنگ.....)

۱۸- یہ اور وہ یعنی دن اور رات وقت کی گردش سے پیدا ہوتے ہیں، زندگی، وقت کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے۔ خلیفہ عبدالحکیم کے لفظوں میں "زندگی" وقت میں نہیں گزرتی بلکہ وقت زندگی کی تخلیقی قوت ہے۔ علامہ کا تصور وقت بیان ہو چکا ہے۔ اب انہوں نے ان اشعار میں اس کی توضیح کرنا چاہی ہے۔

۱۹- وقت کی اصل، سورج کی گردش سے وابستہ نہیں ہے، وقت تو جاودانی ہے۔ ہاں، سورج کو بقا نہیں ہے۔

۲۰- وقت عیش بھی ہے اور غم بھی، دوسرے لفظوں میں عاشورہ یعنی ماتم اور عید (خوشی) بھی ہے۔ وقت چاند اور سورج کی چمک کا راز ہے۔ گویا ان سب کا تعلق زندگی سے ہے، سورج اسی وقت تک سورج ہے جب تک اس میں چمک ہے کہ یہ زندگی کی علامت ہے۔ یہی معاملہ چاند کا ہے۔

۲۱- تو نے وقت کو بھی مکاں ہی کی طرح پھیلا دیا ہے اور تو نے دوش اور فردا میں امتیاز/ فرق کیا ہے۔ مراد یہ کہ لوگوں نے وقت کو لمحات میں تقسیم کر دیا ہے۔ حالانکہ وقت یا زمان ایسی شے نہیں ہے جسے یوں تقسیم کیا جا سکے۔

۲۲- تو اپنے باغ سے خوشبو کی طرح باہر نکل گیا ہے تو نے اپنے ہی ہاتھوں قید خانہ بنا لیا ہے۔ گویا وقت کی حقیقت سے ناآشنا انسان نے اپنے وجود کو بیکار کر رکھا ہے۔ اگر اس حقیقت سے آگاہی ہوتی تو وہ ایسے کارنامے انجام دیتا جن سے اسے حیات جاوداں ملتی، ایسی زندگی جو دوش و فردا کی قید سے آزاد ہے۔

۲۳- ہمارا وقت، جس نے آغاز اور انجام نہیں دیکھا، ہمارے ضمیر کی کیاری سے پھوٹتا ہے یعنی جب انسان اپنی خودی سے آگاہ ہو جاتا ہے تو وہ اپنی مخفی قوتوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر دنیا کو انقلا سے دوچار کر دیتا ہے اور یوں وقت گویا اس کے قابو

میں ہوتا ہے۔

۲۴- جو زندہ ہے وہ وقت کی اصل کے عرفان کی بدولت زندہ تر ہو گیا ہے۔ اس کا وجود صبح سے بھی زیادہ روشن ہو گیا۔ وہی بات جو شعر ۲۳ میں کہی، اب دوسرے انداز میں کہی ہے۔

۲۵- زندگی کا تعلق دہر سے اور دہر کا تعلق زندگی سے ہے۔ حضور نبی کریم کا ارشاد ہے کہ "زمانے کو برا مت کہو۔" حدیث قدسی ہے کہ زمانے کو برا مت کہو، بے شک اللہ تعالیٰ ہی زمانہ ہے۔ (بعض کے مطابق یہ حدیث رسول اکرمؐ ہے۔) اس شعر میں وقت (زمان) یا دہر کی اہمیت و وقعت اور عظمت جتائی گئی ہے۔ دہر سے مراد خدا تعالیٰ کی حرکت ارادی یا ارادہ ہے۔ گویا اس خالق حقیقی کی خلاقی کے تسلسل کا نام زمانہ ہے۔ اسی لیے ارشاد ہوا کہ اسے برا نہ کہو۔

۲۶- نکتہ اے می گویمت روشن چو در　　تا شناسی امتیاز عبد و حر
۲۷- عبد گردد یاوہ در لیل و نہار　　در دل حر یاوہ گردد روزگار
۲۸- عبد از ایام می بافد کفن　　روز و شب را می تند بر خویشتن
۲۹- مرد حر خود را ز گل بری کند　　خویش را بر روزگاراں می تند
۳۰- عبد چوں طائر بدام صبح و شام　　لذت پرواز بر جانش حرام
۳۱- سینۂ آزادۂ چابک نفس　　طائر ایام را گردد قفس
۳۲- عبد را تحصیل حاصل فطرت است　　وارداتِ جانِ او بے ندرت است
۳۳- از گراں خیزی مقام او ہماں　　نالہ ہائے صبح و شام او ہماں
۳۴- دم بدم نو آفرینی کار حر　　نغمہ پیہم تازہ ریزد تار حر
۳۵- فطرتش زحمت کش تکرار نیست　　جادۂ او حلقہ پرکار نیست

۲۶- میں تجھے موتی کی طرح روشن ایک گہری بات بتاتا ہوں تاکہ تجھے غلام اور آزاد انسان میں فرق معلوم ہو جائے۔ ان اشعار میں علامہ نے آزاد اور غلام کے نزدیک زمان کا جو تصور ہے، اس سے بحث کی ہے۔

۲۷- غلام شب و روز کی گردش میں بے مقصد کھو جاتا ہے جبکہ آزاد کے ضمیر میں زمانہ اپنی اہمیت کھو بیٹھتا ہے یعنی غلام وقت پر قابو پانے کی بجائے (جو جہد و عمل سے ممکن ہے) خود وقت کے قابو میں آ جاتا ہے (کوئی جہد و عمل نہیں کرتا) اس کا معاملہ کچھ یوں ہے:

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے　　عمر یونہی تمام ہوتی

جبکہ آزاد کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔

۲۸۔ غلام ایام یعنی زمانے سے اپنا کفن بنتا/تیار کرتا ہے، وہ شب و روز کو خود پر حاوی کر لیتا ہے۔ وہی بات پہلے شعر والی۔

۲۹۔ آزاد مرد خود کو مٹی سے باہر اکھاڑ لیتا ہے۔ وہ خود کو زمانوں پر حاوی کر لیتا ہے یعنی وہ اپنے کارناموں سے اپنی حیات جاوید کا سامان کر کے گویا وقت پر قابو پا لیتا ہے۔

۳۰۔ غلام، پرندے کی مانند صبح اور شام کے جال میں گرفتار رہتا ہے۔ اس کی جان لذت پرواز سے محروم رہتی ہے۔ اس کی زندگی بے مقصد رہتی ہے اور وہ بے عملی کے باعث اپنی بقا کا سامان نہیں کرتا۔

۳۱۔ ایک تیز سانس لینے والے آزاد کا سینہ زمانے کے پرندے کے لیے پنجرا بن جاتا ہے۔ تیز سانس ہانپنے کی علامت ہے جس سے مراد ہے کہ آزاد اپنے پیہم عمل اور جہد مسلسل سے نت نئی منزل کا سراغ لگانے میں مصروف رہتا ہے۔

۳۲۔ غلام کی فطرت حاصل شدہ چیز کے حصول پر قائم رہتی ہے یعنی جو کچھ میسر ہے، وہ اسی پر قناعت کیے رہتا ہے۔ اس کی ساری زندگی یونہی گزر جاتی ہے جس کے نتیجے میں اس کی جان اور اس کے دل پر گزرنے والی کیفیات، انوکھے پن اور جدت سے عاری ہیں یعنی وہ ان جذبوں اور ولولوں سے عاری ہے جن سے آزاد اپنی بقا کا سامان کرنے میں مجور رہتا ہے۔

۳۳۔ دشواری کے ساتھ اٹھنے کے سبب وہ اسی جگہ پر کھڑا ہے۔ اس کے صبح و شام کے نالے بھی وہی ہیں یعنی غلام ذوق عمل سے بیگانہ ہے جس طرح ایک تکلیف کا مارا شخص اٹھنے بیٹھنے میں دشواری محسوس کرتا ہے' اس لیے وہ ایک ہی جگہ پر پڑا رہتا ہے۔ یہ گویا علامت ہے جوش و ولولہ اور عمل سے بیگانگی کی غلام جس کا شکار ہے۔

۳۴۔ ہر لحہ کوئی نہ کوئی نئی اختراع اور ایجاد کرنا آزاد مرد کا کام ہے۔ آزاد مرد کا ساز ہر لحہ کوئی نہ کوئی نیا نغمہ چھیڑتا رہتا ہے۔ یعنی وہ ہر لحہ نئے نئے انقلاب لاتا یا نت نئے کارنامے انجام دیتا رہتا ہے۔

۳۵۔ آزاد کی فطرت کسی چیز کو بار بار کرنے کی زحمت نہیں اٹھاتی۔ اس کا طریق پرکار کا دائرہ نہیں ہے کہ ہر پھر کر ایک ہی جگہ واپس آ جائے۔

۳۶۔ عبد را ایام زنجیر است و بس   برلب او حرف تقدیر است و بس

۳۷- ہمت حر با قضا گردد مشیر حادثات از دست او صورت پذیر
۳۸- رفتہ و آیندہ در موجود او دیرہا آسودہ اندر زود او
۳۹- آمد از صوت و صدا پاک ایں سخن در نمی آید بہ ادراک ایں سخن
۴۰- گفتم و حرفم ز معنی شرمسار شکوۂ معنی کہ با حرفم چہ کار
۴۱- زندہ معنی چوں بہ حرف آمد بمرد از نفس ہائے تو نار او فسرد
۴۲- نکتہ غیب و حضور اندر دل است رمز ایام و مرور اندر دل است
۴۳- نغمہ خاموش دارد سازِ وقت غوطہ در دل زن کہ بینی رازِ وقت

۳۶- (اس کے برعکس) غلام کی یہ حالت ہے کہ وہ محض وقت کی زنجیر میں جکڑا ہوا ہے۔ اس کے ہونٹوں پر تقدیر ہی کا لفظ رہتا ہے اور بس یعنی غلام اپنے جہد و عمل سے وقت پر قابو پانے کی بجائے خود اس کا اسیر ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی تقدیر خود بنانے کی بجائے آسمانی تقدیر کا رونا روتا رہتا ہے۔ وہ عمل اور جہد و عمل سے کام نہیں لیتا اور اپنی کوتاہیوں کو تقدیر کے کھاتے میں ڈال کر بیکار زندگی بسر کرتا ہے۔

۳۷- آزاد مرد کی ہمت قضا و قدر کی مشیر بن جاتی ہے۔ اس کے ہاتھوں سے نئے نئے واقعات/ وقوعات جنم لیتے رہتے ہیں یعنی وہ اپنی ہمت کے بل بوتے پر ایسے ایسے کارنامے انجام دیتا ہے جو آدمی کی تقدیریں بدل دیتے ہیں۔ یہ کام گویا قضا و قدر کا ہے۔ اسی بنا پر آزاد آدمی کو اس کا مشیر کہا۔

۳۸- ماضی اور مستقبل مرد آزاد کے زمانہ حال میں مدغم رہتے ہیں، دیریں (گذرے ہوئے وقت) اس کی "جلدی" میں آرام کرتی ہے۔ مرد آزاد اس شب و روز کی گردش والے وقت کا اسیر نہیں ہے بلکہ یہ وقت خود اس کا اسیر ہے یعنی اس کا تعلق حقیقی زمان سے ہے جس میں یہ ماضی و مستقبل وغیرہ نہیں ہے۔

۳۹- اس بات (موضوع) کے لیے آواز درکار نہیں ہے۔ (یہ موضوع الفاظ اور صدا کا مرہون منت نہیں ہے) یہ بات فہم و شعور اور عقل سے ماورا/ دور ہے۔ مطلب یہ کہ اس موضوع کا تعلق سراسر جہد و عمل سے ہے، باتوں یا لفظوں سے اس کی وضاحت ناممکن ہے۔

۴۰- میں نے بات تو کر دی لیکن معنی میرے الفاظ سے شرمسار ہیں۔ معنی کو یہ شکایت ہے کہ مجھے (یعنی معنی کو) الفاظ سے کیا واسطہ؟ وہی بات کہ اس موضوع کی تشریح ناممکن ہے۔

۴۱۔ جب ایک جاندار معنی/موضوع الفاظ میں بیان ہونے لگتا ہے تو وہ مر جاتا ہے، تیرے سانسوں سے اس کی تپش اور گرمی مٹ جاتی ہے۔ وہی بات نئے انداز میں۔ سانسوں سے مراد الفاظ ہیں۔ گویا الفاظ میں اس موضوع کی وضاحت کرنے کی کوشش کی جائے تو اس کا وجود ہی ناپید ہو جاتا یا مٹ جاتا ہے۔

۴۲۔ درحقیقت وقت کی اوجھل اور ظاہر صورت دل میں پوشیدہ ہے۔ ایام اور مرور کی حقیقت دل میں ہے۔ گویا وقت/زمان کا تعلق ہر لحاظ سے دل سے ہے، اس کی گردش وغیرہ کی حقیقت بھی دل ہی سے متعلق ہے اور دل کے معاملے اور جذبے الفاظ کی گرفت میں نہیں آتے۔

۴۳۔ وقت کے ساز کا نغمہ بے آواز ہے' تو دل میں غوطہ لگا تاکہ تو وقت کی حقیقت سے آگاہ ہو سکے یعنی دل کی طرف آ، اپنی خودی کو پہچان جب تو اسے پہچان لے گا تو تجھ پر اپنی مخفی قوتوں اور صلاحیتوں کا انکشاف ہوگا جس کی بنا پر تو ایسے کارنامے انجام دے سکے گا جو تیری بقا کا باعث بنیں گے۔ اسی سے تجھ پر وقت کا راز ظاہر ہو جائے گا۔

۴۴۔ یاد ایامے کہ سیف روزگار ۔۔۔ با توانا دستی ما بود یار
۴۵۔ تخم دیں در کشت دلہا کاشتیم ۔۔۔ پردہ از رخسار حق برداشتیم
۴۶۔ ناخن ما عقدۂ دنیا کشاد ۔۔۔ بخت ایں خاک از سجود ما کشاد
۴۷۔ از خم حق بادۂ گلگوں زدیم ۔۔۔ بر کہن مے خانہ ہا شب خوں زدیم
۴۸۔ اے مے دیرینہ در میناے تو ۔۔۔ شیشہ آب از گرمی صہباے تو
۴۹۔ از غرور و نخوت و کبر و منی ۔۔۔ طعنہ بر ناداری ما می زنی
۵۰۔ جام ما ہم زیب محفل بودہ است ۔۔۔ سینہ ما صاحب دل بودہ است
۵۱۔ عصر نو از جلوہ ہا آراستہ ۔۔۔ از غبارے پاے ما بر خاستہ
۵۲۔ کشت حق سیراب گشت از خونِ ما ۔۔۔ حق پرستانِ جہاں ممنونِ ما

۴۴۔ وہ دن بھی کیا دن تھے (وہ دن یاد آتے ہیں) جب زمانے کی تلوار ہماری مضبوط گرفت سے آگاہ تھی۔ (ان اشعار میں آغاز اسلام کے حوالے سے بات ہوئی ہے۔ جب اس کی روشنی پھیلی اور پھر اس کی بدولت وجود میں آنے والے علوم وفنون نے اپنی چکاچوند سے دنیا کی آنکھیں خیرہ کر دیں جبکہ یورپ اس وقت جہالت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبا ہوا تھا) یعنی مسلمانوں نے قرونِ اولیٰ میں بڑے بڑے کارنامے

انجام دے کر وقت/زمان پر قابو پا لیا تھا۔

۴۵۔ ہم نے دلوں کی کھیتی میں دین کا بیج بویا اور حق کے چہرے سے پردہ اٹھا دیا۔ اسلام سے پہلے بتوں کا دور تھا۔ اسلام نے آ کر اس خدائے واحد اور معبود مطلق کی عبادت کا درس دیا اور یوں انسانوں کو کفر و جہالت کی تاریکی سے نکال کر انہیں زندگی کے صحیح مقصد سے آگاہ کیا۔

۴۶۔ ہمارے ناخن نے دنیا کی گتھی سلجھائی۔ اس خاک کا نصیبہ ہمارے سجدوں نے جگایا۔ وہی اسلام کے فیضان کی بات ہے جس کی بدولت انسان صحیح معنوں میں اشرف المخلوقات ٹھہرا۔ مسلمانوں کے خدائے واحد کو سجدے کرنے سے گویا زمین کو بھی عزت ملی۔ دنیا کی گتھی یہی کہ انسان کی زندگی کا صحیح مقصد کیا ہے، یہ اسلام نے واضح کیا۔

۴۷۔ ہم نے حق کے مٹکے سے گلاب جیسی سرخ شراب پی اور پرانے شراب خانوں پر شب خون مارا۔ مذکورہ شراب سے مراد اسلام ہے جس نے آ کر حق کا بول بالا کیا اور یوں جتنے غیر حقیقی دین تھے، ان کا خاتمہ کر دیا۔ اسی طرح غیر حقیقی افکار و نظریات بھی اس کی آمد پر ختم ہو گئے۔

۴۸-۴۹: اے کہ تیری صراحی میں پرانی شراب (مسلمانوں کے علوم وفنون) ہے، شیشہ تیری شراب کی حرارت سے پگھلا جا رہا ہے، تو گھمنڈ، تکبر، غرور اور انا کے باعث ہماری مفلسی یعنی علوم وفنون اور حکمت سے ہماری محرومی پر طعنہ زنی کر رہا ہے۔ ''اے'' سے مراد مغرب/یورپ ہے جو چار پانچ صدیاں پہلے جہالت کی تاریکیوں (ازمنہ مظلمہ: Dark Ages) میں ڈوبا ہوا تھا۔ پھر ایک وقت ایسا آیا جب اہل مغرب نے اسلامی علوم وفنون کے تراجم سے بھرپور استفادہ کیا جس کی بدولت یورپ اپنے موجودہ مقام پر پہنچا جبکہ بدقسمتی سے مسلمان اپنے ان علوم وفنون سے دور ہوتے چلے گئے اور یوں پستی کا شکار ہو گئے۔ بقول علامہ:

وہ موتی علم کے یعنی کتابیں اپنے آبا کی جو دیکھیں جا کے یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

علامہ نے ان شعروں میں یورپ کو اس کی اصل حقیقت جتائی اور اس کے غرور و تکبر کو بے جا قرار دیا ہے۔

۵۰۔ کبھی ہمارا جام بھی بزم کی زینت تھا اور ہمارا سینہ بھی کبھی صاحب دل رہا ہے۔ وہی بات دوسرے استعارے میں کہی ہے۔

۵۱- یہ جو جدید دور اپنے سائنسی علوم کے جلوؤں سے آراستہ ہے تو یہ سب ہمارے پاؤں کی گرد ہی کے نتیجے میں ایسا ہوا ہے یعنی یہ سب ہمارے ہی سائنسی اور دوسرے علوم و فنون سے استفادے کا نتیجہ ہے۔

۵۲- حق کی کھیتی ہمارے خون سے سرسبز و شاداب ہوئی۔ دنیا کے حق پرست ہمارے ممنون ہیں یعنی اسلام مذہب حق ہے۔ اس کی اشاعت اور انسانوں کو باطل قوتوں کے جور و ستم سے نجات دلانے کی خاطر مسلمانوں کو اپنی جانوں کے نذرانے پیش کرنے پڑے اور یہ بنی نوع انسان پر ان کا بہت بڑا احسان ہے۔

۵۳- عالم از ما صاحب تکبیر شد — از گل ما کعبہ ہا تعمیر شد
۵۴- حرف ''اقرا'' حق بما تعلیم کرد — رزقِ خویش از دست ما تقسیم کرد
۵۵- گرچہ رفت از دست ما تاج و نگیں — ماگدایاں را بچشم کم مبیں
۵۶- درنگاہِ تو زیاں کاریم ما — کہنہ پنداریم ما، خواریم ما
۵۷- اعتبار از ''لا الٰہ'' داریم ما — ہر دو عالم را نگہ داریم ما
۵۸- از غم امروز و فردا رستہ ایم — با کسے عہد محبت بستہ ایم
۵۹- در دل حق سر مکنونیم ما — وارث موسیٰ و ہارونیم ما
۶۰- مہر و مہ روشن ز تاب ما ہنوز — برق ہا دارد سحاب ما ہنوز
۶۱- ذات ما آئینہ ذاتِ حق است — ہستی مسلم ز آیاتِ حق است

۵۳- دنیا میں ہم سے ''اللہ اکبر'' (اللہ کی عظمت) کی صدائیں گونجیں۔ ہماری مٹی یعنی ہمارے ہی دم سے کئی کعبے تعمیر ہوئے یعنی کئی اسلامی عبادت خانے (مسجدیں) بنے اور اسلام کے ماننے والے وجود میں آئے۔

۵۴- اللہ تعالیٰ نے ہمیں ''اقرا'' کے لفظ کی تعلیم دی یعنی ہمیں حصول علم کا درس دیا۔ اس نے اپنا رزق ہمارے ہاتھوں سے تقسیم کیا یعنی سب سے پہلے اسلام ہی نے علوم کی طرف راغب کیا اور یوں ہر طرح کے سائنسی اور دوسرے علوم مسلمانوں ہی کے ذریعے دنیا میں پھیلے۔

۵۵- اگرچہ ہم سے تاج و نگیں یعنی اقتدار چھن گیا ہے، تاہم تو ہم فقیروں کو حقارت کی نظر سے مت دیکھ۔ مغرب سے خطاب ہے۔ مسلمانوں نے کئی صدیاں حکومت کی لیکن بدقسمتی سے اپنے منفی عوامل اور کوتاہیوں کے باعث وہ اقتدار سے محروم ہو گئے۔

یورپ/مغرب نے ہمیں سے علوم لیے اور ہمارا اقتدار چھینا، اب وہ اس مقام پر پہنچ کر ہمیں حقیر سمجھ رہا ہے۔ علامہ کہتے ہیں کہ اس صورتحال میں تم اہل مغرب ہمیں کیوں حقیر سمجھتے ہو۔

۵۶- تیری (مغرب کی) نظروں میں تو ہم گھاٹے کا سودا کرنے والے ہیں، رجعت پسند ہیں اور ذلیل وخوار ہیں۔ مسلمان چونکہ مذہب کی بات کرتا اور اسے ہی نجات وفلاح دارین کا باعث سمجھتا ہے، اس لیے مادیت میں ڈوبے ہوئے اہل مغرب مسلمان کو رجعت پسند وغیرہ قرار دیتے ہیں۔

۵۷- لا الہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے) ہی سے ہماری آبرو ہے۔ ہم دونوں جہانوں کو نظروں میں رکھے ہوئے ہیں۔ اہل مغرب کی مذکورہ تنقید کے جواب میں یہ کہا ہے کہ اسی لا الہ کی بدولت مسلمانوں نے انسانی بلندیوں کو چھوا، انسانیت کو ہم مسلمانوں ہی سے معراج ملی۔ مسلمان اس دنیا اور آخرت دونوں کا طلبگار ہے۔ آخرت میں اس دنیا کا حساب دینا ہوگا۔

۵۸- ہم حال اور مستقبل کے غم سے نجات پائے ہوئے ہیں۔ ہم نے حضور اکرمؐ کے ساتھ محبت کا عہد کر رکھا ہے۔ حال یعنی اس دنیا کا اور مستقبل آخرت کا غم۔ آخرت میں حضور اکرمؐ ہماری شفاعت فرمائیں گے۔ چونکہ مسلمانوں کے لیے حضور اکرمؐ کی ذات سے محبت و وابستگی دونوں عالم کی دولت سے بڑھ کر ہے، اسی لیے یہ کہا کہ ہم مذکورہ غموں سے نجات پائے ہوئے ہیں۔

۵۹- ہم خدا کے دل میں چھپا ہوا راز ہیں۔ ہم حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے وارث ہیں۔ مراد یہ کہ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ سے اس دنیا کی فلاح کے لیے ابھی کام لینا ہے۔ حضور اکرمؐ مذکورہ انبیاؑ کے بعد اشرف انبیا بن کر آئے۔ اس لیے مسلمان ان انبیا کے وارث ٹھہرے یعنی علامہ نے مغرب کے حوالے سے بات کرتے ہوئے گو یہود ونصاریٰ کا واضح ذکر نہیں کیا، تاہم بین السطور ان کی مخاطب یہی دو قومیں ہیں۔ یہود حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے پیرو ہیں اور نصاریٰ یعنی عیسائیوں کا معاملہ ویسے ہی واضح ہے۔

۶۰- سورج اور چاند ابھی تک ہماری چمک سے روشن ہیں۔ ابھی تک ہمارے بادل میں بجلیاں موجود ہیں یعنی اسلام ہی کی بدولت اس دنیا کو تابانی ملی اور انسانیت کو اس کا

صحیح مقام ملا۔ اسلام پھیلنے سے دورِ جہالت اور باطل قوتوں کے ظلم و ستم ختم ہو گئے۔ دوسرے مصرعے کا مطلب ہے کہ آج بھی اسلام میں وہ دم خم ہے یا مسلمانوں میں وہ جوہر موجود ہے جس کی بنا پر وہ اس دنیا کو مادیت سے نجات دلا کر اسے امن و آسائش کا گہوارہ بنا سکتے ہیں، اس لیے کہ اسلام ہے ہی امن و سلامتی کا مذہب۔ بقول علامہ:

مسلماں کے لہو میں ہے سلیقہ دل نوازی کا　　　مروت حسن عالمگیر ہے مردانِ غازی کا

علامہ کا درج ذیل مصرع گویا اس فارسی شعر کے دوسرے مصرع کا ترجمہ ہے:

بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں

۶۱- ہماری ذات، ذاتِ خداوندی کی مظہر ہے۔ مسلمانوں کا وجود خدا کی نشانیوں میں سے ہے۔ گویا مسلمان ''تخلقوا باخلاق اللہ'' کا عملی نمونہ ہے یعنی جس طرح وہ معبود و حاکم مطلق نیک لوگوں اور احسان کرنے والوں کے لیے رحیم و کریم اور ظالم و جابر اور مفسدوں کے لیے جبار و قہار ہے اسی طرح انسانی معاشرے میں مسلمانوں کا رویہ بھی ایسا ہی ہے (اس ضمن میں سورۂ الفتح، آیہ ۲۹ ملاحظہ ہو) علامہ نے اس آیت کا یوں ترجمہ کیا ہے:

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم　　　رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

دعا

۱- اے چو جاں اندر وجودِ عالمی　　　جانِ ما باشی و از ما می رمی
۲- نغمہ از فیضِ تو در عودِ حیات　　　موت در راہِ تو محسودِ حیات
۳- باز تسکینِ دلِ ناشاد شو　　　باز اندر سینہ ہا آباد شو
۴- باز ازما خواہ ننگ و نام را　　　پختہ تر کن عاشقانِ خام را
۵- از مقدر شکوہ ہا داریم ما　　　نرخِ تو بالا و ناداریم ما
۶- از تہی دستاں رخِ زیبا مپوش　　　عشقِ سلمانؓ و بلالؓ ارزاں فروش
۷- چشمِ بے خواب و دلِ بے تاب دہ　　　باز ما را فطرتِ سیماب دہ
۸- آیتے بنما ز آیاتِ مبیں　　　تا شود ''اعناق اعدا خاضعین''

۱- اے ذاتِ باری تعالیٰ تو کائنات کے وجود میں اسی طرح چھپا ہوا ہے جس طرح روح

بدن میں ہوتی ہے (یا تو کائنات کے وجود میں روح کی مانند ہے) تو تو ہماری جان ہے لیکن پھر بھی ہم سے گریزاں ہے یعنی اس کائنات کا سارا نظام اس کی ذاتِ اقدس سے وابستہ ہے۔ وہ چونکہ نظر نہیں آتا، اس لیے کہا کہ تو ہم سے گریزاں ہے۔

۲- تیرے لطف و کرم سے تو زندگی کا ساز نغمے سے پر ہے۔ تیری راہ میں جو موت آئے، وہ زندگی کے لیے باعث صد رشک ہے یعنی خدا ہی کے لطف و کرم سے ہمیں زندگی کی نعمت عطا ہوئی۔ دوسرے مصرعے میں قرآنی آیت کے حوالے سے بات کی ہے: ''بے شک اللہ کی راہ میں مارے جانے والے لوگ زندہ ہیں لیکن تم اسے نہیں سمجھ سکتے۔''

۳-۴: اب پھر اس غم زدہ دل کی تسکین کا سامان بن۔ پھر سے ہمارے دلوں میں آباد ہو جا، پھر سے ہم سے عزت و احترام کا طالب ہو۔ ہم ناپختہ عاشقوں کو زیادہ منجھے ہوئے/ زیادہ پختہ عاشق بنا دے۔ دل کی غم زدگی ملت اسلامیہ کی غلامی اور پست حالی کے نتیجے میں ہے اور پست حالی خدا سے دور ہونے کا نتیجہ تھا۔ دلوں میں آباد ہونے سے مراد ہے کہ مسلمان کو پھر سے قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا سا وہ جوش و جذبہ دے جس کی بنا پر وہ صرف تجھے معبودِ مطلق اور حاکمِ مطلق سمجھ کر اس کے مطابق اپنی زندگیاں ڈھالیں اور پھر سے دنیا میں عزت و وقار کی زندگی بسر کریں۔ ہم قولاً فعلاً تجھ پر پورا ایمان رکھیں۔

۵- (ہم خود کچھ کرنے کی بجائے صرف) تقدیر کا شکوہ کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ تیری قیمت زیادہ ہے اور ہم کنگال ہیں یعنی ہم جوش و جذبہ اور عمل پیہم سے بیگانہ ہو چکے ہیں اور اپنی یہ کوتاہیاں تقدیر کے کھاتے میں ڈال رہے ہیں، جب کہ تجھ تک رسائی کے لیے یہ جوش و جذبہ، جان و مال کی قربانی اور طاغوتی طاقتوں کے خلاف جہاد ضروری ہے اور ہم اس سے عاری ہیں۔ گویا ہمارے پاس اعمالِ صالحہ کی پونجی نہیں ہے جو تیری محبت کے لیے اولیں شرط ہے۔ بقول ایک پنجابی صوفی شاعر کے:

جے میں ویکھاں اپنے ولے، کجھ نہیں میرے پلے   جے میں ویکھاں تیرے ولے، بلے بلے

۶- ہم خالی ہاتھ لوگوں سے اپنا حسیں چہرہ نہ چھپا۔ حضرت سلمانؓ اور حضرت بلالؓ حبشی والا عشق سستا بیچ یعنی ہم مسلمانوں پر نظرِ عنایت فرما، ہمیں تیری رحمت کی ضرورت ہے۔ ہم میں حضرت سلمانؓ اور حضرت بلالؓ کا سا جوش و ولولہ اور جذبہ عشق پیدا کر دے۔

۷۔ ہمیں جاگتی رہنے والی آنکھ اور بیقرار دل عطا کر۔ پھر سے ہمیں پارے کی سی بے قرار فطرت سے نواز یعنی ہمیں پھر سے اپنے عشق سے سرشار کر دے۔ ایک سچے عاشق کے سے جذبے جن کی بنا پر وہ اپنے محبوب حقیقی سے دور کے باعث بیقراری سے دوچار رہتا ہے۔

۸۔ ہمیں کوئی سی ایک روشن نشانی دکھا تاکہ دشمنوں کی گردنیں مغلوب ہو جائیں۔ قرآنی تلمیح سے استفادہ کیا ہے۔ (فرہنگ دیکھیے) مطلب یہی کہ مسلمانوں میں وہی ماضی کے مسلمانوں کا سا ایمانی جوش و جذبہ پیدا کر دے تاکہ وہ اپنی موجودہ محکومیت/غلامی اور ذلت و پستی سے نکل کر طاغوتی طاقتوں کو تہس نہس کر سکیں۔

۹۔ کوہ آتش خیز کن ایں کاہ را ز آتش ماسوز غیر اللہ را
۱۰۔ رشتہ وحدت چو قوم از دست داد صد گرہ بر روئے کارِ ما فتاد
۱۱۔ ما پریشاں در جہاں چوں اختریم ہم دم و بیگانہ از یک دیگریم
۱۲۔ باز ایں اوراق را شیرازہ کن باز آئین محبت تازہ کن
۱۳۔ باز ما را بر ہماں خدمت گمار کارِ خود با عاشقانِ خود سپار
۱۴۔ رہ رواں را منزلِ تسلیم بخش قوتِ ایمانِ ابراہیمؑ بخش
۱۵۔ عشق را از شغلِ ''لا'' آگاہ کن آشنائے رمزِ ''الا اللہ'' کن

۹۔ اس تنکے کو آتش فشاں پہاڑ بنا دے اور پھر ہماری آگ سے ماسوا اللہ کو جلا ڈال یعنی ملت اسلامیہ کو جو اس وقت ذلت و پستی کا شکار ہے، پھر سے ایسی قوت اور وہ جذبہ ایمانی عطا کر دے جس سے وہ تیری محبت کی راہ میں آنے والی ہر قوت، طاغوتی اور باطل قوت کو مٹا کے رکھ دے اور ہماری تمام تر وابستگی تیری ذات سے ہو اور ہم دنیا کی محبت سے دور رہیں۔

۱۰۔ جب ملت اسلامیہ نے اتحاد اور اخوت کی ڈور ہاتھ سے چھوڑ دی تو ہمارا معاملہ بے شمار الجھنوں کا شکار ہو گیا۔ قرآن کریم میں ہے کہ ''تم خدا کی رسی مضبوطی سے تھام لو، انتشار کا شکار نہ ہونا کہ ایسا نہ ہو تمہاری ہوا اکھڑ جائے۔'' جب تک مسلمانوں نے اس رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھا، وہ دین و دنیا میں سرخرو رہے۔ پھر فرقہ پرستی وغیرہ کے باعث وہ گروہوں میں تقسیم ہو کر ضعف و زوال کا شکار ہو گئے اور اپنا تشخص کھو بیٹھے۔

۱۱- ہم دنیا میں ستاروں کی مانند منتشر ہو کر رہ گئے، بظاہر ہم ساتھی ہیں لیکن حقیقت میں ایک دوسرے سے ناآشنا ہیں۔ وہی شعر نمبر ۱۰ والی بات۔ علامہ ہی کے بقول:

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں　　　کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

یا یہ کہ:

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو افغان بھی ہو　　　تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟

۱۲- اے خدا تو ان اوراق کی پھر سے شیرازہ بندی کر دے۔ پھر سے وہی پہلے والا محبت کا دستور رائج کر دے یعنی ملت اسلامیہ کو پھر سے محبت و اخوت کی لڑی میں پرو دے۔ وہی اتحاد و محبت جس کے سبب اس کا ماضی تابناک بنا اور وہ دنیا میں کامران و سرخرو ٹھہری۔

۱۳- ہمیں پھر سے اسی خدمت پر متقرر کر، اپنا معاملہ اپنے عاشقوں کے سپرد کر یعنی ہمیں پھر سے کلمہ حق بلند کرنے کی توفیق سے نواز جس سے ہم نے دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا تھا۔ وہی پہلے والا جوش و جذبہ اپنے ان عاشقوں (مسلمانوں) کو عطا کر جس سے وہ تیری عظمت و کبریائی کا نعرہ پھر سے دنیا میں بلند کر سکیں۔

۱۴- اپنی (خدا کی) راہ میں چلنے والوں کو تسلیم کی منزل عطا کر اور حضرت ابراہیمؑ کے ایمان کی سی قوت سے نواز۔ قرآنی تلمیح، حضرت ابراہیمؑ کا خواب میں خدا کی طرف سے حضرت اسماعیلؑ کو ذبح کرنے کا حکم، اس پر ان کا عمل اور پھر ان کی جگہ مینڈھے کی قربانی کا واقعہ۔ یہ گویا قوت ایمانی تھی اور سچا عشق تھا جس نے حضرت ابراہیمؑ کے دل میں یہ بات پوری طرح بٹھا دی تھی کہ:

یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ و پیوند　　　بتانِ وہم و گماں "لا الہ الا اللہ"

اور یہی تسلیم کی منزل ہے، گویا:

سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

اسی حوالے سے علامہ نے دعا کی ہے کہ مسلمان پھر اسی جذبے سے سرشار ہو جائیں جو کبھی ان کا وطیرہ تھا۔

۱۵- عشق کو "لا" کے وظیفے سے آگاہ کر اور اسے "الا اللہ" کی حقیقت سے آشنا کر یعنی مسلمان طاغوتی اور باطل قوتوں کا انکار کرے اور پھر اس کا تجھ معبود و حاکم مطلق پر پختہ ایمان ہو۔ جب مسلمان اس پر عمل پیرا ہوگا تو وہ پھر سے اپنا کھویا ہوا مقام حاصل

کرے گا۔

۱۶۔	من کہ بہر دیگراں سوزم چو شمع	بزم خود را گریہ آموزم چو شمع
۱۷۔	یارب آں اشکے کہ باشد دل فروز	بے قرار و مضطر و آرام سوز
۱۸۔	کارمش در باغ و روید آتشے	از قبائے لالہ شوید آتشے
۱۹۔	دل بدوش و دیدہ بر فرداستم	درمیان انجمن تنہاستم
۲۰۔	"ہر کسے از ظن خود شد یار من	از درون من نجست اسرار من"
۲۱۔	درجہاں یارب ندیم من کجاست	نخل سینایم، کلیم من کجاست
۲۲۔	ظالم برخود ستم ہا کردہ ام	شعلہ ے را در بغل پروردہ ام

۱۶۔ میں جو دوسروں کے لیے شمع کی مانند جل رہا ہوں، اپنی بزم یعنی ملت کو شمع کی صورت رونا سکھا رہا ہوں۔ علامہ نے ملت کے غم میں اپنی حالت کی عکاسی کی ہے اور یہ کہ وہ اپنی شاعری کے ذریعے قوم کو بیدار کر رہے ہیں اور اس میں ایسا سوز و تپش پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جس کی بدولت وہ پھر سے اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرے۔

۱۷۔ یاالٰہی! ایسا آنسو عطا کر جو دل کو منور کر دے، جو بے قرار ہو، بے تاب ہو اور آرام کو جلا دینے والا ہو۔ حدیث رسول اکرمؐ ہے "البکاء ینور قلب" رونا دل کو روشن کرتا ہے۔ رونا یعنی اللہ کے حضور گڑگڑانا اور اپنی عاجزی و انکسار کا اظہار کرنا کیونکہ خدا کو اپنے بندوں کی یہ ادا پسند ہے۔ علامہ ہی کے بقول:

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے، نگاہ آئینہ ساز میں

یعنی ایسا رونا جو نہ صرف دل کو غیر اللہ/ ماسوا اللہ کی آلودگیوں سے پاک کر دے بلکہ اس میں سوز و درد اور تپش بھی ہو کہ اسی سے قوم میں وہ جذبہ پیدا کیا جا سکتا ہے جس سے وہ اپنا کھویا ہوا مقام پھر حاصل کر سکے۔

۱۸۔ میں وہ آنسو باغ (ملت) میں بوؤں اور اس سے آگ اُگے، ایسی آگ جو لالہ کی قبا سے آگ کو دھو ڈالے یعنی اس آگ کے سامنے لالہ کی سرخی بھی ماند پڑ جائے۔ مطلب یہ کہ میری شاعری میں وہ سوز و جذبہ، درد اور تاثیر پیدا ہو جو مسلمانوں کے دلوں میں جوش و ولولہ پیدا کر دے اور اس طرح وہ جہد مسلسل اور عمل پیہم کی طرف مائل ہوں جو ان کی عظمت کا اور غلامی و پستی سے نجات کا ضامن ہو۔

۱۹۔ دل تو میرا ماضی میں کھویا ہوا ہے جبکہ آنکھیں مستقبل کی طرف ہیں۔ میں بزم میں

رہتے ہوئے بھی تنہا ہوں۔ ماضی میں مسلمانوں نے جو عظیم کارنامے انجام دیے، وہ علامہ کے پیشِ نظر ہیں اور وہ ملتِ اسلامیہ کا مستقبل اسی طرح روشن دیکھنا چاہتے ہیں جس کے لیے وہ اپنی شاعری کے ذریعے ملت کو بیدار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کا تنہا ہونا یوں ہے کہ ان کے پیغام بیداری کی طرف توجہ نہیں کی جا رہی۔ بقول شاعر:

میں ایسے جمگھٹے میں کھو گیا ہوں جہاں میرے سوا کوئی نہیں ہے

علامہ نے اگلے شعر میں جو مولانا رومی کی مثنوی سے ہے، اپنی تنہائی کی وضاحت کی ہے۔

۲۰۔ ہر کوئی اپنے اپنے خیال کے مطابق میرا دوست بن گیا لیکن کسی نے میرے اندر جھانک کر میرے اسرار جاننے کی کوشش نہ کی۔ علامہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہر کسی نے میری شاعری کو جو سراسر ملت کے غم میں اور اسے (ملت کو) بیدار کرنے کے لیے پیغام کی صورت میں ہے، اپنے حسبِ منشا معنی پہنائے۔ میں کسی جذبے میں ڈوب کر اور کسی سوز دروں سے جل کر یہ پیغام دے رہا ہوں، اس کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی (بلکہ اپنی کج فہمی کی بنا پر بعض نام نہاد ملاؤں اور صوفیوں نے تو علامہ پر نہ صرف کیچڑ اچھالا بلکہ ان پر کفر تک کا بھی فتویٰ لگا دیا۔)

۲۱۔ یا رب! دنیا میں میرا ہم خیال کہاں ہے، میں کوہ طور کا تجلی ہوں، میرا کلیم کہاں ہے؟ اس شعر میں گویا اپنے ہم خیال یا ہم خیالوں کے لیے اللہ کے حضور درخواست ہے۔ دوسرے مصرعے میں یہی بات استعارے میں کہی ہے اور اس کے لیے حضرت موسیٰ کلیم اللہ اور کوہ طور کے تجلی کی قرآنی تلمیح سے استفادہ کیا ہے۔ مطلب یہ کہ انھیں ایسے ساتھی/ہم خیال میسر آ جائیں جو ان کے مذکورہ درد کو سمجھ سکیں اور ان کی شاعری کی روح سے آگاہ ہو کر ملت کو اس کی صحیح تعبیر بتائیں۔ شاید اس طرح وہ ملت کی بیداری کا خواب پورا ہوتا دیکھ لیں۔

۲۲۔ میں ظالم ہوں، میں نے اپنے اوپر بہت ستم کیے ہیں۔ میں نے اپنے پہلو میں ایک شعلہ پالا ہے۔ ظالم اس لحاظ سے کہ وہ ملت کے غم میں جس درد و کرب سے گذر رہے تھے (اور ملت اس سے بے خبر تھی) وہ گویا خود پر ظلم کرنا تھا۔ شعلہ پالنے سے مراد ایسا دل ہے جو اس سوز و جذبے سے پر ہے۔

۲۳- شعلہ ے غارت گر سامانِ ہوش آتشے افگندہ در دامانِ ہوش
۲۴- عقل را دیوانگی آموختہ علم را سامانِ ہستی سوختہ
۲۵- آفتاب از سوز او گردوں مقام برقہا اندر طواف او مدام
۲۶- ہم چو شبنم دیدۂ گریاں شدم تا امینِ آتش پنہاں شدم
۲۷- شمع را سوز عیاں آموختم خود نہاں از چشم عالم سوختم
۲۸- شعلہ ہا آخر ز ہر مویم دمید از رگِ اندیشہ ام آتش چکید
۲۹- عندلیبم از شرر ہا دانہ چید نغمہ آتش مزاجے آفرید

۲۳- وہ شعلہ (جس کا ذکر شعر ۲۲ میں آیا ہے) ایک ایسا شعلہ ہے جو عقل وشعور کا اثاثہ و اسباب لوٹ لینے والا ہے جس نے ہوش وخرد کے دامن میں آگ لگا دی ہے۔ علامہ صاحب علم وفضل اور مفکر تھے لیکن چونکہ عشق کے نتیجے میں اس علم وفضل اور فکر وفلسفہ کی اہمیت کم یا ختم ہو جاتی ہے' اس لیے عشق گویا شعلہ ہے جس نے عقل وخرد کو جلا دیا۔ بالکل مولانا رومیؒ کی طرح جو بہت بڑے عالم اور واعظ تھے لیکن جب وہ عشق کی طرف آئے تو انہوں نے فکر وفلسفہ کو ایک طرف رکھ دیا یعنی اس سے بے نیاز ہو گئے۔

۲۴- اس شعلہ/عشق نے عقل کو وارفتگی کی تعلیم دی اور علم کی ہستی کا ساز وسامان جلا ڈالا۔ اس استعارے سے عشق کی عقل وخرد پر برتری زوردار الفاظ میں بیان کی ہے یعنی علامہ کی ساری علمیت، فکریت اور فلسفیت پر عشق کا غلبہ ہو گیا یا وہ عشق کی صورت اختیار کر گئی اور اس کی کوئی اہمیت ووقعت نہ رہی۔ اس لیے کہ بقول رومیؒ علم وفلسفہ لکڑی کا پاؤں ہے اور اس میں اتنی اہلیت نہیں کہ منزل تک پہنچا دے:

پائے استدلالیاں چوبیں بود پائے چوبیں سخت بے تمکین بود

۲۵- سورج اس کی تپش کی بدولت آسمان کی سی رفعت وبلندی والا ہے۔ بجلیاں ہر وقت اس کا طواف کر رہی ہیں۔ سورج میں انتہا کی تپش ہے۔ اسی طرح آسمانی بجلی میں جلا دینے کی بے حد قوت ہے۔ علامہ کا مطلب ہے کہ ان کے پہلو والے شعلے میں وہ گرمی اور سوز وحدت ہے کہ خود سورج کو اس (شعلے) کی وجہ سے عظمت ملی ہے یا یہ کہ سورج اور بجلی اسی شعلے کا حصہ ہیں۔ گویا علامہ نے انتہائی مبالغے کے ساتھ اپنے شعلہ عشق کی تپش کی تصویر کشی کی ہے۔

۲۶- میں شبنم کی طرح روتی ہوئی آنکھ بن گیا۔ جب کہیں پوشیدہ آگ کا امانت دار بنا۔

ملت کے غم میں اپنی کثرت گریہ کی بات کی ہے۔ رونا انسان کے اندر آگ سی لگا دیتا ہے۔ چنانچہ ایک پنجابی شاعر کے مطابق:

اکھیاں نوں نھار کے دل ساڑھ دیندے نے فقیر — اتھرو اکھاں دے چنگیاڑے نیں دل دی اگ دے

علامہ نے اسی حوالے سے پوشیدہ آگ کا امانت دار بننے کی بات ہے۔

۲۷- شمع کو تو میں نے آشکارا جلنا سکھایا لیکن خود میں دنیا کی نظروں سے مخفی / پوشیدہ جل گیا۔ راتوں کو اپنی بیداری اور سوز و فکر میں ڈوبے رہنے کی بات کی ہے۔ جذبوں کی آگ یا تپش میں وہ جس طرح اندر ہی اندر جلتے رہے، اسے کوئی نہ جان سکا، جلتی ہوئی شمع تو سب کو نظر آ جاتی ہے۔

۲۸-۲۹: آخر میرے روئیں روئیں سے شعلے پھوٹ پڑے اور میرے فکر کی رگ سے آگ ٹپک پڑی۔ میری بلبل نے چنگاریوں سے دانہ دنکا چنا اور پھر آگ کی سی فطرت والا نغمہ پیدا کیا۔ ان دونوں شعروں میں بھی مذکورہ کیفیت میں ڈوبے رہنے کا ذکر استعاروں میں ہے۔ آخر ان کا سارا سوز و جذبہ شعروں میں ڈھل گیا۔ بے شک علامہ کی شاعری نے ملت خوابیدہ میں ایک نئی روح پھونک دی جسے دوسرے لفظوں میں آگ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

۳۰- سینہ عصر من از دل خالی است — می تپد مجنوں کہ محمل خالی است
۳۱- شمع را تنہا تپیدن سہل نیست — آہ یک پروانہ من اہل نیست
۳۲- انتظار غم گسارے تا کجا — جستجوے رازدارے تا کجا
۳۳- اے ز رویت ماہ و انجم مستنیر — آتش خود را ز جانم باز گیر
۳۴- ایں امانت باز گیر از سینہ ام — خار جوہر برکش از آئینہ ام
۳۵- یا مرا یک ہم دم دیرینہ دہ — عشق عالم سوز را آئینہ دہ

۳۰- میرے دور کے افراد ملت کا سینہ دل سے خالی ہے۔ مجنوں تڑپ رہا ہے کہ محمل خالی ہے یعنی ملت اسلامیہ میں وہ ماضی والا جوش و جذبہ نہیں رہا جس سے وہ کبھی دنیا پر چھا گئی تھی۔ دوسرا مصرع تمثیل کا ہے۔ مجنوں علامہ ہیں اور محمل کا خالی ہونا ملت کا جذبوں سے خالی ہونا ہے۔

۳۱- شمع کے لیے اکیلے جلنا آسان نہیں، افسوس کہ میرا ایک بھی پروانہ یعنی فرد ملت اہل نہیں ہے۔ وہی بات دوسرے انداز میں کہی ہے۔ گویا اس دکھ کا اظہار ہے کہ جس

آگ میں وہ جل رہے ہیں (ملت کے غم کی آگ) افراد ملت اس کے احساس تک سے محروم ہیں ورنہ وہ ان کے پیغام کو سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہوتے اور جہد مسلسل سے اپنا کھویا ہوا مقام پا لیتے لیکن علامہ ہی کے لفظوں میں:

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا　　کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

۳۲۔ کسی شریک غم کا انتظار کب تک کیا جائے، کب تک کسی رازدار کی تلاش کی جائے۔ ملت کی بے حسی کے سبب کوئی بھی علامہ کو سمجھ نہیں سکا۔ اس پر اظہار افسوس کرتے ہوئے یہ کہنا چاہا ہے کہ وہ کب تک اکیلے اس آگ (غم ملت) میں جلتے رہیں۔

۳۳۔ اے خدا! تیرے چہرے سے چاند اور ستارے روشن ہیں تو میری جان سے اپنی آگ واپس لے لے یعنی جب ان کے پیغام پر کوئی توجہ ہی نہیں دے رہا اور وہ اکیلے مذکورہ آگ میں جل رہے ہیں تو اس کا فائدہ؟ بہتر ہے یہ ختم ہی ہو جائے۔

۳۴۔ اپنی یہ امانت تو میرے سینے سے واپس لے لے۔ میرے آئینے سے جوہر کا کانٹا نکال ڈال۔ نئے استعارے میں پہلی والی بات۔

۳۵۔ (اگر ایسا نہیں تو) پھر تو مجھے کوئی پرانا رفیق ہی عطا کر، دنیا کو جلا دینے والے عشق کو آئینہ عطا کر یعنی ایک ایسا ہم دم/ رفیق جو علامہ کے جذبوں اور ان کے پیغام کو سمجھ سکے اور آگے پھیلا سکے۔ دوسرے مصرعے میں اپنے مذکورہ عشق کو دنیا کو جلا ڈالنے والے اور رفیق کو آئینہ سے تشبیہ دی ہے یعنی وہ رفیق بھی ایسے ہی پرسوز جذبوں کا حامل ہو جو علامہ کے ہیں۔

۳۶۔ موج در بحر است ہم پہلوے موج　　ہست با ہم دم تپیدن خوے موج
۳۷۔ بر فلک کوکب ندیم کوکب است　　ماہ تاباں سر بزانوے شب است
۳۸۔ روز پہلوے شب یلدا زند　　خویش را امروز و بر فردا زند
۳۹۔ ہستی جوئے بجوے گم شود　　موجہ بادے ببوے گم شود
۴۰۔ ہست در ہر گوشہ ویرانہ رقص　　می کند دیوانہ با دیوانہ رقص

۳۶۔ موج سمندر میں دوسری موج کے ساتھ مل کر چلتی ہے۔ باہم مل کر یعنی اپنی ساتھی موج کے ساتھ مل کر تڑپنا موج کی فطرت ہے۔ ان پانچ شعروں میں عناصر فطرت سے مثالیں دے کر یہ واضح کرنا چاہا ہے کہ ہر عنصر کا اپنا رفیق ہے یعنی ان عناصر میں بھی باہمی رفاقت ہے۔ پھر مجھے (علامہ کو) کہ انسان ہوں، کیوں ساتھی/ ہمدم نہیں مل رہا۔

۳۷- آسمان پر ایک ستارہ دوسرے ستارے کا مقرب/ساتھی ہے، درخشاں چاند رات کی گود میں سر رکھے رہتا ہے، یہ بھی ہمدمی اور رفاقت کی علامت ہے۔

۳۸- دن، تاریک اور طویل رات کے ساتھ پہلو زنی کرتا ہے۔''امروز'' (آج) خود کو ''فردا'' (آنے والے کل) پر گراتا ہے۔ باہمی رفاقت و ہمدمی۔

۳۹- ایک ندی کا وجود دوسری ندی میں گم ہو جاتا ہے۔ ہوا کا جھونکا کسی خوشبو میں گم ہو جاتا ہے۔

۴۰- ویرانے کے ہر گوشے میں رقص جاری ہے۔ ایک دیوانہ دوسرے دیوانے کے ساتھ مل کر رقص کرتا ہے۔

۴۱- گرچہ تو در ذات خود یکتاستی　　عالمے از بہر خود آراستی
۴۲- من مثالِ لالۂ صحرا ستم　　درمیانِ محفلے تنہاستم
۴۳- خواہم از لطف تو یارے ہمدمے　　از رموزِ فطرتِ من محرمے
۴۴- ہمدمے، دیوانہ ے، فرزانہ ے　　از خیالِ این و آں بیگانہ اے
۴۵- تابجانِ او سپارم ہوئے خویش　　باز بینم در دلِ او روئے خویش
۴۶- سازم از مشتِ گِلِ خود پیکرش　　ہم صنم اورا شوم ہم آزرش

۴۱- اگرچہ (اے خدا) تو اپنی ذات میں یکتا (لاشریک ہے) لیکن پھر بھی تو نے اپنی خاطر یعنی اپنی تنہائی دور کرنے کی خاطر ایک پوری کائنات سجا ڈالی ہے۔

۴۲- میں صحرا کے گل لالہ کی مانند تنہا ہوں۔ محفل میں ہوتے ہوئے بھی تنہا ہوں۔ مطلب یہی کہ مجھے کوئی ہمدم و رفیق نہیں مل رہا جو میرے حیات افروز پیغام کو سمجھ سکے اور آگے پہنچا سکے۔

۴۳- میں تیرے لطف و کرم سے ایک ایسے رفیق و غمگسار اور دولت کا طالب ہوں جو میری فطرت کی حقیقتوں سے پوری طرح واقف ہو۔

۴۴- وہ ایسا ساتھی ہو جو وارفتگی/دیوانگی عشق کے ساتھ ساتھ عقل و شعور سے بھی آراستہ ہو، جو ہر کس و ناکس کے خیال سے یا دنیاوی عز و جاہ سے ناواقف ہو یعنی اس کی روح جذبۂ عشق سے سرشار ہو اور وہ دنیوی علائق سے پاک ہو۔

۴۵- تاکہ میں اپنی ''ہو'' اس کے حوالے کر دوں، پھر اس کے دل میں اپنا چہرہ دیکھوں یعنی ایسا رفیق جو علامہ کے افکار و احساسات اور جذبات کی قدر و اہمیت سے کما حقہ آگاہ

ہو اور انہیں پوری طرح سمجھ سکے اور یوں علامہ اپنی بے تاب تمناؤں کا عکس اس کی ذات میں دیکھ لیں۔

۳۶۔ میں اپنی مٹھی بھر خاک سے اس کا جسم بناؤں، پھر خود ہی اس کا بت بن جاؤں اور خود ہی اسے تراشنے والا بھی بن جاؤں یعنی وہ (علامہ) خود ایسے رفیق کو تیار کریں، پھر وہ ان کے افکار و جذبات سے پوری طرح آگاہ ہو کر اور ان میں ڈوب کر ان کی تعلیمات، عشق و محبت، خلوص اور سوز و جذب دروں کا ترجمان بن جائے۔

گویا محترم پروفیسر ڈاکٹر عبدالشکور احسن صاحب کے لفظوں میں: ''یہ کتاب کسی ہمدم اور دیدہ ور کی آرزو کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ شاعر مضطرب ہے کہ اس نے جو حیات افروز پیغام قوم کے حضور پیش کیا ہے، اسے سمجھنے والے پیدا ہوں تا کہ ایک نئے معاشرے کی تخلیق ممکن ہو اور اس افسردہ انجمن میں پھر سے بہار آئے۔ یہ آرزو اس بات کی دلیل ہے کہ شاعر کو خود اپنے پیغام کی حقانیت اور عظمت پر اعتماد کامل ہے اور اسے اپنی ذات میں ایک رہبرانہ شان کا احساس ہوتا ہے۔'' (اقبال کی فارسی شاعری کا تنقیدی جائزہ، ص ۵۰-۵۱)

تمت بالخیر

maablib.org

شرحِ مثنوی رموزِ بیخودی

(متن' لغت' ترجمہ' شرح' فرہنگ)

جہد کن در بیخودی' خود را بیاب
زود تر' "واللہ اعلم بالصواب"
(مولینا رومؒ)

تو بیخودی کے حصول میں کوشش کر اور اس طرح خود کو پالے اور اس کام میں جلدی کر' اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ یعنی اپنی معرفت کے حصول میں جلدی کرنی چاہیے ورنہ موقع ہاتھ سے نکل سکتا ہے۔

پیش کش بحضور ملّتِ اسلامیہ

(ملت اسلامیہ کے حضور نذرانہ)

منکر نتواں گشت اگر دم زنم از عشق
ایں نشہ بمن نیست اگر با دگرے ہست
(عرفیؔ)

(اگر میں عشق کا دعویٰ کرتا ہوں تو اس سے میں انکار نہیں کرتا۔ ہاں! اگر کسی اور کو یہ نشہ ہے تو پھر یہ مجھے نہیں ہے۔ گویا شاعر کے مطابق اگر کوئی اور بھی عشق کا دعویٰ کرتا ہے تو شاعر اپنی انفرادیت اور انا کو برقرار رکھنے کی خاطر عشق اور دعویٰ عشق ہی سے باز آنے کو تیار ہے۔)

۱۔ اے ترا حق خاتمِ اقوام کرد ۔۔۔ بر تو ہر آغاز را انجام کرد
۲۔ اے مثالِ انبیاؑ پاکانِ تو ۔۔۔ ہمگر دلہا جگر چاکانِ تو
۳۔ اے نظر بر حسنِ ترسا زادہ اے ۔۔۔ اے ز راہِ کعبہ دور افتادہ اے

ان اشعار میں اور اگلے اشعار میں ملتِ اسلامیہ کو مخاطب کرتے ہوئے پہلے اس کی اہمیت و وقعت کی بات اور پھر قوم کی خامیوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی کی ہے۔

۱۔ پہلے شعر کے مطابق اللہ تعالٰی نے اسے (ملتِ اسلامیہ کو) تمام قوموں کا خاتم بنایا اور اسی پر ہر آغاز کو ختم کر دیا۔ اس میں سورۂ مائدہ کی آیت ۳ کی طرف اشارہ ہے جس میں ارشادِ ربانی ہے کہ ''آج کے دن ہم نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر تمام نعمتیں پوری کیں اور دینِ اسلام کو تمہارے لیے پسند کیا۔

۲۔ اے ملتِ اسلامیہ تیرے پاک لوگ نبیوں کی مانند ہیں۔ تیرے عاشق دلوں کے رفوگر ہیں۔ یعنی ان میں انبیائے کرام علیہم السلام کی سی خوبیاں ہیں جبکہ ذاتِ الٰہی کے عاشقوں کو اس ذات کی مخلوق سے بھی پیار ہے اور وہ ان کے دکھ درد دور کرنے میں لگے رہتے ہیں۔

۳۔ اے موجودہ دور کے مسلمان تیری نظریں نصرانی حسینوں کے حسن پر لگی ہیں اور تو کعبہ کے راستے سے دور ہٹ گیا ہے۔ تو یورپ کی تہذیب، علم و ہنر اور ظاہری حسن پر فریفتہ ہو کر اپنے مذہب اسلام سے دور ہو گیا ہے۔

۴۔ اے فلک مشتِ غبارِ کوئے تو ۔۔۔ ''اے تماشا گاہِ عالم روئے تو''
۵۔ ہمچو موج آتش تہ پای روی ۔۔۔ ''تو کجا بہرِ تماشا می روی''

۴۔ اے (ملتِ اسلامیہ) یہ آسمان تیرے کوچے کی مٹھی بھر خاک ہے اور تیرا چہرہ دنیا والوں کے لیے تماشا گاہ ہے۔

۵۔ تو لہر کی طرح بڑی بیقراری یا تیزی سے چل رہی ہے، تو کس کے نظارے کے لیے جا رہی ہے۔

مطلب یہ کہ ملتِ اسلامیہ کی عظمت کے مقابلے میں کسی اور کو وہ عظمت حاصل نہیں اور اسلام سے وابستگی کی بنا پر وہ دوسری قوموں کی توجہ کا مرکز ہے۔ جبکہ موجودہ دور کی ملت، یورپی تہذیب و تمدن وغیرہ سے بری طرح متاثر ہو کر اس کی پیروی میں لگی ہوئی ہے۔

(نوٹ: دونوں شعروں کے دوسرے مصرعے کسی شاعر کا ایک شعر ہیں۔ اس شعر کو غلط طور پر سعدی سے منسوب کیا گیا ہے جبکہ یہ برصغیر کے کسی شاعر کا شعر معلوم ہوتا ہے۔)

۶- رمز سوز آموز از پروانہ اے — در شرر تعمیر کن کاشانہ اے

۷- طرح عشق انداز اندر جانِ خویش — تازہ کن با مصطفیٰؐ پیمانِ خویش

۶- تو کسی پروانے سے جلنے تڑپنے کی رمز سیکھ اور چنگاری میں ایک محل تعمیر کر لے۔ پروانہ عاشقِ شمع ہے وہ اس پر جل جاتا ہے لیکن پیچھے نہیں ہٹتا۔ تو بھی اے ملّت اسلامیہ خدا اور رسولؐ اکرم کے عشق کی تڑپ پیدا کر کے دونوں جہانوں میں اپنے لیے سرخروئی اور عظمت و سربلندی کا سامان کر۔

۷- تو اپنی جان میں عشق کی بنیاد رکھ اور مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ اپنے عہد و پیمان کی تجدید کر۔ حضور اکرمؐ کا دامن پھر سے تھام اور حضورؐ کی تعلیمات و پیغام پر عمل پیرا ہو کر باوقار زندگی بسر کر۔

۸- خاطرم از صحبت ترسا گرفت — تانقاب روے تو بالا گرفت

۹- ہم نوا از جلوۂ اغیار گفت — داستانِ گیسو و رخسار گفت

۱۰- بردرِ ساقی جبیں فرسود او — قصۂ مغ زادگاں پیمود او

۱۱- من شہیدِ تیغِ ابروے توام — خاکم و آسودۂ کوے توام

۸- جب سے تیرے چہرے کا نقاب اوپر کو اٹھ گیا ہے' میرا جی ترسا کی رفاقت سے اچاٹ ہو گیا ہے۔ اے ملت اسلامیہ مجھے تجھ سے اس قدر محبت ہے کہ میں نے عام حسینوں سے دل ہٹا کر ساری توجہ تیری طرف کر لی ہے۔ علامہ نے ملت اسلامیہ کو اپنا محبوب قرار دے کر اس انداز میں باتیں کی ہیں۔ (ترسا سے مراد اہل یورپ یا یورپی تہذیب بھی ہو سکتے ہیں)

۹- میرے ہم نوا نے غیروں کے نظارے کی بات اور زلف و رخسار کی داستان بیان کی۔ یعنی دوسرے شعرا اپنے اشعار میں عام حسینوں کے ظاہری حسن اور زلف و رخسار ہی کی مدح سرائی کرتے رہے۔ بقول حالی: ؏

آگے بڑھے نہ قصۂ عشق بتاں سے ہم

اور خود علامہ کے بقول:

ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس

آہ بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

۱۰- اس (ہم نوا) نے ساقی کے در پر جبیں فرسائی کی اور مغ زادوں کا قصہ بیان کیا۔ عام

شعرا ان حسینوں ہی کے حسن میں کھوئے رہے۔

-۱۱ (لیکن) میں تو تیرے (ملت اسلامیہ) ابروؤں کی تلوار کا مارا ہوا ہوں۔ میں خاک ہوں اور تیرے کوچے میں سکون و آسودگی سے پڑا ہوا ہوں۔ علامہ نے ملت اسلامیہ سے اپنی انتہائی وابستگی کا اظہار ان استعاروں میں کیا ہے۔

-۱۲ از ستائش گستری بالاترم   پیش ہر دیواں فرو ناید سرم

-۱۳ از سخن آئینہ سازم کردہ* اند   وز سکندر بے نیازم کردہ اند

-۱۴ بارِ احساں برنتابد گردنم   در گلستاں غنچہ گردد دامنم

-۱۵ سخت کوشم مثلِ خنجر در جہاں   آب خود می گیرم از سنگِ گراں

-۱۲ میں مدح سرائی سے بہت بلند ہوں۔ ہر دیوان کے آگے میرا سر نہیں جھکتا۔ یعنی میں کسی انعام کی خاطر حاکمانِ وقت کی مدح سرائی نہیں کرتا' اس سے بہت دور رہتا ہوں۔

-۱۳ مجھے قدرت نے شعر و سخن کی بدولت آئینہ ساز بنا دیا ہے اور اس طرح مجھے سکندر سے بے نیاز کر دیا ہے۔ یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ قدرت نے مجھے میری خودی و معرفت سے پوری طرح آگاہ کر دیا ہے اور مجھے اب کسی کی بھی محتاجی نہیں رہی۔

-۱۴ میری گردن کسی کے احسان کو برداشت نہیں کرتی' چنانچہ گلستان میں میرا دامن غنچے کی طرح سمٹ کے رہ جاتا ہے۔ یعنی باغ میں ہوتے ہوئے بھی میں پھولوں کا احسان لینا پسند نہیں کرتا یا اگر مجھے کوئی فائدہ پہنچانا بھی چاہے تو میں قبول نہیں کرتا۔

-۱۵ میں دنیا میں خنجر کی طرح سخت کوش ہوں اور اپنی چمک اور تیزی' پتھر کی سل سے حاصل کرتا ہوں۔ خنجر یا چھری وغیرہ کو پتھر پر گھسایا جائے تو اس میں چمک اور تیزی پیدا ہوتی ہے' یہ گویا خنجر کی سخت جانی کی علامت ہے۔ اسی حوالے سے علامہ نے اپنی سخت جانی اور سخت کوشی کی بات کر کے اپنی روحانی آب و تاب اور اپنی معرفت شناسی کا اظہار کیا ہے۔

-۱۶ گرچہ بحرم' موجِ من بیتاب نیست   بر کفِ من کاسۂ گرداب نیست

-۱۷ پردۂ رنگم' شمیمے نیستم   صیدِ ہر موجِ نسیمے نیستم

-۱۸ در شرار آبادِ ہستی اخگرم   خلعتے بخشد مرا خاکسترم

-۱۹ بر درت جانم نیاز آوردہ است   ہدیۂ سوز و گداز آوردہ است

-۱۶ اگرچہ میں سمندر ہوں لیکن میری موجوں میں بے قراری نہیں ہے۔ میرے ہاتھ میں بھنور کا کشکول نہیں ہے۔ بھنور میں بھی موجوں کی سی بے قراری ہوتی ہے۔ غالباً یہ مراد ہے کہ

اپنی تمام تر ذہنی و روحانی وسعت و کشادگی لیے ہوئے ہوں اور آپے سے باہر نہیں ہو رہا۔

۱۷- میں رنگ کا پردہ ہوں' کوئی خوشبو نہیں ہوں' میں کسی باد نسیم کی ہر لہر کا شکار نہیں ہوں۔ باد نسیم یعنی صبح کی ہوا جب چلتی ہے تو اس سے پھول کھلتے اور چمن میں خوشبو پھیل جاتی ہے۔ گویا خوشبو' باد نسیم کا شکار ہے۔ اس ہوا سے پھول کا رنگ اپنی جگہ برقرار رہتا ہے۔ یعنی مجھے دنیا کی اس ظاہری چمک دمک یا مادی فوائد سے کوئی لگاؤ یا واسطہ نہیں ہے۔ دنیا سے اپنی بے نیازی کی بات کی ہے۔

۱۸- میں ہستی کے شرار میں انگارا ہوں۔ میری راکھ مجھے خلعت عطا کرتی ہے۔ اس شعر میں بھی نئے استعارے سے مادی فوائد اور دنیا سے اپنی بے نیازی کا ذکر کیا ہے۔

۱۹- میری جان تیری چوکھٹ پر اپنا نذرانہ لے کر آئی ہے۔ وہ سوز و گداز کا تحفہ لے کر حاضر ہوئی ہے۔ اس شعر سے ملت اسلامیہ سے خطاب شروع ہے۔ مطلب یہ کہ علامہ اپنے تمام تر مذکورہ بالا اوصاف کے باوصف اپنے دل میں ملت کا بڑا درد رکھتے اور اس کی پھر سے پہلے والی سربلندی و عظمت کے لیے اپنی جان تک کا نذرانہ دینے کے لیے تیار ہیں۔

۲۰- ز آسمان آبگوں یم می چکد   بر دل گرمم دمادم می چکد

۲۱- من ز جو باریکتر می سازمش   تا بہ صحن گلشنت اندازمش

۲۲- زانکہ تو محبوب یار ماستی   ہمچو دل اندر کنار ما ستی

۲۰- نیلے آسمان سے سمندر ٹپک یا برس رہا ہے اور میرے گرم دل پر لگاتار ٹپک رہا ہے۔ یعنی افکار نازل ہو رہے ہیں اور میرے پرسوز دل میں لگاتار وارد ہو رہے ہیں۔

۲۱- میں اس سمندر کو ندی سے بھی زیادہ باریک صورت دے رہا ہوں تاکہ اسے تیرے گلشن کے صحن میں رواں کر دوں' جس طرح ندی کے پانی سے باغ میں پھول کھلتے ہیں' اسی طرح میرے یہ افکار تجھ میں عظیم جذبے پیدا کرنے کا باعث بنیں۔

۲۲- اس لیے کہ تو (امتِ مسلمہ) ہمارے دوست (خدا تعالیٰ) کی محبوب ہے اور اسی بنا پر تو ہمارے پہلو میں دل کی طرح موجود ہے (فرہنگ دیکھیے)۔ علامہ نے امت مسلمہ سے اپنی بے حد وابستگی کا اظہار کیا ہے۔

۲۳- عشق تا طرح فغاں در سینہ ریخت   آتش او از دلم آئینہ ریخت

۲۴- مثل گل از ہم شگافم سینہ را   پیش تو آویزم ایں آئینہ را

۲۵- تا نگاہے افگنی بر روے خویش   می شوی زنجیری گیسوے خویش

۲۶- باز خوانم قصۂ پارینہ ات تازہ سازم داغ ہائے سینہ ات

۲۳- جب سے عشق نے میرے سینے میں آہ وفغاں کی بنیاد رکھی ہے' اس کی آگ میرے دل سے آئینہ گر' یا ڈھال رہی ہے۔ علامہ کا عشق' ظاہر ہے' حضور اکرمؐ اور امت مسلمہ سے ہے اور عشق میں شدتِ جذبات کی بنا پر ایک عاشق کی جو دلی کیفیت ہو سکتی ہے' یہاں اس کا اظہار ہے۔

۲۴'۲۵- میں پھول کی طرح سینے کو چاک چاک کر رہا ہوں اور یہ آئینہ تیرے سامنے لٹکا تا ہوں' تا کہ تو اس میں اپنے چہرے پر نگاہ ڈالے اور اس طرح اپنی ہی زلف گرہ گیر کی اسیر ہو جائے۔ ملت اسلامیہ ماضی میں اپنی روایات اور عظمت و سربلندی کی بنا پر دنیا پر چھائی ہوئی تھی لیکن پھر وہ اپنے ہی نفاق وغیرہ کے باعث ذلت وزوال کا شکار ہو گئی۔ علامہ کو اس پر دکھ ہے' وہ ملت میں پھر وہی جذبے اور وہی عظیم کردار و عمل پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اس بات کو انہوں نے محبوبہ کے حوالے سے زلف ورخسار کے استعارے میں بیان کیا ہے۔ آئینہ دکھانا یہی ہے کہ ملت اپنے عظیم ماضی کو پیش نظر رکھے۔

۲۶- میں تیری پرانی داستان پھر سے دہراتا اور تیرے سینے کے داغوں کو پھر سے ہرا کرتا ہوں۔ میں عظیم ماضی کے بیان سے تجھ (ملتِ اسلامیہ) میں پھر اسی کردار وعمل کا جذبہ پیدا کر کے تجھے اپنے عظیم ماضی کی طرف لوٹاتا ہوں۔

۲۷- از پے قومِ زخود نا محرمے خواستم از حق حیاتِ محکمے

۲۸- در سکوتِ نیم شب نالاں بدم عالم اندر خواب و من گریاں بدم

۲۹- جانم از صبرو سکوں محروم بود وردِ من "یا حیی یا قیوم" بود

۳۰- آرزوئے داشتم خوں کردمش تا ز راہِ دیدہ بیروں کردمش

۲۷- میں نے ایک ایسی قوم کے لیے' جو اپنے آپ سے بے خبر و بیگانہ ہے' خدا کے حضور حیاتِ محکم کی دعا کی ہے۔ علامہ نے ملتِ اسلامیہ کے لیے جو اپنے عظیم ماضی کو بھلا کر غلامی وذلت کا شکار ہو چکی ہے' اللہ تعالیٰ سے اس کی پھر سے سربلندی و عظمت کی دعا کی۔ اگلے شعروں میں قوم کے لیے اپنے درد کا بالواسطہ اظہار ہے۔

۲۸'۲۹- آدھی رات کے وقت میں نالہ وزاری کرتا' ایسے عالم میں کہ جب دنیا والے نیند میں ڈوبے ہوئے یا محو ہوتے میں (اللہ کے حضور) رو رہا ہوتا۔ میری روح صبر و سکون سے محروم ہو چکی تھی اور میں "یا حیی یا قیوم" کا ورد کرتا رہتا۔ یہ سب کچھ ملت کو

پھر سے سربلند دیکھنے کی آرزو کے باعث تھا۔

۳۰۔ میری ایک آرزو تھی جسے میں نے خون کر دیا اور پھر اسے آنکھوں کے راستے باہر کر دیا۔ مذکورہ آرزو پوری ہونے کے لیے دعا کچھ اس شدتِ جذبہ سے کی کہ میری آنکھوں سے خون کے آنسو رواں ہو گئے۔

۳۱۔ سوختن چوں لالہ پیہم تا کجا — از سحر دریوزۂ شبنم تا کجا
۳۲۔ اشک خود بر خویش می ریزم چو شمع — با شبِ یلدا در آویزم چو شمع
۳۳۔ جلوہ را افزودم و خود کاستم — دیگراں را محفلے آراستم

۳۱۔ لالہ کی طرح مسلسل جلتے رہنا کب تک اور صبح سے شبنم کی بھیک مانگنا کب تک۔ لالہ کے اندر ایک داغ ہوتا ہے۔ اسی داغ کے حوالے سے علامہ نے جلنا کہا۔ شبنم گویا پانی ہے جو اس آگ کو بجھاتا ہے۔ یعنی میں کب تک قوم کی خاطر تڑپ اور بے قراری کا شکار رہوں اور اس کے لیے دوسری قوموں سے بھیک مانگوں۔ (خدا کرے قوم کی سربلندی و عظمت کے لیے میری دعا جلد قبول ہو)۔

۳۲،۳۳۔ میں شمع کی طرح اپنے آنسو خود پر گرا رہا ہوں اور شمع کی مانند تاریک اور لمبی رات سے الجھ رہا ہوں۔ میں نے روشنی میں تو اضافہ کر دیا لیکن خود پگھل کر گھٹ گیا اور اس طرح میں نے دوسروں کے لیے محفل سجانے کا سامان کیا۔ شمع جلتی ہے تو اس کے قطرے اس پر گرتے رہتے ہیں۔ اس کے جلنے سے رات کی تاریکی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ گویا شمع کا رات سے الجھنا یا ٹکرانا ہے۔ وہ تو پگھلتی رہتی ہے لیکن لوگ اس کی روشنی میں اپنی محفلیں سجاتے ہیں۔ علامہ نے شمع کی مثال سے قوم کی خاطر راتوں کو اٹھ اٹھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی گریہ وزاری اور گڑگڑانے کی بات کی ہے

۳۴۔ یک نفس فرصت ز سوزِ سینہ نیست — ہفتہ ام شرمندۂ آدینہ نیست
۳۵۔ جانم اندر پیکر فرسودہ اے — جلوۂ آہے است گرد آلودہ اے
۳۶۔ چوں مرا صبحِ ازل حق آفرید — نالہ در ابریشم عودم تپید
۳۷۔ نالۂ افشاگر اسرارِ عشق — خوں بہائے حسرتِ گفتارِ عشق
۳۸۔ فطرتِ آتش دہد خاشاک را — شوخیِ پروانہ بخشد خاک را

۳۴۔ مجھے ایک پل کے لیے بھی سوزِ سینہ سے فرصت نہیں ہے۔ میرا ہفتہ جمعہ کا شرمندہ نہیں ہے۔ میرا دل ہر لحظہ تڑپ اور بے قراری میں کھویا رہتا ہے اور اس سلسلے میں پورا ہفتہ چھٹی کا

کوئی دن نہیں آتا۔ میری یہ حالت وکیفیت کسی رکاوٹ کے بغیر مسلسل برقرار رہتی ہے۔

۳۵- میری روح ایک گھسے پٹے جسم میں ایسے ہی ہے جیسے کوئی گرد آلود جلوۂ آہ ہو۔ آہ کے پرتو یا روشنی پر گرد پڑی ہو تو وہ صاف نظر نہیں آئے گا/آئے گی۔ اس مثال سے اپنے کمزور جسم میں اپنی غموں اور بے قراریوں کی حامل جان کا ذکر کیا ہے۔

۳۶، ۳۸- جب خدا تعالیٰ نے مجھے صبح ازل پیدا کیا تو میرے ساز کے تاروں میں نالہ تڑپ اٹھا۔ ایسا نالہ جو عشق کے رازوں کو افشا کرنے والا اور گفتار عشق کی حسرت کا خوں بہا ہے۔ یہ (نالہ) خس وخاشاک کو آگ کی فطرت عطا کرنے والا اور خاک کو پروانے کی سی شوخی سے نوازنے والا ہے۔ گویا علامہ فطرتاً اپنی قوم کے عاشق تھے اور اس کی عظمت و سربلندی کے لیے اللہ کے حضور ہر وقت نالہ وزاری کرتے رہے۔ اس کیفیت کو مذکورہ تشبیہوں سے واضح کیا ہے۔

۳۹- عشق را داغے مثال لالہ بس — در گریبانش گلِ یک نالہ بس

۴۰- من ہمیں یک گل بد ستارت زنم — محشرے بر خواب سرشارت زنم

۴۱- تا ز خاکت لالہ زار آید پدید — از دمت باد بہار آید پدید

۳۹- عشق کے لیے لالہ کا سا ایک داغ ہی کافی ہے۔ اس کے گریبان میں گل یک نالہ ہی بہت ہے۔ اس شعر میں عشق کی تجسیم (Personification) ہے۔ یعنی اسے آدمی بنایا گیا اور یہ کہا گیا ہے کہ اس کے لیے نالہ وزاری اور تڑپ اور بے قراری گویا ضروری ہے۔ عشق نام ہی ان باتوں کا ہے اور جب یہ قوم سے متعلق ہو تو اس کی شدت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

۴۰، ۴۱- میں یہی ایک پھول (نالہ) تیری دستار میں سجاتا ہوں اور اس طرح تیری گہری نیند یا تیرے خوابِ خرگوش کے لیے ایک محشر یا ہنگامے کا سامان کرتا ہوں تاکہ تیری خاک سے لالہ زار وجود میں آئے اور تیرے دم سے باد بہاری ظاہر ہو۔ ان اشعار میں ملتِ اسلامیہ سے خطاب ہے۔ یعنی اے ملتِ اسلامیہ تو جو جہد و عمل سے بیگانہ ہو کر غلامی کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ میں تجھے بیدار کرنے کے لیے اپنی شاعری کا سہارا لے رہا ہوں جو سراسر میری شدتِ جذبات اور تیری خاطر میری بے حد بیقراری و زاری کی حامل ہے، تاکہ تو بیدار ہو کر پھر سے اپنا شاندار ماضی پالے اور آزاد اور عظمت و سربلندی کی زندگی بسر کرے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے)

رموزِ بیخودی

تمہید (آغاز)

در معنی ربطِ فرد و ملت (فرد اور ملت کے باہمی ربط و تعلق کی حقیقت کے بیان میں)

۱۔ فرد را ربطِ جماعت رحمت است — جوہر او را کمال از ملت است

۲۔ تا توانی با جماعت یار باش — رونقِ ہنگامۂ احرار باش

۳۔ حرزِ جاں کن گفتۂ خیر البشرؐ — ہست شیطاں از جماعت دور تر

۱'۳۔ ایک فرد کے لیے جماعت سے اس کا تعلق و وابستگی باعث رحمت ہے۔ اس کی تمام اہلیتوں اور خوبیوں کو ملت ہی کی بدولت کمال حاصل ہوتا ہے۔ تجھ سے جہاں تک ممکن ہو سکے خود کو اپنی جماعت (ملت) سے وابستہ رکھ اور یوں آزاد لوگوں کے ہنگامے کی رونق بن جا۔ پوری ملت جب باہم متحد و متفق ہو گی تو وہ دنیا میں آزاد اور باوقار زندگی بسر کرے گی۔ (اے مسلم) تو حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اس حدیثِ مبارکہ کو تعویذ کی طرح ہر وقت اپنی جان کے ساتھ رکھ کہ شیطان، جماعت سے دور رہتا ہے۔ متحد و متفق ملت کو شیطان کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

۴۔ فرد و قوم آئینۂ یک دیگر اند — سلک و گوہر کہکشاں و اختر اند

۵۔ فرد می گیرد ز ملت احترام — ملت از افراد می یابد نظام

۶۔ فرد تا اندر جماعت گم شود — قطرۂ وسعت طلب قلزم شود

۶'۴۔ فرد اور قوم ایک دوسرے کا آئینہ ہیں۔ وہ گویا لڑی اور موتی اور کہکشاں اور ستارہ ہیں۔ فرد ملت سے احترام حاصل کرتا ہے جبکہ ملت کی تنظیم افراد سے ہوتی ہے۔ فرد جب خود کو جماعت سے وابستہ کر لیتا ہے تو اس کی صورت اس قطرے کی سی ہو جاتی ہے جو پھیل کر سمندر کی شکل اختیار کر لے۔

ملت کو اس دھاگے سے، جس میں موتی پروئے جاتے ہیں اور فرد کو موتی سے تشبیہ دی

گئی ہے۔ دوسری تشبیہ میں فرد گویا ستارہ اور ملت کہکشاں ہے۔ اکیلے انسان یعنی فرد کی اپنی کوئی پہچان اور عزت نہیں' ملت کے حوالے ہی سے اس کی شناخت اور عزت ہے جبکہ ملت' افراد کی بہت بڑی جماعت سے تشکیل پاتی ہے۔ گویا دونوں باہم لازم و ملزوم ہیں۔

چھٹے شعر میں ملت سے وابستگی کے حوالے سے فرد کی عظمت کے لیے سمندر کا استعارہ اردو میں علامہ نے یوں کہا ہے:

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

اور:

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

۷- مایہ دارِ سیرتِ دیرینہ او — رفتہ و آیندہ را آئینہ او
۸- وصلِ استقبال و ماضی ذاتِ او — چوں ابد لا انتہا اوقاتِ او
۹- در دلش ذوقِ نمو از ملت است — احتسابِ کارِ او از ملت است
۱۰- پیکرش از قوم و ہم جانش ز قوم — ظاہرش از قوم و پنہانش ز قوم
۱۱- در زبانِ قوم گویا می شود — بر رہِ اسلاف پویا می شود
۱۲- پختہ تر از گرمیِ صحبت شود — تا بمعنی فرد ہم ملت شود

۷- وہ (فرد) قدیم سیرت سے مالا مال ہوتا ہے' نیز ماضی اور مستقبل کا آئینہ بن جاتا ہے۔ وہ اسلاف کے نقشِ قدم پر چل کر جہاں اپنے عظیم ماضی کا آئینہ دار ہوتا ہے' وہاں اس کے عظیم جذبے اور کردار و عمل اس کے شاندار مستقبل کا پتا دیتے ہیں۔

۸- اس کی ذات/شخصیت میں ماضی اور مستقبل دونوں باہم پیوست ہو جاتے ہیں اور یوں ابد کی طرح اس کا زمانہ لامحدود ہو جاتا ہے۔ وہی ساتویں شعر والی بات بدل کر کہی ہے۔

۹- اس کے دل میں ذوقِ نمو ملت ہی کے دم سے ہے اور اس کے اعمال کا احتساب بھی ملت ہی کے حوالے سے ہے۔ گویا اس کا ہر ہر عمل اور ہر ذوق و جذبہ ملت ہی کے حوالے سے ہے' ملت سے وابستگی کے بغیر اس کی کوئی اہمیت و وقعت نہیں ہے۔ اردو میں علامہ نے یہ بات یوں کی ہے:

محروم رہا دولتِ دریا سے وہ غوّاص
کرتا نہیں جو صحبتِ ساحل سے کنارا

۱۰- اس کا وجود بھی قوم ہی سے اور اس کی جان بھی قوم ہی سے وابستگی کے باعث ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کا ظاہر اور باطن دونوں قوم ہی کے مرہونِ منت ہیں۔

۱۱- وہ قوم ہی کی زبان میں بولتا اور اسلاف ہی کی راہ پر چلتا ہے۔ اس کی گفتار اور اس کا کردار سب ملت اور اسلاف ہی کے حوالے سے ہے۔

۱۲- وہ گرمیِ صحبت سے پختہ تر ہو جاتا ہے' یہاں تک کہ وہ بھی حقیقت میں ملت ہی کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ یعنی ملت کے دیگر افراد کے ساتھ مل کر رہنے سے اس میں زیادہ بالغ نظری آ جاتی ہے۔

۱۳- وحدتِ او مستقیم از کثرت است — کثرت اندر وحدتِ او وحدت است
۱۴- لفظ چوں از بیتِ خود بیروں نشست — گوہرِ مضمون بجیب خود شکست
۱۵- برگِ سبزے کز نہالِ خویش ریخت — از بہاراں تارِ امیدش گسیخت

۱۳- اس کی وحدت' کثرت کی بدولت استحکام حاصل کرتی ہے' جبکہ کثرت اس کی وحدت سے اکائی کے درجے پر پہنچتی ہے۔ یعنی فرد کو استحکام ملت سے وابستگی کی بنا پر حاصل ہوتا ہے اور ملت (جو کثرت کی صورت میں ہے) اس (فرد) کی وجہ سے ایک یا اکائی (قوم) بنتی ہے۔

۱۴- جب کوئی لفظ اپنے مقام سے ہٹ کر استعمال کیا جائے گا تو اس کی وجہ سے مطلوبہ مضمون کا موتی اپنی تھیلی ہی میں ٹوٹ جائے گا۔ گویا مضمون بے معنی اور بے ربط ہو جائے گا۔ (اگلا شعر بھی تقریباً اسی مضمون کا حامل ہے)

۱۵- جب کوئی سبز پتا اپنے درخت یا پودے سے ٹوٹ کر گر گیا تو پھر بہار سے اس کی امید کا رشتہ ٹوٹ گیا۔ یعنی جب کوئی فرد اپنی ملت سے رابطہ نہیں رکھے گا یا اس سے کٹ جائے گا تو اس کی زندگی ناکامیوں اور نامرادیوں کا شکار ہو جائے گی۔ یہاں پھر یہ اردو شعر ملاحظہ ہو:

محروم رہا دولتِ دریا سے وہ غوّاص
کرتا نہیں جو صحبتِ ساحل سے کنارا

۱۶- ہر کہ آب از زمزمِ ملت نخورد — شعلہ ہائے نغمہ در عودش فسرد

۱۷- فرد تنہا از مقاصد غافل است — قوتش آشفتگی را مائل است
۱۸- قوم با ضبط آشنا گرداندش — نرم رو مثل صبا گرداندش
۱۹- پا بہ گل مانند شمشادش کند — دست و پا بندد کہ آزادش کند
۲۰- چوں اسیر حلقۂ آئیں شود — آہوے رم خوے او مشکیں شود

۱۶- جس کسی نے ملت کے زمزم سے پانی نہیں پیا' اس کے ساز میں نغمے کے شعلے سرد ہو کر رہ گئے۔ گویا جو کوئی ملت سے دور رہتا یا اس کے حلقہ سے باہر رہتا ہے' اس کی ہر بات اور اس کا ہر عمل بیکار اور بے اثر ہو کر رہ جاتا ہے۔ ملت سے وابستگی ہی میں برکت و تاثیر ہے۔

۱۷- اکیلا فرد مقاصد کے سلسلے میں غفلت سے دوچار رہتا اور اس کی قوت انتشار کا شکار رہتی ہے۔ ملت سے عدم تعلق و ربط کی بنا پر فرد قوت عمل سے بھی بیگانہ رہتا ہے اور عظیم مقاصد کے حصول میں غفلت سے کام لیتا ہے۔ اس میں ایسے جذبے ہی پیدا نہیں ہوتے جو اسے جہد و عمل پر مائل کر سکیں۔

۱۸- ملت اسے (فرد کو) باہمی ربط و ضبط کے تقاضوں سے آشنا کرتی اور یوں اس میں صبا کی سی نرم روی پیدا کرتی ہے۔ اس ربط و ضبط سے آشنائی کی بدولت فرد میں ملت کے دوسرے افراد کے لیے نرمی اور ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

۱۹- وہ (ملت) اسے یعنی فرد کو شمشاد کی طرح پابہ گل کر دیتی ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے آزاد کر دیتی ہے۔ گویا ملت' فرد کو ربط و ضبط کا پابند کر کے اسے حقیقی آزادی سے ہمکنار کرتی ہے۔

۲۰- جب وہ یعنی فرد قانون اور ضابطے کا پابند ہو جاتا ہے تو اس کا بے لگام ہرن نافہ و مشک کا مالک بن جاتا ہے۔ یہی ربط و ضبط اس میں کئی خوبیاں اور ایسے جذبے پیدا کر دیتا ہے جن کی بدولت وہ عظمت و سربلندی حاصل کر لیتا ہے۔

۲۱- تو خودی از بیخودی نشناختی — خویش را اندر گماں انداختی
۲۲- جوہر نوریست اندر خاکِ تو — یک شعاعش جلوۂ ادراکِ تو
۲۳- عیشت از عیشش' غم تو از غمش — زندہ ای از انقلابِ ہر دمش
۲۴- واحدست و برنمی تابد دوئی — من زتابِ او من استم' تو' توئی

۲۱- (اے موجودہ دور کے مسلمان) تو نے خودی اور بے خودی میں فرق روا نہ رکھا اور

اپنے آپ کو وہم وگمان کا شکار کر لیا۔ تو اپنے ہی خیالات وجذبات میں کھویا رہا اور یوں ملت سے کٹ کے رہ گیا اور ملت سے وابستگی کی اہمیت سے بے خبر رہا۔

۲۲۔ تیرے ضمیر میں نوری جوہر پوشیدہ ہے۔ اس کی ایک شعاع تیرے ادراک کی تجلی ہے۔ نوری جوہر سے مراد خودی ہے۔ اس (خودی) کا معمولی سا احساس بھی تیرے فہم وشعور کو منور کرنے والا ہے۔

۲۳۔ تیرا عیش اسی کے عیش سے اور تیرا غم اسی کے غم سے وابستہ ہے۔ تو اس کے ہر لمحے کے انقلاب ہی کی بدولت زندہ ہے۔ خودی کی حقیقت سے پوری طرح آگاہ ہونے کے باعث تیری زندگی سکون ومسرت کی زندگی ہوگی۔ اگر تو خودی کو کماحقہ برقرار رکھے گا تو اس کے ہر لمحہ کے ارتقاء سے تیری زندگی عظمت وسربلندی حاصل کرے گی۔

۲۴۔ وہ (خودی) واحد ہے اور دوئی کو برداشت نہیں کرتی (وہ یکتا ہونے کے باعث دوئی کی متحمل نہیں ہو سکتی)۔ میں اگر ''میں'' ہوں اور تو ''تو'' ہے' تو یہ سب اسی کی قوت وپرتو کے باعث ہے۔ میری اور تیری انفرادیت اسی کے طفیل برقرار رہ سکتی ہے۔

۲۵۔ خویش دار و خویش باز و خویش ساز	نازہا می پرورد اندر نیاز
۲۶۔ آتشے از سوز او گردد بلند	ایں شرر بر شعلہ اندازد کمند
۲۷۔ فطرتش آزاد وہم زنجیری است	جزو او را قوت کل گیری است
۲۸۔ خوگر پیکار پیہم دیدمش	ہم خودی ہم زندگی نامیدمش

۲۵۔ وہ (خودی) خود کو برقرار رکھنے والی' اپنی ذات کو کھو دینے والی اور اپنی ذات کی تعمیر کرنے والی ہے۔ وہ انکسار وعاجزی اختیار کرتے ہوئے نازوں کی پرورش کرتی ہے۔ (اس شعر اور اگلے چند اشعار میں خودی کی صفتوں کا بیان ہے)۔ وہ خوددار ہے لیکن ملت سے وابستگی کی بنا پر وہ بیخودی اختیار کر لیتی اور عجز وانکسار سے کام لیتی ہے۔

۲۶۔ اس کے سوز سے ایک آگ بھڑک اٹھتی ہے' یہ ایسی چنگاری ہے جو شعلے کو شکار کرتی ہے۔ یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ جس انسان کی خودی زندہ واستوار ہے' وہ اپنے سوز و جذبہ سے بڑے بڑے ہنگامے برپا کر سکتا ہے۔

۲۷- اس کی فطرت آزاد بھی ہے اور مقید بھی۔ اس کے جزو میں اپنے کل پر گرفت کی طاقت ہے یعنی اس میں ایسی قوت و توانائی ہے جس سے وہ ایک دنیا یا اس کے نظام کو اپنے مقصد و خواہش کے مطابق چلا سکتی ہے۔ (آزاد فرد ہونے کی صورت میں اور مقید ملت سے وابستگی کے باعث)۔

۲۸- میں نے اسے مسلسل جنگ و جدل / کشمکش میں دیکھا ہے۔ میں نے اسے ''خودی'' کا بھی نام دیا ہے اور زندگی کا نام بھی۔ خودی یہی ہے کہ انسان جہد و عمل میں مسلسل مصروف رہے کہ اسی سے اس کی زندگی سربلندی و عظمت حاصل کرتی ہے اور حقیقی زندگی یہی ہے، بصورت دیگر انسان محض مٹی کا مادھو ہے۔

۲۹- چوں ز خلوت خویش را بیروں دہد — پائے در ہنگامۂ جلوت دہد
۳۰- نقش گیر اندر دلش ''او'' می شود — ''من'' ز ہم می ریزد و ''تو'' می شود
۳۱- جبر قطعِ اختیارش می کند — از محبت مایہ دارش می کند
۳۲- ناز تا ناز است کم خیزد نیاز — نازہا سازد بہم خیزد نیاز
۳۳- در جماعت خود شکن گردد خودی — تاز گلبرگے چمن گردد خودی
۳۴- ''نکتہ ہا چوں تیغ پولا داست تیز — گرنمی فہمی ز پیش ما گریز''

۲۹- جب (خودی) خود کو خلوت سے باہر لاتی ہے تو وہ جلوت کے ہنگامے میں آ کھڑی ہوتی ہے۔ مراد صاحب خودی جب اپنے ذاتی ناز یا فخر و غرور سے پاک ہو جاتا ہے تو وہ ملت / جماعت سے خود کو دلی طور پر وابستہ کر لیتا ہے۔

۳۰- اس (خودی) کے دل میں ''وہ'' نقش گیر ہو جاتا ہے۔ ''میں'' اپنے آپ سے کٹ جاتا ہے اور ''تو'' کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ صاحب خودی یا فرد اپنی بجائے ملت کا سوچنے لگتا ہے اور یوں وہ ملت کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔ (اس سے پہلے والے شعر والی بات ذرا بدل کر کہی ہے)۔

۳۱- جبر اس کے اختیار کو ختم کر دیتا اور محبت کی دولت سے اسے مالا مال کر دیتا ہے۔ ملت کی طرف سے لگائی گئی پابندیوں کے باعث فرد / خودی ملت یا دیگر افراد ملت کے ساتھ دلی وابستگی پیدا کر لیتا ہے اور یوں پوری ملت محبت و اخوت کا نمونہ بن جاتی ہے۔

۳۲- ناز جب تک ناز رہتا ہے نیاز کم ہی وجود میں آتا ہے (یا وجود میں نہیں آتا)۔ جب

بہت سے ناز باہم موافقت کر لیتے ہیں تو اس وقت نیاز کی صورت بنتی ہے۔ یعنی جب تک فرد ملت کی بجائے اپنی ہی ذات میں موافقت کر لیتے ہیں تو اس وقت نیاز کی صورت بنتی ہے۔ یعنی جب تک فرد ملت کی بجائے اپنی ہی ذات میں مست ومحو رہتا اور صرف اپنا ہی اظہار ذات کرتا ہے تو اس وقت تک باہمی غمگساری اور ہمدردی پیدا نہیں ہوتی۔ ہاں ملت کی صورت میں یہ بات پیدا ہوتی ہے۔

۳۳- جماعت/ملت میں شامل ہونے پر خودی اپنے وجود کو ختم کر دیتی ہے۔ اس طرح وہ پھول کی پتی سے چمن کی صورت و وسعت پا لیتی ہے۔ تنہا فرد کی اپنی کوئی اہمیت ووقعت نہیں ہے۔ ہاں! ملت سے وابستگی اسے اہمیت و وقعت عطا کرتی اور اس کی سربلندی کا باعث بنتی ہے۔

۳۴- یہ شعر مثنوی رومیؒ کا اور دفتر اول میں ہے۔ اس کے مقام کا عنوان ہے: (ترجمہ) انبیا علیہم السلام سے کہا گیا کہ لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق بات کرو۔''
گہری/باریک باتیں تلوار کی مانند تیز ہوتی ہیں۔ سو اگر تیرے پلے ہماری بات نہیں پڑ رہی تو تو ہمارے سامنے سے پرے چلا جا۔ علامہ نے اسی حوالے سے یہ کہنا چاہا ہے کہ میں نے اب تک جو کچھ کہا ہے' وہ تمہاری سمجھ میں نہیں آیا تو میرے پیغام/کلام سے دور ہی رہو۔

در معنی ایں کہ ملت از اختلاطِ افراد پیدا می شود و تکمیل تربیتِ او از نبوت است

اس حقیقت کے بیان میں کہ ملت افراد کے اجتماع و آمیزش سے وجود میں آتی ہے اور اس کی تربیت کی تکمیل نبوت کے وسیلے سے انجام پاتی ہے۔

۱-	از چہ رو بر بستہ ربطِ مردم است	رشتۂ ایں داستاں سر در گم است
۲-	در جماعت فرد را بینیم ما	از چمن او را چو گل چینیم ما
۳-	فطرتش وارفتۂ یکتائی است	حفظِ او از انجمن آرائی است
۴-	سوزش در شاہراہِ زندگی	آتش آوردگاہِ زندگی

۱- لوگوں/افراد کا باہمی ربط و تعلق کس بنا پر فائدہ مند ہے؟ اس داستان کی گتھی کا سرا گم ہے۔ یعنی اس موضوع کے بارے میں کوئی واضح بات سامنے نہیں ہے۔

۲- ہم فرد کو جماعت میں دیکھتے ہیں۔ ہم اسے چمن سے پھول کی طرح چنتے ہیں۔ ہم فرد کو جماعت کا ایک جزو/حصہ سمجھتے ہیں۔ جماعت اگر چمن ہے تو فرد ہمارے نزدیک اس کا ایک پھول/حصہ یا جزو ہے۔

۳- اس (فرد) کی فطرت یکتائی پر مائل یا اس کی یکتائی کی دلدادہ ہے لیکن (درحقیقت) اس کا تحفظ جماعت سے منسلک رہنے ہی سے وابستہ ہے۔

۴- زندگی کی پکار/جنگ کی آگ اسے زندگی کی شاہراہ پر جلا دیتی ہے۔ رزمگاہ زندگی میں جماعت سے وابستہ ہونے کے باعث اس کی انفرادیت نہیں رہتی اور یوں جماعت کی اجتماعیت برقرار رہتی ہے۔

۵- مردماں خوگر بیک دیگر شوند　　سفتہ در یک رشتہ چوں گوہر شوند

۶- در نبردِ زندگی یارِ ہم اند　　مثلِ ہمکاراں گرفتارِ ہم اند

۷- محفل انجم ز جذب باہم است　　ہستی کوکب ز کوکب محکم است

۵- لوگ یعنی افراد ایک دوسرے کے عادی ہو جاتے ہیں اور موتیوں کی طرح ایک لڑی میں پروئے جاتے ہیں۔ ملت سے وابستگی کی بنا پر افراد میں باہمی انس پیدا ہو جاتا ہے اور ان میں یگانگت کچھ ایسی ہو جاتی ہے جیسے ایک لڑی میں پروئے ہوئے موتی ہوں۔

۶- جہادِ زندگانی میں وہ ایک دوسرے کے رفیق/ساتھی ہیں اور ہمکاروں کی مانند زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

۷- ستاروں کی بزم باہمی کشش ہی کے باعث قائم ہے۔ ستارے کی زندگی کے وجود کو ستاروں ہی کی باہمی وابستگی کے طفیل استحکام حاصل ہے۔ یعنی اگر نظام شمسی نہ ہو تو ستاروں کا وجود درہم برہم ہو کر رہ جائے۔ یہی حالت افراد اور ملت کی ہے۔ ملت کے بغیر فرد یا افراد کی کوئی اہمیت نہیں۔

۸- خیمہ گاہِ کارواں کوہ و جبل　　مرغزار و دامنِ صحرا و تل

۹- ست و بیجاں تار و پودِ کارِ او　　ناکشودہ غنچۂ پندارِ او

۱۰- سازِ برق آہنگ او ننواختہ　　نغمہ اش در پردہ ناپرداختہ

۱۱- گوشمالِ جستجو ناخوردہ اے　　زخمہ ہائے آرزو ناخوردہ اے

۸- قافلے کی خیمہ گاہ/منزل کوہ و جبل' چراگاہ' صحرا کا دامن/وادی اور ٹیلے ہیں۔ مراد انسان جو کبھی منتشر تھے اور انہوں نے ملت کی صورت اختیار نہیں کی تھی' اس لیے ان کی منزل یا ان کا مقصد ایک نہیں تھا۔

۹- اس کے کام کا تانا بانا کمزور اور بے جان تھا اور اس کے فہم و شعور کی کلی ابھی کھلی نہیں تھی۔ اس کا جہد و عمل بے مقصد اور بے کار تھا اور فہم و شعور اور بلند ارادے بھی اس کے نزدیک نہیں پھٹکے تھے۔

۱۰- اس کا بجلی کی سی آواز/سر والا ساز ابھی چھیڑا نہیں گیا اور اس کا نغمہ ابھی لے پر نہیں آیا تھا۔ جب تک ملت کا وجود قائم نہیں ہوا' انسان انتشار کا شکار رہا اور اس کی ہر قسم کی صلاحیتیں دبی رہیں۔ یہ ملت کے وجود اور اس سے وابستگی کی بدولت تھا کہ اس (انسان) میں بجلی کی سی کڑک چمک والے جذبے پیدا ہوئے اور اس کی عظیم صلاحیتیں بروئے کار آنے لگیں۔

۱۱- ابھی اس نے جستجو کی تنبیہ اور ڈانٹ ڈپٹ نہیں پائی تھی اور آرزو کے مضرابوں کی چوٹ نہیں کھائی تھی۔ اس میں ابھی کسی چیز یا معاملے کی تہ تک پہنچنے کی صلاحیت پیدا نہ ہوئی تھی اور نہ ابھی اس کے دل میں آرزوئیں پیدا ہوئی تھیں جن کے حصول کے لیے وہ جد و جہد کرتا۔

۱۲-	نا بساماں محفلِ نوزادہ اش	می تواں با پنبہ چیدن بادہ اش
۱۳-	نو دمیدہ سبزۂ خاکش ہنوز	سرد خوں اندر رگِ تاکش ہنوز
۱۴-	منزلِ دیو و پری اندیشہ اش	از گمانِ خود رمیدن پیشہ اش
۱۵-	تنگ میداں ہستیِ خامش ہنوز	فکر او زیر لبِ باشش ہنوز

۱۲- اس کی تازہ تازہ وجود میں آئی ہوئی بزم ابھی ساز و سامان سے خالی/عاری تھی اور اس کی شراب کی مقدار بھی قلیل/تھوڑی تھی۔ ملت یا قوم کے وجود میں آنے سے پہلے انسان/فرد جس طرح کی بے مقصد زندگی بسر کر رہا تھا' اسے مختلف اشاروں اور تشبیہات سے بیان کیا گیا ہے۔

۱۳- ابھی اس کی خاک کا سبزہ تازہ تازہ پھوٹا تھا۔ ابھی اس کی انگور کی بیل خون کی گرمی سے محروم تھی۔ (اس کے انگور میں' جس سے شراب بنائی جاتی ہے' خون کی سی گرمی نہ تھی)۔

۱۴- ابھی اس کے فہم و فکر پر جن بھوت اور پری کا قبضہ تھا' اپنے ہی خیال سے ڈر کے اٹھ

بھاگنا اس کا شیوہ تھا۔ فہم و شعور نہ ہونے کے باعث وہ مختلف قسم کی توہم پرستیوں کا شکار تھا۔ اس کی خام زندگی کا میدان ابھی بڑا تنگ / محدود تھا۔ اس کے فکر کی رسائی ابھی اس کے لب بام کے نیچے تھی۔ اس کا وجود بلوغت سے محروم تھا اور اس کی سوچ بہت محدود تھی۔

(علامہ نے فعل حال میں بات کی ہے لیکن موضوع کے پیش نظر فعل ماضی میں ترجمہ کیا گیا ہے۔)

۱۶۔ بیم جاں سرمایۂ آب و گلش — ہم ز بادِ تندی لرزد تنش

۱۷۔ جانِ او از سخت کوشی رم زند — پنجہ در دامانِ فطرت کم زند

۱۸۔ ہرچہ از خود می دمد برداردش — ہرچہ از بالا فتد برداردش

۱۶۔ جان کا خوف اس کی سرشت / طبیعت کی پونجی ہے۔ وہ تیز ہوا یا جھکڑ چلنے پر بھی کانپ اٹھتا ہے۔ ابھی انسان اپنی قوتوں اور صلاحیتوں سے بے خبر تھا جس کی وجہ سے اس پر معمولی معمولی بات کا بھی خوف چھایا رہتا تھا۔

۱۷۔ اس کی جان ابھی سخت کوشی سے گریزاں ہے۔ وہ فطرت کے دامن پر پنجہ نہیں مارتا۔ ابھی وہ سخت محنت سے بے حد گھبراتا اور خوف کھاتا تھا اور تسخیر فطرت کی طرف توجہ ہی نہیں کرتا تھا۔ فطرت کے راز جاننے کی کوشش نہ کی۔

۱۸۔ جو کچھ خود بخود اگتا ہے وہ اسے اٹھالیتا ہے۔ اوپر سے جو کچھ گرتا ہے' اسے وہ اٹھالیتا ہے۔ خودرو چیزوں یعنی پودوں اور بوٹیوں وغیرہ پر اس کا گزارہ تھا اور بارش کے پانی سے وہ اپنے کام نکالتا تھا۔

۱۹۔ تا خدا صاحبدلے پیدا کند — کو ز حرفے' دفترے املا کند

۲۰۔ ساز پردازے کہ از آوازہ اے — خاک را بخشد حیاتِ تازہ اے

۲۱۔ ذرۂ بے مایہ ضوگیرد ازو — ہر متاعے ارج نوگیرد ازو

۲۲۔ زندہ از یک دم دو صد پیکر کند — محفلے رنگیں زیک ساغر کند

۱۹۔ حتیٰ کہ خدا کسی صاحب دل کو پیدا کر دیتا ہے جو ایک حرف سے پوری کتاب لکھ ڈالتا ہے۔ یعنی تا آنکہ اللہ نے نبی علیہ السلام کو پیدا کر دیا جس نے ایک ایک بات کی وضاحت کر کے انسان میں ذوق وشوق پیدا کیا۔

۲۰۔ وہ ایک ایسا ساز نواز جو ایک راگ سے خاک کو نئی زندگی عطا کرتا

علیہ السلام کی تعلیمات کی بدولت انسان کو زندگی گزارنے کے نئے نئے ڈھنگ آ گئے جن کی وجہ سے وہ صحیح معنوں میں اشرف المخلوقات بنا۔

۲۱- ایک حقیر سا ذرہ اس سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ ہر اثاثہ اس سے ایک نئی قیمت پاتا ہے۔ نبی علیہ السلام کی تعلیمات اور اس کے نتیجے میں انسانی زندگی میں پیدا ہونے والے انقلابات کو مختلف تشبیہات و استعارات کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

۲۲- وہ (نبیؐ) ایک ہی پھونک سے سیکڑوں قالب/ ڈھانچے زندہ کر دیتا ہے۔ محفل کو ایک ہی ساغر سے رنگین کر دیتا ہے۔ جہد و عمل سے بیگانے انسانوں میں وہ بڑے جذبے اور ولولے پیدا کر دیتا ہے۔ یعنی ملت/ قوم زندہ جذبوں سے سرشار ہو جاتی ہے۔

۲۳- دیدۂ او می کشد' لب جاں دمد | تا دوئی میرد یکی پیدا شود
۲۴- رشتہ اش کو بر فلک دارد سرے | پارہاے زندگی را ہم گرے
۲۵- تازہ اندازِ نظر پیدا کند .... | گلستاں در دشت و در پیدا کند
۲۶- از تفِ او ملتے مثلِ سپند | بر جہد شور افگن و ہنگامہ بند

۲۳- اس کی آنکھیں مار ڈالتی ہیں' جبکہ اس کے ہونٹ بدن میں روح پھونک دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ دوئی مٹ جاتی ہے اور وحدت وجود پذیر ہو جاتی ہے۔ گویا نبیؐ مردہ جانوں کے لیے مسیحائی کا کام کرتے ہیں اور انسانوں کو ایسی ڈگر پر لے آتے ہیں جہاں وہ پورے طور پر توحید پرست ہو جاتے ہیں۔

۲۴- اس کا دھاگا' جس کا سرا آسمان تک پہنچا ہوتا ہے' زندگی کے اجزاء کو رفو کر کے باہم جوڑ دیتا ہے۔ نبیؐ اپنی روحانی عظمت سے انسان کے دل میں زندگی کا اعلیٰ مقصد پیدا کرتا ہے اور وہ ہر طرح کے بتوں اور معبودوں سے کنارہ کشی اختیار کر کے خود کو خدائے واحد سے وابستہ کر لیتا ہے۔

۲۶- اس کی گرمی سے ایک ملت' دانہ سپند کی طرح اٹھ کھڑی ہوتی اور نعرہ زن اور ہنگامہ طراز بن جاتی ہے۔ نبی کا وجود اور تعلیمات افراد ملت میں ایسے جذبے اور ولولے پیدا کر دیتی ہے جن کی بنا پر وہ جہد و عمل میں مصروف رہنے لگتے ہیں اور یوں دونوں جہانوں میں عظمت و سربلندی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔

۲۷- یک شرر می افگند اندر دلش | شعلۂ در گیری گردد گلش
۲۸- نقشِ پایش خاک را بینا کند | ذرہ را چشمک زنِ سینا کند

۲۹- عقل عریاں را دہد پیرایہ اے — بخشد ایں بے مایہ را سرمایہ اے
۳۰- دامنِ خود می زند بر اخگرش — ہر چہ غش باشد رباید از زرش

۲۷- وہ (نبیؐ) اس ملت کے دل میں ایک چنگاری ڈال دیتا ہے جس کے نتیجے میں اس (ملت) کی مٹی (وجود) شعلہ جوالہ (بھڑکتی آگ) بن جاتی ہے۔ وہی جذبوں اور ولولوں والی بات' جن کی بدولت ملت جہد و عمل کی راہ پر تیزی سے گامزن ہو جاتی ہے۔

۲۸- اس کے پاؤں کے نشانات خاک کو بصیرت عطا کرتے اور ذرے کو سینا کے ساتھ برابری / ہمسری کے دعوے سے سرشار کر دیتے ہیں۔ نبیؐ کے معجزے یا تعلیم / نظر عنایت سے گئے گزرے یا عقل و شعور سے عاری انسان بھی صاحبانِ بصیرت بن جاتے ہیں۔

۲۹- برہنہ عقل کو وہ لباس سے نوازتا اور اس بے سروسامان / بے بضاعت کو مالا مال کر دیتا ہے۔ تقریباً وہی اس سے پہلے والے شعر کی بات ذرا بدل کر کہی ہے۔

۳۰- وہ اس (ملت) کے انگارے کو اپنے پلو کی ہوا دیتا ہے اور اس کے طلا / سونے میں جو بھی کھوٹ ہوتا ہے' اسے نکال پھینکتا ہے۔ ملت کی کوتاہیوں اور برائیوں وغیرہ کو اپنی تعلیمات اور اپنے کردار و عمل سے دور کر کے اسے ایک نئی اور عظیم زندگی سے نوازتا ہے۔

۳۱- بند ہا از پا کشاید بندہ را — از خداونداں رباید بندہ را
۳۲- گویدش تو بندۂ دیگر نہ ای — زیں بتانِ بے زباں کمتر نہ ای
۳۳- تا سوے یک مدعایش می کشد — حلقۂ آئیں بپایش می کشد
۳۴- نکتۂ توحید باز آموزدش — رسم و آئینِ نیاز آموزدش

۳۱- وہ (نبیؐ) غلام کے پاؤں سے زنجیریں کھول دیتا اور آقاؤں سے اسے چھین لیتا ہے۔ مالدار انسان کسی دوسرے مفلس انسان کو اپنا غلام بنا لیتا اور ہر وقت اس کے پاؤں میں زنجیریں ڈالے رکھتا اور اس سے کام لیتا۔ نبیؐ نے اپنی تعلیمات اور پند و نصائح سے یہ سلسلہ ختم کرا دیا اور بتا دیا کہ سب انسان برابر ہیں' کوئی آقا اور کوئی غلام نہیں ہے۔

۳۲- پھر وہ (نبیؐ) اس سے کہتا ہے کہ تو کسی دوسرے انسان کا غلام نہیں ہے' یعنی تو (غلام) بھی دوسروں جیسا انسان ہے اور اس بے زبان بتوں یعنی آقاؤں سے کم درجے کا

نہیں ہے۔ سب انسان برابر ہیں' کسی کو بھی کسی اور کو غلام بنانے کا حق نہیں ہے۔

۳۳۔ آخر وہ (نبی) اسے ایک مقصد و مدعا کی طرف لے آتا اور اس کے پاؤں میں قانون و آئین کی زنجیر ڈال دیتا ہے۔ یعنی اسے انسانی ضابطوں کا پابند کر کے باہم زندگی گزارنے کے ڈھنگ/انداز سے آشنا کرتا ہے۔

۳۴۔ پھر وہ اسے توحید کی رمز و حقیقت سے آگاہ کرتا اور عجز و انکسار کے آئین و رسوم سکھاتا ہے۔ نبی' انسان یا فرد کو صرف خدائے واحد کے معبودِ حقیقی ہونے کا درس دیتا اور اس کی ذاتِ حقیقی کی طرف متوجہ کرتا ہے اور اس طرح ایک ملت کی بنا ڈال کر خود کو اس میں ضم کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

ارکانِ اساسیِ ملّیہ' اسلامیہ

(ملّتِ اسلامیہ کے بنیادی ارکان)

رکنِ اول

توحید

۱۔ در جہانِ کیف و کم گردید عقل — پے بہ منزل برد از توحید' عقل

۲۔ ورنہ ایں بیچارہ را منزل کجاست — کشتیِ ادراک را ساحل کجاست

۳۔ اہلِ حق را رمزِ توحید از بر است — در' آتِی الرَّحْمٰنِ عَبداً مضمر است

۴۔ تا ز اسرار تو بنماید ترا — امتحانش از عمل باید ترا

۱'۲۔ اس مادی دنیا میں عقل گھومی پھری۔ اسے منزل کا سراغ ملا تو توحید کی بدولت ملا۔ ورنہ اس بیچاری کی منزل ہے ہی کہاں۔ ادراک کی کشتی کا تو ساحل ہی کہیں نہیں ہے۔ اس کائنات اور اس کی حقیقتوں اور مظاہرِ فطرت سے آگاہی' خدائے واحد کی ذاتِ اقدس پر ایمان لانے ہی سے ممکن ہے' ورنہ عقل' جو دلیلوں سے کام لیتی ہے' اس سلسلے میں بے بس ہے۔

سعدی نے ایک قرآنی حوالے سے یہ بات یوں کی ہے:

برگِ درختانِ سبز پیشِ خداوندِ ہوش
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

۵۔ دین ازو، حکمت ازو، آئین ازو — زور ازو، قوت ازو، تمکیں ازو
۶۔ عالماں را جلوہ اش حیرت دہد — عاشقاں را بر عمل قدرت دہد
۷۔ پست اندر سایہ اش گردد بلند — خاک چوں اکسیر گردد ارجمند
۸۔ قدرتِ او برگزیند بندہ را — نوعِ دیگر آفریند بندہ را

۵۔ خدا کی توحید میں دین، حکمت اور آئین سب کچھ ہے اور اسی توحید سے زور، قوت اور شان و دبدبہ ہے۔ ملت کے افراد جب عملاً توحید پر ایمان لاتے ہیں تو اس کی بدولت ان میں زور و قوت اور دبدبہ پیدا ہو جاتا ہے۔

۶۔ عالم اس کے جلوے سے حیرت کا شکار ہو جاتے ہیں جبکہ یہی جلوہ عاشقوں میں قوتِ عمل پیدا کرتا ہے۔ اہلِ علم میں وہ صلاحیت نہیں ہوتی جس سے وہ تجلی توحید کو کما حقہ سمجھ سکیں، اس لیے وہ حیرانی سے دوچار ہو جاتے ہیں جبکہ عاشقانِ محبوبِ حقیقی اس تجلی سے فیض یاب ہوتے ہیں اور یوں ان میں قوتِ عمل پیدا ہو جاتی ہے۔

۷۔ اس (توحید) کے سائے میں آ کر پست بھی بلند ہو جاتا اور خاک، اکسیر کی مانند اہمیت و وقعت کی حامل بن جاتی ہے۔ توحید پر کامل ایمان کے باعث ایک عام انسان میں وہ قوتیں اور صلاحیتیں پیدا ہو جاتی ہیں جن سے عظمت و سربلندی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ دوسرے مصرع میں یہی بات تمثیل میں پیش کی ہے۔

۸۔ توحید کی قوت و قدرت بندے کو چن لیتی اور اس کی تخلیق دوسرے انداز میں کر دیتی ہے۔ توحید پر ایمان اور عمل سے انسان دنیا میں ایک برگزیدہ فرد بن جاتا اور اس کی زندگی میں ایک نئی شان پیدا ہو جاتی ہے۔

۹۔ در رہِ حق تیز تر گردد تگش — گرم تر از برق، خوں اندر رگش
۱۰۔ بیم و شک میرد، عمل گیرد حیات — چشم می بیند ضمیرِ کائنات
۱۱۔ چوں مقامِ عبدہٗ محکم شود — کاسۂ دریوزہ جامِ جم شود

۹۔ خدا کی راہ میں ایسے انسان (شعر ۸ ملاحظہ ہو) کے قدم تیز تیز چلنے لگتے ہیں اور خون اس کی رگوں میں بجلی سے بھی کہیں زیادہ گرم ہو جاتا ہے۔ ایسا انسان باطل قوتوں سے بے خوف ہو جاتا اور ہر طرح کے مادی مفادات سے بے نیاز ہو کر ہر لحظہ عظمت و

سر بلندی کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔

۱۰- ایسے بندے کے تمام شکوک وشبہات اور خوف دور ہو جاتے ہیں اور عمل زندہ ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں اس کی آنکھ کائنات کے اندر جھانک لیتی ہے۔ توحید خداوندی پر ایمان اسے بے خوف اور صاحب یقین بنا دیتا ہے اور اس طرح اس میں ایسی بصیرت پیدا ہو جاتی ہے جس سے مظاہر فطرت کی حقیقتیں اس پر روشن ہوتی چلی جاتی ہیں۔

۱۱- جب ''مقامِ عبدہ'' استحکام حاصل کر لیتا ہے تو گدائی کے کشکول کو بھی جامِ جم کا مرتبہ مل جاتا ہے یعنی جب انسان خود کو صرف اس ذات اقدس کا بندہ سمجھ لیتا اور کسی بھی باطل قوت کے آگے سر نہیں جھکاتا تو اسے عظیم مقام و مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔

۱۲- ملت بیضا' تن و جان لا الٰہ — سازِ مارا پردہ گرداں لا الٰہ
۱۳- لا الٰہ سرمایۂ اسرارِ ما — رشتہ اش شیرازۂ افکارِ ما
۱۴- حرفش از لب چوں بدل آید ہمی — زندگی را قوت افزاید ہمی
۱۵- نقشِ او گر سنگ گیرد دل شود — دل گر از یادش نسوزد گِل شود

۱۲- ملت بیضا' جسم ہے اور اس کی جان ''لا الٰہ'' ہے۔ ہمارے ساز میں نغمہ و آواز پیدا کرنے والا بھی لا الٰہ ہے۔ ''لا الٰہ'' توحید کی علامت ہے اور ملت اسلامیہ کی بنیاد ہی اسی پر ہے۔ نیز یہی علامت ملت اسلامیہ میں یک رنگی اور افرادِ ملت میں جہد و عمل کا جذبہ پیدا کرنے والی ہے۔

۱۳- لا الٰہ ہمارے اسرار کا سرمایہ ہے اور اسی کی وجہ سے ہماری شیرازہ بندی ہوتی ہے۔ اسی کی بدولت افرادِ ملت کے افکار اور کردار و عمل میں یکسانیت و یکرنگی پیدا ہوتی ہے۔

۱۴- جب یہ لفظ ہونٹوں سے نکل کر دل میں چلا جاتا ہے تو زندگی کی قوت میں بہت اضافہ ہو جاتا ہے۔ دلی طور پر اس کلمے کو سمجھ کر انسان اس پر عمل پیرا ہوتا ہے یعنی کسی باطل قوت کے آگے سر نہیں جھکاتا اور صرف خدا ہی کو معبود حقیقی سمجھتا ہے تو اس کی قوتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

۱۵- اگر پتھر بھی اس کے نقش کو قبول کرے تو وہ دل کی صورت اختیار کر جاتا ہے' اس کے برعکس اگر دل اس کی یاد میں نہ جلے تو وہ مٹی/ انگارا بن جاتا ہے۔ توحید پر ایمان کامل کے بغیر انسان بے وقعت رہتا ہے۔

۱۶- چوں دل از سوزِ غمش افروختیم — خرمنِ امکاں ز آہے سوختیم

۱۷- آب دلہا درمیان سینہ ہا سوز او بگداخت ایں آئینہ ہا
۱۸- شعلہ اش چوں لالہ در رگہاے ما نیست غیر از داغ او کالاے ما

۱۶- جب ہم نے اس کے سوزِ غم سے دل کو روشن کر لیا تو ایک آہ ہی سے ہم نے امکان کا کھلیان جلا ڈالا۔ ''لا الٰہ'' توحید پر ایمان کامل نے ہمارے دل کو منور کر دیا اور اس کے نتیجے میں ہمیں وہ قوت اور بے نیازی حاصل ہوئی جس کی بدولت اس فانی دنیا کی ہماری نظروں میں کوئی قدر و قیمت/اہمیت و وقعت نہ رہی۔ ہم اس دنیا پر چھا گئے۔

۱۷- دل سینوں میں پانی ہو گئے۔ اس کے سوز نے ان آئینوں کو پگھلا دیا۔ توحید کا جذبہ جب دل میں سما جائے تو اس میں ایک خاص تب و تاب اور رقت پیدا ہو جاتی ہے۔

۱۸- اس کا شعلہ ہماری رگوں میں لالہ کی مانند سمایا ہوا ہے۔ اس کے داغ کے سوا ہمارا اور کوئی سامانِ تجارت نہیں ہے۔ ملت اسلامیہ کی ساری متاع اور سارا سرمایہ توحید ہی ہے۔ اسی کی بدولت اسے عظمت ملی ہے' ورنہ اس کے بغیر اس کی کوئی اہمیت نہ ہوتی۔

۱۹- اسود از توحید احمر می شود خویش فاروقؓ و ابوذرؓ می شود
۲۰- دل مقامِ خویشی و بیگانگی است شوق را مستی ز ہم پیمانگی است

۱۹- توحید کی بدولت کالا (حبشی) سرخ ہو جاتا اور حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابوذرؓ کا قرابت دار بن جاتا ہے۔ ایک معمولی انسان کو توحید پر ایمان و عمل کی بدولت عظمت حاصل ہوتی ہے اور اس میں بڑے تعمیری انقلابات پیدا ہوتے ہیں۔

۲۰- دل اپنائیت اور غیریت کا مقام ہے۔ عشق میں مستی باہم مل بیٹھ کر پینے میں ہے۔ توحید کی بدولت افراد ملت کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے گہری دوستی و رفاقت کے جذبے ہیں یا توحید کی بنا پر گورے اور کالے میں کوئی امتیاز نہیں' سبھی برابر اور بھائی بھائی ہیں۔

۲۱- ملت از یک رنگیٔ دلہاستے روشن از یک جلوہ ایں سیناستے
۲۲- قوم را اندیشہ ہا باید یکے در ضمیرش مدعا باید یکے
۲۳- جذبہ باید در سرشت او یکے ہم عیارِ خوب و زشتِ او یکے
۲۴- گر نباشد سوزِ حق در سازِ فکر نیست ممکن این چنیں اندازِ فکر

۲۱- ملت کا وجود دلوں کی باہمی یکسانیت سے ہے اور یہ طور سینا ایک ہی جلوے سے روشن ہے۔ تمام افراد ملت کے جذبوں اور سوچ اور فکر میں یکسانیت یا ایک ہی انداز کا ہونا ضروری ہے۔ ملت کو طور سینا سے اور دلوں کی یکرنگی کو جلوۂ ایزدی سے تشبیہ دی ہے۔

۲۲- قوم/ملت کے وجود کے لیے لازم ہے کہ اس کے افراد کی سوچ اور فکر ایک ہی ڈھب کی ہو اور ان کے دلوں میں مقصد ایک ہی ہو۔ سوچ اور فکر میں نیز مقاصد میں ایک ہی انداز سے مِلّت کا وجود بنتا اور برقرار رہتا ہے۔

۲۳- اس (ملت/افرادِ ملت) کی سرشت میں ایک ہی جذبہ ہونا چاہیے اور اس کا نیکی اور بدی کا معیار بھی ایک ہی ہو۔

۲۴- اگر سازِ حق میں سوز نہ ہو تو اس قسم کے اندازِ فکر کا ہونا ممکن نہیں۔ مذکورہ باتوں کو استعارے کی صورت میں بیان کیا ہے۔ مراد یہ کہ فکر میں سوزِ حق کا ہونا ضروری ہے۔

۲۵- ما مسلمانیم و اولادِ خلیلؑ | از ''ابیکم'' گیر اگر خواہی دلیل

۲۶- با وطن وابستہ تقدیرِ امم | بر نسب بنیادِ تعمیرِ امم

۲۷- اصلِ ملت در وطن دیدن کہ چہ | باد و آب و گِل پرستیدن کہ چہ؟

۲۸- بر نسب نازاں شدن نادانی است | حکمِ او اندر تن و تن فانی است

۲۵- ہم مسلمان اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی اولاد ہیں۔ اگر تجھے اس سلسلے میں کسی دلیل کی ضرورت ہے تو ''ابیکم'' پڑھ لے۔ قرآن کریم کی سورۃ الحج' آیہ ۷۸ میں واضح طور پر یہ ارشادِ ربانی ہے کہ ''تم اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت پر قائم رہو۔'' یعنی تم دنیا میں کہیں بھی ہو تم ایک ملت ہو' تم جغرافیائی حدود سے ماورا ہو۔

۲۶- دوسری قوموں کی تقدیر وطن سے وابستہ ہے اور رنگ و نسل پر ان کی بنیاد ہے۔ یہ قومیں جغرافیائی حدود اور رنگ و نسل کے حوالے سے خود کو الگ الگ قوم قرار دیتی ہیں۔

۲۷- وطن (جغرافیائی حدود) کو ملت کی بنیاد قرار دینا' کیا مطلب؟ ہوا اور آب و گِل کی پوجا کرنا' کیا مطلب؟ یعنی یہ سب فضول اور بیکار قسم کی سوچ ہے۔

۲۸- رنگ و نسل پر ناز کرنا نادانی ہے' اس لیے کہ اس کا حکم یا تعلق تو جسم سے ہے اور ظاہر ہے جسم ایک فانی شے ہے۔

۲۹- ملتِ ما را اساسِ دیگر است | ایں اساس اندر دلِ ما مضمر است

۳۰- حاضریم و دل بغایب بستہ ایم | پس ز بندِ این و آں وارستہ ایم

۳۱- رشتۂ ایں قوم مثلِ انجم است | چوں نگہ ہم از نگاہِ ما گم است

۲۹- ہماری ملت کی بنیاد کچھ اور ہے۔ یہ بنیاد ہمارے دلوں میں پوشیدہ ہے۔ ملت اسلامیہ رنگ و نسل اور وطن وغیرہ سے آزاد ہے اور اس کی بنیاد توحید ہے جو افرادِ ملت کے

دلوں میں قائم ہے۔

۳۰۔ ہم موجود ہیں اور ہم نے غایب سے دل لگا رکھا ہے' لہٰذا ہر کس و ناکس کی زنجیروں سے ہم آزاد ہیں۔ ملت اسلامیہ کا توحید ایزدی پر ایمان ہے جس کی بدولت وہ ہر قسم کی مادی حدود سے آزاد ہے اور صرف اللہ سے ہمارا دل وابستہ ہے۔

۳۱۔ اس قوم کا باہمی ربط و تعلق ستاروں کی مانند ہے۔ وہ نگاہ کی طرح ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے' جس طرح نگاہ سے آدمی کسی چیز کو دیکھتا ہے لیکن خود نگاہ نظر نہیں آتی' اسی طرح ہمارا یہ تعلق و ربط بھی نظر نہیں آتا' تاہم جس طرح ستاروں کا نظام ایک دوسرے سے وابستگی کی بنیاد پر قائم ہے' بعینہٖ ملت اسلامیہ کا معاملہ ہے۔

۳۲۔ تیر خوش پیکانِ یک کیشیم ما — یک نما' یک بیں' یک اندیشیم ما

۳۳۔ مدعاے ما' مآل ما یکیست — طرز و انداز خیالِ ما یکیست

۳۴۔ ما ز نعمت ہاے او اخواں شدیم — یک زبان و یک دل و یک جاں شدیم

۳۲۔ ہم ایک ہی ترکش / تیردان کے اچھی / عمدہ انی والے تیر ہیں' ہم ایک ہی نظر آنے والے' ایک ہی طرح دیکھنے والے اور ایک ہی انداز کی سوچ رکھنے والے ہیں۔ ملت کو مذہب اسلام کے حوالے سے' تیردان سے اور افراد ملت کو اچھی انی والے تیروں سے تشبیہ دی ہے۔ ان کی سوچ اور بود و باش وغیرہ کا انداز ایک ہی ہے۔

۳۳۔ ہمارا مدعا و مقصد اور مآل ایک ہی ہے اور ہمارے خیال کا طرز و انداز بھی ایک ہی ہے۔ یہ وہ باتیں ہیں جو ملت کی عظمت اور یک رنگی کی دلیل ہیں۔

۳۴۔ ہم اسی کی برکتوں سے باہم بھائی بھائی بن گئے اور یک زبان' یک دل اور یک جان ہو گئے۔ ملت اسلامیہ سے وابستگی کی بنا پر ہم میں یہ خوبیاں پیدا ہوئیں۔

در معنی ایں کہ یاس و حزن و خوف اُمّ الخبائث است و قاطعِ حیات و توحید ازالۂ امراضِ خبیثہ می کند

(اس حقیقت کے بارے میں کہ یاس اور حزن و خوف خباثتوں کی جڑ اور زندگی کو ختم کرنے والے ہیں' جبکہ توحید ان امراض خبیثہ کا توڑ کرتی ہے)۔

۱-	مرگ را ساماں ز قطعِ آرزوست	زندگانی محکم از "لاتقنطوا" ست
۲-	تا امید از آرزوے پیہم است	ناامیدی زندگانی را سم است
۳-	ناامیدی ہمچو گور افشاردت	گرچہ الوندی ز پاہی آردت
۴-	ناتوانی بندۂ احسانِ او	نامرادی بستۂ دامانِ او

۱- امید کا ختم ہو جانا موت کا باعث بنتا ہے۔ زندگی کا استحکام و بقا "لاتقنطوا" ہی سے ہے۔ انسان اگر مایوسیوں کا شکار ہو جائے تو اس کی زندگی تلخ اور بیکار ہو کر رہ جاتی ہے۔ اگر ارشادِ ربانی "اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو" پر ہمارا پختہ ایمان ہو تو ہم پیہم عمل میں مصروف رہ کر اس کی بقا کا سامان کر سکتے ہیں۔

۲- چونکہ مسلسل آرزو ہی سے امید کا دامن بندھا ہے' اس لیے ناامیدی زندگی کے لیے زہر قاتل ہوگی۔ عظیم مقصد اور اس کے حصول کے لیے مسلسل تگ و دو جدوجہد و عمل' پر امید رہنے ہی سے ممکن ہے اور یوں عظمت و سربلندی مقدر بنتی ہے ورنہ ناامیدی/ مایوسی تو صحیح زندگی کا خاتمہ کر دیتی ہے۔

۳- ناامیدی تجھے قبر کی طرح بھینچ لے گی' اگرچہ تو الوند پہاڑ ہی کیوں نہ ہو' تجھے وہ چت گرا دے گی۔ بڑی ہمت و طاقت والا انسان بھی اگر ناامیدی کا شکار ہو جائے تو اس کی تمام صلاحیتیں اور قوتیں ختم ہو جاتی ہیں۔

۴- ناتوانی اس (ناامیدی) کے احسان کی لونڈی ہے جبکہ نامرادی اس کے دامن سے بندھی ہے۔ ناامیدی جہاں انسان کو بیکار اور عمل و کوشش سے بیگانہ کر دیتی ہے' وہاں ناکامی اور بے نصیبی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

۵-	زندگی را یاس' خواب آور بود	ایں دلیل سستی عنصر بود
۶-	چشم جاں را سرمہ اش اعمیٰ کند	روزِ روشن را شب یلدا کند
۷-	از دمش میرد قواے زندگی	خشک گردد چشمہ ہاے زندگی
۸-	خفتہ باغم در تہ یک چادر است	غم رگِ جاں را مثالِ نشتر است

۵- مایوسی/ یاس زندگی کو سلا دیتی ہے اور یہ بات عنصر کی کمزوری کی دلیل ہے۔ مایوسی انسانی صلاحیتوں کو ختم کر دیتی ہے' جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مایوس انسان کے اعضاء و اجزاء کمزوری کا شکار ہو چکے ہیں۔

۶- مایوسی کا سرمہ چشم جاں کو اندھا کر دیتا ہے اور روز روشن کو تاریک طویل رات بنا دیتا

ہے۔ وہی بات کہ مایوسی سے انسانی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں اور زندگی انسان کے لیے تاریک رات بن جاتی ہے جس میں اسے کچھ نظر نہیں آتا۔ زندگی بیکار ہو کے رہ جاتی ہے۔

۷- اس کے دم سے زندگی کی قوتیں شل ہو کے رہ جاتی ہیں اور زندگی کے چشمے خشک ہو جاتے ہیں۔ مایوسی و نا امیدی کے تباہ کن اثرات کی بات کی ہے۔

۸- وہ (مایوسی) غم کے ساتھ ایک ہی چادر کے اندر سوتی ہے' جبکہ غم رگِ جاں کے لیے نشتر کا کام کرتا ہے۔ گویا مایوسی اور غم دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور غم انسانی زندگی کے لیے بڑا ہی خطرناک ہے۔

- اے کہ در زندانِ غم باشی اسیر　　از نبیؐ تعلیم "لا تحزن" بگیر
ا- ایں سبق صدیقؓ را صدیقؓ کرد　　سرخوش از پیمانۂ تحقیق کرد
ا- از رضا مسلم مثالِ کوکب است　　در رہِ ہستی تبسم برلب است

۹- تو جو غم کے قید خانے میں محبوس ہے' حضور اکرمؐ سے "لا تحزن" کی تعلیم حاصل کر۔ اس شعر میں سورۂ "التوبہ" آیہ ۴۰ کے حوالے سے بات ہوئی ہے۔ اس کے مطابق "جبکہ دو آدمیوں میں ایک آپؐ تھے' جس وقت کہ دونوں غار میں تھے' جب کہ آپؐ اپنے ہمراہی (حضرت ابوبکر صدیقؓ) سے کہہ رہے تھے کہ تم کچھ غم نہ کرو' یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔" غارِ ثور میں پناہ کے دوران حضورؐ نے یہ الفاظ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے فرمائے تھے جو اس وقت آپؐ کے ہمراہ تھے۔

۱۰- اس سبق نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو صدیق بنا دیا اور حقیقت کے پیمانے سے انہیں سرمست و سرشار کر دیا۔ حضور اکرمؐ کے اس فرمان سے ان (ابوبکرؓ) میں ہمت پیدا ہوئی اور تعاقب کرنے والے دشمنوں کا خوف ان کے دل سے نکل گیا' چونکہ وہ آخر وقت تک حضورؐ کے ساتھ غارِ ثور میں رہے' اس لیے مخلص اور نہایت سچے قرار پائے۔

۱۱- رضا کے باعث مسلمان ایک روشن ستارے کی مانند ہے۔ زندگی کی راہ میں اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہوتی ہے۔ تمام قدرت و قوت صرف اللہ ہی کو حاصل ہے۔ اس لیے اس کی رضا کا طالب ہونا راضی بہ رضا ہونا ہے۔ جب ایک مسلمان عملاً اس کا مظاہرہ/اظہار کرتا ہے تو اس کا دل ہر طرح کے خوف اور غم سے محفوظ ہوتا ہے اور وہ کسی بھی مصیبت وغیرہ میں نہیں گھبراتا بلکہ اسے خدا کی رضا سمجھتے ہوئے خوشی خوشی

برداشت کرتا ہے۔

۱۲- گر خدا داری ز غم آزاد شو ۔۔۔ از خیال بیش و کم آزاد شو

۱۳- قوتِ ایماں حیات افزایدت ۔۔۔ وردِ "لا خوف علیھم" بایدت

۱۲- اگر خدا پر تیرا ایمان ہے تو غم سے آزاد ہو جا اور زیادہ اور کم کے خیال سے خود کو بچا کے رکھ۔ جب تو اس کی رضا پر راضی رہے گا تو کوئی غم/مصیبت اور مادی ضروریات کی کمی بیشی کا کوئی فکر و اندیشہ تجھے پریشان نہیں کر سکے گا۔

۱۳- ایمان کی قوت تیری بقا میں اضافہ کرتی ہے۔ تجھے "لا خوف علیھم" کا ورد کرنا چاہیے۔ جب خدا کے معبودِ حقیقی اور حاکم مطلق ہونے پر ہمارا ایمان مضبوط ہوگا اور مذکورہ ارشادِ ربانی کو ہم ہر وقت پیش نظر رکھیں گے تو ہماری زندگی ایک کامیاب و بامراد زندگی ہوگی اور دونوں جہانوں میں ہمیں سرخروئی نصیب ہوگی۔

۱۴- چوں کلیمے سوئے فرعونے رود ۔۔۔ قلب او از "لاتخف" محکم شود

۱۵- بیم غیر اللہ عمل را دشمن است ۔۔۔ کاروانِ زندگی را رہزن است

۱۶- عزم محکم ممکنات اندیش ازو ۔۔۔ ہمتِ عالی تامل کیش ازو

۱۷- تخم او چوں در گلت خود را نشاند ۔۔۔ زندگی از خود نمائی باز ماند

۱۴- جب کوئی کلیم کسی فرعون کی طرف جاتا ہے تو اس کا دل "لاتخف" سے قوی ہوتا ہے۔ فرعون نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا' حضرت موسیٰؑ نے اپنے خدا پر ایمان کامل ہونے کے باعث' پوری بے خوفی کے ساتھ اس سے ٹکرا کر اس کے دعوے کو باطل کر دیا۔ سو جب مسلمان کا اللہ تعالیٰ پر ایمان کامل ہوگا تو باطل اور طاغوتی طاقتوں سے اسے کوئی خوف نہ ہوگا اور وہ بڑے دھڑلے سے ان کا مقابلہ کرے گا۔

۱۵- غیر اللہ کا خوف عمل کا دشمن ہے اور یہ (خوف) زندگی کے قافلے کا رہزن ہے۔ ماسوا اللہ یا باطل قوتوں وغیرہ سے خوف کے باعث انسان کی قوت عمل ختم ہو جاتی ہے۔ جس کے باعث اس کی زندگی بے مقصد اور بے کار ہو کے رہ جاتی ہے۔

۱۶- مضبوط/قوی ارادہ اس سے امکانات کے بارے میں سوچنے والا بن جاتا ہے اور بلند ہمتی اس سے تذبذب کا شکار ہو جاتی ہے۔ ماسوا اللہ کا خوف انسان کے قوی ارادوں کو ختم کر دیتا اور وہ یوں سوچنے لگتا ہے کہ اگر ایسا کیا تو یوں نہ ہو جائے' یوں کیا تو ووں ہونے کا امکان ہے' وغیرہ اسی طرح بلند ہمت اس خوف کا شکار ہو کر

تذبذب میں پڑا رہتا اور زندگی تباہ کر لیتا ہے۔

۱۷- جب اس نے اپنا پودا تیری مٹی / زمین میں لگا لیا تو پھر زندگی اپنے اظہارِ ذات سے رک جائے گی۔ غیر اللہ کا خوف اگر دل میں بیٹھ جائے تو انسان اپنی قوت اور صلاحیتوں سے استفادہ کرنے سے محروم ہو جائے گا اور ان کا اظہار نہ کر پائے گا۔

۱۸- فطرتِ او تنگ تاب و سازگار | بادلِ لرزان و دستِ رعشہ دار

۱۹- دزدد از پا طاقتِ رفتار را | می رباید از دماغ' افکار را

۲۰- دشمنت ترساں اگر بیند ترا | از خیابانت چو گل چیند ترا

۲۱- ضربِ تیغ او قوی تر می فتد | ہم نگاہش مثلِ خنجر می فتد

۱۸- اس کی فطرت تو کمزور ہے لیکن وہ کانپتے ہوئے دل اور کپکپاتے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ موافق ہے۔ غیر اللہ کے خوف میں طاقت تو نہیں ہے' ہاں جو انسان اس خوف کا شکار ہو جائے تو غیر اللہ / باطل قوتوں کے اس خوف کے باعث وہ جہد و عمل سے بیگانہ ہو جاتا اور اس کی زندگی بے مقصد و بے کار ہو کر رہ جاتی ہے۔

۱۹- مذکورہ خوف پاؤں سے چلنے کی طاقت چھین لیتا اور دماغ سے خیالات اڑا لیتا ہے۔ غیر اللہ کے خوف کا شکار انسان قوتِ عمل سے محروم ہو جاتا ہے اور اس کے جذبات و خیالات اور احساسات کو شدید دھچکا لگتا ہے۔

۲۰- تیرا دشمن اگر تجھے خوف زدہ دیکھے تو وہ تجھے تیری کیاری سے پھول کی طرح توڑ لے گا۔ غیر اللہ انسان کا دشمن ہے۔ اس سے ڈرنے والا اپنی زندگی تباہ کر لیتا ہے۔

۲۱- اس (خوف غیر اللہ) کی تلوار کا وار بڑا شدید ہوتا ہے' اسی طرح اس کی نگاہ خنجر کی طرح اپنا کام کر جاتی ہے۔ (مذکورہ بالا باتوں کو ان استعاروں میں بیان کیا ہے۔)

۲۲- بیم چوں بنداست اندر پاے ما | ورنہ صد سیل است در دریاے ما

۲۳- بر نمی آید اگر آہنگِ تو | نرم از بیم است تارِ چنگِ تو

۲۴- گوش تا بش دہ کہ گردد نغمہ خیز | بر فلک از نالہ آرد دست خیز

۲۵- بیم جاسوسے است از اقلیمِ مرگ | اندرونش تیرہ مثلِ بیمِ مرگ

۲۲- خوف ایک زنجیر کی مانند ہے جو ہمارے پاؤں میں پڑی ہوئی ہے' ورنہ ہمارے سمندر میں سینکڑوں طوفان ہیں۔ خوف کے باعث انسان کی تمام قوتیں اور صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اگر وہ ہر طرح کے بیم و خوف سے بے فکر ہو جائے تو وہ اپنی ان قوتوں اور

صلاحیتوں سے بڑے بڑے انقلاب پیدا کر سکتا ہے۔

۲۳۔ اگر تیرا نغمہ بلند نہیں ہو رہا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ خوف کے باعث تیرے ساز کے تار نرم پڑ چکے ہیں۔ وہی پہلے والے شعر کی بات نئے استعارے میں۔ اس خوف نے تیری قوتیں اور صلاحیتیں ختم کر دی ہیں' جس کی وجہ سے تو ابھر نہیں رہا۔ جدوعمل سے بے خبر/ بیگانہ ہو گیا ہے۔

۲۴۔ تو اس کے کان مروڑ/ تار کس تا کہ اس سے نغمہ پیدا ہو اور یوں وہ نالہ/ نغمہ آسمان پر محشر برپا کر دے۔ خوف سے بے فکر ہو کر اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لا اور یوں عظیم انقلابات پیدا کر دے۔

۲۵۔ خوف' موت کے ملک کا ایک جاسوس ہے' اس کا باطن لفظ ''مرگ'' کے میم (م) کی طرح ہے۔ خوف کی تجسیم (Personification) کر کے اسے ایک سیاہ باطن انسان قرار دیا ہے جو انسانوں کی تباہی و بربادی کا باعث بنتا ہے۔

۲۶۔ چشم او برہم زنِ کارِ حیات — گوشِ او بز گیرِ اخبارِ حیات

۲۷۔ ہر شرِ پنہاں کہ اندر قلبِ تست — اصلِ او بیم است اگر بینی درست

۲۸۔ لابہ و مکاری و کین و دروغ — ایں ہمہ از خوف می گیرد فروغ

۲۶۔ اس کی آنکھ زندگی کے کاروبار کو تلپٹ کر دینے والی ہے' اس کے کان زندگی کی خبریں چرانے والے ہیں (شعر ۳۵ کے حوالے سے) خوف کے باعث انسانی زندگی کو پہنچنے والے بڑے بڑے نقصانوں کو استعاروں میں بیان کیا ہے۔

۲۷۔ اگر تو غور کرے تو جو بھی پوشیدہ برائی تیرے دل میں ہے اس کی جڑ اصل خوف ہی ہے۔ چونکہ خوف کی بنا پر انسانی صلاحیتیں اور قوتیں ختم ہو جاتی ہیں اس لیے وہ براہِ راست جدوعمل سے اپنے مقاصد پورے کرنے کی بجائے ہیرا پھیری اور فریب کاری سے کام لے کر اپنا مفاد حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

۲۸۔ چاپلوسی/ خوشامد' مکروفریب' بغض و دشمنی اور جھوٹ یہ سب برائیاں اسی خوف سے فروغ پاتی ہیں۔ خوفزدہ انسان ان برائیوں سے کام لے کر اپنے مفادات حاصل کرتا ہے۔

۲۹۔ پردۂ زور و ریا پیراہنش — فتنہ را آغوشِ مادر دامنش

۳۰۔ زانکہ از ہمت نباشد استوار — می شود خوشنود با ناسازگار

کہ مصطفیٰؐ فہمیدہ — شرک را خوف مضمر است

۲۹- دغا فریب اور ریا کا پردہ اس کا لباس ہے' فتنے کے لیے اس کا دامن ایسا ہی ہے جیسے ماں کی گود ہو۔ خوف کی بنا پر انسان ان ہتھکنڈوں سے کام لے کر اپنی مطلب بر آری کرتا ہے اور یہی خوف کئی فتنوں کا باعث بنتا ہے۔

۳۰- چونکہ وہ ہمت سے مضبوط و مستحکم نہیں ہوتا' اس لیے وہ ناسازگار کے ساتھ خوش رہتا ہے۔ خوف کی وجہ سے انسان میں وہ ہمت نہیں ہوتی جس سے وہ مصائب و آلام وغیرہ کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکے' اس لیے وہ مجبور ہوتا ہے کہ ناموافق باتوں کو بھی بخوشی قبول کر لے۔

۳۱- جس کسی نے مصطفیٰؐ کی رمز کو سمجھ لیا ہے' اس نے شرک کو خوف میں چھپے ہوئے دیکھ لیا ہے۔ حضور اکرمؐ نے ہمیں توحید کا درس دیا ہے' جس پر عمل سے انسان کسی بھی باطل قوت اور خوف سے نہیں دبتا' بصورتِ دیگر وہ خوف کے باعث ہر باطل قوت کے آگے سر جھکا کر شرک کا مرتکب ہو جاتا ہے۔

محاورۂ تیر و شمشیر

(تیر اور تلوار کی باہمی گفتگو)

۱- سرحق' تیر از لبِ سوفار گفت | تیغ را در گرمیِ پیکار گفت
۲- اے پریہا جوہر اندر قافِ تو | ذوالفقارِ حیدرؓ از اسلافِ تو
۳- قوتِ بازوے خالدؓ دیدہ ای | شام را برسر شفق پاشیدہ ای
۴- آتشِ قہرِ خدا سرمایہ ات | جنت الفردوس زیرِ سایہ ات
۵- در ہوایم یامیانِ ترکشم | ہرکجا باشم سراپا آتشم

۱- تیر نے اپنے سوفار کی زبان سے سچی بات کہی۔ وہ گھمسان کے رن میں تلوار سے یوں مخاطب ہوا:

۲- اے (تلوار) کہ تیرے کوہ قاف میں تیرا جوہر پریاں ہیں۔ حضرت علیؓ حیدر کرار کی ذوالفقار تیرے اسلاف میں سے ہے۔ (تلوار کی چمک کو کوہ قاف کی پریوں سے تشبیہ دی ہے اور اس کی تیزی اور کاٹ کے حوالے سے اسے حضرت علیؓ کی ذوالفقار

سے نسبت دی ہے)

۳- تو (تلوار) نے حضرت خالدؓ بن ولید کا زورِ بازو دیکھا ہے۔ شام کے سر پر تو نے شفق ارغوانی چھڑکی ہے۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے ملک شام فتح کیا تھا۔ وہاں ان کی تلوار نے جو جوہر دکھائے اور دشمنوں کا خون بہایا' اس کی طرف اشارہ ہے۔

۴- خدا کے قہر کی آگ تیرا سرمایہ ہے اور جنت الفردوس تیرے سائے میں ہے۔ قہر خداوندی اس صورت میں کہ باطل قوتوں کی تباہی کا باعث بنتی ہے اور جنتِ فردوس مجاہد کی شہادت پر اسے ملتی ہے۔

۵- جبکہ میں (تیر) خواہ فضا میں ہوں یا تیر دان میں' دونوں صورتوں میں سراسر آگ ہوں۔ تیر جب کسی کے سینے میں جا کر لگتا ہے تو اسے یوں لگتا ہے جیسے سینے میں آگ لگ گئی ہو۔ غالباً اسی بنا پر خود کو سراسر آگ کہا۔

۶-	از کمان آیم چو سوے سینہ من	نیک می بینم بہ توے سینہ من
۷-	گر نباشد درمیاں قلبِ سلیم	فارغ از اندیشہ ہاے یاس و بیم
۸-	چاک چاک از نوکِ خود گردانمش	نیمہ اے از موج خوں پوشانمش
۹-	ور صفاے او ز قلبِ مومن است	ظاہرش روشن زنور باطن است
۱۰-	از تفِ او آب گردد جانِ من	ہمچو شبنم می چکد پیکانِ من

۶- جب میں کمان سے نکل کر کسی سینے کی طرف بڑھتا ہوں تو اس سینے کے اندر پوری طرح جھانک لیتا ہوں۔ تیر کی تجسیم (Personification) ہے۔ وہ گویا انسان ہے جو دوسرے انسان کے سینے میں جھانکتا ہے۔ مطلب یہ کہ تیر میں اتنی تیزی ہے کہ وہ انسان کے سینے کے آر پار ہو جاتا ہے۔

۷'۸- اگر اس سینے کے اندر قلب سلیم یاس وبیم کے اندیشوں سے آزاد نہ ہو تو میں اسے اپنی نوک سے چیر کے رکھ دیتا ہوں اور اسے خون کی لہر کا نیمہ پہنا دیتا ہوں۔ گویا کفر و شرک اور خوف و مایوسی میں ڈوبے ہوئے انسان کو میں تباہ کر کے رکھ دیتا ہوں۔ تیر کا وار تو سب پر یکساں ہوتا ہے لیکن یہاں کفر و شرک اور خوف کے حوالے سے تباہی کا ذکر کیا ہے۔

۹'۱۰- اور اگر اس سینے میں قلب مومن کے سبب صفا ہے اور اس کا ظاہر نورِ باطن سے منور ہے' تو اس کی گرمی سے میری جان پگھل کے رہ جاتی ہے اور میری انی شبنم کی مانند

چمکنے لگتی ہے۔ ایسا ہوتا تو نہیں لیکن علامہ نے شاعرانہ انداز میں یہ بتانا چاہا ہے کہ ایک تو توحید پر ایمانِ کامل کے باعث مردِ مومن کا ظاہر و باطن ہر طرح کی کدورتوں سے پاک ہوتا ہے' دوسرے اس پر کسی قسم کا یا کسی بھی باطل قوت کا خوف طاری نہ ہونے کے باعث تیر یا کوئی بھی اسلحہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا' وہ مردانہ وار اس کا مقابلہ کرتا ہے۔

حکایتِ شیر و شہنشاہ عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ

۱- شاہِ عالمگیر گردوں آستاں — افتخارِ دودمانِ گورگاں
۲- پایۂ اسلامیاں برتر ازو — احترامِ شرعِ پیغمبرؐ ازو
۳- درمیانِ کار زارِ کفر و دیں — ترکشِ مارا خدنگِ آخریں

۱- شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر کا آستانہ آسمان کی مانند بلند ہے اور وہ گورگانی خاندان کے لیے افتخار کا باعث ہے۔

۲- مسلمان/ اہلِ اسلام کا رتبہ و مرتبہ اس کی بدولت بہت بلند ہے' اسی سے حضور اکرمؐ کی شرع کا احترام قائم ہے۔ اس نے شرعِ پیغمبرؐ پر خود بھی عمل کرایا اور سلطنت کے قوانین میں بھی اس سے استفادہ کیا (نیز فرہنگ ملاحظہ ہو)

۳- کفر اور اسلام کے معرکہ میں وہ ہمارے ترکش کا آخری تیر ہے/ تھا۔ گویا اس نے کوئی بھی جنگ اپنی سلطنت میں اضافے کے لیے نہیں لڑی بلکہ کفر کے خلاف جہاد کیا۔

۴- تخمِ الحادے کہ اکبر پرورید — باز اندر فطرتِ دارا دمید
۵- شمعِ دل در سینہ ہا روشن نبود — ملتِ ما از فساد ایمن نبود
۶- حق گزید از ہند عالمگیر را — آں فقیرِ صاحبِ شمشیر را
۷- از پئے احیائے دیں مامور کرد — بہرِ تجدیدِ یقیں مامور کرد
۸- برقِ تیغش خرمنِ الحاد سوخت — شمعِ دیں در محفلِ ما برفروخت
۹- کور ذوقاں داستانہا ساختند — وسعتِ ادراکِ او نشناختند

۴- الحاد کا جو بیج اکبر نے بویا تھا' وہ بعد میں دارا کی فطرت/ سرشت میں پھوٹ پڑا۔

۵- (اس کا باعث یہ تھا کہ) دل کی شمع سینوں میں روشن نہ تھی اور ملتِ اسلامیہ فساد/ بگاڑ

سے محفوظ نہ رہی تھی۔ مسلمانوں کے دل مردہ ہو چکے تھے جس کے باعث ان کا ایمان و یقین ختم ہو چکا تھا۔

۶۔ (ایسی صورت حال میں) اللہ تعالیٰ نے ہندا برصغیر سے عالمگیر کو منتخب کر لیا' اس عالمگیر کو جو درویش منش اصفت شمشیر زن تھا۔

۷۔ اللہ تعالیٰ نے اسے دین کے احیا پر مامور کیا اور مسلمانوں میں پھر سے ایمان و یقین پیدا کرنے کا فرض سونپا۔

۸۔ اس کی تلوار کی بجلی نے الحاد کا خرمن جلا کے رکھ دیا اور ہماری بزم میں دین کی شمع روشن کی۔ عالمگیر نے الحاد کے خلاف جہاد کیا اور اس کو جڑ سے مٹا دیا اور اپنے عمل و قوانین سے ملت اسلامیہ کے دلوں میں پھر سے دین اسلام کی محبت پیدا کر دی۔

۹۔ شعور سے عاری لوگوں نے' عالمگیر کے اس اقدام پر' اس کے متعلق من گھڑت قصے اڑا دیے۔ یہ نادان لوگ اس کی وسعت ادراک کو صحیح معنوں میں نہ پا سکے/نہ سمجھ سکے۔

۱۰۔	شعلۂ توحید را پروانہ بود	چوں براہیمؑ اندریں بت خانہ بود
۱۱۔	در صفِ شاہنشہاں یکتا ستے	فقر او از تربتش پیدا ستے

۱۰۔ عالمگیر شعلۂ توحید کا پروانہ تھا۔ وہ اس بت خانے / ہندوستان میں حضرت ابراہیمؑ کی مانند تھا' جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے کعبہ کے بت توڑ پھوڑ دیے تھے' عالمگیر نے بھی ویسا ہی کام کیا اور کفر و الحاد کا خاتمہ کر دیا۔

۱۱۔ وہ شہنشاہوں کی صف میں بے مثل تھا۔ اس کی درویش منشی اس کی قبر سے ظاہر / نمایاں ہے۔ یعنی اس کی قبر پر کوئی عظیم الشان مقبرہ تعمیر نہیں کیا گیا۔

۱۲۔	روزے آں زیبندۂ تاج و سریر	آں سپہدار و شہنشاہ و فقیر
۱۳۔	صبح گاہاں شد بہ سیر بیشہ اے	با پرستارے وفا اندیشہ اے
۱۴۔	سر خوش از کیفیت باد سحر	طائراں تسبیح خواں بر ہر شجر
۱۵۔	شاہ رمز آگاہ شد محو نماز	خیمہ بر زد در حقیقت از مجاز

۱۲'۱۳۔ وہ (عالمگیر) جو تاج اور تخت کے لیے زینت و آراستگی کا باعث تھا' جو سپہ سالار' عظیم فرماں روا تھا اور درویش منش تھا' ایک روز صبح سویرے سیر کے لیے کسی جنگل کی طرف گیا۔ اس کے ہمراہ ایک باوفا باندی بھی تھی یا ایک باوفا غلام بھی تھا۔ "اورنگ زیب" کے حوالے سے اسے زیبندۂ تاج و سریر کہا ہے کیونکہ اورنگ زیب کا بھی یہی

مطلب ہے۔

۱۴- صبح کی ہوا کے نشے میں مخمور پرندے ہر درخت پر تسبیح خوانی میں معروف تھے۔

۱۵- حقیقت شناس بادشاہ صبح کی نماز میں محو ہو گیا (غالباً پرندوں کے چہچہانے نے اس کی توجہ نماز کی طرف دلائی)۔ گویا اس نے مجاز سے حقیقت میں خیمہ لگا لیا۔ یعنی دنیوی مشاغل چھوڑ کر حق تعالیٰ کی یاد میں کھو گیا۔

۱۶- شیرِ ببر آمد پدید از طرفِ دشت — از خروشِ او فلک لرزندہ گشت

۱۷- بوے انساں داوش از انساں خبر — پنجہ عالمگیر را زد برکمر

۱۸- دستِ شہ نادیدہ خنجر برکشید — شرزہ شیرے را شکم از ہم درید

۱۹- دل بخود راہے نداد اندیشہ را — شیر قالیں کرد شیر بیشہ را

۱۶- اسی دوران میں جنگل کی طرف سے ایک ببر شیر ظاہر ہوا / آ گیا۔ وہ کچھ اس زور سے دھاڑ رہا تھا کہ اس سے فلک بھی کانپ اٹھا۔ (آسمان تک اس کی دھاڑ کی گونج پہنچ رہی تھی)۔

۱۷- اس شیر کو انسان کی خوشبو سے وہاں انسان کی موجودگی کا پتا چل گیا' چنانچہ وہ عالمگیر کی طرف بڑھا اور اس کی کمر پر اس نے پنجہ مار دیا۔

۱۸- بادشاہ کے ہاتھ نے ان دیکھے ہی خنجر نکال لیا اور اس غضبناک شیر کا پیٹ چیر کے رکھ دیا۔

۱۹- عالمگیر کے دل میں معمولی سا بھی خوف پیدا نہ ہوا اور یوں اس نے جنگلی شیر کو قالین کا شیر بنا دیا۔ اس کا خاتمہ کر دیا۔

۲۰- باز سوے حق رمید آں ناصبور — بود معراجش نماز با حضور

۲۱- ایں چنیں دل خود نما و خود شکن — دارد اندر سینۂ مومن وطن

۲۲- بندۂ حق پیشِ مولا لاستے — پیشِ باطل از نعم برجاستے

۲۰- اس واقعے کے بعد وہ ناصبور پھر خدا کے حضور جھک گیا۔ اس کی یہ نماز با حضور اس کے لیے معراج / بلندی کی حیثیت رکھتی تھی۔ یعنی اس حق کے متوالے (عالمگیر) کی تمام تر توجہ صرف اور صرف خدا کی طرف تھی جو گویا عالم ملکوت کی سیر کے برابر تھی۔

۲۱- اس قسم کا خود نما اور خود شکن دل صرف مومن کے سینے میں اپنا ٹھکانا بناتا ہے یعنی ایسا دل جو دشمن یا باطل قوت کے مقابلے میں / سامنے تو غیور اور جسور / دلیر ہے لیکن حضور

حق عاجزی اور انکسار کا مجسمہ ہو' صرف مومن ہی کا ہو سکتا ہے۔

۲۲- خدا کا (خاص) بندہ اپنے مولا کے حضور "لا" کی صورت اور باطل کے آگے اپنی ذات کا اظہار کرتے ہوئے چٹان کی طرح اٹل ہو جاتا ہے۔ وہی شعر ۲۱ والی بات۔

۲۳- تو ہم اے ناداں دلے آور بدست | شاہدے را محملے آور بدست

۲۴- خویش را در باز و خود را باز گیر | دام گستر از نیاز و ناز گیر

۲۵- عشق را آتش زنِ اندیشہ کن | روبہِ حق باش و شیری پیشہ کن

۲۶- خوفِ حق عنوانِ ایمان است و بس | خوفِ غیر از شرکِ پنہاں است و بس

۲۳- اے نادان (مسلمان) تو بھی ایسا دل پیدا کر لے اور اس طرح محبوب کے لیے محمل مہیا کر لے۔ توحید پر تیرا پختہ ایمان ہونا چاہیے اور تیرا دل محبوب حقیقی کے عشق سے سرشار ہو۔

۲۴- تو خود کو ہار کر خود کو پا جا۔ عاجزی کا جال بچھا کر ناز کو پکڑ لے۔ حضور حق اپنی نفی کر (سراپا عجز و انکسار بن جا) یوں تو اپنی معرفت/شناخت پا لے گا' اپنی صلاحیتوں اور قوتوں سے آگاہ ہو جائے گا' اور دنیا و آخرت میں تجھے سرخروئی حاصل ہو گی (اور باطل قوتوں سے ٹکرانے کی قوت حاصل کر لے گا)۔

۲۵- تو عشق کو خوف اور ڈر کا جلانے والا بنا لے' خدا کے حضور لومڑی بن جا اور یوں شیر کی سی زندگی اپنا لے۔ وہی پچھلے شعروں والی بات نئے استعارے میں' حضور حق عاجزی اور باطل قوت کے سامنے شیر بن جانا۔

۲۶- حق تعالیٰ کا خوف ایمان کا عنوان ہے اور بس' جبکہ غیر کا خوف پوشیدہ شرک کے باعث ہے اور بس..... دل میں حق تعالیٰ کا خوف توحید پر پختہ ایمان کی علامت ہے اور کسی باطل قوت سے خوفزدہ ہونا خود شرک کا مرتکب کرتا ہے۔

رُکنِ دُوم

رسالت

۱- تارکِ آفل براہیم خلیل | انبیا را نقشِ پائے او دلیل

۲- آں خداے لم یزل را آیتے | داشت در دل آرزوے ملتے
۳- جوے اشک از چشم بے خوابش چکید | تا پیام "طهر ابیتی" شنید
۴- بہر ما ویرانہ اے آباد کرد | طائفاں را خانہ اے بنیاد کرد
۵- تا نہال "تب علینا" غنچہ بست | صورت کار بہار ما نشست

۱- حضرت ابراہیم خلیل اللہ غروب ہونے والوں کے تارک ہیں۔ آپؑ کے پاؤں کے نقش دوسرے نبیوںؑ کے لیے رہنما ہیں۔ (فرہنگ ملاحظہ ہو)۔ حضرتؑ نے توحید ایزدی پر ایمانِ کامل کی جو تبلیغ کی اور عملاً اس ایمان کے حوالے سے زندگی بسر کی' وہ بعد میں آنے والے نبیوںؑ کے لیے عظیم نمونہ عمل تھا۔

۲- وہؑ خداے حی و قیوم کی نشانی تھے اور ان کے دل میں ایک ملت کی آرزو تھی۔ (فرہنگ....) یعنی ایسی ملت جو کفر و الحاد اور شرک سے پاک ہو اور جس کا توحید ایزدی پر مکمل ایمان ہو۔

۳- ان کی بے خواب (نیند سے عاری) آنکھوں سے آنسوؤں کی ندی جاری/رواں ہوگئی' پھر کہیں انہوں نے "طہر بیتی" کا پیغام سنا (فرہنگ)۔ ایسی ملت کے وجود کے لیے خدا کے حضور شب و روز روتے گڑگڑاتے رہے۔

۴- ہمارے لیے انہوںؑ (ابراہیمؑ) نے ایک غیر آباد جگہ کو آباد کیا اور اس طرح طواف کرنے والوں کے لیے ایک گھر یعنی خانہ کعبہ تعمیر کیا۔ (فرہنگ)۔

۵- جب "تب علینا" کے شجر کو بور لگا تو پھر ہماری بہار کا معاملہ رو براہ ہوا۔ (فرہنگ)۔ حضرت ابراہیمؑ کی اللہ تعالیٰ کے حضور مذکورہ ملت کے لیے دعا اور عاجزی کام آئی اور ملت اسلامیہ وجود میں آئی۔

۶- حق تعالیٰ پیکر ما آفرید | وز رسالت در تنِ ما جاں دمید
۷- حرف بے صوت اندریں عالم بدیم | از رسالت مصرعِ موزوں شدیم
۸- از رسالت در جہاں تکوینِ ما | از رسالت دینِ ما آئینِ ما
۹- از رسالت صد ہزار ما یک است | جزوِ ما از جزوِ ما لا ینفک است

۶- حق تعالیٰ نے ہمارا جسم/ڈھانچا پیدا کیا' پھر رسالت سے ہمارے اس وجود میں روح پھونکی۔ رسالت ہی کی بدولت ہم توحید ایزدی سے آگاہ ہوئے اور اس پر ایمان لانے سے ہم میں عظیم جذبے پیدا ہوئے اور باطل قوتوں سے ٹکرا جانے کی قوت پیدا

ہوئی' ورنہ اس سے پہلے ہم محض مٹی کا ڈھانچا تھے۔

۷۔ ہم (رسالت سے پہلے) اس دنیا میں ایسے حرف/ لفظ کی مانند تھے' جس کی آواز نہ بن سکے' جبکہ رسالت کے باعث موزوں مصرع بن گئے۔ (چھٹے شعر والی بات نئے استعاروں میں)

۸۔ رسالت ہی سے دنیا میں ہماری تکوین ہوئی اور رسالت ہی سے ہمارا دین و آئین ہے۔ ہمارا یعنی ہماری ملت اسلامیہ کا (جو ایک عظیم ملت ہے) وجود رسالت ہی کے طفیل ہے اور ہماری زندگی کے تمام ضابطے اور قانون' جو سراسر انسانیت کے علمبردار ہیں' رسالت ہی کی بدولت ہیں۔

۹۔ رسالت کی بدولت ہم لاکھوں کروڑوں افراد ایک اکائی/ وحدت کی صورت ہو گئے اور ہمارا اجزا ایک ایسا جزو ہے جو الگ نہیں کیا جا سکتا۔ ملت اسلامیہ ایک وحدت ہے اور ملت کا ہر فرد اس کا ایک لازمی حصہ ہے۔

۱۰۔	آں کہ شانِ اوست ''یھدی من یرید''	از رسالت حلقہ گردِ ما کشید
۱۱۔	حلقۂ ملت محیط افزاستے	مرکز او وادیِ بطحاستے
۱۲۔	ما ز حکم نسبت او ملتیم	اہلِ عالم را پیام رحمتیم
۱۳۔	از میانِ بحرِ او خیزیم ما	مثلِ موج از ہم نمی ریزیم ما

۱۰۔ وہ ذاتِ باری جس کی شان ''یھدی من یرید'' ہے' اس نے رسالت سے ہمارے گرد حلقہ کھینچ دیا۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ اس کی اسی شان کی بدولت حضرت ابراہیمؑ کی وساطت سے ملت اسلامیہ وجود میں آئی اور رسالت ہی کی بدولت تمام افرادِ ملت ایک ہی حلقہ میں شامل ہو گئے' وحدت کی صورت میں ان کا باہمی تعلق ہو گیا۔

۱۱۔ ملت کا حلقہ ایک بڑھنے والا سمندر ہے یا ملت کا حلقہ ہر لحہ بڑھنے والا ہے' اس کا مرکز مکہ معظمہ کی وادی ہے۔ ملت اسلامیہ کا بڑا مرکز مکہ معظمہ ہے جہاں ہر سال حج کے موقع پر دنیا بھر کے لاکھوں مسلمان اکٹھے ہوتے ہیں۔

۱۲۔ ہم رسالتؐ سے تعلق ہی کی بنا پر ایک ملت ہیں۔ ہم اہل جہان کے لیے رحمت کا پیغام ہیں۔ حضور اکرمؐ رحمۃ للعالمین ہیں۔ یعنی پوری دنیا یا سب جہانوں کے لیے رحمت ہیں۔ آپؐ ہی کے حوالے سے ملت اسلامیہ دنیا بھر کے لیے رحمت کا پیغام ہے۔

۱۳۔ ہم اس کے سمندر میں سے اٹھتے ہیں اور موج کی طرح ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوتے۔ جس طرح سمندر میں موجیں مل کر اٹھتی ہیں اور ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوتیں (کیونکہ الگ ہونے کی صورت میں موج کا وجود ختم ہوتا ہے) اسی طرح ملت اسلامیہ کے افراد کثرت تعداد کے باوجود ایک اکائی/ وحدت کی صورت میں ہیں۔

۱۴۔ امتش در حرزِ دیوارِ حرم — نعرہ زن مانندِ شیراں در اجم

۱۵۔ معنیٔ حرفم کنی تحقیق اگر — بنگری با دیدۂ صدیقؓ اگر

۱۶۔ قوتِ قلب و جگر گردد نبیؐ — از خدا محبوب تر گردد نبیؐ

۱۴۔ آپ کی امت دیوارِ حرم کی پناہ میں اسی طرح نعرہ زن ہے جس طرح شیر جنگل میں دھاڑتے ہیں۔ دیوارِ حرم مرکزیت کی علامت ہے۔ اس مرکز سے وابستگی کے باعث اور توحید پر ایمان کامل کی بدولت ملت اسلامیہ ایک بے باک، دلیر اور قوی ملت ہے جو دنیا کی کسی بھی طاقت یا باطل قوتوں سے خوفزدہ نہیں ہے۔ اس شعر کا مضمون مشہور عربی قصیدہ ''قصیدہ بردہ'' کے ایک شعر سے ماخوذ ہے جس کا ترجمہ ہے:

''حضورؐ نے اپنی امت کو ملت کے حصار میں اس طرح بٹھا دیا، جس طرح شیر جنگل میں اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھ جاتا ہے۔''

۱۵،۱۶۔ اگر تو میری اس بات کی حقیقت کو جاننا چاہتا ہے اور اگر تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نگاہوں سے دیکھے (تو تجھے پتا چل جائے گا کہ) حضور اکرمؐ قلب وجگر کی قوت کا باعث بن جاتے اور خدا سے بھی زیادہ پیارے ہو جاتے ہیں۔ ایک موقع پر خدمتِ اسلام کی خاطر حضور اکرمؐ نے سب صحابہؓ سے 'گھر سے' کچھ نہ کچھ لانے کے لیے فرمایا۔ حضرت صدیقؓ اپنا سب مال ومتاع لے آئے۔ حضورؐ نے پوچھا: ''اپنے لیے بھی کچھ رکھا ہے؟'' جس پر حضرت صدیقؓ بولے: صدیق کے لیے خدا کا رسولؐ ہی کافی ہے۔ بقول علامہ: ع

صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس

شعر ۱۶ میں اس واقعہ کے حوالے سے مذکورہ بات کہی ہے۔ گویا یہ تاریخی تلمیح ہے۔

۱۷۔ قلبِ مومن را کتابش قوت است — حکمتش حبل الورید ملت است

۱۸۔ دامنش از دست دادن مردن است — چوں گل از بادِ خزاں افسردن است

۱۹۔ زندگیٔ قوم از دم او یافت است — ایں سحر از آفتابش تافت است

۲۰۔ فرد از حق، ملت از وے زندہ است — از شعاعِ مہرِ او تابندہ است

۱۷- حضورؐ کی کتاب مومن کے دل کے لیے قوت کا باعث اور آپؐ کی حکمت ملت کی شہ رگ ہے۔ حضورؐ پر قرآن کریم نازل ہوا۔ اس میں مذکور تعلیمات پر عمل سے ایک مومن قوی دل ہو جاتا ہے اور دنیا کی کوئی بھی طاقت اسے خوفزدہ نہیں کر سکتی' جبکہ حضورؐ کی حکمت/حکمت و دانش حیاتِ ملی کی شہ رگ کی حیثیت رکھتی ہے۔

۱۸- نبیؐ (حضور) کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دینا گویا مر جانا ہے اور پھول کی مانند پت جھڑ کے موسم کی ہوا سے مرجھا جانا ہے۔ ایک مومن/مسلمان کی صحیح اور حقیقی زندگی حضور اکرمؐ سے وابستگی اور آپؐ کی تعلیمات پر عمل سے ہے' بصورتِ دیگر اس کا ظاہری وجود تو ہو گا لیکن اس کی زندگی مردوں سے بھی بدتر ہو گی۔ دوسرے مصرع میں صنعت تمثیل سے اپنی بات واضح کی ہے۔

۱۹- قوم/ملت کا وجود حضور اکرمؐ (نبیؐ) ہی کے دم سے قائم ہے۔ یہ صبح آپؐ ہی کے سورج سے منور ہوئی ہے۔ حضورؐ نہ ہوتے تو یہ عظیم ملت بھی وجود میں نہ آتی۔ دوسرے مصرع میں پھر تمثیل آ گئی ہے۔

۲۰- فرد کی بقا حق تعالیٰ سے اور ملت کی بقا نبی کریمؐ سے وابستگی کے باعث ہے۔ وہ (ملت) نبیؐ کے آفتاب کی کرنوں سے درخشاں ہے۔ (شعر ۱۹ شعر والی بات ذرا بدل کر)

۲۱- از رسالتؐ ہم نوا گشتیم ما ہم نفسؐ ہم مدعا گشتیم ما
۲۲- کثرتِ ہم مدعا وحدت شود پختہ چوں وحدت شودؔ ملت شود
۲۳- زندہ ہر کثرت ز بندِ وحدت است وحدتِ مسلم ز دین فطرت است

۲۱- رسالتؐ ہی کے طفیل ہم نہ صرف ہمنوا بن گئے بلکہ ہم نفس اور ہم مدعا بھی ہو گئے۔ ایک ملت کے افراد میں ہر طرح کی یک رنگی پیدا ہو جاتی ہے۔ حضورؐ اکرم کے طفیل ملت اسلامیہ وجود میں آئی اور اسی بنا پر ہماری آراء' ہمارے مقاصد و مدعا وغیرہ بھی یکساں ہو گئے اور یہ بات ملت اسلامیہ کی عظمت کی دلیل ہے۔

۲۲- ہم مدعا افراد کی کثرت' وحدت/اکائی کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور جب اس وحدت میں پختگی آ جاتی ہے تو وہ کثرت ملت کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور وحدت بن جاتی ہے۔

۲۳- ہر کثرت کا وجود وحدت کی زنجیر سے قائم ہے۔ مسلمانوں کی وحدت دین فطرت/اسلام کی بدولت ہے۔ دین اسلام کے حوالے سے سب مسلمان ایک ہیں۔ ان کے مقاصد اور رائیں وغیرہ بھی ایک ہیں۔

۲۴۔ دینِ فطرت از نبیؐ آموختیم — در رہِ حق مشعلے افروختیم

۲۵۔ ایں گہر از بحرِ بے پایانِ اوست — ما کہ یکجانیم از احسانِ اوست

۲۶۔ تا نہ ایں وحدت ز دستِ ما رود — ہستیِ ما با ابد ہمدم شود

۲۴۔ دین فطرت/ اسلام حضور نبی کریمؐ کی وساطت سے ہم تک پہنچا ہے۔ اس طرح ہم نے راہِ حق میں ایک مشعل روشن کر دی ہے۔ اسلام کی بنیاد توحید پر ہے۔ یہ ہر طرح کے شرک اور کفر و الحاد سے پاک ہے۔ اسی کی بدولت خدا تعالیٰ تک رسائی ہو سکتی ہے۔ اس بات کو مشعل روشن کرنا کہا ہے۔

۲۵۔ یہ موتی اس ذاتِ اقدس کے بے کنار سمندر کا ہے' ہم جو متفق و متحد ہیں تو یہ اسی کے کرم سے ہے۔ دین اسلام کو موتی کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اس بات کو بے کنار سمندر سے تشبیہ دی ہے۔

۲۶۔ جب تک یہ وحدت ہمارے ہاتھوں سے نہیں نکلتی/ چھوٹتی ہمارے وجود اور ہماری بقا کا رشتہ قائم رہے گا۔ اگر تمام مسلمان اتفاق و یگانگت کے ساتھ رہتے ہیں تو دین اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور ان کی وحدت تا ابد برقرار رہے گی جو ان کی بقا کا باعث بنے گی۔

۲۷۔ پس خدا برما شریعت ختم کرد — بر رسولؐ ما رسالت ختم کرد

۲۸۔ رونق از ما محفلِ ایام را — اوؐ رسلؑ را ختم و ما اقوام را

۲۹۔ خدمت ساقی گری با ما گذاشت — داد مارا آخریں جامے کہ داشت

۲۷۔ سو اللہ تعالیٰ نے ہمارے دین کے بعد شریعت کا سلسلہ ختم کر دیا اور اس طرح ہمارے رسول اکرمؐ پر رسالت کا اختتام ہو گیا۔ چونکہ حضور نبی کریمؐ کے بعد کوئی نبی' اللہ کی طرف سے نہیں بھیجا گیا اس لیے حضور ''ختم الرسلین'' قرار پائے اور ان کے بعد کوئی نئی شریعت بھی اسی لیے نہیں آئی۔

۲۸۔ ہمارے ہی دم سے زمانے کی بزم کی رونقیں قائم ہیں۔ حضورؐ پر نبوت ختم ہو گئی اور قوموں/ ملتوں کا سلسلہ ہم پر ختم ہو گیا۔ حضورؐ رحمۃ للعالمین بھی تھے اور خاتم النبیین بھی۔ حضورؐ نے انسانیت کا عظیم درس دے کر ظلم و ستم کا خاتمہ کیا اور دنیا والوں کو امن و امان کا پیام دیا۔

۲۹۔ حضور اکرمؐ نے ساقی گری کی خدمت ہمیں سونپی اور اپنا وہ جام عطا فرمایا جو آخری تھا۔ رشد و ہدایت پر مبنی اسلام ہمارا مقدر بنا۔ گویا یہ ہدایت کا آخری جام ہے جو ہمیں

ملا۔ حضورؐ کے بعد چونکہ کوئی نبی نہیں آیا اس لیے اسلام کو آخری جام سے تشبیہ دی ہے۔

۳۰۔ "لا نبی بعدی" احسانِ خداست — پردۂ ناموسِ دینِ مصطفےٰ ست

۳۱۔ قوم را سرمایۂ قوت ازو — حفظِ سرِ وحدتِ ملت ازو

۳۲۔ حق تعالیٰ نقشِ ہر دعویٰ شکست — تا ابد اسلام را شیرازہ بست

۳۳۔ دل ز غیر اللہ مسلماں بر کند — نعرۂ "لا قوم بعدی" می زند

۳۰۔ ''لا نبی بعدی'' خداوند کریم کا ایک احسان و کرم ہے اور یہ امر (لا نبی بعدی) دین مصطفےٰ کا پردۂ ناموس ہے۔ حضورؐ کا یہ ارشاد گرامی کہ ''میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا''۔ بلاشبہ مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا کرم ہے اور یہ ارشاد/امر دین اسلام کی عظمت و شرف کا محافظ ہے۔ یعنی اگر بعد میں کوئی اور نبی آ جاتا تو ملت اسلامیہ اور دین اسلام کا وجود نہ رہتا اور مسلمان بکھر گئے ہوتے۔

۳۱۔ یہی امر ملت کی قوت کا سرمایہ ہے اور ملت کی وحدت کے بھید/حقیقت کی حفاظت بھی اسی سے ہے۔ (شعر ۳۰ والی بات ذرا بدل کر ہے)

۳۲۔ حق تعالیٰ نے ہر دعویٰ کا نقش مٹا ڈالا اور اس طرح ابد تک اسلام کی شیرازہ بندی کر دی۔ اسی امر یعنی حضورؐ کے بعد کوئی نبی نہ بھیجنے کے باعث تمام باطل قوتوں کے دعوے اللہ تعالیٰ نے ختم کر دیے اور یوں افراد ملت اسلامیہ کے لیے باہمی اتحاد و یگانگت کا سامان کر دیا۔

۳۳۔ جب مسلمان غیر اللہ سے دل ہٹا لیتا ہے تو ''لا قوم بعدی'' کا نعرہ لگاتا ہے۔ مسلمان جب توحید پر ایمان کامل رکھتا اور عملی طور پر اس کا اظہار کرتا ہے تو پھر دنیا کی کسی بھی مادی یا باطل قوت سے نہیں ڈرتا اور یوں ملت اسلامیہ کو ایسی ملت قرار دیتا ہے جس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔

در معنی ایں کہ مقصود رسالتِ محمدیہ تشکیل و تاسیس حریت و مساوات و اخوت بنی نوعِ آدم است

۱۔ بود انسان در جہاں انساں پرست — ناکس و نابود مند و زیر دست

۲۔ سطوتِ کسریٰ و قیصر رہزنش — بند ہا در دست و پا و گردنش

۳۔ کاہن و پاپا و سلطان و امیر — بہر یک نخچیر صد نخچیر گیر

۱- صاحب اورنگ و ہم پیر کنشت	باج بر کشتِ خراب او نوشت

۱- (ایک وقت تھا جب) دنیا میں انسان' انسان ہی کی بندگی کرنے والا تھا۔ وہ بے حیثیت' مفلس اور حکم کا غلام تھا۔ زمانہ قدیم میں عام انسانوں کی زندگی بے کسی اور غلامی کی زندگی تھی۔ صاحبان اقتدار انہیں اپنا ذاتی غلام سمجھتے اور ان سے کام بھی لیتے اور ان پر سختیاں بھی کرتے۔ وہ ان حکمرانوں کو سجدہ کرنے پر بھی مجبور ہوتے۔

۲- کسریٰ اور قیصر کا رعب و دبدبہ/شان و شوکت اس کا لٹیرا تھا۔ اس کے ہاتھوں' پاؤں اور گردن میں زنجیریں پڑی ہوتی تھیں۔ حکمران وقت اپنی عام رعایا کو بری حالت میں رکھتے اور اسے ذاتی غلام سمجھتے ہوئے اس پر مختلف صورتوں میں سختیاں روا رکھتے۔

۳- کاہن' پاپا اور سلطان و امیر گویا سیکڑوں شکاری تھے جو ایک شکار کو دبوچے ہوئے تھے۔ کیا مذہبی پیشوا اور کیا حکمران بھی عام انسان کو دبا کے رکھے ہوئے تھے۔ اس کی جرأت نہیں ہوتی تھی کہ وہ ان کے سامنے کلمۂ حق کہہ سکے۔

۴- صاحب تخت نے اور اسی طرح پیر کنشت نے بھی اس کی ویران کھیتی پر لگان/محصول لگا رکھا تھا۔ غریب عوام تو پہلے ہی بری حالت میں زندگی گزار رہے تھے' لیکن حکمرانوں اور مذہبی پیشواؤں نے حصولِ مال کی خاطر ان کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔

۵- در کلیسا اسقف رضواں فروش	بہر ایں صیدِ زبوں دامے بدوش
۶- برہمن گل از خیابانش ببرد	خرمنش مغ زادہ با آتش سپرد
۷- از غلامی فطرتِ او دوں شدہ	نغمہ ہا اندر نے او خوں شدہ
۸- تا امینے حق بحق داراں سپرد	بندگاں را مسندِ خاقان سپرد

۵- کلیسا میں رضوان فروش پادری اس عاجز و بے بس شکار کے لیے ہر وقت کندھے پر جال رکھے ہوتا۔ بے بس عوام کو گویا جنت کا پروانہ/اجازت نامہ دے کر ان کی جیبیں خالی کرتا۔

۶- ہندوؤں کے مذہبی پیشوا برہمن نے ان کی کیاری سے پھول توڑ لیا' جبکہ آتش پرستوں کے مغ زادہ نے ان کے کھلیان کو آگ کی نذر کر دیا۔

۷- غلامی کی وجہ سے عام انسان کی فطرت میں پستی آ چکی تھی اور اس کی بانسری میں نغمے/سُریں خون ہو کے رہ گئے تھے۔ عام انسان کا دل اس صورت حال کی بنا پر جذبوں سے خالی ہو چکا تھا' وہ بے بس اور بے کس ہو کر رہ گیا تھا۔

(ان سات اشعار میں علامہ نے مختلف صورتوں میں اسلام سے پہلے کی صورت

حالات کی عکاسی کی ہے۔ یعنی یہ بتایا ہے کہ حکمرانِ وقت اور ہر مذہب کے پیشوا کس طرح ان بے بس انسانوں کی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے' انہیں انتہائی پست اور گھٹیا سمجھ کر ان پر سختی بھی روا رکھتے اور انہیں مختلف طریقوں سے لوٹتے بھی تھے۔)

۸۔ یہاں تک کہ ایک امینؐ نے حق داروں کو ان کا حق عطا کر دیا اور غلاموں کو تختِ خاقان پر بٹھا دیا۔ حضور اکرمؐ نے اس سارے ظلم وستم اور ناجائز استفادے کا خاتمہ کر دیا اور عملاً بتا دیا کہ سبھی انسان برابر ہیں' کوئی کسی دوسرے سے برتر نہیں۔ یوں عام انسانوں کو بھی عزت و سربلندی عطا فرما دی۔

۹۔ شعلہ ہا از مردہ خاکستر کشاد — کوہ کن را پایۂ پرویز داد

۱۰۔ اعتبارِ کارِ بنداں را فزود — خواجگی از کار فرمایاں ربود

۱۱۔ قوتِ اوؐ ہر کہن پیکر شکست — نوعِ انساں را حصارِ تازہ بست

۱۲۔ تازہ جاں اندر تنِ آدم دمید — بندہ را باز از خداونداں خرید

۹۔ حضور اکرمؐ نے بجھی ہوئی راکھ سے شعلے بلند کیے/اٹھائے اور کوہ کن کو پرویز کے مرتبہ سے سرفراز کیا۔ حضورؐ نے جو تعلیم دی اور جو نظام قائم فرمایا' اس سے مردہ دل بھی بیدار ہو گئے اور مجبور ومحکوم لوگ بھی آزادی اور عزت کی نعمت سے سرشار ہوئے۔ کوہ کن مزدوری کی اور پرویز بلند مرتبہ کی علامت ہے۔

۱۰۔ آپؐ نے کام کرنے والوں یعنی مزدوروں وغیرہ کی ساکھ بڑھائی اور کام کا حکم دینے والوں سے ان کی آقائی چھین لی۔ اسلام میں مزدور اور کارفرما دونوں' بحیثیت انسان کے برابر ہیں۔ اس میں آقا اور غلام یا مالک اور مزدور میں فرق کا کوئی تصور نہیں۔

۱۱۔ حضورؐ کی قوت نے ہر پرانے ڈھانچے کو توڑ ڈالا/مسمار کر دیا اور بنی نوعِ انسان کے لیے ایک نئے قلعے/نئی چار دیواری کا اہتمام کیا۔ آقا اور غلام وغیرہ کا نظام ختم کر کے انسانوں کی عزت و سربلندی کا نظام قائم کیا۔

۱۲۔ حضورؐ نے انسان کے جسم میں ایک نئی روح پھونکی اور غلام کو پھر سے اس کے آقاؤں سے خرید لیا۔ حضورؐ کی تعلیم و شریعت نے انسانوں کے دلوں میں عظیم جذبے پیدا کیے اور غلامی اور آقائی والا نظام ختم کر دیا۔

۱۳۔ زادنِ اوؐ مرگِ دنیائے کہن — مرگِ آتش خانہ و دیر و شمن

۱۴۔ حریت زاد از ضمیرِ پاکِ او — ایں مے نوشیں چکید از تاکِ او

۱۵- عصرِ نو کایں صد چراغ آوردہ است ۔۔۔ چشم در آغوشِ اوؑ وا کردہ است
۱۶- نقشِ نو بر صفحۂ ہستی کشید ۔۔۔ امتے گیتی کشائے آفرید

۱۳- حضور اکرم کا وجود میں آنا پرانی دنیا کی موت ثابت ہوا اور یہ آتش کدے، دیر اور بت پرست بھی مٹ گئے۔ حضورؐ سے پہلے دنیا سراسر شرک اور کفر و الحاد میں ڈوبی ہوئی تھی۔ آپؐ نے توحید ایزدی کا درس دے کر اس کفر و شرک کا خاتمہ کر دیا۔

۱۴- آپؐ کے پاک ضمیر سے آزادی نے جنم لیا اور یہ شیریں شراب (حریت) آپ کی تاک سے ٹپکی۔ پہلے مصرع میں جو بات کہی ہے دوسرے میں استعارے یا تمثیل کے انداز میں دہرا دی ہے۔ آپ کی تعلیم کا بنیادی مقصد انسانی آزادی تھی یعنی کوئی کسی کا غلام نہیں۔

۱۵- جدید دور نے یہ جو سیکڑوں چراغ پیش کیے ہیں' انہوں نے حضورؐ ہی کی گود میں آنکھیں کھولی ہیں۔ آج علم کی جو روشنی یا روشنیاں پھیلی ہوئی ہیں' ان کی بنیاد حضورؐ ہی نے رکھی تھی۔

۱۶- حضورؐ نے وجود کے صفحے پر نیا نقش کھینچا۔ آپؐ ایک ایسی ملت وجود میں لائے جو فاتح عالم ہے۔ پرانے ہر طرح کے الٹے سیدھے اور انسانوں کے لیے مصیبتوں کے حامل نظام ختم کر دیے اور ایک ایسی قوم (ملت اسلامیہ) وجود میں لائے جس کا بنیادی مقصد بنی نوع انسان کے دلوں میں بھائی چارے' مساوات اور باہمی ہمدردی کے جذبے پیدا کرنا ہے۔

۱۷- امتے از ما سوا بیگانہ اے ۔۔۔ بر چراغِ مصطفیٰ پروانہ اے
۱۸- امتے از گرمیِ حق سینہ تاب ۔۔۔ ذرہ اش شمعِ حریمِ آفتاب
۱۹- کائنات از کیفِ او رنگیں شدہ ۔۔۔ کعبہ ہا' بت خانہ ہائے چیں شدہ
۲۰- مرسلان و انبیاء آبائے او ۔۔۔ "اکرم" او نزد حق "اتقائے" او

۱۷- (ان شعروں میں مذکورہ امت کی خوبیاں/صفات بیان کی گئی ہیں) حضورؐ جو ملت وجود میں لائے وہ ماسوا سے ناآشنا اور مصطفیٰ کے چراغ پر پروانہ ہے۔ ملت اسلامیہ کا پختہ ایمان توحید پر ہے اسے ماسوا اللہ سے کوئی غرض یا تعلق نہیں ہے۔ توحید کے بعد اس کے عشق و محبت کا عظیم مرکز حضور اکرم کی ذات والا صفات ہے۔

۱۸- وہ ایک امت ہے جس کا سینہ سوز حق سے گرم ہے۔ اس کا ذرہ سورج کی چار دیواری کی شمع ہے۔ وہ خدا تعالیٰ سے خود کو پوری طرح وابستہ کیے ہوئے اور اس کی محبت سے

سرشار ہے۔ اس بنا پر اس کا ایک ذرہ بھی سورج کے لیے روشنی کا باعث بن رہا ہے۔ (غالباً یہی مراد ہے؟)

۱۹۔ یہ کائنات اس (ملت) کے سرور سے رنگین ہو گئی اور چین کے بت خانے کعبوں میں تبدیل ہو گئے۔ اس ملت کو خدا نے ایسے عظیم جذبے عطا کیے ہیں' جن سے اس نے اس کائنات کی رونق و آسایش کا سامان کیا ہے اور کفر و الحاد کے بڑے بڑے مرکز اسلامی تعلیمات اور توحید پرستی کے مرکز بن گئے ہیں۔

۲۰۔ تمام رسولؑ اور نبی اس امت کے اجداد ہیں اور اس کا افضل فرد اللہ کے نزدیک وہ ہے جو پرہیزگار ہے۔ ملت اسلامیہ کا ایمان توحید پر ہے۔ اس کا درس حضور اکرمؐ نے دیا ہے۔ اس سے پہلے جتنے بھی رسولؑ اور نبی آئے' سبھی نے توحید کا درس دیا۔ اس لحاظ سے وہ ملت اسلامیہ کے اسلاف / اجداد ٹھہرے۔ دوسرے مصرعہ میں قرآنی تلمیح ہے۔ (فرہنگ.....)

۲۱۔ ''کلّ مومن اخوۃ'' اندر دلش حریت سرمایۂ آب و گلش
۲۲۔ ناشکیب امتیازات آمدہ در نہادِ او مساوات آمدہ
۲۳۔ ہمچو سرو آزاد فرزندانِ او پختہ از ''قالوا بلیٰ'' پیمانِ او
۲۴۔ سجدۂ حق گل بسیمائش زدہ ماہ و انجم بوسہ برپائش زدہ

۲۱۔ اس (ملت) کے دل میں ''تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں'' کی تعلیم سمائی ہوئی ہے۔ آزادی اس کی فطرت کا سرمایہ ہے۔ حضور اکرمؐ کی حدیث مبارکہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس ملت میں کوئی ایک دوسرے کا غلام نہیں ہے' سبھی یکساں ہیں۔

۲۲۔ امتیازات کے معاملے میں وہ بے صبر یا عدم تحمل کی قائل ہے۔ اس کی فطرت میں مساوات سمائی ہوئی ہے۔ ملت کا کوئی فرد کسی دوسرے فرد سے بڑھ کر نہیں ہے۔ ملت اسلامیہ افراد میں فرق کرنے یا کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی قطعاً قائل نہیں ہے۔ اس میں سبھی افراد برابر اور باہم یکساں ہیں۔

۲۳۔ اس کے افراد سرو کی طرح آزاد ہیں۔ اس کا عہد و پیمان ''قالوا بلیٰ'' سے مستحکم ہے۔ جس طرح سرو کا درخت سیدھا کھڑا ہوتا ہے' جھکتا نہیں' اسی طرح افرادِ ملت اسلامیہ آزاد ہیں' کسی باطل قوت کے آگے نہیں جھکتے اور خدا کے ساتھ کیے ہوئے پیمان یعنی توحید پر سختی سے قائم ہیں۔

۲۴۔ حق تعالیٰ کے حضور اس کے سجدوں نے اس کے ماتھے پر پھول سجا دیا ہے۔ چاند اور ستارے اس کے پاؤں کو چومتے ہیں۔ مسلمان خدا کے حضور سجدے کرتا رہتا ہے' اس کی وجہ سے اس کی پیشانی پر خاص نشان اگ آتا ہے جسے پھول سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ملت کی سربلندی کو دوسرے مصرعے میں استعارے سے واضح کیا ہے۔ (اس میں حضور اکرمؐ کے معراج شریف کی طرف اشارہ بھی ممکن ہے' جب آپ ستاروں سے بھی آگے عرشِ معلیٰ تک پہنچ گئے تھے۔)

حکایت بوعبید و جابان در معنی

اخوتِ اسلامیہ

۱۔ شد اسیر مسلمے اندر نبرد — قائد از قائدان یزد جرد

۲۔ گبر باراں دیدہ و عیار بود — حیلہ جو و پرفن و مکار بود

۳۔ از مقام خود خبردارش نہ کرد — ہم ز نام خود خبر دارش نہ کرد

۴۔ گفت "می خواہم کہ جاں بخشی مرا — چوں مسلماناں اماں بخشی مرا"

۱۔ ایک جنگ میں ایرانی بادشاہ یزدجرد کا ایک سپہ سالار ایک مسلمان لشکری کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔

۲۔ وہ آتش پرست سپہ سالار بڑا گھاگ' حیلے باز' دغا باز' عیار اور مکار تھا (سراسر فریبی تھا)

۳۔ اس ایرانی سپہ سالار نے مسلمان لشکری کو اپنے مقام / عہدے کے بارے میں کچھ نہ بتایا اور نہ اپنے نام ہی سے اسے آگاہ کیا۔

۴۔ اس (ایرانی) نے مسلم لشکری سے کہا "میں چاہتا ہوں یا میری گزارش ہے کہ تو میری جان بخشی کر دے اور مسلمانوں کی طرح مجھے پناہ دے۔

۵۔ کرد مسلم تیغ را اندر نیام — گفت "خونت ریختن بر من حرام"

۶۔ چوں درفش کاویانی چاک شد — آتشِ اولادِ ساساں خاک شد

۷۔ آشکارا شد کہ جابان است او — میر سر بازانِ ایران است او

۸۔ قتل او از میر عسکر خواستند — از فریب او سخن آراستند

۵- اس مسلمان سپاہی نے (جس نے جابان کو گرفتار کیا تھا) اس کی یہ بات سن کر تلوار نیام میں ڈال لی اور اس سے کہا کہ تیرا خون گرانا (تجھے ہلاک کرنا) مجھ پر حرام ہے۔

۶، ۷- جب ایرانی جھنڈا درفش کاویانی پھٹ گیا اور ساسان کی اولاد کی آگ ٹھنڈی پڑ گئی / بجھ گئی یعنی جب ایرانی فوج کو شکست فاش ہوئی تو یہ راز کھل گیا کہ وہ قیدی دراصل جابان ہے اور جو ایرانی فوج کا سپہ سالار ہے۔

۸- چنانچہ اس کے قتل کے لیے مسلمان لشکریوں نے اپنے سردار لشکر (بوعبید) سے درخواست کی اور اس کی مذکورہ فریب کاری کی بات بتائی۔

۹- بوعبیدؓ آں سپہ فوج حجاز ... در وغا عزمش ز لشکر بے نیاز
۱۰- گفت: "اے یاراں مسلمانیم ما ... تار چنگیم و یک آہنگیم ما
۱۱- نعرۂ حیدرؓ نوائے بوذرؓ است ... گرچہ از حلق بلالؓ و قنبرؓ است
۱۲- ہر یکے از ما امینِ ملت است ... صلح و کینش، صلح و کینِ ملت است

۹، ۱۰- بوعبیدؓ نے، جو لشکر حجاز کے سردار تھے اور جنگ میں جن کا پختہ ارادہ لشکر سے بے نیاز تھا (یعنی دلیر اور جرأت مند تھے کہ اکیلے دشمن کی فوج میں جا گھستے تھے)، فرمایا: "اے دوستو! ہم بھی مسلمان ہیں، ہم ایک ہی ساز کے تار ہیں اور ہم سب کی لے / تال ایک ہی ہے۔ یعنی ایک ہی ملت کے افراد ہونے کے باعث ہم سب کے ارادے، مقاصد اور خواہشات وغیرہ سب ایک ہیں۔ گویا ہم سب برابر ہیں۔

۱۱- وہ حضرت علی حیدرؓ کا نعرہ اور بوذرؓ ہی کی نوا ہے۔ اگرچہ وہ (نعرہ یا نوا) بلالؓ اور قنبرؓ ہی کے حلق سے کیوں نہ بلند ہوا ہو۔ اسلام میں بڑے اور چھوٹے کا کوئی فرق نہیں، بلالؓ اور قنبرؓ بظاہر حضرت علیؓ اور حضرت ابوذرؓ کے مقابلے میں کمتر درجے کے انسان تھے لیکن اسلام کی رو سے ان چاروں میں کوئی فرق نہیں۔

۱۲- ہم میں سے ہر کوئی ملت کا امین / معتمد ہے۔ اس (فرد) کی اگر کسی سے صلح ہے یا کسی سے دشمنی ہے تو یہ صلح اور دشمنی ملت ہی کی دشمنی اور صلح قرار پاتی ہے۔ (یکسانیت میں ہم سب برابر ہیں)۔

۱۳- ملت ار گردد اساسِ جانِ فرد ... عہدِ ملت می شود پیمانِ فرد
۱۴- گرچہ جابان دشمنِ ما بودہ است ... مسلمے اورا اماں بخشودہ است
۱۵- خونِ او اے معشرِ خیرالانام ... بردمِ تیغِ مسلماناں حرام"

۱۳- اگر کسی فرد کی جان کی بنیاد ملت قرار پائے تو اس کا (کسی سے کیا ہوا) عہد و پیمان ملت کا عہد و پیمان جانا جائے گا۔ یعنی اس کی ملت سے دل و جان سے وابستگی کا تقاضا ہے کہ اس کے ایسے ہر اقدام کو ملت کا اقدام قرار دیا جائے۔

۱۴- اگرچہ (ایرانی فوج کا سپہ سالار) جابان ہمارا دشمن ہے لیکن چونکہ اسے ایک مسلمان لشکری نے امان دے دی ہے' اس لیے اے افضل انسانی جماعت (ملت اسلامیہ کے افراد) اس کا قتل مسلمانوں کی تلوار کی دھار پر حرام ہے۔ ایک مسلمان لشکری نے جو کچھ کیا ہے' وہ گویا ملت ہی کا کام ہے' اس لیے جابان کو قتل کرنا جائز نہ ہوگا۔

حکایت سلطان مراد و معمار در معنی

مساواتِ اسلامیہ

۱- بود معمارے ز اقلیم خجند — در فن تعمیر نام او بلند
۲- ساخت آں صنعت گر فرہاد زاد — مسجدے از حکم سلطان مراد
۳- خوش نیامد شاہ را تعمیر او — خشمگیں گردید از تقصیر او
۴- آتشِ سوزندہ از چشمش چکید — دست آں بیچارہ از خنجر برید

۱- خجند کے علاقے کا ایک معمار تھا جسے فن تعمیر میں بڑی شہرت حاصل تھی۔
۲- اس انتہائی ماہر معمار نے سلطان مراد کے حکم پر ایک مسجد تعمیر کی۔
۳- سلطان کو اس کی تعمیر پسند نہ آئی جس کے نتیجے میں یعنی معمار کی کوتاہی/ خطا پر وہ طیش میں آ گیا۔
۴- اس (سلطان) کی آنکھوں سے جلا دینے والی آگ ٹپکی اور اس نے اس بے چارے معمار کا ہاتھ خنجر سے کاٹ دیا (انتہائی طیش کی علامت)

۵- جوے خوں از ساعدِ معمار رفت — پیشِ قاضی ناتواں و زار رفت
۶- آن ہنرمندے کہ دستش سنگ سفت — داستانِ جورِ سلطان باز گفت
۷- گفت: "اے پیغام حق گفتار تو — حفظِ آئینِ محمدؐ کارِ تو
۸- سفتہ گوشِ سطوتِ شاہاں نیم — قطع کن از روے قرآں دعویم"

۵- اس معمار کی کلائی سے خون کی ندی رواں ہوگئی اور بری اور کمزور حالت میں یا گرتے پڑتے وہ قاضی کے پاس پہنچا۔

۶- وہ ہنر مند (معمار) جس کے ہاتھ پتھر پروتے / چھیدتے تھے' اس نے قاضی سے سلطان کے ظلم کا ماجرا کہہ سنایا۔ (یعنی وہ اپنے فن میں بہت ماہر تھا اور اس کا اسے احساس تھا)

۷، ۸- کہنے لگا: ''قاضی صاحب! آپ کی گفتار خدا کا پیغام ہے اور حضرت محمدؐ کی شرع کا تحفظ کرنا آپ کا کام / فرض ہے۔ میں بادشاہوں کے دبدبے یا شان وشوکت کا غلام نہیں ہوں۔ آپ قرآن کریم کی روشنی میں (یا قرآن کریم کے حوالے سے میرے دعوے کا فیصلہ کیجئے۔''

۹- قاضیِ عادل بدنداں خستہ لب	کرد شہ را در حضور خود طلب
۱۰- رنگِ شہ از ہیبتِ قرآن پرید	پیشِ قاضی چوں خطا کاراں رسید
۱۱- از خجالت دیدہ برپا دوختہ	عارضِ او لالہ ہا اندوختہ
۱۲- یک طرف فریادیِ دعویٰ گرے	یک طرف شاہنشہ گردوں فرے

۹- انصاف کرنے والے قاضی نے (معمار کی بات سن کر) دانتوں سے اپنے ہونٹ زخمی کر لیے (غصے اور دکھ کا اظہار کیا) اور اسی وقت بادشاہ کو اپنی عدالت میں طلب کرلیا۔

۱۰- قرآنِ کریم کا نام سن کر بادشاہ پر خوف طاری ہوگیا اور اس کا رنگ فق ہوگیا۔ وہ قاضی کی عدالت میں مجرموں کی طرح حاضر ہوا۔

۱۱- شرمندگی کے مارے اس کی نگاہیں پاؤں پر جمی ہوئی تھیں۔ (اس نے سر بہت جھکا رکھا تھا) اور اس کے گال اسی شرمندگی کی وجہ سے لالہ کے پھولوں کی طرح سرخ ہو گئے تھے۔

۱۲- (قاضی کی عدالت میں) ایک طرف دعویٰ کرنے والا فریادی تھا تو دوسری طرف آسمان کی سی عظمت وسربلندی والا بادشاہ کھڑا تھا۔

۱۳- گفت شہ ''از کردہ خجلت بردہ ام	اعتراف از جرم خود آوردہ ام''
۱۴- گفت قاضی ''فی القصاص آمد حیوٰۃ	زندگی گیرد بایں قانون ثبات
۱۵- عبدِ مسلم کمتر از احرار نیست	خونِ شہ رنگیں تر از معمار نیست

۱۳- بادشاہ نے کہا: ''میں اپنے کیے پر شرمندہ ہوں۔ میں اپنے جرم کا اعتراف کرتا ہوں۔''

۱۴- قاضی بولے: ''فی القصاص'' میں حیات ہے۔ زندگی کو اس قانون کی بدولت ثبات/ پائیداری حاصل ہے۔

۱۵- ایک مسلمان بندہ/ غلام آزاد لوگوں سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ بادشاہ کا خون معمار کے خون سے زیادہ رنگین نہیں ہے۔'' اسلام میں سب لوگ برابر کا درجہ رکھتے ہیں' کوئی کسی سے بڑا یا افضل نہیں ہے۔

۱۶- چوں مراد ایں آیۂ محکم شنید — دستِ خویش از آستیں بیرون کشید

۱۷- مدعی را تابِ خاموشی نماند — آیۂ ''بالعدل والاحسان'' خواند

۱۸- گفت ''از بہر خدا بخشیدمش — از برائے مصطفیٰ بخشیدمش''

۱۶- جب سلطان مراد نے یہ ٹھوس/ زوردار آیت قرآنی سنی تو اس نے اسی وقت اپنا ہاتھ آستین سے نکال کر آگے کر دیا۔

۱۷'۱۸- دعویدار (معمار) میں خاموش رہنے کی طاقت نہ رہی۔ اس نے قرآنی آیت ''بالعدل والاحسان'' پڑھی اور بولا: ''میں اسے (سلطان کو) خدا کی خاطر معاف کرتا اور حضور مصطفیٰؐ کی خاطر اسے بخشتا ہوں۔

۱۹- یافت مورے بر سلیمانے ظفر — سطوتِ آئینِ پیغمبرؐ نگر

۲۰- پیشِ قرآں بندہ و مولا یکے است — بوریا و مسندِ دیبا یکے است

۱۹- ایک چیونٹی نے ایک سلیمانؑ پر فتح پائی۔ حضور اکرمؐ کی شرع کی عظمت وشان تو دیکھو۔ یہ حضورؐ کی شرع ہی کے طفیل ہے کہ ایک عام آدمی کو عظیم شخصیت پر کامیابی حاصل ہوئی۔

۲۰- قرآن کریم کے مطابق غلام اور آقا میں کوئی فرق نہیں' دونوں برابر ہیں۔ بوریا اور اطلس کی مسند یکساں ہیں۔ بوریا غریب یا غلام کی علامت اور مسند دیبا آزاد انسان یا آقا کی علامت ہے۔

در معنیِ حریتِ اسلامیہ و سرِ حادثۂ کربلا

(اسلامی حریت کی حقیقت اور حادثۂ کربلا کے راز کے بارے میں)

۱- ہر کہ پیماں با ''ھوالموجود'' بست — گردنش از بندِ ہر معبود رست

۲- مومن از عشق است و عشق از مومن است — عشق را ناممکنِ ما ممکن است

۳۔ عقل سفاک است و او سفاک تر | پاک تر، چالاک تر، بیباک تر
۴۔ عقل در پیچاکِ اسباب و علل | عشق چوگاں بازِ میدانِ عمل

۱۔ جس کسی نے ''ھوالموجود'' سے عہد و پیمان باندھ لیا' اس کی گردن ہر معبود کی زنجیر سے رہائی پا گئی۔ جس مسلمان کا توحید ایزدی پر کامل ایمان ہو وہ کسی بھی باطل قوت یا مادی طاقتوں کے خوف سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

۲۔ مومن کا تعلق عشق سے اور عشق کا تعلق مومن سے ہے۔ عشق کے لیے ہمارا ''ناممکن''، ''ممکن'' ہے۔ مومن اور عشق خدا اور رسولؐ لازم و ملزوم ہیں۔ عشق کی بدولت مومن میں وہ قوت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ ایسے عظیم جذبوں سے سرشار ہو جاتا ہے جن کی بدولت وہ مشکل ترین اور ناممکن ترین مرحلے آسانی سے طے کر لیتا ہے۔

۳۔ عقل سنگ دل ہے تو وہ (عشق) اس سے کہیں زیادہ سنگدل/ کٹھور ہے۔ وہ (عشق) زیادہ پاک' زیادہ چالاک اور زیادہ بے باک ہے۔ عقل اپنے مقاصد کی تکمیل کی خاطر دوسروں کا خون بہانے سے گریز نہیں کرتی جبکہ عشق خدا تعالیٰ کی خاطر اپنی جان تک قربان کر دیتا ہے۔ وہ اس معاملے میں کہیں زیادہ چست و ذہین اور بے خوف ہونے کے ساتھ ساتھ دنیاوی آلودگیوں سے پاک ہے۔

۴۔ عقل اسباب و علل کے پیچ و خم/ چکر میں گرفتار ہے یا پڑی رہتی ہے جبکہ عشق میدانِ عمل میں چوگان کا کھیل کھیلتا ہے' یعنی عقل ہر معاملے میں دلیلوں کا سہارا لیتی ہے اور وجوہات وغیرہ پر غور کرتی رہتی ہے اور یوں عمل اور جذبوں سے بیگانہ/ دور رہتی ہے لیکن عشق حکم ایزدی سنتے ہی یا عظیم مقاصد کی خاطر بے خوف ہو کر میدانِ عمل میں کود پڑتا ہے۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی
عشق فرمودۂ قاصد سے سبک گامِ عمل
عقل سمجھی ہی نہیں معنیِ پیغام ابھی

۵۔ عشق صید از زورِ بازو افگند | عقل مکار است و دامے می زند
۶۔ عقل را سرمایہ از بیم و شک است | عشق را عزم و یقیں لاینفک است
۷۔ آں کند تعمیر تا ویراں کند | ایں کند ویراں کہ آباداں کند

۸۔ عقل چوں باد است ارزاں در جہاں　　عشق کمیاب و بہائے او گراں

۵۔ عشق اپنا شکار زورِ بازو سے گراتا ہے' یعنی اپنے مقاصد کے حصول میں منافقت اور عیاری سے کام نہیں لیتا بلکہ عمل یا عملِ پیہم سے حاصل کرتا ہے' جبکہ عقل فریبی ہونے کے ناتے جال بچھاتی ہے' گویا مختلف حیلوں بہانوں سے اپنا کام نکالتی ہے۔

بقول علامہ اقبال:

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بیچارہ نہ مُلّا ہے نہ زاہد نہ حکیم

۶۔ عقل کی ساری دولت/ پونجی خوف اور شک وشبہ ہے۔ (وہ ہر معاملے میں ڈرتی ہے کہ اگر ایسا کیا تو ویسا نہ ہو جائے' ووں کیا تو یوں نہ ہو جائے)۔ ادھر عشق ہے جو ہر طرح اور لازمی طور پر عزم اور یقین سے کام لیتا ہے' اس کا ارادہ اور یقین لازم وملزوم ہیں۔

۷۔ وہ (عقل) اس خاطر تعمیر کرتی ہے کہ ویران کردے اور عشق ویران کرتا ہے تو اس سے اس کا مقصد تعمیر/ آباد کرنا ہوتا ہے۔ عقل چونکہ مکار و عیار ہے اس لیے وہ بظاہر کرتی تو تعمیر ہے لیکن دراصل اس میں تخریب کا پہلو ہوتا ہے یا اس کے بظاہر مثبت اقدام میں بھی منفی پہلو ہوتا ہے جبکہ عشق کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔

۸۔ عقل دنیا میں ہوا کی مانند ارزاں ہے جبکہ عشق کمیاب ہے اور اس کی قیمت بہت ہے۔ عقل کی حیثیت معمولی ہے' عشق کے لیے بڑے جذبوں اور عملِ پیہم کی ضرورت ہے جو کم ہی انسانوں میں پائے جاتے ہیں۔

۹۔ عقل محکم از اساسِ چون و چند　　عشق عریاں از لباسِ چون و چند

۱۰۔ عقل می گوید کہ "خود را پیش کن"　　عشق گوید "امتحانِ خویش کن"

۱۱۔ عقل با غیر آشنا از اکتساب　　عشق از فضل است و با خود در حساب

۱۲۔ عقل گوید "شاد شو آباد شو"　　عشق گوید "بندہ شو آزاد شو"

۹۔ عقل کیف وکم کی بنیاد سے محکم ہے' عشق کیف وکم کے لباس سے فارغ/ ننگا ہے۔ عقل کا سارا تعلق اس کی بنیاد اس مادی دنیا سے ہے۔ روحانی دنیا اور عشق کے جذبوں سے وہ بالکل عاری ہے۔ اس کے برعکس عشق مادہ پرستی سے مکمل طور پر دور/ فارغ ہے۔

۱۰۔ عقل کہتی ہے "خود کو پیش کر"۔ عشق کہتا ہے "تو اپنا امتحان/ آزمائش کر"۔ عقل کا

سارا زور خودنمائی پر ہے' جبکہ عشق اپنا محاسبہ خود کرتا ہے۔

۱۱۔ عقل اکتساب کے حوالے سے غیر / غیروں سے آشنائی پیدا کرتی ہے۔ عشق' فضل کی بنا پر ہے اور خود اپنا حساب کرتا ہے۔ عشق کا تعلق اکتساب سے نہیں ہے بلکہ وہ خداتعالیٰ کے فضل وکرم کے باعث ہے۔ وہ عقل کی طرح دوسروں کا محتاج نہیں بلکہ وہ اپنا جائزہ آپ لیتا ہے۔

۱۲۔ عقل کہتی ہے ''خوش رہو اور آباد رہو'' عشق کہتا ہے: ''غلام ہو جا اور آزاد ہو جا'' خوش رہنا اور آباد رہنا مادی لحاظ سے ہے جبکہ عشق کا سارا زور اس بات پر ہے کہ محبوب حقیقی (حق تعالیٰ) کی غلامی اختیار کر کے ہر طرح کی مادہ پرستی اور باطل قوتوں کی غلامی سے آزاد ہو جاؤ۔

۱۳۔	عشق را آرام جاں حریت است	ناقہ اش را ساربان حریت است
۱۴۔	آں شنیدستی کہ ہنگام نبرد	عشق با عقل ہوس پرور چہ کرد
۱۵۔	آں امام عاشقاں پور بتولؓ	سرو آزادے زبستان رسولؐ
۱۶۔	اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر	معنی ''ذبح عظیم'' آمد پسر

۱۳۔ حریت' عشق کے لیے آرام جاں کا باعث ہے۔ اس کی اونٹنی کی ساربان حریت ہے۔ یعنی محبوب حقیقی سے وابستگی کی بنا پر توحید پر ایمان کامل کے باعث عشق (یعنی صاحب عشق) دنیا کے ہر طرح کے جھمیلوں اور باطل قوتوں کی غلامی سے آزاد رہتا اور یوں اپنی جان کے لیے سکون و آسائش کا سامان کرتا ہے۔

۱۴۔ کیا تم نے وہ واقعہ سنا کہ لڑائی کے موقع پر عشق نے ہوس پرور عقل کے ساتھ کیا کیا؟ واقعہ کربلا کی طرف اشارہ ہے۔ یزید نے جو چال چلی' حضرت امام حسینؓ نے اپنی شہادت کی صورت میں اس کا جواب دیا۔

۱۵'۱۶۔ وہ عاشقوں کے امامؓ، حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے فرزند اور حضور نبی کریمؐ کے باغ کے ایک سرو آزاد تھے' یعنی جنہوں نے باطل قوت کے آگے سر تسلیم خم نہ کیا۔ سبحان اللہ' کیا کہنے باپ (حضرت علیؓ) ''بسم اللہ'' کی با (یعنی حرف ب) ہیں تو بیٹا ''ذبح عظیم'' کی شرح ہے۔ حضرت اسماعیلؑ کی جگہ اللہ تعالیٰ نے بڑا جانور قربانی کے لیے بھیج دیا تھا۔ اس واقعہ کی طرف اشارہ اور قرآنی تلمیح ہے۔

۱۷۔	بہر آں شہزادۂ خیر الملل	دوش ختم المرسلینؐ ''نعم الجمل''

۱۸- سرخ رو عشقِ غیور از خون او | شوخیِ ایں مصرع از مضمون او
۱۹- درمیانِ اُمت آں کیواں جناب | ہمچو حرف "قل ھو اللہ" در کتاب
۲۰- موسیٰؑ و فرعون و شبیرؓ و یزید | ایں دو قوت از حیات آید پدید

۱۷- امت اسلامیہ کے اس شہزادےؓ کے لیے حضور اکرم ختم المرسلین کے دوش مبارک "نعم الجمل" تھے (فرہنگ.....)

۱۸- عشقِ غیور ان کے خون سے سرخ رو ہوا۔ اس مصرع کا تیکھا پن ان کے مضمون سے ہے۔ خون کے حوالے سے سرخ رو کہا ہے۔ حضرت امام حسینؓ نے کربلا میں جام شہادت نوش فرما کر عشقِ حقیقی کی لاج رکھ لی اور قوتِ شر یا باطل قوت کے آگے سر نہ جھکایا۔ (مصرع میں شوخی بھی اسی خون کے حوالے سے ہے)

۱۹- اس عظیم اور بلند مرتبہ ملت میں ان (امامؓ) کا مقام وہی ہے جو قرآن کریم میں "قل ھو اللہ" کا ہے۔ سورۂ اخلاص میں چونکہ سارا زور توحید پر ہے' اس لیے وہ قرآن کریم کی ایک اہم سورۃ ہے۔ ملت اسلامیہ میں حضرت امام حسینؓ کا مقام بہت بلند ہے۔

۲۰- موسیٰؑ اور فرعون نیز شبیرؓ اور یزید یہ دو قوتیں ہیں جو زندگی سے ظاہر ہوئیں۔ موسیٰؑ اور شبیرؓ خیر کی اور فرعون و یزید شر کی قوتوں کی علامت ہیں۔

۲۱- زندہ حق از قوتِ شبیری است | باطل آخر داغ حسرت میری است
۲۲- چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت | حریت را زہر اندر کام ریخت
۲۳- خاست آں سر جلوۂ خیر الامم | چوں سحاب قبلہ باراں در قدم
۲۴- برزمینِ کربلا بارید و رفت | لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت
۲۵- تا قیامت قطعِ استبداد کرد | موجِ خونِ او چمن ایجاد کرد

۲۱- حق شبیریؓ قوت سے زندہ ہے۔ باطل کے مقدر میں آخر کار حسرت کی موت مرنے کا داغ ہے۔ حق کا بول بالا قوت خیر سے ہوتا ہے جبکہ باطل قوتوں کا انجام ذلت و خواری کے ساتھ ہوتا ہے۔

۲۲- جب خلافت نے قرآن کریم سے اپنا تعلق / ناطہ توڑ لیا تو حریت / آزادی کے حلق میں زہر انڈیل دیا۔ خلفائے راشدہؓ نے قرآن کریم کو خلافت کی بنیاد بنایا تھا' جس کے باعث ہر شخص کو آزادی میسر تھی' اس کے تمام حقوق پورے ہو گئے تھے۔ بعد میں

خلافت کے نام پر شخصی حکومت قائم کی گئی جس نے عوام کی آزادی چھین لی۔

۲۳۔ (جب یہ صورت حال ہوئی تو) وہ خیر الامم کا بلند جلوہ اس طرح اٹھا جیسے قبلہ کی طرف سے بارش سے بھرا بادل اٹھتا ہے۔ حضرت امام حسینؓ نے اس شخصی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔

۲۴۔ وہ کربلا کی زمین پر برسا اور آگے نکل گیا۔ ویرانوں میں اس نے لالہ کے پھول اگائے اور چلا گیا۔ کربلا میں شہادت امامؓ کو ان استعاروں میں بیان کیا ہے۔

۲۵۔ انہوں (امامؓ) نے قیامت تک کے لیے مطلق العنانی (شخصی حکومت) کا خاتمہ کر دیا۔ ان کے خون کی لہریں ایک نیا چمن وجود میں لائیں۔ ظلم و جور کی حامل حکومت کی جڑ کاٹ کے رکھ دی اور اپنی شہادت سے حریت کے لیے جد و جہد کا ایک نیا باب رقم کر دیا۔

۲۶۔	بہرِ حق در خاک و خوں غلتیدہ است	پس بنائے ''لا الہٰ'' گردیدہ است
۲۷۔	مدعایش سلطنت بودے اگر	خود نکردے باچنیں ساماں سفر
۲۸۔	دشمناں چوں ریگِ صحرا لاتعد	دوستانِ او بہ ''یزداں'' ہم عدد
۲۹۔	سرِ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ بود	یعنی آں اجمال را تفصیل بود
۳۰۔	عزمِ او چوں کوہساراں استوار	پایدار و تند سیر و کامگار

۲۶۔ وہ حق کی خاطر خاک و خون میں لوٹے/تڑپے اور یوں ''لا الہٰ'' کی بنیاد بن گئے۔ انہوں نے اپنی شہادت سے یہ ثابت کر دیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے (انہوں نے یزید کے آگے سر تسلیم خم نہ کیا)

۲۷۔ اگر ان کا مقصد سلطنت/حکمرانی ہوتا تو وہ کبھی اس تھوڑے سے سامان کے ساتھ سفر نہ کرتے۔ (چنانچہ صورت حال یہ تھی کہ)

۲۸۔ انؓ کے دشمن (یزید کی فوج) تو صحرا کی ریت کے ذروں کی طرح لاتعداد تھے اور ادھر امام حسینؓ کے ساتھی لفظ ''یزداں'' کے ہم عدد یعنی کل ۷۲ افراد تھے۔ (فرہنگ....)

۲۹۔ وہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کا راز تھے۔ یعنی اس اختصار کی تفصیل تھے۔ حضرت اسمٰعیلؑ تو قربانی سے بچ گئے تھے لیکن امام حسینؓ نے اپنی جان کی قربانی دے دی۔

۳۰۔ ان کا عزم و ارادہ پہاڑوں کی طرح اٹل، تیز رفتار اور کامیاب تھا۔ یعنی باطل قوت

کے سامنے انہوں نے کوئی کمزوری نہیں دکھائی۔ پختہ ارادے کے ساتھ شر کی قوت سے ٹکر لی۔ شہادت قبول کر لی' لیکن اس شیطانی قوت کو تسلیم نہ کیا۔

۳۱۔ تیغ بہرِ عزت دین است و بس — مقصدِ او حفظِ آئین است و بس
۳۲۔ ما سوا اللہ را مسلماں بندہ نیست — پیشِ فرعونے سرش افگندہ نیست
۳۳۔ خونِ او تفسیر ایں اسرار کرد — ملتِ خوابیدہ را بیدار کرد
۳۴۔ تیغ "لا" چوں از میاں بیروں کشید — از رگِ اربابِ باطل خوں کشید
۳۵۔ نقشِ "الا اللہ" بر صحرا نوشت — سطرِ عنوانِ نجاتِ مانوشت

۳۱۔ تلوار صرف دین کی عزت کے لیے ہے اور بس۔ اس کا مقصد شرع کی حفاظت کرنا ہے اور بس۔ مسلمان تلوار اسی وقت اٹھاتا ہے جب کوئی باطل قوت دین اسلام کے خلاف قدم اٹھائے اور اس کی توہین کا باعث بنے۔

۳۲۔ مسلمان کسی ماسوا اللہ یعنی باطل قوت کا غلام نہیں ہے۔ وہ کسی فرعون کے آگے سر جھکانے والا نہیں ہے۔

۳۳۔ حضرت امام حسینؓ کے خون نے اس حقیقت (توحید خداوندی) کی تفسیر کر دی اور یوں سوئی ہوئی ملت کو بیدار کر دیا۔

۳۴۔ جب انہوں (امامؓ) نے "لا" کی تلوار نیام/میان سے باہر کھینچی تو صاحبانِ باطل کی رگوں سے خون کھینچ لیا۔ ان کا توحید کی خاطر شہادت قبول کرنا باطل قوتوں کی تباہی کا باعث بنا۔

۳۵۔ انہوں نے "الا اللہ" کا نقش صحرا پر لکھا/کھینچا اور اس طرح ہماری نجات کے عنوان کی سطر لکھ دی۔ اپنی شہادت سے انہوں نے یہ ثابت کر دیا کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود یا طاقت نہیں ہے۔ ان کا یہ عمل امت مسلمہ کے لیے نجات کا باعث بنا۔

۳۶۔ رمزِ قرآں از حسینؓ آموختیم — ز آتشِ او شعلہ ہا اندوختیم
۳۷۔ شوکتِ شام و فرِ بغداد رفت — سطوتِ غرناطہ ہم از یاد رفت
۳۸۔ تارِ ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز — تازہ از تکبیرِ او ایماں ہنوز
۳۹۔ اے صبا' اے پیکِ دور افتادگاں — اشکِ ما بر خاکِ پاکِ او رساں

۳۶۔ قرآن کی رمز ہم نے حضرت امام حسینؓ سے سیکھی ہے۔ ان کی آگ سے ہم نے کئی شعلے حاصل کیے ہیں۔ انؓ کا توحید ایزدی پر ایمان کامل' قرآن کریم کی تعلیمات پر

عمل کے باعث تھا اور انؓ کے اس عملی مظاہرے (شہادت) سے ہم نے قرآن کریم کو صحیح معنوں میں سمجھا اور ان کے عظیم جذبوں سے بہت سبق حاصل کیا۔

۳۷، ۳۸- ملک شام کی شان و شوکت، بغداد کی شان و عظمت ختم ہو چکی، ادھر غرناطہ کا وقار و شکوہ بھی یاد سے جاتا رہا (ہم بھول گئے) لیکن ہمارا ساز ابھی تک انؓ (امامؓ) کی مضراب سے بج رہا اور ان کی تکبیر سے ایمان ابھی تک تازہ ہے۔ لوگ مذکورہ ملکوں اور شہروں کے تمام ٹھاٹھ باٹھ بھول چکے ہیں (فرہنگ ملاحظہ ہو) لیکن حضرت امام حسینؓ نے ایک طاغوتی طاقت (یزید) کے مقابلے میں جو نعرۂ توحید واللہ اکبر بلند کیا ہے وہ آج بھی ہمارے دلوں میں گونج رہا اور ہمارے ایمان کی پختگی کا باعث بن رہا ہے۔

۳۹- اے بادِ صبا! اے دور رہنے والے لوگوں کی قاصد/ پیغام رساں تُو ہمارے آنسو حضرت امام حسینؓ کی خاکِ پاک (روضۂ مبارک) پر پہنچا دے۔

در معنیِ ایں کہ چون ملتِ محمدیہ موسس بر توحید و رسالت است، پس نہایتِ مکانی ندارد

(اس موضوع کے بارے میں کہ چونکہ ملت محمدیہ کی بنیاد توحید اور رسالت پر ہے اس لیے یہ مکانی/ جغرافیائی حدود سے ماورا ہے، یہ جغرافیائی حدود کی پابند نہیں ہے)

۱-	جوہرِ ما با مقامے بستہ نیست	بادۂ تندش بجامے بستہ نیست
۲-	ہندی و چینی سفالِ جامِ ماست	رومی و شامی گِلِ اندامِ ماست
۳-	قلبِ ما از ہند و روم و شام نیست	مرز و بومِ او بجز اسلام نیست

۱- ہمارا جوہر کسی ایک/ مخصوص مقام سے وابستہ نہیں ہے۔ اس کی تیز شراب کسی جام کی مرہونِ منت نہیں ہے۔ ملت اسلامیہ جغرافیائی حدود سے ماورا ہے، اس کا تعلق کسی ایک ملک سے نہیں ہے۔ دوسرے مصرعے میں استعارے سے کام لے کر یہی بات کی ہے۔

۲- ہندی اور چینی ہمارے جام کی مٹی ہیں تو رومی و شامی ہمارے جسم کی مٹی ہیں۔ یعنی تمام دنیا سے تعلق رکھنے والے مسلمان ملت اسلامیہ ہی کے فرد ہیں۔

۳۔ ہمارے دل کا تعلق ہند اور روم وشام سے نہیں ہے' اس کی مرز و بوم اسلام کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ (مذکورہ بات دوسرے انداز میں) اسلام جغرافیائی حدود سے ماورا ہے۔

۴۔ پیشِ پیغمبرؐ چو کعبؓ پاک زاد — ہدیہ اے آورد از "بانت سعادؔ"

۵۔ در ثنایش گوہرِ شب تاب سفت — سیفِ مسلول از "سیوف الہند" گفت

۶۔ آنؐ مقامش برتر از چرخِ بلند — نامدش نسبت باقلیمے پسند

۷۔ گفت "سیف من سیوف اللہ" گو — حق پرستی جز براہ حق مپو

۴'۵۔ ایک دفعہ پاک فطرت حضرت کعبؓ، حضور اکرمؐ کی خدمات میں "بانت سعاد" کے عنوان سے لکھا ہوا اپنا قصیدہ بطور تحفہ لائے تو اس میں انہوں نے حضورؐ کی شان میں گویا رات کو چمکانے والے / بے حد چمکدار موتی پروئے تھے۔ (بڑے شاندار الفاظ استعمال کیے تھے)۔ اس قصیدے میں انہوں نے ایک جگہ حضورؐ کو ہندوستان کی تلواروں میں سے ایک کھنچی / سونتی ہوئی تلوار لکھا تھا۔

۶'۷۔ اس ذاتِ والاصفات کو' جن کا مرتبہ آسمان سے بھی بلند تر ہے' کسی ملک سے اپنی یہ نسبت / تعلق پسند نہ آئی / آیا۔ آپ نے فرمایا: "اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار کہہ: تو حق پرست ہے اس لیے سوائے راہِ حق پر چلنے کے کسی دوسری راہ پر مت چل۔"

۸۔ ہم چناں آں رازدانِ جزو وکل — گردِ پایش سرمۂ چشمِ رسل

۹۔ گفت با امت "ز دنیاے شما — دوست دارم طاعت و طیب و نسا"

۱۰۔ گر ترا ذوقِ معانی رہنما ست — نکتۂ پوشیدہ در حرفِ "شما" ست

۸'۹۔ اسی طرح اس ذاتِ گرامیؐ نے' جو اس پوری کائنات کے رازوں سے آگاہ ہے (اس کی حقیقتیں معلوم ہیں)' جسؐ کے پاؤں کی خاک دوسرے رسولوں کی آنکھوں کا سرمہ ہے' اپنی امت سے فرمایا: "میں تمہاری دنیا میں سے عبادت' خوشبو اور عورتوں کو پسند کرتا ہوں۔"

۱۰۔ اگر معانی کا ذوق تیرا رہنما ہے تو پھر تجھے پتا چلے گا کہ لفظ "شما" (تمہاری' تم) میں ایک گہری بات چھپی ہوئی ہے۔ مطلب یہ کہ حضورؐ اس مادی دنیا سے (جس میں ہم کھوئے ہوئے ہیں اور اپنی حرص و ہوس کے باعث اس کی ہر چیز کے پیچھے بھاگتے ہیں) صرف مذکورہ تین چیزوں کو پسند فرماتے ہیں' باقی سے حضورؐ بے نیاز ہیں' کوئی

دلچسپی نہیں۔

۱۱۔ یعنی آں شمع شبستانِ وجود — بود در دنیا و از دنیا نبود
۱۲۔ جلوۂ اوؐ قدسیاں را سینہ سوز — بود اندر آب و گل آدم ہنوز
۱۳۔ من ندانم مرز و بوم او کجاست — ایں قدر دانم کہ باما آشناست
۱۴۔ ایں عناصر را جہانِ ما شمرد — خویشتن را میہمانِ ما شمرد
۱۵۔ زانکہ ما از سینہ جاں گم کردہ ایم — خویش را در خاکداں گم کردہ ایم

۱۱۔ یعنی حضور اکرمؐ جو اس کائنات کے شبستان کی شمع تھے‘ (جن کی بدولت اس دنیا کو رونق وروشنی ملی) دنیا میں رہتے ہوئے بھی اس دنیا سے بے تعلق / بے نیاز تھے۔

۱۲۔ اس شمع (حضور) کی روشنی اس وقت بھی فرشتوں کا سینہ جلا رہی تھی جب ابھی حضرت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔ یعنی ابھی ان کا وجود ظاہر نہیں ہوا تھا۔

۱۳۔ مجھے نہیں معلوم اس شمع (حضورؐ) کا وطن کہاں ہے‘ بس اتنا جانتا ہوں کہ ہم سے آشنا ہے / ہیں۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے وجود سے پہلے حضور کہاں تھے۔ یہ معلوم نہیں‘ ہاں ملت اسلامیہ کے افراد ہونے کے سبب ہم سے آگاہ ہیں۔

۱۴۔ حضورؐ نے اس دنیا / کائنات کو ہمارا جہان سمجھا / قرار دیا اور خود کو ہمارا مہمان جانا۔ حضورؐ کو اس مادی دنیا سے کوئی وابستگی نہیں۔ گویا آپؐ ہم اہل دنیا کے پاس وقتی طور پر تشریف لائے۔

۱۵۔ اس لیے کہ ہم اپنے سینے سے روح کھو بیٹھے ہیں اور یوں خود کو اس دنیا میں گم کر چکے ہیں۔ ہم مادی دنیا ہی سے وابستہ ہو کر رہ گئے ہیں جس کی وجہ سے ہمارے روحانی جذبے ختم ہو چکے ہیں۔

۱۶۔ مسلم استی دل باقلیمے مبند — گم مشو اندر جہانِ چون و چند
۱۷۔ می نگنجد مسلم اندر مرز و بوم — در دل او یاوہ گردد شام و روم
۱۸۔ دل بدست آور کہ در پہنائے دل — می شود گم ایں سرائے آب و گل

۱۶۔ اگر تو (صحیح معنوں میں) مسلمان ہے تو کسی اقلیم سے دل وابستہ نہ کر (جغرافیائی حدود سے آزاد / ماورا ہو جا) اور کیف وکم کی دنیا میں نہ کھو جا۔ یعنی مادی دنیا سے دل نہ لگا۔)

۱۷۔ مسلمان کسی مرز و بوم میں نہیں سماتا اس کے دل میں شام اور روم بے وقعت ہو کر رہ

جاتے ہیں۔ مسلمان دنیا کے کسی بھی کونے میں ہے' وہ اول و آخر مسلمان ہے' اس کی پہچان کسی ملک یا جغرافیائی حدود کے حوالے سے نہیں ہے۔ (پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی)

۱۸۔ تو خود میں دل زندہ پیدا کر (یا اپنے دل پر قابو پا) کیونکہ یہ پانی اور مٹی کی دنیا / مادی دنیا دل کی وسعت میں گم ہو جاتی ہے۔ جب مادی دنیا سے لگاؤ نہیں ہوگا تو دل ایسے جذبوں سے سرشار ہوگا جو عظمت و سربلندی کا باعث بنیں گے۔

۱۹۔ عقدۂ قومیتِ مسلم کشود　　از وطن آقائے ما ہجرت نمود
۲۰۔ حکمتش یک ملتِ گیتی نورد　　بر اساسِ کلمہ اے تعمیر کرد
۲۱۔ تاز بخششہائے آں سلطانِ دیں　　مسجدِ ما شد ہمہ روئے زمیں

۱۹۔ ہمارے آقا حضور اکرمؐ نے اپنے وطن سے ہجرت کر کے مسلمانوں کی قومیت کی گتھی سلجھا دی۔ حضورؐ نے اپنے آبائی وطن مکہ سے مدینہ ہجرت فرما کر عملاً یہ ثابت کر دیا کہ مسلمان وطن یا جغرافیائی حدود کا قائل نہیں۔

۲۰۔ حضورؐ کی حکمت و دانش نے دنیا میں پھیل جانے والی ایک ملت کی تعمیر کی بنیاد ایک کلمہ پر رکھی۔ ملتِ اسلامیہ کے وجود میں آنے کا باعث یہ کلمہ بنا: ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ، اللہ کے رسول ہیں۔''

۲۱۔ یہاں تک کہ اس دنیا کے سلطان کی عنایتوں نوازشوں سے تمام روئے زمیں (پوری دنیا) ہماری مسجد بن گئی۔ مسلمان دنیا کے کسی بھی کونے میں ہو وہ قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے۔

۲۲۔ آں کہ در قرآں خدا او راستود　　آں کہ حفظِ جانِ اوؐ موعود بود
۲۳۔ دشمناں بے دست و پا از ہیبتش　　لرزہ برتن از شکوہ فطرتش
۲۴۔ پس چرا از مسکنِ آبا گریخت؟　　تو گماں داری کہ از اعدا گریخت؟

۲۲۔ ۲۳=وہ ذات گرامی' خدا تعالیٰ نے جس کی تعریف و ستائش قرآن کریم میں فرمائی ہے اور وہ ذات والا صفات جن کی حفاظت کا وعدہ خدا نے فرمایا ہے (سورۃ المائدہ آیہ ۶۷ .... ''اے رسولؐ! جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے' اسے تم ان لوگوں تک پہنچا دو اور اگر تم ایسا نہ کرو گے تو (سمجھ لو) کہ تم نے خدا کا پیغام نہیں پہنچایا اور (تمہیں کسی کا کیا خوف) اللہ تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا....

اتح)، دشمن آپ کی ہیبت سے بے دست و پا ہو کر رہ گئے۔ حضورؐ کی فطرت کی شان و عظمت سے ان (دشمنوں، کافروں) کے تن پر کپکپی طاری رہی تو پھر ایسی صورت حال میں حضورؐ نے اپنے آبائی وطن سے ہجرت کیوں فرمائی کیا تو (اے مخاطب) یہ سمجھتا ہے کہ حضورؐ نے (نعوذ باللہ) دشمنوں کے خوف سے ایسا کیا؟

۲۵- قصہ گویاں حقِ زما پوشیدہ اند — معنیِ ہجرت غلط فہمیدہ اند
۲۶- ہجرت آئینِ حیاتِ مسلم است — ایں ز اسبابِ ثباتِ مسلم است
۲۷- معنیِ او از تنک آبی رم است — ترکِ شبنم بہرِ تسخیرِ یم است

۲۵- بے پر کی اڑانے والوں نے ہم سے حقیقتِ حال/ سچی بات چھپا کے رکھی ہے اور ان لوگوں نے ہجرت کے معنی غلط سمجھے ہیں۔

۲۶- ہجرت (یعنی اپنا وطن چھوڑ کر کسی اور جگہ جا کر آباد ہو جانا) درحقیقت مسلمانوں/ ملت اسلامیہ کی بقا کا دستور و آئین ہے اور یہ (ہجرت) مسلم کے ثبات و قرار کا ایک باعث ہے۔ اس سے اس میں جذبے اور حوصلے پیدا ہوتے ہیں، جن کی بنا پر وہ کہیں زیادہ عظمت و سربلندی سے زندگی بسر کرتا ہے۔

۲۷- ہجرت کے معنی تو کم آبی سے فرار ہے، دوسرے لفظوں میں شبنم (جو تھوڑے پانی کی علامت ہے) سے قطع تعلق درحقیقت دریا کی تسخیر کی خاطر ہے۔ (وہی جذبوں اور حوصلوں والی بات.....)

۲۸- بگذر از گل، گلستاں مقصودِ تست — ایں زیاں پیرایۂ بندِ سودِ تست
۲۹- مہر را آزادہ رفتن آبروست — عرصۂ آفاق زیرِ پائے اوست
۳۰- ہمچو جو سرمایہ از باراں مخواہ — بیکراں شو در جہاں، پایاں مخواہ

۲۸- اے مسلم! پھول سے تعلق ختم کر لے، اس لیے کہ تیرا مقصد و مدعا گلستاں ہے۔ یہ نقصان (پھول سے تعلق ختم کرنا) تیرے فائدے/ نفع کو آراستہ کرنے والا ہے۔ وطن/ جغرافیائی حدود کے چکر میں نہ پڑا رہ، باہر نکل کہ اسی سے تیری عظمت و سربلندی ممکن ہے۔

۲۹- سورج کی آبرو اس کی آزادانہ گردش میں ہے، اسی لیے دنیا کا میدان اس کے پاؤں کے نیچے ہے۔ غالباً اس بنا پر ایسا کہا ہے کہ سورج کے طلوع و غروب کے اوقات مختلف ملکوں میں الگ الگ ہیں۔

۳۰۔ تو (اے مسلم) ندی کی طرح اپنی متاع/ دولت بارش سے مت مانگ' تو دنیا میں بیکراں/ وسعت والا ہو جا اور اختتام/ خاص حد تک کی خواہش نہ کر۔ (مذکورہ بالا باتوں کو دوسرے انداز/ استعارے میں پیش کیا ہے۔ بارش ہونے پر ندی میں پانی آتا ہے۔ گویا کسی کا دست نگر ہونا تیری شان کے خلاف ہے' تو وطن/ حدود کا پابند نہ ہو' بلکہ ع

ہر ملک' ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

کو پیش نظر رکھ۔

۳۱۔ بود بحرِ تلخ رو یک سادہ دشت ساحلے ورزید و از شرم آب گشت

۳۲۔ بایدت آہنگِ تسخیر ہمہ تا توی باشی فراگیر ہمہ

۳۳۔ صورتِ ماہی بہ بحر آباد شو یعنی از قیدِ مقام آزاد سو

۳۴۔ ہر کہ از قید جہات آزاد شد چوں فلک در شش جہت آباد شد

۳۱۔ کڑوے پانی کا سمندر بھی ایک سادہ سا جنگل تھا (یعنی اس میں وسعت تھی) جب اس نے کنارہ اختیار کر لیا (خود کو محدود کر لیا) تو وہ شرم کے مارے پانی پانی ہو گیا۔ سمندر کے حوالے سے پانی پانی کا محاورہ استعمال کیا ہے' یعنی بے حد شرمندہ ہوا۔

۳۲۔ تجھے کل کی تسخیر کا ارادہ کرنا چاہیے تاکہ تو سب کو اپنی گرفت میں لے لے۔ خود کو پابندِ مقام نہ رکھ' حدود سے باہر نکل جا اور یوں اپنی عظمت کا سامان کر لے۔

۳۳۔ تو (اے مسلم) مچھلی کی طرح سمندر میں آباد ہو جا' یعنی مقام کی قید سے آزاد ہو جا' جس طرح مچھلی سمندر میں کسی خاص جگہ پر ٹک کر نہیں رہتی بلکہ کبھی ادھر کبھی ادھر نکل جاتی ہے' گویا آزادانہ زندگی بسر کرتی ہے تو بھی اپنی زندگی ایسی روش اپنا لے۔

۳۴۔ جو کوئی طرفوں/ حدود کی قید سے آزاد ہو گیا' وہ آسمان کی طرح پوری دنیا میں آباد ہو گیا۔

۳۵۔ بوئے گل از ترکِ گل جولانگر است در فراخائے چمن خود گستر است

۳۶۔ اے کہ یک جا در چمن انداختی مثلِ بلبل با گلے در ساختی

۳۷۔ چوں صبا بارِ قبول از دوش گیر گلشن اندر حلقۂ آغوش گیر

۳۸۔ از فریب عصر نو ہشیار باش رہ فتد اے راہ رو ہشیار باش

۳۵۔۳۷ = (تینوں شعروں میں مذکورہ بالا باتیں نئے استعاروں میں کی ہیں) پھول کی خوشبو

پھول سے نکل کر ہی اپنی جولانیاں دکھاتی ہے' اور اس طرح چمن کی وسعت میں خود کو پھیلا دیتی ہے۔ تو کہ جس نے چمن میں ایک ہی جگہ قرار پکڑ رکھا اور بلبل کی طرح ایک ہی پھول سے نباہ کیے ہوئے ہے' صبا کی مانند پابندی / حد بندی کا بوجھ کندھوں سے اتار پھینک اور اس طرح پورے چمن کو اپنے حلقۂ آغوش میں سمیٹ لے۔

۳۸۔ اے راہ رو تو جدید دور کے فریب سے ہوشیار / خبردار رہ' تو چوکنا رہ اور ہوشیار ہو جا۔ اسلام کی تعلیمات کو پیش نظر رکھتے ہوئے دنیا میں گامزن رہ' جدید یا یورپی تہذیب سے بچ کر رہ۔

در معنیِ ایں کہ وطن اساسِ ملّت نیست

(اس موضوع کے بارے میں کہ وطن' ملت کی بنیاد نہیں ہے)

۱۔ آں چناں قطع اخوت کردہ اند　　بر وطن تعمیرِ ملت کردہ اند

۲۔ تا وطن را شمع محفل ساختند　　نوع انساں را قبائل ساختند

۳۔ جنتے جستند در "بئس القرار"　　"تا احلوا قومھم دار البوار"

۴۔ ایں شجر جنت ز عالم بردہ است　　تلخی پیکار بار آوردہ است

۱۔ بھائی چارے کی فضا کو کچھ اس صورت میں ختم کر دیا گیا کہ ملت کی تعمیر وطن پر کر دی' یعنی اہل مغرب نے قوم کا تعلق وطن سے قرار دے کر اس اخوت کا' جو بنی نوع انسان کے لیے ایک رحمت ہے' قلع قمع کر دیا۔

۲۔ جب سے وطن کو شمع محفل بنا لیا گیا ہے' بنی نوع انسان کو قبیلوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔ مذکورہ نظریے سے انسانی اخوت' اتفاق و محبت کو بہت نقصان پہنچا ہے۔ اس لیے کہ اس کی وجہ سے ہر گروہ / قبیلے یا جغرافیائی حدود کے پابند لوگوں کے اپنے اپنے مفاد ہوں گے اور ان کے حصول کے لیے وہ دوسروں سے ٹکرانے میں کوئی کمی نہ کریں گے۔

۳۔ ان لوگوں نے "برے ٹھکانے" ہی میں جنت تلاش کی ہے (انہیں جنت نظر آئی ہے) یہاں تک کہ "انہوں نے اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتار دیا۔ (قرآنی تلمیح۔ فرہنگ ملاحظہ ہو)

۴۔ اس شجر (نظریے) نے دنیا سے جنت کا وجود مٹا دیا۔ اس درخت کو دنگا فساد کی تلخی

(شدت) کا پھل لگا ہے۔ (شعر نمبر 2 والی شرح ملاحظہ ہو)

۵- مردمی اندر جہاں افسانہ شد	آدمی از آدمی بیگانہ شد
۶- روح از تن رفت و ہفت اندام ماند	آدمیت گم شد و اقوام ماند
۷- تا سیاست مسند مذہب گرفت	ایں شجر در گلشنِ مغرب گرفت
۸- قصۂ دینِ مسیحائی فسرد	شعلۂ شمعِ کلیسائی فسرد

۵- (اس نظریے کے باعث) دنیا میں شرافت اور انسانیت ختم ہو کر رہ گئی اور یوں انسان' انسان سے بیگانہ / غیر ہوتا چلا گیا۔

۶- روح' جسم سے غائب ہو گئی اور صرف جسمانی اعضا رہ گئے۔ انسانیت ناپید ہو گئی اور قومیں رہ گئیں۔ مثنوی کے اس پورے حصے میں' مختلف انداز سے' اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ "قوم وطن سے ہے" کے نظریے نے جہاں انسانوں کو تقسیم کر کے رکھ دیا ہے' وہاں وہ باہمی چپقلش اور جنگ و جدل کا بھی باعث بنا ہے۔

۷- جب سیاست نے مذہب کی گدی سنبھال لی تو اس درخت (نظریے) نے یورپ کے گلشن میں نشو و نما پائی۔ اس نظریے کو یورپ ہی نے پھیلایا ہے۔ اسی نے مذہب کے حوالے سے سیاست کی ہے' انسانیت کے حوالے سے نہیں۔

۸- (نتیجہ یہ نکلا ہے کہ) عیسائیت / دین عیسیٰ کا قصہ تمام ہوا اور عیسائی عبادت گاہ کی شمع کے شعلے سرد ہو کر رہ گئے۔ مغربی قومیں خود کو عیسائی کہنے کے بجائے انگریز' فرانسیسی یا یورپی کہنے میں فخر محسوس کرتی ہیں۔

۹- اسقف از بے طاقتی در ماندہ اے	مہرہ ہا از کف بروں افشاندہ اے
۱۰- قوم عیسیٰ بر کلیسا پا زدہ	نقدِ آئینِ چلیپا وا زدہ
۱۱- دہریت چوں جامۂ مذہب درید	مرسلے از حضرت شیطاں رسید
۱۲- آں فلارنساویِ باطل پرست	سرمۂ او دیدۂ مردم شکست
۱۳- نسخہ اے بہرِ شہنشاہاں نوشت	در گلِ ما دانۂ پیکار کشت

۹- لاٹ پادری بے طاقتی کے باعث عاجز اور بے بس ہو کر رہ گیا۔ اس نے سارے مہرے ہاتھ سے پھینک دیے۔ یعنی اس کے تمام اختیارات ختم ہو گئے اور اس کا کوئی مقام و مرتبہ نہ رہا۔

۱۰- حضرت عیسیٰ کی قوم (عیسائیوں) نے اپنی عبادت گاہ کو ٹھکرا دیا اور صلیب کے آئین

کی نقدی کو رد کر دیا۔ مذہب سے ہر طرح سے دور اور بیگانہ ہو گئے۔

۱۱'۱۲۔ جب دہریت / مادہ پرستی نے مذہب کا لباس پھاڑ ڈالا تو شیطان کی بارگاہ سے ایک قاصد / ایلچی آ گیا۔ وہ قاصد باطل پرست فلارنساوی تھا' جس کے سرمے نے لوگوں کی آنکھیں پھوڑ ڈالیں۔ (فرہنگ ملاحظہ ہو) سرمے سے مراد اس کی کتاب ہے جس نے لوگوں کو بری طرح چونکا دیا۔

۱۳۔ اس (فلارنساوی) نے شہنشاہوں کی خاطر ایک کتاب لکھی ("The Prince") اور اس طرح ہماری مٹی میں دنگا فساد کا بیج بو دیا۔ انسانیت ختم ہو گئی' جھوٹ اور فریب میں اضافہ ہوا اور یوں بنی نوع انسان مختلف حوالوں سے باہم برسرِ پیکار ہو گئی۔

۱۴۔ فطرتِ او سوے ظلمت بردہ رخت — حق ز تیغ خامۂ او لخت لخت

۱۵۔ بت گری مانند آزر پیشہ اش — بست نقشِ تازہ اے اندیشہ اش

۱۶۔ مملکت را دینِ او معبود ساخت — فکر او مذموم را محمود ساخت

۱۷۔ بوسہ تا بر پاے ایں معبود زد — نقدِ حق را بر عیارِ سود زد

۱۴۔ اس کی فطرت تاریکی کی طرف ساز و سامان لے گئی' یعنی اس کی فطرت سراسر تاریکی ہی کی طرف متوجہ رہی اور اس کے قلم کی تلوار سے حق و صداقت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اس نے جو نظریہ پیش کیا وہ مکمل طور پر باطل اور جھوٹ پر مبنی تھا اور حق و صداقت سے اسے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔

۱۵۔ آزر (جیسے بہت بڑے بت پرست اور بت تراش) کی طرح اس کا پیشہ بھی بت تراشی تھا۔ اس کے تخیل یا قوت فکر نے ایک نیا نقش کھینچا (یعنی وہی نظریہ)۔

۱۶۔ سلطنت / مملکت کو اس کے دین (نظریہ) نے معبود کا درجہ دے دیا اور اس کی فکر نے لائق مذمت امر کو لائق ستائش بنا دیا۔

۱۷۔ پھر جب اس نے اس معبود کے پاؤں کو بوسہ دیا (اسے ایک طرح سے اپنا دین و مذہب بنا لیا) تو حق و صداقت کی نقدی کو اس نے سود (منافع) کی کسوٹی پر پرکھا۔ گویا دنیوی فائدوں کو اس نے سچائی / حق و صداقت کا معیار بنا لیا۔

۱۸۔ باطل از تعلیم او بالیدہ است — حیلہ اندازی فنے گردیدہ است

۱۹۔ طرحِ تدبیرِ زبوں فرجام ریخت — ایں خسک در جادۂ ایام ریخت

۲۰- شب بچشمِ اہلِ عالم چیدہ است | مصلحت تزویر را نامیدہ است

۱۸- باطل اس کی تعلیم سے خوب پھلا پھولا ہے (اور اس کے نتیجے میں) مکروفریب' دھوکا بازی ایک ہنر/خوبی بن گیا ہے۔

۱۹- اس (فلاطون) نے ایک ایسی تدبیر کی بنیاد ڈالی جس کا انجام خرابی وخواری ہے۔ اس نے یہ کانٹے زمانے کے راستے میں بکھیرے ہیں۔ اس کا نظریہ/مسلک اہل زمانہ کے لیے سراسر خرابیوں' برائیوں اور تباہیوں کا مسلک ہے۔

۲۰- اس نے اہل جہاں کی آنکھوں میں رات/ تاریکی جھونک دی ہے اور مکر وریا کو مصلحت کا نام دیا ہے یعنی ضرورت پڑنے پر یا اپنے مفاد کی خاطر ہر ناجائز کام' جائز قرار دیا ہے۔

در معنی ایں کہ ملت محمدؐیہ نہایتِ زمانی ہم ندارد کہ دوامِ ایں

ملتِ شریفہ موعود است

(اس موضوع کے بارے میں کہ ملت محمدؐیہ وقت/ مدت کی انتہا نہیں رکھتی' کیونکہ قدرت کی طرف سے اس ملت شریفہ کے دوام کا وعدہ کیا گیا ہے)

۱- در بہاراں جوشِ بلبل دیدہ ای | رستخیزِ غنچہ و گل دیدہ ای

۲- چوں عروساں غنچہ ہا آراستہ | از زمیں یک شہر انجم خاستہ

۳- سبزہ از اشکِ سحر شوئیدہ اے | از سرود آب جو خوابیدہ اے

۴- غنچہ اے بر می دمد از شاخسار | گیردش باد نسیم از شاخسار

۵- غنچہ اے از دست گل چیں خوں شود | از چمن مانند بو بیروں رود

۱- تو نے (اے قاری/ مخاطب) موسم بہار میں بلبل کا جوش وخروش (مستی میں خوب چہچہانا) تو دیکھا ہے/ دیکھا ہوگا۔ غنچے اور پھول کا بھی ہنگامہ (کثرت) دیکھا ہے۔ موسم بہار میں پھول کثرت سے کھلتے ہیں اور بلبل جو پھولوں کی عاشق ہے' اس خوشگوار موسم میں خوب چہچہاتی ہے۔

۲- غنچے دلہنوں کی طرح خوب آراستہ ہوتے ہیں (جس کے نتیجے میں یوں لگتا ہے جیسے

زمین سے ستاروں کا ایک شہر باہر آ گیا ہے۔)

۳- سبزہ صبح کے آنسوؤں (شبنم) سے دھل جاتا ہے اور یوں لگتا ہے جیسے ندی کے پانی کے نغمے سے مسحور ہو کر وہ سویا ہوا/ ہوتا ہے۔

۴- شاخوں سے جب کوئی کلی پھوٹتی ہے تو صبح کی ہوا/ باد نسیم اسے اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔ ہوا کے چلنے سے کلیاں پھول بن جاتی ہیں جسے گود/ آغوش میں لینے سے تعبیر کیا ہے۔

۵- اس کے برعکس کوئی غنچہ پھول توڑنے والے کے ہاتھوں خون میں نہا جاتا ہے اور چمن سے خوشبو کی مانند باہر نکل جاتا ہے۔ وہ پھول نہیں بن پاتا اور یوں ختم ہو جاتا ہے۔

۶- بست قمری آشیاں، بلبل پرید — قطرۂ شبنم رسید و بو رمید

۷- رخصت صد لالۂ ناپایدار — کم نسازد رونقِ فصلِ بہار

۸- از زیاں گنجِ فراوانش ہماں — محفلِ گل ہائے خندانش ہماں

۹- فصلِ گل از نسترن باقی تر است — از گل و سرو و سمن باقی تر است

۶- (بہار میں کہیں یہ ہوتا ہے کہ) قمری نے آشیاں بندی کی اور بلبل اڑ گئی۔ شبنم کا قطرہ گرا تو خوشبو اڑ گئی۔

۷- سیکڑوں جلد مرجھا جانے والے لالہ کے پھول (مراد ہر طرح کے بیشار پھول) رخصت بھی ہو جائیں (مرجھا جائیں) تب بھی موسم بہار کی رونق میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔

۸- اس نقصان (بیشار پھولوں کے مرجھا جانے) کے باوجود موسم بہار کا کثیر/ بہت بڑا خزانہ ویسے کا ویسا ہی ہوتا ہے۔ اس (بہار) کے مسکراتے ہوئے پھولوں کی محفل اسی طرح برقرار/ جمی رہتی ہے۔ بہار میں پھول کثرت سے کھلتے رہتے اور اسی کثرت سے مرجھاتے رہتے ہیں۔

۹- موسم بہار نسترن سے کہیں زیادہ برقرار/ قائم رہنے والا ہے۔ وہ گلاب، سرو اور چنبیلی سے زیادہ قائم رہنے والا ہے۔ مراد سب پھولوں سے اس کی بقا زیادہ ہے۔

۱۰- کانِ گوہر پرورے گوہر گرے — کم نگردد از شکست گوہرے

۱۱- صبح از مشرق ز مغرب شام رفت — جامِ صد روز از خم ایام رفت

۱۲- بادہ ہا خوردند و صہبا باقی است — دوشہا خون گشت و فردا باقی است

۱۳- ہم چناں از فرد ہائے پے سپر ہست تقویمِ امم پایندہ تر

۱۰- موتیوں کو نشو ونما دینے اور موتی بنانے والی کان کسی موتی کے ٹوٹ جانے سے کبھی کی کا شکار نہیں ہوتی۔ کان میں موتی بنتے ٹوٹتے رہتے ہیں لیکن وہ (کان) اسی طرح برقرار رہتی ہے۔

۱۱- صبح، مشرق سے اور شام، مغرب سے کوچ کرگئی، زمانے کے خم سے سیکڑوں دنوں/ صدیوں کا جام پیا جاچکا، لیکن زمانہ اسی طرح برقرار ہے)

۱۲- کئی شرابیں پی جاچکیں (لوگ آئے، شرابیں پی کر چلے گئے) لیکن شراب ہنوز باقی ہے۔ کئی گزرے ہوئے کل خون میں نہاگئے/ گزر گئے لیکن آنے والا کل ابھی تک قائم ہے۔

۱۳- اسی طرح لوگ آتے رہے اور دوسری دنیا کو سدھارتے رہے لیکن قوموں کی جنتری ان سے کہیں زیادہ بقا والی ہے۔ پہلے اشعار میں جو مثالیں دی گئی ہیں، وہ اسی موضوع کی تائید میں ہیں کہ امت یا ملت ہمیشہ برقرار رہتی ہے۔ اگرچہ اس کے ہزاروں افراد یکے بعد دیگرے آتے اور جاتے رہیں۔

۱۴- در سفر یار است و صحبت قائم است فرد رہ گیر است و ملت قائم است
۱۵- ذاتِ او دیگر، صفاتش دیگر است سنتِ مرگ و حیاتش دیگر است
۱۶- فرد برمی خیزد از مشتِ گلے قوم زاید از دلِ صاحب دلے
۱۷- فرد پور شصت و ہفتاد است و بس قوم را صد سال مثلِ یک نفس

۱۴- اگرچہ ایک دوست سفر میں ہے لیکن دوستوں کی محفل برقرار ہے۔ ایک فرد راہ پکڑنے/ آگے نکل جانے والا ہے، جبکہ ملت کا وجود اپنی جگہ برقرار ہے۔

۱۵- ملت کی ماہیت و حقیقت کچھ اور ہے اور اس کی صفتیں/ خوبیاں کچھ اور ہیں۔ اسی طرح اس کے وجود کے مٹ جانے اور اس کی زندگی (قائم و دائم رہنے) کا قانون کچھ اور انداز کا ہے، یعنی اس کی حیات و موت فرد کی حیات و موت کی طرح نہیں ہے۔

۱۶- فرد مٹھی بھر خاک سے پیدا ہوتا ہے (اس کا وجود مٹھی بھر خاک سے بنا ہے)، جب کہ قوم کسی صاحب دل (خداشناس اور صاحب دانش) کے دل/ باطن سے جنم لیتی ہے۔

۱۷- فرد کی عمر زیادہ سے زیادہ ساٹھ یا ستر برس کی ہو سکتی ہے' جب کہ قوم کے لیے سو سال بھی ایک پل کی صورت ہیں۔ (مختلف مثالوں سے قوم کی بقا ثابت کی ہے)

۱۸- زندہ فرد از ارتباطِ جان و تن　　زندہ قوم از حفظِ ناموسِ کہن
۱۹- مرگِ فرد از خشکیِ رودِ حیات　　مرگِ قوم از ترکِ مقصودِ حیات
۲۰- گرچہ ملت ہم بمیرد مثلِ فرد　　از اجل فرماں پذیرد مثلِ فرد

۱۸- فرد کی زندگی کا دار و مدار روح اور جسم کے باہمی تعلق پر ہے' جبکہ قوم کی زندگی/بقا اپنے پرانے/قدیم نصب العین کے تحفظ سے وابستہ ہے۔ ملت اپنے نصب العین کے مطابق گامزن رہے گی تو برقرار رہے گی' بصورت دیگر اس کا وجود مٹ جائے گا۔

۱۹- (شعر ۱۸ والی بات ذرا بدل کر) فرد کی موت' زندگی کی ندی/نہر خشک ہو جانے سے واقع ہوتی ہے لیکن ملت کی موت مقصد حیات سے بے تعلقی کے باعث واقع ہوتی ہے۔

۲۰- اگرچہ ملت کی موت بھی فرد ہی کی طرح ہوتی ہے' تاہم وہ فرد ہی کی طرح فرمانِ اجل قبول کرتی ہے۔ کسی ملت کا وجود برقرار نہ رہنے میں قدرت کو دخل ہے۔ اس میں اس قرآنی آیت کی طرف اشارہ ہے کہ "ہر امت کے لیے وقت مقرر ہے۔"

۲۱- امتِ مسلم ز آیاتِ خداست　　اصلش از ہنگامۂ "قالوا بلیٰ" ست
۲۲- از اجل ایں قوم بے پرواستے　　استوار از "نحن نزلنا" ستے
۲۳- ذکر قائم از قیامِ ذاکر است　　از دوامِ او دوامِ ذاکر است
۲۴- تا خدا "ان یطفئوا" فرمودہ است　　از فسردن ایں چراغ آسودہ است

۲۱- (لیکن) امتِ مسلمہ خدا کی نشانیوں میں سے ہے اور اس کی اصل و بنیاد "قالوا بلیٰ" کے ہنگامے سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے روحوں سے پوچھا کیا میں تمہارا خدا نہیں ہوں تو انہوں نے جواب "ہاں" میں دیا۔ قرآنی تلمیح (فرہنگ......)

۲۲- یہ قوم اجل سے بے نیاز ہے۔ یہ "نحن نزلنا" سے مضبوط و مستحکم ہے۔ (فرہنگ.....)

۲۳- ذکرِ خدا/قرآن کریم' ذاکر (ملتِ اسلامیہ) کے قیام سے وابستہ ہے۔ اس (ملتِ اسلامیہ) کا دوام قرآنِ کریم کے دوام سے مربوط ہے۔

۲۴- چونکہ اللہ تعالیٰ نے "ان یطفئوا" فرمایا ہے (فرہنگ ملاحظہ ہو)' اس لیے یہ چراغ (ملتِ اسلامیہ) بجھنے سے محفوظ ہے۔ مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے اس آیت کا

منظوم ترجمہ کیا ہے:

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

۲۵- اُمّتے در حق پرستی کاملے — امتے محبوبِ ہر صاحبدلے
۲۶- حق بروں آورد ایں تیغ اصیل — از نیام آرزو ہائے خلیل
۲۷- تا صداقت زندہ گردد از دمش — غیرِ حق سوزد ز برقِ پیہمش

۲۵- امت اسلامیہ ایک ایسی ملت ہے جو حق پرستی/توحید پر ایمان کامل میں کامل ہے اور یہ ایک ایسی ملت ہے جو ہر صاحب دل کو عزیز ہے۔

۲۶- خدا تعالیٰ نے یہ تیز ترین تلوار (امت مسلمہ) حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کی آرزوؤں کی نیام سے باہر نکالی ہے۔ قرآنی تلمیح ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ایک ملت کے وجود کے لیے خدا کے حضور اپنی آرزو کا اظہار کیا تھا۔

۲۷- تا کہ حق وصداقت اس (ملت) کے دم سے زندہ ہو اور اس کی مسلسل بجلیوں سے باطل جل کر راکھ ہو جائے۔

۲۸- ما کہ توحیدِ خدا را حجتیم — حافظِ رمزِ کتاب و حکمتیم
۲۹- آسماں باما سرِ پیکار داشت — در بغل یک فتنۂ تاتار داشت
۳۰- بند ہا از پاکشود آں فتنہ را — برسرِ ما آزمود آں فتنہ را
۳۱- فتنہ ئے پامالِ راہش محشرے — کشتۂ تیغِ نگاہش محشرے

۲۸-۲۹= ہم (مسلمان) جو خدا کی توحید کی دلیل ہیں (توحید پر ہمارا پختہ ایمان ہے) اور جو قرآن کریم اور حکمت کے محافظ/نگہبان ہیں' آسمان (کو ہماری یہ بات پسند نہ تھی اس لیے وہ) ہم سے الجھنے/لڑنے پر آمادہ ہو گیا۔ اس سلسلے میں (ہم سے الجھنے کے لیے) اس کی بغل میں ایک فتنۂ تاتار تھا (تفصیل فرہنگ میں....)

۳۰-۳۱= چنانچہ اس نے اس فتنے کے پاؤں کی زنجیریں کھول دیں اور پھر اسے ہمارے سر پر آزمایا۔ اس قیامت خیز فتنے یعنی حملۂ چنگیز کا سامان کر دیا۔ وہ فتنہ ایک ایسا فتنہ تھا کہ محشر بھی اس کے راستے میں پامال تھا اور ایک محشر اس کی نگاہوں کا مارا ہوا تھا' یعنی اس حملے کے مقابلے میں محشر/قیامت کی بھی کوئی حیثیت نہ تھی۔

۳۲- خفتہ صد آشوب در آغوشِ او — صبحِ امروزے نزاید دوشِ او

۳۳۔ سطوتِ مسلم بخاک و خوں تپید   دید بغداد آنچہ روما ہم ندید

۳۴۔ تو مگر از چرخِ کج رفتار پرس   زاں تو آئین کہن پندار پرس

۳۵۔ آتشِ تاتاریاں گلزار کیست؟   شعلہ ہائے او گلِ دستار کیست؟

۳۲۔ اس فتنۂ تاتار کی آغوش میں سیکڑوں فتنے اور فساد سوئے ہوئے تھے۔ اس کی گزشتہ رات نے آج کی صبح کو جنم نہیں دیا۔ یہ بہت بڑا حادثہ تھا' اتنے بڑے قتل عام اور تباہیاں کہ ان کی مثال نہیں ملتی۔

۳۳۔ ملتِ اسلامیہ کی شان و عظمت خاک و خون میں لوٹ گئی۔ بغداد نے جو کچھ دیکھا' وہ روم نے بھی نہیں دیکھا۔ (تفصیل فرہنگ میں)

۳۴-۳۵= تو مگر اس ٹیڑھی چال چلنے والے آسمان سے پوچھ' اس آسمان سے پوچھ جو نئے قانون والا اور پرانے غرور و تکبر والا ہے۔ یعنی یہ آسمان جو ہمیں نقصان پہنچانے کے لیے نت نئے ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے' اس سے یہ بات پوچھ کہ تاتاریوں کی آگ کس کے لیے گلزار بنی اور اس آگ کے شعلے کس کی دستار کے پھول ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کو نمرود نے آگ میں ڈالا تھا لیکن وہ آگ خدا کے حکم سے گلزار بن گئی۔ علامہ نے اس قرآنی تلمیح کے حوالے سے بعد میں آنے والے چنگیزی حکمرانوں میں جو تبدیلی آئی' اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مورخین کے بقول ایک ہی دن میں ہزاروں تاتاری فوجی مسلمان ہو گئے۔ علامہ نے ''جوابِ شکوہ'' میں ایک جگہ کہا ہے:

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

۳۶۔ زانکہ ما را فطرت ابراہیمی است   ہم بہ مولیٰ نسبت ابراہیمی است

۳۷۔ از تہِ آتش بر اندازیم گل   نار ہر نمرود را سازیم گل

۳۸۔ شعلہ ہائے انقلاب روزگار   چوں بباغ ما رسد گردد بہار

۳۶-۳۷= اس لیے کہ ہماری (ملت اسلامیہ کی) سرشت ابراہیمیؑ ہے اور اپنے آقا/ خدا تعالیٰ کے ساتھ نسبت بھی ابراہیمیؑ ہے۔ ہم آگ کی تہ سے انگارے اکھاڑ پھینکتے ہیں اور ہر نمرود کی آگ کو پھول/گلزار بنا لیتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ خدا کے حکم پر آتش نمرود میں بلا خوف بیٹھ گئے اور وہ آگ خدا کے حکم سے گلزار بن گئی' چونکہ ملتِ اسلامیہ حضرت ابراہیمؑ سے وابستہ ہے' اس لیے اس کی بھی یہی کیفیت ہے کہ وہ کسی

نمرودِ وقت کے سامنے خوفزدہ نہیں ہوتی' اس کی ہر طرح کی ایذا کو قبول کرتی ہے اور یہ ایذا بحکم خداوندی اس کے لیے گلزار/خوش بختی کی علامت بن جاتی ہے۔

۳۸۔ زمانے کے انقلاب کے شعلے جب ہمارے باغ میں پہنچتے ہیں تو وہ موسم بہار کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ وہی مذکورہ بات نئے استعارہ میں کہی ہے۔

۳۹۔ رومیاں را گرم بازاری نماند — آں جہانگیری جہانداری نماند
۴۰۔ شیشۂ ساسانیاں درخوں نشست — رونقِ خمخانۂ یوناں شکست
۴۱۔ مصر ہم در امتحاں ناکام ماند — استخوانِ او تہ اہرام ماند
۴۲۔ درجہاں بانگِ اذاں بودست وہست — ملتِ اسلامیاں بودست و ہست

۳۹۔ رومیوں کی سلطنت اور اس کی رونق و شوکت ختم ہو گئی۔ ان کی جہانگیری اور حکومت ختم ہو گئی۔ رومن امپائر کا جو بھی عروج پر تھی' دنیا سے نام و نشان مٹ گیا۔

۴۰۔ ایران کے مشہور ساسانی خاندانی کا پیالہ خون میں ڈوب گیا یعنی شراب کی بجائے خون سے بھر گیا (فرہنگ.....) اسی طرح یونان کے مے خانے کی رونق ختم ہو گئی' یعنی اب ان کا بھی کوئی نام و نشان نہیں ا

۴۱۔ مصر بھی آزمائش میں ناکام ٹھہرا اور اس کی ہڈیاں اہرام مصر کے نیچے دب کے رہ گئیں۔ (فرہنگ.....)

۴۲۔ لیکن دنیا میں اذان کی آواز پہلے بھی گونجتی رہی ہے اور آج بھی حسبِ معمول گونج رہی ہے۔ ملتِ اسلامیہ کا وجود (صدیوں پہلے بھی) تھا اور آج بھی برقرار ہے۔ گویا دنیا میں بڑی بڑی قومیں آئیں۔ انہوں نے اپنی قوتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا' بڑی عظمت و شان دیکھی لیکن آخر کار انقلاباتِ زمانہ کا شکار ہو کر دنیا ہی سے مٹ گئیں جبکہ ملتِ اسلامیہ نے کئی انقلاب دیکھے لیکن وہ بفضلِ تعالیٰ' اسی طرح برقرار و قائم ہے۔

۴۳۔ عشق آئینِ حیاتِ عالم است — امتزاجِ سالماتِ عالم است
۴۴۔ عشق از سوزِ دلِ ما زندہ است — از شرارِ "لا الٰہ" تابندہ است
۴۵۔ گرچہ مثلِ غنچہ دل گیریم ما — گلستاں میرد اگر میریم ما

۴۳۔ عشق اس کائنات کی زندگی کا آئین و دستور ہے۔ دنیا کے تمام سالم اجزا اسی سے پیوستہ ہیں۔ یہ دنیا عشقِ حقیقی یا توحیدِ خداوندی پر ایمان ہی کی بدولت قائم و برقرار

ہے۔ اس کے بغیر دنیا کا وجود نہیں رہ سکتا۔

۴۴۔ یہ عشق ہمارے (ملتِ اسلامیہ کے) سوزِ دل سے زندہ و پایندہ ہے اور یہ "لا الہٰ" کے انگارے سے روشن و منور ہے۔ ملتِ اسلامیہ کا بنیادی اصول' آئین اور نصب العین خدا کی توحید پر ایمان ہے۔ اور اسی ایمان کی بدولت ہمارے دلوں میں روشن جذبے ہیں۔

۴۵۔ اگرچہ ہم غنچے کی طرح دل گرفتہ/مغموم ہیں لیکن اگر ہم مرجاتے/مر گئے تو گلستاں بھی مٹ جائے گا۔ اسی توحید پر ایمان کی بناپر اس دنیا کا وجود قائم ہے اور یہ ایمان صرف ملتِ اسلامیہ ہی سے متعلق ہے۔ آج اگرچہ ملت پر غموں کے پہاڑ ٹوٹ رہے اور توڑے جا رہے ہیں' پھر بھی دنیا کے لیے اس کا وجود ایک بنیادی ضرورت ہے' اس لیے کہ' خدانخواستہ' اگر اسے مٹانے کی کوشش کی جاتی ہے یا کی جارہی ہے اور اس کا وجود نہیں رہتا تو یہ دنیا بھی پھر ختم ہو جائے گی۔

در معنیِ ایں کہ نظامِ ملت غیر از آئین صورت نہ بندد و آئین ملتِ محمدیہ قرآن است

(اس موضوع کے بارے میں کہ ملت کا نظام آئین کے بغیر تشکیل نہیں پاتا اور ملتِ محمدیہ کا آئین قرآن کریم ہے)۔

۱۔ ملتے را رفت چوں آئین ز دست ——— مثلِ خاک اجزاے او از ہم شکست

۲۔ ہستیِ مسلم ز آئین است و بس ——— باطنِ دینِ نبیؐ این است و بس

۳۔ برگ' گل شد چوں ز آئین بستہ شد ——— گل ز آئیں بستہ شد گلدستہ شد

۴۔ نغمہ از ضبطِ صدا پیدا ستے ——— ضبط چوں رفت از صدا' غوغا ستے

۱۔ جب کوئی ملت اپنا آئین بھلا بیٹھتی ہے تو خاک کی مانند اس کے اجزا درہم برہم ہو جاتے ہیں۔ اس کا وجود برقرار نہیں رہتا۔

۲۔ مسلم/مومن یا ملت اسلامیہ کا وجود آئین سے وابستگی ہی کی بناپر قائم ہے اور بس۔ حضور اکرمؐ کے دین کی بس یہی روح و حقیقت ہے۔

۳- جب پتی آئین سے وابستہ ہو جاتی ہے تو پھول کی صورت اختیار کر لیتی ہے' اسی طرح پھول' آئین کے تابع رہ کر گلدستہ بن جاتا ہے۔ ہر چیز کا اپنا ایک نظام ہے۔ اگر وہ اس نظام سے بے تعلق ہو جائے تو اس کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔

۴- آواز جب ضابطے اور آئین کے تحت نکلتی ہے (یعنی اس میں باقاعدہ سر تال ہوتی ہے) تو وہ نغمہ کہلاتی ہے لیکن جب وہ ضابطہ کے تحت نہیں ہوتی تو وہ (آواز) محض شور و غوغا بن جاتی ہے۔

۵- در گلوے ما نفس موج ہواست ۔۔۔ چوں ہوا پابندِ نے گردد' نواست

۶- تو ہمی دانی کہ آئینِ تو چیست؟ ۔۔۔ زیرِ گردوں سرِ تمکینِ تو چیست؟

۷- آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم ۔۔۔ حکمتِ او لایزال است و قدیم

۸- نسخۂ اسرارِ تکوینِ حیات ۔۔۔ بے ثبات از قوتش گیرد ثبات

۵- ہمارے گلے میں سانس گویا ہوا کی لہر ہے' لیکن جب یہی موج ہوا (سانس) بانسری کی پابند ہو جاتی ہے (اس میں داخل ہوتی ہے) تو وہ نوا یعنی سریلی آواز بن جاتی ہے۔ (یہ چند مثالیں دے کر اب اصل بات شروع ہوتی ہے)۔

۶- تجھے کچھ علم ہے کہ تیرا (اے مسلم) آئین کیا ہے؟ اس دنیا میں تیری عزت و تمکنت کا راز کیا ہے؟

۷- (اس کا جواب یہ ہے کہ) وہ کتابِ جاوید یعنی قرآن حکیم جس کی حکمت کو زوال نہیں اور جو قدیم ہے (قدیم سے چلی آ رہی ہے)۔

۸- وہ (قرآن حکیم) زندگی کی تکوین (وجود میں آنے) کے رازوں/حقیقتوں کی کتاب ہے۔ اس کی قوت سے ناپائیدار/فانی بھی پائیداری/بقا حاصل کر لیتا ہے۔ وہ ایسی عظیم کتاب ہے کہ اس کی تعلیمات پر عمل کرنے سے فانی انسان بھی حیاتِ جاوید پا لیتا ہے۔

۹- حرف او را ریب نے' تبدیل نے ۔۔۔ آیہ اش شرمندۂ تاویل نے

۱۰- پختہ تر سودائے خام از زورِ او ۔۔۔ در فتد با سنگ جام از زورِ او

۱۱- می برد پابند و آزاد آورد ۔۔۔ صید بنداں را بفریاد آورد

۱۲- نوعِ انساں را پیامِ آخریں ۔۔۔ حاملِ او رحمۃ للعالمین

۹- قرآن کریم کے الفاظ/عبارتوں یا آیتوں میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے اور نہ کوئی

تبدیلی ہی ہے۔ اس کی آیت (آیات) کسی تاویل کی منت پذیر نہیں ہے / ہیں۔
(فرہنگ دیکھیے.....)

۱۰- اس (قرآن کریم) کی قوت سے خام جذبوں میں پختگی آتی ہے اور اس کی اسی قوت کے طفیل جام، پتھر سے ٹکرا جاتا ہے۔ قرآنی تعلیمات پر عمل سے کمزور انسان / مسلم میں بھی وہ قوت آجاتی ہے کہ وہ بڑی بڑی باطل قوتوں سے ٹکر لینے سے نہیں گھبراتا۔

۱۱- وہ مقید / غلام کو آزاد کر لاتا ہے جس کی وجہ سے انسانیت کے شکاری فریاد / واویلا مچاتے ہیں۔ قرآن کی رو سے سب انسان برابر ہیں' کوئی آقا یا غلام نہیں اور یہ بات ان انسانوں کے لیے تکلیف یا پریشانی کا باعث بنتی ہے جو اپنی "بھنے خانی" / نمائش اور دکھاوے کی خاطر' محض دولت کے بل بوتے پر' دوسرے انسانوں کو بطور غلام خرید لیتے یا رکھ لیتے ہیں۔

۱۲- یہ کتابِ مقدس بنی نوع انسان کے لیے آخری پیام ہے (اس کے بعد کوئی صحیفہ آسمان سے نازل نہیں ہوا)۔ یہ اس ذاتِ گرامیؐ پر نازل ہوئی جو تمام جہانوں کے لیے سراپا رحمت ہے' یعنی حضور اکرمؐ کی ذاتِ والا صفات۔

۱۳- اَرج می گیرد ازو نا ارجمند ... بندہ را از سجدہ سازد سر بلند
۱۴- رہزناں از حفظِ اُو رہبر شدند ... از کتابے صاحبِ دفتر شدند
۱۵- دشت پیمایاں ز تابِ یک چراغ ... صد تجلّی از علوم اندر دماغ
۱۶- آنکہ دوشِ کوہ بارش بر نتافت ... سطوتِ او زہرۂ گردوں شگافت
۱۷- بنگر آں سرمایۂ آمالِ ما ... گنجد اندر سینۂ اطفالِ ما

۱۳- اس کتابِ مقدس سے ایک بے وقعت انسان کو بھی عزت و وقعت ملتی ہے۔ اس کے حوالے سے (خدا کو) جو سجدہ کیا جاتا ہے وہ (سجدہ) ایک غلام کو بھی سربلند / بلند مرتبہ بنا دیتا ہے۔ قرآن کریم کی تعلیمات پر عمل سے ایک معمولی انسان کو بھی اللہ تعالیٰ عزت و سربلندی سے نوازتا ہے۔

۱۴-۱۵= ڈاکو / لٹیرے اس کی حفاظت میں آکر رہنما بن گئے۔ اس ایک کتابِ مقدس (کے مطالعہ اور اس پر عمل) کی بدولت وہ کئی کتابوں والے بن گئے۔ صحراؤں میں رہنے اور پھرنے والے اس ایک چراغ (قرآن کریم) کی روشنی سے ایسے ہو گئے کہ ان کے دماغ علوم کی روشنی سے سیکڑوں تجلیوں کے حامل ہو گئے اسلام سے قبل عر

سراسر جہالت کا مرکز تھا۔ قتل' ڈاکے اور اس قسم کے کئی دیگر غیر انسانی رویے عام تھے۔ قرآن کریم کے نزول اور پھر اس کے مطالعہ اور اس کی تعلیم پر عمل سے یہی لوگ انسانیت کے علمبردار بن گئے۔ انہوں نے اس دور میں مختلف علوم کو رواج دیا۔ جب یورپ ابھی ازمنۂ مظلمہ (Dark Ages) میں ڈوبا ہوا تھا۔ بعد میں یورپ نے مسلمانوں ہی کی کتب سے استفادہ کرتے ہوئے خود کو اس اندھیرے سے نکالا۔ علامہ نے ایک جگہ کہا ہے:

وہ موتی علم کے' یعنی کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ

۱۶'۱۷۔ وہ (کتابِ مقدس) جس کا بوجھ پہاڑ کے کندھے بھی نہ اٹھا سکے اور جس کے دبدبہ سے آسمان کا پتا پھٹ کے رہ گیا۔ (قرآنی تلمیح کے حوالے سے یہ مطلب بنتا ہے کہ یہ مقدس کتاب بڑی ہی عظمت والی اور انتہائی بلند مرتبہ ہے جس کے مقابلے میں پہاڑ کی عظمت/بڑاپن اور آسمان کی بلندی ہیچ ہے) ذرا غور کرو کہ یہی مقدس کتاب' جو ہماری آرزوؤں اور امیدوں کا سرمایہ ہے (جسے پہاڑ وغیرہ بھی برداشت نہ کر سکے) ہمارے بچوں کے سینوں میں سما جاتی ہے (یعنی وہ اسے حفظ کر کے حافظِ قرآن بن جاتے ہیں) (فرہنگ دیکھیے.....)

۱۸۔ آں جگر تابِ بیابانِ کم آب — چشمِ او احمر ز سوزِ آفتاب
۱۹۔ خوشتر از آہو رمِ جمازہ اش — گرم چوں آتش دمِ جمازہ اش
۲۰۔ رخت خواب افگند در زیرِ نخیل — صبح دم بیدار از بانگِ رحیل
۲۱۔ دشت سیرٗ از بام و در نا آشنا — ہرزہ گرد و از حضر نا آشنا
۲۲۔ تا دلش از گرمیٔ قرآں تپید — موجِ بیتابش چو گوہر آرمید

۱۸۔ وہ بدو جس کا ٹھکانا تھوڑے پانی والے صحرا میں تھا' وہاں کی گرمی سے اس کا جگر جلا ہوا تھا اور اس کی آنکھ کو سورج کی تپش نے سرخ کر رکھا تھا۔

۱۹۔ جس کی اونٹنی کی چال ہرن کی چال/دوڑ سے کہیں زیادہ دل کش اور اس اونٹنی کی سانس میں آگ کی سی گرمی ہوتی تھی۔

۲۰۔ جو (بدو) کھجور کے درخت کے نیچے بستر بچھا لیتا اور صبح کے وقت کوچ کی آواز/گھنٹی پر بیدار ہو جاتا۔

۲۱۔ جو صحرا نورد تھا اور بام و در (مکمل مکان) سے نا آشنا تھا' جو بے مقصد گھومنے پھرنے والا اور منزل سے ناواقف تھا۔

۲۲۔ جب (ایسے بدو صحرا نشین بدوؤں) کا دل قرآن کریم کی گرمی سے اثر پذیر ہوا تو اس کی بیتاب موج یعنی روح موتی کی طرح سکون آشنا ہو گئی۔ قرآن حکیم کے مطالعہ نے ان صحرانشینوں اور بے مقصد زندگی گزارنے والوں کے دلوں کو عظیم جذبوں سے سرشار کر کے ان کی زندگی میں بہت بڑا انقلاب پیدا کر دیا۔

۲۳۔ خواند ز آیاتِ مبینِ او سبق — بندہ آمد' خواجہ رفت از پیشِ حق

۲۴۔ از جہاں بانی نوا زد سازِ او — مسندِ جم گشت پا اندازِ او

۲۵۔ شہر ہا از گردِ پایش ریختند — صد چمن از یک گلش انگیختند

۲۳۔ اس بدو (بدوؤں) نے قرآن حکیم کی روشن/منور آیات کا درس لیا' جس کے نتیجے میں' وہ جو غلام/بندہ تھا' حضورِ حق سے آقا بن کر/آقائی لے کر نکلا۔

۲۴۔ اس کا ساز اب دنیا پر حکمرانی کا راگ الاپتا ہے اور جمشید کا تخت اس کا پا انداز بن گیا ہے۔ بہت بڑی سلطنتیں بھی اب ان (صحرانشینوں) کے لیے بے اہمیت ہو گئیں۔

۲۵۔ اس کے پاؤں کی خاک سے کئی شہر وجود میں آ گئے اور اس کے ایک پھول سے سیکڑوں چمن کھل اٹھے۔ قرآنی تعلیمات پر عمل کی بدولت ان صحرانشینوں میں وہ قوتیں پیدا ہوئیں کہ انھوں نے اس دنیا کے رنگ ڈھنگ ہی بدل ڈالے۔

۲۶۔ اے گرفتارِ رسوم ایمانِ تو — شیوہ ہائے کافری زندانِ تو

۲۷۔ قطع کردی "امر" خود را در "زبر" — جادہ پیمائی "الیٰ شیءٍ نکر"

۲۸۔ گر تو می خواہی مسلمان زیستن — نیست ممکن جز بقرآں زیستن

۲۶۔ اے (آج کے مسلمان) تیرا ایمان تو رسموں میں جکڑا ہوا ہے اور کافروں کے سے طور طریقے تیرا قید خانہ بن گئے ہیں۔ نہ تو ان بیکار قسم کی رسموں سے جان چھڑانا چاہتا ہے اور نہ اپنی کافرانہ عادتیں (شرک سے وابستگی و دلچسپی) ہی ترک کرنے پر آمادہ ہے۔

۲۷۔ تو نے اپنے امر کو "زبر" میں قطع کر دیا اور تو "شیءٍ نکر" کی طرف رواں دواں ہے۔ یعنی باہم اختلافات پیدا کر کے گروہوں کی صورت اختیار کر گیا اور اس پر افسوس کی بجائے ہر گروہ اپنی جگہ خوش ہے۔ (قرآنی تلمیح.... فرہنگ دیکھیے)

۲۸- اگر تو چاہتا ہے کہ تیری زندگی صحیح معنوں میں ایک مسلمان/ مومن کی سی زندگی ہو تو پھر اس کے لیے تجھے قرآن کریم کی طرف متوجہ ہونا پڑے گا۔ اس کی تعلیمات پر عمل ہی سے ایسا ممکن ہو سکے گا۔

۲۹- صوفی پشمینہ پوشِ حال مست | از شرابِ نغمۂ قوّال مست
۳۰- آتش از شعرِ عراقی در دلش | در نمی سازد بقرآں محفلش
۳۱- از کلاہ و بوریا' تاج و سریر | فقرِ او از خانقاہاں باج گیر

۲۹'۳۰- پشمینہ پہنے ہوئے اور حال مست صوفی' قوال کے نغموں کی شراب سے سرمست ہے۔ عراقی کے شعروں کی آگ اس کے دل میں لگ رہی ہے۔ اس کی محفل قرآن کریم سے موافقت ہی نہیں کرتی۔ اصل بات تو قرآن کریم سے دلی وابستگی اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنا ہے۔ لیکن ہمارے صوفی حضرات اس سے بالکل بے خبر قوالیوں وغیرہ ہی کو اپنے تصوف کی بنیاد بنائے ہوئے ہیں جو قرآن و اسلام کی رو سے سراسر بے کار انداز ہے۔

۳۱- (ان باتوں کے علاوہ) وہ یعنی صوفی کلاہ سے تاج کا اور بوریے سے تخت کا کام لیتا ہے' اس کا فقر خانقاہوں سے خراج وصول کرتا ہے۔ اسلام تو سادہ زندگی گزارنے پر زور دیتا ہے لیکن آج کے صوفیا نے تصوف کو بھی اپنے ٹھاٹھ باٹھ اور کمائی کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔

۳۲- واعظِ دستان زنِ افسانہ بند | معنیِ او پست و حرفِ او بلند
۳۳- از خطیب و دیلمی گفتارِ او | باضعیف و شاذ و مرسل کارِ او
۳۴- از تلاوت بر تو حق دارد کتاب | تو ازو کامے کہ می خواہی بیاب

۳۲- رہا واعظ تو وہ داستان گو اور افسانے گھڑنے والا ہے۔ جو کچھ وہ بیان کرتا ہے اس کی حقیقت و اصلیت تو گھٹیا ہوتی ہے لیکن اس کے لیے وہ بڑے بھاری بھرکم اور لچھے دار الفاظ استعمال کرتا ہے۔ آج کے واعظوں کا سارا زور لفاظی پر ہے تاکہ سامعین ان سے متاثر ہوں' لیکن کام کی یا اصل بات وہ نہیں کرتے۔

۳۳- وہ وعظ میں خطیب' دیلمی جیسے محدثوں کے حوالے لاتا ہے اور ''ضعیف'' اور ''شاذ'' اور ''مرسل'' ایسی اصطلاحات ہی پر اس کا سارا زور ہے۔ (فرہنگ.....)

۳۴- تلاوت کے معاملے میں تجھ پر کتاب یعنی قرآن کریم کا حق ہے' تو اس سے جیسی بھی

آرزو کا طالب ہے پالے۔ مسلمان ہونے کے ناطے قرآن کریم سے ہماری وابستگی مذہب اسلام کی بنیاد ہے۔ اس کی تعلیم میں زندگی گزارنے کے عظیم ڈھنگ/ انداز ہیں، جن سے استفادہ کر کے ہماری زندگی عظمت وسربلندی پا سکتی ہے۔

در معنیٔ ایں کہ در زمانۂ انحطاط تقلید از اجتہاد اولیٰ تر است

(اس موضوع کے بارے میں کہ انحطاط/ زوال کے زمانے میں اجتہاد کی نسبت تقلید کہیں بہتر ہے۔)

۱۔ عہدِ حاضر فتنہ ہا زیرِ سر است — طبعِ ناپروائے او آفت گر است

۲۔ بزمِ اقوامِ کہن برہم ازو — شاخسارِ زندگی بے نم ازو

۳۔ جلوہ اش ما را ز ما بیگانہ کرد — سازِ ما را از نوا بیگانہ کرد

۴۔ از دلِ ما آتشِ دیرینہ برد — نور و نارِ ''لا الٰہ'' از سینہ برد

۱۔ جدید دور اپنے اندر کئی فتنے اور ہنگامے رکھے/ لیے ہوئے ہے۔ اس کی الہڑ اور لا ابالی طبیعت آفت کی پرکالہ ہے۔ جدید دور میں یورپی/ مغربی تہذیب کا دور دورہ ہے۔ اس کی وجہ سے سیاسیات، اخلاقیات اور دوسرے اہم امور ذلت و زوال کا شکار ہو چکے ہیں۔

۲۔ اس نے قدیم قوموں کی بزم کو درہم برہم کر دیا ہے اور زندگی کی شاخسار کو خشک کر ڈالا ہے۔ یا زندگی کی شاخ تازگی سے محروم ہے۔

۳۔ اس کے ظہور/ ظاہر ہونے نے ہمیں خود ہماری اپنی ذات سے بیگانہ/ دور کر دیا ہے اور ہمارے ساز کو نغمے سے ناآشنا کر کے رکھ دیا ہے۔ مسلمان اس تہذیب سے بری طرح متاثر ہو کر اپنے مذہب سے دور اور اپنے عظیم جذبوں سے محروم ہو گئے ہیں۔

۴۔ اس جدید دور/ یورپی تہذیب نے ہمارے دلوں میں سلگتی ہوئی پرانی آگ ٹھنڈی کر دی اور ''لا الٰہ'' کا نور و نار ہمارے سینوں سے غائب کر دیا ہے۔ (شعر نمبر ۳ والی بات)۔ مسلمان جن کا کبھی توحید پر پختہ ایمان تھا اور وہ کبھی کسی باطل قوت کے آگے نہیں جھکے تھے اب وہ مادہ پرستی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

۵۔ مضمحل گردد چو تقویمِ حیات — ملت از تقلید می گیرد ثبات

۶- راہِ آبا رو کہ ایں جمعیت است   معنی تقلید ضبطِ ملت است
۷- در خزاں اے بے نصیب از برگ و بار   از شجر مگسل بامید بہار
۸- بحر گم کردی' زیاں اندیش باش   حافظِ جوئے کم آبِ خویش باش

۵- جب زندگی کی تقویم/ ہیئت کمزور یا سست پڑ جاتی ہے تو ملت تقلید ہی سے ثبات/ دوام حاصل کرتی ہے۔ زمانے کے انقلابات سے اگر ملت میں کچھ خامیاں' کمزوریاں پیدا ہو جاتی ہیں تو وہ اسلاف کے مسائل کو حل کرنے کے طریقوں اور اصولوں کو اپنا کر (یا ان سے استفادہ کرتے ہوئے) اپنے لیے بقا اور ثابت قدمی کا سامان کر لیتی ہے۔

۶- لہٰذا (اے مسلم) تو اپنے اسلاف کی راہ پر چل کہ اسی سے ملت اسلامیہ میں اتحاد اور یکدلی ممکن ہے اور اس مذکورہ راہ (تقلید) پر چلنے کا مطلب ملت کی تنظیم اور ربط و ضبط ہے۔

۷- اے برگ و بار سے محروم (مسلمان) تو موسم خزاں میں درخت سے مت ٹوٹ کہ اس سے وابستہ رہتے ہوئے بہار کی امید تو ہے۔ یعنی اپنی ملت سے وابستہ رہ' کہ اس سے ملت بھی مضبوط و منظم ہوگی اور خود تیری زندگی بھی اس کے طفیل عظمت و سربلندی حاصل کرے گی۔ انتشار کی صورت میں دونوں کو بہت نقصان پہنچے گا۔ اس سلسلے میں "بانگ درا" کی نظم "پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ" ملاحظہ ہو۔ اس کا پہلا شعر ہے:

ڈالی' گئی جو فصلِ خزاں میں شجر سے ٹوٹ
ممکن نہیں ہری ہو سحاب۔ بہار سے

اور آخری شعر:

ملت کے ساتھ رابطہ' استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

۸- تو نے اپنا سمندر گم کر دیا/ کھو دیا۔ اس نقصان عظیم کا احساس کر اور اب اپنی تھوڑی پانی والی ندی کی حفاظت کر۔ ملت کو جو نقصان پہنچ چکا' اس کا ازالہ اب اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم میں جو تھوڑے بہت ملی و مذہبی احساس و جذبات باقی رہ گئے ہیں ہم ان کو برقرار رکھیں' اس لیے کہ اس برقراری کی بنا پر ایک وقت ایسا آ سکتا ہے جب ہم اپنا کھویا ہوا مقام پھر حاصل کر لیں گے۔

۹- شاید از سیل کہستاں برخوری   باز در آغوش' طوفاں پروری

۱۰۔ پیکرت دارد اگر جانِ بصیر عبرت از احوال اسرائیل گیر
۱۱۔ گرم و سردِ روزگار او نگر سختیِ جانِ نزار او نگر
۱۲۔ خوں گراں سیر است در رگہائے او سنگِ صد دلیز و یک سیمائے او

۹۔ ممکن ہے تو کہستان کی طغیانی سے استفادہ کرلے/ فائدہ اٹھالے اور یوں تو پھر اپنی آغوش میں طوفان کی پرورش کرنے لگے' یعنی ممکن ہے حالات میں ایسی تبدیلی آئے کہ جس سے تجھ میں پھر پہلے والے عظیم جذبے پیدا ہو جائیں اور تو پھر سے اپنی/ اسلام کی عظمت وسربلندی کے لیے جدوجہد کرنے لگے۔

۱۰۔ اگر تیرے جسم میں بصیرت کی حامل روح ہے تو تو یہودیوں کے حالات سے عبرت حاصل کر۔ (فرہنگ دیکھیے....) (علامہ کی وفات کے بعد یعنی ۱۴ مئی ۱۹۳۸ء کو موجودہ ملک اسرائیل وجود میں آیا تھا)

۱۱'۱۲۔ اس (بنی اسرائیل) کے زمانے کے حادثات/ برے بھلے دن ذرا ملاحظہ کر' اس کی ناتواں/ کمزور جان کی ذرا سختی/ سخت جانی دیکھ' اس کی رگوں میں خون سست رفتار ہے۔ سیکڑوں دلیزوں کے پتھر ہیں اور اس کی ایک پیشانی۔ یہودیوں کو اپنی مقصد برآری کے لیے دوسری قوموں یا دوسرے ملکوں کے آگے سر جھکانا پڑتا ہے۔ ان کی زندگی غلامی کی زندگی سے بھی بدتر ہے۔

۱۳۔ پنجۂ گردوں چو انگورش فشرد یادگارِ موسیٰؑ و ہاروں نمرد
۱۴۔ از نوائے آتشینش رفت سوز لیکن اندر سینہ دم دارد ہنوز
۱۵۔ زانکہ چوں جمعیتش از ہم شکست جز براہِ رفتگاں محمل نہ بست

۱۳۔ آسمان کے پنجے نے اسے (بنی اسرائیل/ یہودیوں کو) انگور کی طرح نچوڑ کے رکھ دیا (لیکن اس کے باوجود) حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کی یادگار (یہ قوم) نہ مٹی۔ اگرچہ زمانے کے انقلابات کے ہاتھوں اس قوم کو ذلت وخواری کا سامنا کرنا پڑا' لیکن اس نے اپنے بزرگوں/ اسلاف کی راہ پر چل کر (ان کی تقلید کرتے ہوئے) اپنا وجود برقرار رکھا۔

۱۴۔ اگرچہ اس کی آتشیں نوا (لے یا نغمہ) سے سوز جاتا رہا لیکن آج بھی/ ابھی تک اس کے سینے میں دم ہے۔ یعنی زوال وانحطاط کے باوجود اس قوم کے جذبے ابھی زندہ ہیں۔

۱۵- اس لیے کہ جب اس کی جمعیت ٹوٹ پھوٹ/ انتشار کا شکار ہو گئی تو اس نے اپنے اسلاف کی راہ کے سوا اور کسی راہ پر اپنی محمل نہ باندھی۔ ان حالات میں اس قوم نے صرف اپنے اسلاف کی تقلید ہی کا راستہ اپنایا۔

۱۶- اے پریشاں محفلِ دیرینہ ات | مرد شمع زندگی در سینہ ات
۱۷- نقش بر دل معنیِ توحید کن | چارۂ کار خود از تقلید کن
۱۸- اجتہاد اندر زمانِ انحطاط | قوم را برہم ہمی پیچد بساط
۱۹- زاجتہاد عالمانِ کم نظر | اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر

۱۶'۱۷- اے (مسلم/ ملتِ اسلامیہ) تیری پرانی محفل انتشار کا شکار ہو چکی ہے اور تیرے سینے میں زندگی کی شمع بجھ کے رہ گئی ہے' تو اپنے دل پر معنیِ توحید کا نقش لکھ ڈال (نقش کر لے) اور اپنے معاملہ کی تدبیر' تقلید کے حوالے سے کر۔ ملت اسلامیہ جو کبھی متحد و متفق تھی' اب بری طرح گروہوں فرقوں میں بٹ چکی اور مادہ پرستی کا شکار ہو چکی ہے۔ اس کی جمعیت و اتحاد کے لیے ضروری ہے کہ خدائے پاک کی توحید پر پختہ ایمان ہو اور ہمارے اسلاف نے جس طرح مختلف مسائل کا حل ڈھونڈا تھا' ہم ان کی پیروی کرتے ہوئے خود کو انتشار و زوال سے بچائیں۔

۱۸- زوال کے دور میں اجتہاد سے کام لینا قوم کی بساط کو الٹ کے رکھ دیتا ہے۔ قوم کو اس سے بہت نقصان پہنچتا ہے۔

۱۹- (دوسرے یہ کہ) کوتاہ نظر عالموں کے اجتہاد کی نسبت اسلاف کی تقلید میں کہیں زیادہ تحفظ/ حفاظت کی صورت ہے۔

۲۰- عقلِ آبایت ہوس فرسودہ نیست | کارِ پاکاں از غرض آلودہ نیست
۲۱- فکرِ شاں ریسد ہمی باریک تر | ورعِ شاں با مصطفیٰؐ نزدیک تر
۲۲- ذوقِ جعفرؒ کاوشِ رازیؒ نماند | آبروئے ملتِ تازی نماند
۲۳- تنگ بر ما رہگذارِ دیں شداست | ہر لئیمے رازدارِ دیں شداست

۲۰- تیرے اسلاف کی عقل و دانش' حرص و ہوس کی شکار نہیں ہے۔ پاک لوگوں کا معاملہ غرض سے آلودہ نہیں ہوتا۔ تیرے اسلاف پاکیزہ فطرت اور متقی تھے اور حرص و غرض سے پورے طور پر پاک تھے۔

۲۱- ان اسلاف کی فکر بڑا باریک/ گاڑھا کاتتی ہے اور ان کا تقویٰ و پرہیزگاری حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت نزدیک ہے۔ ان کا تقویٰ حضورؐ کے تقویٰ کے قریب تھا۔

۲۲۔ (افسوس کہ ملت میں اب وہ) امام جعفر صادقؒ والا ذوق نہ رہا اور نہ امام رازیؒ کی سی تلاش وجستجو رہی' جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ملت عربی / اسلامیہ کی وہ پہلی سی آبرو نہیں رہی۔

۲۳۔ ہم پر دین کا راستہ تنگ ہو چکا ہے' اس لیے کہ ہر بدبخت یا کم علم دین کی رازداری کا مدعی / دعوئی دار بن چکا ہے۔ ظاہر ہے اس قسم کے دین دار دین کو شدید نقصان پہنچائیں گے اور آج جو دین اسلام کا حلیہ بگڑا ہوا ہے تو یہ ایسے ہی نام نہاد دین داروں کی جہالت کا نتیجہ ہے۔

۲۴۔	اے کہ از اسرار دیں بیگانہ ای	با یک آئیں ساز اگر فرزانہ ای
۲۵۔	من شنیدستم ز نباضِ حیات	اختلاف تست مقراضِ حیات
۲۶۔	از یک آئینی مسلماں زندہ است	پیکرِ ملت ز قرآں زندہ است
۲۷۔	ماہمہ خاک و دلِ آگاہ اوست	اعتصامش کن کہ ''حبل اللہ'' اوست
۲۸۔	چوں گہر در رشتۂ او سفتہ شو	ورنہ مانندِ غبار آشفتہ شو

۲۴۔ اے (مسلم) تو جو دین کی حقیقتوں سے ناواقف ہے' اگر تو صاحب شعور ہے تو ایک آئین کا دامن تھام لے۔ یہ جو ہر فرقے نے اپنا ایک آئین بنا رکھا ہے یہی ملت کے انتشار کا باعث بنا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ پوری ملت اسلامیہ صرف قرآن کریم کی تعلیمات کو پیش نظر رکھے اور ان پر عمل کرے۔

۲۵۔ میں نے زندگی کی حقیقتوں کی پہچان رکھنے والے سے یہ بات سنی ہے کہ ''تیرا اختلاف زندگی کی قینچی ہے'' جس طرح قینچی کپڑے یا کاغذ کو کاٹ کے رکھ دیتی ہے اسی طرح کسی ملت میں باہمی اختلاف اس کے انتشار کا باعث بنتا ہے جس سے ملت کا وجود ختم ہو سکتا ہے۔

۲۶۔ ایک آئین ہی سے وابستہ رہ کر مسلمان زندہ ہے اور ملت کا جسم قرآن سے زندہ ہے۔ ملت اسلامیہ اسی صورت میں برقرار رہ سکتی اور اپنی بقا اور اپنے ثبات کا سامان کر سکتی ہے جب وہ قرآن کریم سے پوری طرح وابستہ رہے گی اور اس کے مطابق عمل پیرا ہوگی۔

۲۷- ہم سب خاک ہیں اور وہ دل آگاہ ہے۔ لہٰذا (اے مسلم/ملت اسلامیہ) تو اس کا دامن مضبوطی سے تھام لے کیونکہ وہ اللہ کی رسی ہے۔ قرآنی تلمیح کے مطابق "اور تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔" قرآن کریم سے وابستگی کی بدولت ہی تجھے بقا وثبات ہے۔

۲۸- تو موتی کی طرح اس (قرآن) کی لڑی میں پرو دیا رہ، ورنہ تو غبار کی مانند بکھر کر (منتشر ہو کر) رہ جائے گا۔ (وہی مذکورہ بات)۔

در معنیٔ ایں کہ پختگیٔ سیرتِ ملیہ از اتباع آئینِ الٰہیہ است

۱- در شریعت معنیٔ دیگر مجو / غیر ضو در باطنِ گوہر مجو

۲- ایں گہر را خود خدا گوہر گر است / ظاہرش گوہر بطونش گوہر است

۳- علم حق غیر از شریعت ہیچ نیست / اصل سنت جز محبت ہیچ نیست

۴- فرد را شرع است مرقات یقیں / پختہ تر از وے مقاماتِ یقین

۱،۲- تو شریعت کے کوئی دوسرے معنی نہ تلاش کر، موتی کے اندر چمک کے سوا کچھ اور مت ڈھونڈ۔ اس موتی (یعنی شریعت) کو موتی بنانے والی خود اللہ کی ذات ہے۔ اس کا ظاہر بھی موتی اور باطن بھی موتی ہے۔ شریعت اسلامیہ کو موتی سے تشبیہ دے کر یہ جتایا ہے کہ شریعت محمدیؐ سراسر خوبیوں اور صفتوں کی حامل ہے اور اس میں کوئی خرابی یا برائی نہیں ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس کو وجود میں لانے والا یا نافذ کرنے والا خود خدا تعالیٰ ہے۔

۳- شریعت سراسر علم حق ہے کوئی دوسری چیز اور سنت کی اصل/بنیاد محبت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ شریعت خدائے وحدہ لاشریک کے بارے میں حقیقتوں سے ہمیں آگاہ کرتی ہے اور سنت رسول اکرمؐ بنی نوع انسان سے محبت ہے۔ حضور اکرمؐ نے عملاً یہ ثابت کیا کہ آپؐ سراپا شفقت ومحبت ہیں۔ گویا انسان دوستی سنت رسول اکرمؐ کی بنیاد ہے۔ نیز ملت اسلامیہ کی حضور اکرمؐ سے محبت بھی اس میں شامل ہے۔

۴- فرد کے لیے شرع/شریعت یقین کی سیڑھی ہے۔ اسی سے ایمان ویقین کے مقامات/مرحلے زیادہ مستحکم ہوتے ہیں۔ جب فرد (مسلم) شریعت محمدیؐ پر عمل پیرا ہوگا تو اس

کی زندگی سراپا یقین و ایمان بن جائے گی اور اسی یقین کی بدولت ایک عظیم اور سرخروئی و آبرو کی حامل زندگی اس کا مقدر بن جائے گی۔

۵۔ ملت از آئینِ حق گیرد نظام ‖ از نظام محکمے خیزد دوام
۶۔ قدرت اندر علم او پیدا ستے ‖ ہم عصا و ہم ید بیضا ستے
۷۔ با تو گویم سر اسلام است شرع ‖ شرع آغاز است و انجام است شرع
۸۔ اے کہ باشی حکمت دیں را امیں ‖ با تو گویم نکتہ شرع مبیں

۵۔ ملت (اسلامیہ) کا سارا نظام/نظم ونسق آئینِ حق سے وابستہ ہے اور کسی محکم نظام ہی سے بقا وثبات کی بات بنتی ہے۔ (ملت اسلامیہ کا نظام/تنظیم آئینِ حق سے تعلق رکھنے کی بنا پر ایک ایسا محکم و مضبوط نظام ہے جسے فنا نہیں اور اسی باعث ملت اسلامیہ کو بقا حاصل ہے۔ یعنی تا قیامت برقرار رہے گی۔)

۶۔ اس (آئینِ حق) کے علم میں یعنی اسے جاننے میں قوت وقدرت ظاہر ہے' یعنی پیدا ہوتی۔ یہ عصا بھی ہے اور ید بیضا بھی۔ حضرت موسیٰؑ آئینِ حق پر عمل پیرا تھے' جس کی وجہ سے انہیں یہ دو معجزے' قدرت کی طرف سے عطا ہوئے۔ یہ معجزے گویا قوتیں تھیں۔

۷۔ میں تجھے بتاتا ہوں کہ شرع ہی اسلام کی حقیقت ہے۔ اس (اسلام) کا آغاز بھی شرع ہے اور انجام بھی شرع۔ اسلام کی ساری بنیاد شرع پر ہی ہے۔

۸۔ (اے مسلم) تو جو حکمت دیں کا محافظ ہے' تجھے میں شرع مبیں کا نکتہ بتاتا ہوں (اگلے شعر میں یہ نکتہ ہے)

۹۔ چوں کسے گردد مزاحم بے سبب ‖ با مسلماں در ادائے مستحب
۱۰۔ مستحب را فرض گردانیدہ اند ‖ زندگی را عین قدرت دیدہ اند
۱۱۔ روز ہیجا لشکر اعدا اگر ‖ بر گمان صلح گردد بے خطر
۱۲۔ گیرد آساں روزگار خویش را ‖ بشکند حصن و حصار خویش را
۱۳۔ تا نگیرد باز کار او نظام ‖ تا فتن برکشورش آمد حرام

۹'۱۰۔ جب کوئی' کسی مسلمان کا مستحب ادا کرنے میں بلاوجہ/کسی سبب کے بغیر' رکاوٹ ڈالے تو اس موقع پر مستحب کو فرض قرار دیا گیا ہے اور یوں زندگی کو سراسر قوت و اختیار سمجھا گیا ہے۔ (اس کی مثال اگلے تین شعروں میں ہے۔)

۱۱ تا ۱۳۔ لڑائی کے دن/موقع پر دشمن کا لشکر اگر صلح کے خیال سے خود کو محفوظ سمجھنے اور اپنے حالات کو پرسکون خیال کرنے لگے اور اس بنا پر اپنی حفاظت کے تمام سروسامان' قلعہ اور حصار توڑ ڈالے تو جب تک اس کے حالات معمول پر نہ آ جائیں' اس وقت تک اس ملک پر حملہ کرنا حرام ہے۔ ایسے موقعوں پر گویا مستحب کو فرض قرار دیا گیا ہے اور یہ انسان دوستی کی عظیم مثال ہے جو کسی دوسری قوم میں نظر نہیں آتی۔

۱۴۔ سرِ ایں فرمانِ حق دانی کہ چیست؟ — زیستن اندر خطرہا زندگیست
۱۵۔ شرع می خواہد کہ چوں آئی بجنگ — شعلہ گردی' واشگافی کامِ سنگ
۱۶۔ آزماید قوتِ بازوے تو — می نہد الوند پیشِ روے تو
۱۷۔ باز گوید سرمہ ساز الوند را — از تفِ خنجر گداز الوند را

۱۴۔ تجھے کچھ معلوم ہے کہ اس خدائی فرمان کا راز/حقیقت کیا ہے؟ (وہ حقیقت یہ ہے کہ) خطروں میں جینا ہی صحیح معنوں میں زندگی ہے۔ ملت اسلامیہ بزدلی سے کام لینے کی بجائے جس قدر مصیبتوں اور خطروں کا مقابلہ کرے گی' اتنا ہی اس کی بقا اور عظمت کا سامان ہوگا۔

۱۵۔ شرع تجھ سے اس بات کی خواہاں ہے کہ جب کبھی تجھے جنگ لڑنا پڑے تو تو اس موقع پر شعلے کی صورت اختیار کر جا اور پتھر کا حلق/گلا پھاڑ کے رکھ دے۔ یعنی بے خوف ہو کر بڑی جرأت اور دلیری سے دشمن کو' خواہ وہ کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو' ناک چنے چبوا دے۔

۱۶۔ وہ (شرع) تیری قوت بازو کو آزماتی ہے اور اس کے لیے وہ کوہ الوند کو تیرے سامنے رکھ دیتی ہے۔ یعنی خدا تیری قوت و تحمل کو آزمانے کی خاطر تیرے آگے مصیبتوں اور دشواریوں کے بڑے بڑے پہاڑ کھڑے کر دیتا ہے۔

۱۷۔ پھر وہ (شرع) کہتی ہے کہ الوند کو سرمہ بنا دے اور خنجر کی گرمی سے الوند کو پگھلا ڈال۔ مصیبتوں اور دکھوں کے پہاڑوں کو توڑ کے رکھ دے' یعنی بڑی سے بڑی مصیبت کا ڈٹ کر مقابلہ کر اور یوں اپنے لیے راحت و بقا کا سامان کر۔

۱۸۔ نیست ممکن ناتوانے لاغرے — در خورِ سرپنجۂ شیرِ نرے
۱۹۔ باز چوں با صعوہ خوگر می شود — از شکارِ خود زبوں تر می شود
۲۰۔ شارعِ آئین شناسِ خوب و زشت — بہر تو ایں نسخۂ قدرت نوشت

۲۱- از عمل آہن عصب می سازدت　　جائے خوبے در جہاں انداز دت

۱۸- کمزور اور لاغر بھیڑ' شیر نر کے پنجے کے لائق نہیں ہے' شیر نر سے مراد مرد مومن اور کمزور بھیڑ سے مراد چھوٹی چھوٹی یا معمولی سی مصیبتیں اور دشواریاں ہیں۔

۱۹- جب کوئی باز' ممولے کے شکار کا عادی ہو جاتا ہے تو وہ اپنے شکار سے بھی کہیں زیادہ خوار و عاجز ہو جاتا ہے۔ (وہی بات دوسرے انداز میں)

۲۰- حضور اکرمؐ نے جو اچھے اور برے کے آئین کے ماہر ہیں' تیرے لیے قوت و قدرت کا یہ (عظیم) نسخہ لکھا ہے۔ (اس میں عمل یعنی جدوجہد کی تلقین ہے)۔

۲۱- (حضور اکرم کا یہ نسخہ) عمل سے تجھے فولادی اعصاب والا بنا دیتا اور دنیا میں تجھے اعلیٰ مقام پر فائز کر دیتا ہے۔ جدوجہد اور پیہم عمل ہی سے انسان اعلیٰ مقام حاصل کرتا ہے۔ اگر وہ معمولی سی یا چھوٹی چھوٹی مصیبتوں اور دشواریوں سے گھبرا/ ڈر جائے تو اس کی زندگی سراسر بے مقصد اور بیکار ہو کر رہ جاتی ہے۔

۲۲- خستہ باشی استوارت می کند　　پختہ مثل کوہسارت می کند

۲۳- ہست دین مصطفیٰؐ دین حیات　　شرع او تفسیر آئین حیات

۲۴- گر زمینی' آسمان سازد ترا　　آنچہ حق می خواہد آں سازد ترا

۲۵- صیقلش آئینہ سازد سنگ را　　از دل آہن رباید' زنگ را

۲۲- اگر تو دلگیر/ دل آزردہ ہے تو وہ (عمل) تجھے مضبوط دل والا بنا دے گا اور تجھے پہاڑ کی مانند محکم اور اٹل بنا دے گا۔ جدوجہد اور عمل پیہم سے انسان میں عظیم قوتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور وہ ہر طرح کے غموں دکھوں سے بے نیاز ہو کر سکون و راحت کی زندگی بسر کرتا ہے۔

۲۳- حضور اکرم مصطفیٰؐ کا دین (دین اسلام) دین حیات ہے اور شرع محمدیؐ زندگی کے آئین کی تفسیر ہے۔ یعنی یہ شرع ہمیں بتاتی ہے کہ صحیح معنوں میں ایک مومن کو کس طرح زندگی بسر کرنی چاہیے (اور وہ ہے جدوجہد و عمل پیہم)

۲۴- اگر تو زمین کی طرح پستی میں زندگی گزار رہا ہے تو شرع پر عمل سے تجھے آسمان کی سی سربلندی حاصل ہو گی اور پھر جو کچھ خدا تعالیٰ کو منظور ہو گا' وہی کچھ تجھے بنا دے گا' اسی مقام و مرتبہ سے تجھے نوازے گا۔

۲۵- اس (شرع) کا صیقل' پتھر کو آئینہ بنا دیتا ہے اور آہن/ لوہے کے دل سے زنگ دور

کر دیتا ہے۔ (یہاں تمثیل سے کام لے کر مذکورہ بالا بات کہی ہے)۔

۲۶۔ تا شعارِ مصطفیٰؐ از دست رفت | قوم را رمزِ بقا از دست رفت
۲۷۔ آں نہالِ سر بلند و استوار | مسلمِ صحرائی اشتر سوار
۲۸۔ پاے تا در وادیِ بطحا گرفت | تربیت از گرمیِ صحرا گرفت
۲۹۔ آں چناں کاہید از بادِ عجم | ہمچو نے گردید از بادِ عجم

۲۶۔ جب سے حضرت مصطفیٰؐ کی سنت کا دامن (ملت اسلامیہ) کے ہاتھ سے چھوٹا ہے، وہ بقا کی حقیقت ہی سے نا آشنا ہو گئی ہے۔ اس میں پہلے جیسے بلند جذبے نہیں رہے اور یوں زوال کی شکار ہو رہی ہے۔

۲۷، ۲۹۔ وہ سر بلند اور محکم شجر یعنی اونٹ سوار صحرائی مسلمان (قد کاٹھ والا، معزز اور ثابت قدم مسلمان) جس نے جب وادیٔ بطحا میں قدم جمائے تو صحرا کی گرمی سے تربیت حاصل کی (یعنی سنتِ رسولؐ اکرم پر عمل کرتے ہوئے اپنی زندگی میں ایک عظیم انقلاب پیدا کر لیا، لیکن جب اس نے شرع و سنت کا دامن چھوڑ دیا تو) وہ عجم کی ہوا سے اس قدر کاہش کا شکار ہو گیا کہ اس ہوا سے وہ نے کی صورت اختیار کر گیا۔ درخت/شجر کے حوالے سے ہوا اور گھٹنے یا سکڑنے کی بات کی ہے۔ مراد یہ کہ وہ مسلم ایرانی تہذیب و تمدن سے متاثر ہو کر اپنی بقا سے بے بہرہ ہو گیا۔

۳۰۔ آں کہ کشتے شیر را چوں گوسفند | گشت از پامالِ مورے درد مند
۳۱۔ آنکہ از تکبیر او سنگ آب گشت | از صفیرِ بلبلے بیتاب گشت
۳۲۔ آں کہ عزمش کوہ را کاہے شمرد | با توکل دست و پاے خود سپرد
۳۳۔ آنکہ ضربش گردنِ اعدا شکست | قلبِ خویش از ضربِ ہاے سینہ خست

۳۰۔ وہ مسلمان جو کبھی شیر کا شکار اس طرح کیا کرتا تھا جیسے بھیڑ بکری کا شکار کر رہا ہو، اب اس کی یہ حالت ہو گئی کہ ایک چیونٹی کے روندے جانے پر بھی اس کو دکھ پہنچنے لگا۔ (ان اشعار میں مسلمانوں کی سنت و شرع سے وابستگی کے عظیم نتائج اور اس سے دور ہونے کے تکلیف دہ نتیجوں کی تصویر کشی کی گئی ہے)

۳۱۔ وہ مسلمان جس کی تکبیر (نعرہ اللہ اکبر) سے کبھی پتھر بھی پانی ہو جایا کرتے تھے، اب وہ بلبل کی چہچہاہٹ/آواز پر بھی تڑپ اٹھنے لگا۔ (یہ سب کم ہمتی اور کمزور دلی کی علامتیں ہیں)

۳۲- وہ جس کا پختہ ارادہ کبھی پہاڑ کو بھی تنکا سمجھا کرتا تھا (یعنی بڑی بڑی مصیبتوں اور دشواریوں سے بھی نہیں گھبراتا تھا' جو نتیجہ تھا اس کے پیہم عمل اور جدوجہد کا)' اب اس نے اپنے ہاتھ پاؤں توکل کے سپرد کر دیے۔ یعنی بغیر جدوجہد اور عمل کے خدا پہ بھروسا کرنا شروع کر دیا' جس کی اسلام میں اجازت نہیں ہے۔ ایک موقع پر ایک بدو حضورؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اپنا اونٹ باہر کھلا چھوڑ آیا۔ حضورؐ کے پوچھنے پر کہ اونٹ کو باندھ آئے ہو؟ اس نے کہا: ''اللہ توکل کھلا چھوڑ آیا ہوں۔'' حضورؐ نے فرمایا: ''پہلے اسے باندھو پھر توکل پر چھوڑو۔'' بقولِ رومیؒ:

بر توکل زانوے اشتر ببند

بقول ایک پنجابی صوفی شاعر کے:

مالی دا کم پانی پانا بھر بھر مشکاں پاوے
مولا دا کم پھل پھل لانا' لاوے یا نہ لاوے

۳۳- وہ کہ جس کی جرأت و دلیری کا کبھی یہ عالم تھا کہ اس کا وار دشمن کی گردن توڑ کے رکھ دیا کرتا تھا' اب اس نے اپنے سینے کی ضربوں (سینہ کوبی) سے اپنا دل زخمی کر لیا۔

۳۴- آنکہ کاوش نقش صد ہنگامہ بست — پاے اندر گوشہ عزلت شکست
۳۵- آں کہ فرمانش جہاں را ناگزیر — بر درش اسکندر و دارا فقیر
۳۶- کوشش او با قناعت ساز کرد — تا بہ کشکول گدائی ناز کرد

۳۴- وہ کہ جس کے قدموں نے سیکڑوں معرکوں کے نقش کھینچے (بڑے بڑے معرکے مارے) تھے' اب اس نے گوشۂ تنہائی میں اپنے پاؤں توڑ لیے۔ پہلے اس نے جہد و عمل کی راہ پر گامزن ہو کر بڑے بڑے معرکے انجام دیے' اب وہ جہد و عمل سے بالکل بیگانہ ہو گیا' گویا گوشۂ تنہائی میں جا بیٹھا۔

۳۵'۳۶- وہ کہ جس کے فرمان پر دنیا کے لیے عمل کرنا لازمی تھا اور سکندر و دارا جیسے بڑے بڑے بادشاہ اس کے در کے فقیر تھے (یعنی اس کے مقابلے میں بڑے بڑے بادشاہوں کی کوئی حیثیت نہ تھی) اب اس کی کوشش نے قناعت سے موافقت کر لی' یہاں تک کہ وہ کشکول گدائی پر فخر کرنے لگا/ اترانے لگا۔ اس کی بے عملی اور شرع و سنت سے بیگانگی اس کے لیے ذلت کا باعث بن گئی لیکن اسے اس کا احساس تک نہ ہوا بلکہ دوسروں/ دوسری قوموں کے آگے سر جھکانا اس کے لیے فخر کی بات بن گئی۔

۳۷۔ شیخ احمد سید گردوں جناب — کاسب نور از ضمیرش آفتاب
۳۸۔ گل کہ می پوشد مزار پاک او — لاالہ گویاں دم از خاک او
۳۹۔ با مریدے گفت "اے جانِ پدر — از خیالاتِ عجم باید حذر
۴۰۔ زانکہ فکرش گرچہ از گردوں گذشت — از حد دین نبیؐ بیروں گذشت"
۴۱۔ اے برادر ایں نصیحت گوش کن — پند آں آقائے ملت گوش کن
۴۲۔ قلب را زیں حرف حق گرداں قوی — با عرب در ساز تا مسلم شوی

۳۷، ۴۰۔ شیخ احمد رفاعی جو پیشوا تھے اور جن کا آستانہ آسمان کی سی عظمت والا تھا' ان کا باطن/ضمیر اتنا روشن تھا کہ سورج بھی اس سے روشنی حاصل کرتا تھا اور وہ پھول جو ان کے پاک مزار کو ڈھانپتے ہیں' وہ "لاالہ" کا ورد کرتے ہوئے ان کی خاک سے پھوٹ نکلتے/اگتے ہیں۔ گویا توحید الٰہی پر ان کا اتنا پختہ ایمان تھا کہ اس کا اثر ان کی خاک تک پہنچا ہوا تھا' (ایک دن) اپنے ایک مرید سے کہنے لگے: "اے جان پدر (اے میرے عزیز) عجمی نظریات وافکار سے دور رہنا ضروری ہے' اس لیے کہ اگرچہ بلندی کے لحاظ سے وہ آسمان سے بھی آگے ہیں لیکن دین نبیؐ کی حدوں سے باہر ہیں۔ غالباً ان ایرانی صوفیا کے نظریات کی طرف اشارہ ہے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق نہیں ہیں' بالخصوص نظریہ توکل' جو انسان کو جہد وعمل سے روکنے کا باعث بنتا ہے۔

۴۱۔ سو اے بھائی تو یہ نصیحت ذرا غور سے سن اور ان آقائے/پیشوائے ملت کی یہ نصیحت کان لگا کر سن۔

۴۲۔ تو اس حقیقت کی حامل بات اور نصیحت سے اپنے دل کو مضبوط کر لے اور عرب کے ساتھ رشتہ قائم کیے رکھ (یعنی صحیح اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا رہ) تاکہ تو صحیح معنوں میں مسلمان/مومن بن کے رہے۔

در معنیٰ ایں کہ حسن سیرتِ ملیہ از تادب بہ آداب محمدیہ است

(اس باب میں کہ ملی سیرت کا حسن/خوبی محمدیؐ آداب سیکھنے میں ہے)

۱۔ سائلے مثل قضائے مبرمے — بر در ما زد صدائے پیہمے
۲۔ از غضب چوبے شکستم برسرش — حاصل دریوزہ افتاد از برش

۳۔ عقل در آغاز ایام شباب می نیندیشد صواب و ناصواب

۱۔ (ایک روز) ایک گداگر ایک اٹل قضا کی مانند ہمارے دروازے پر آ کر مسلسل صدا لگانے لگا۔

۲۔ میں (علامہ) نے غصے کے عالم میں اس کے سر پر اس زور سے چھڑی ماری کہ وہ ٹوٹ گئی اور بھیک مانگنے سے اب تک جو کچھ اسے ملا تھا وہ سب اس کی جھولی سے زمین پر گر گیا۔

۳۔ (بات یہ ہے کہ) آغاز جوانی کے دنوں میں عقل جائز اور ناجائز/صحیح اور غلط کے بارے میں ذرا کم ہی سوچتی ہے' یا بالکل نہیں سوچتی۔ صواب و ناصواب کی پروا نہیں کرتی' جو جی میں آتا ہے اس کے نتیجے میں بے پروا ہو کر نوجوان کر گزرتا ہے۔

۴۔ از مزاج من پدر آزردہ گشت لالہ زار چہرہ اش افسردہ گشت
۵۔ بر لبش آہے جگر تابے رسید درمیان سینہ او دل تپید
۶۔ کوکبے در چشم او گردید و ریخت بر سر مژگاں دمے تابید و ریخت
۷۔ ہمچو آں مرغے کہ در فصل خزاں لرزد از باد سحر در آشیاں
۸۔ در تنم لرزید جانِ غافلم رفت لیلائے شکیب از محملم

۴۔ میرے مزاج' یعنی میری اس حرکت سے میرے والد آزردہ خاطر ہو گئے اور ان کے چہرے کا لالہ زار مرجھا کے رہ گیا۔ ان کے چہرے کی سرخی ختم ہو گئی۔

۵۔ ان کے لبوں سے جگر کو جلا دینے والی آہ نکلی اور ان کے سینے میں دل تڑپ اٹھا۔

۶۔ ان کی آنکھوں میں ایک ستارہ/آنسو ابھرا اور گر گیا۔ وہ آنسو کچھ دیر پلکوں پر چمک کر نیچے گر گیا۔

۷،۸۔ (اس صورت حال کے نتیجے میں میری حالت) اس پرندے کی سی ہو گئی جو موسم خزاں میں' اپنے آشیانے میں صبح کی ہوا سے کانپنے لگتا ہے' اور میرے جسم میں میری غافل/بے پروا جان کانپ اٹھی اور میری محمل سے صبر کی لیلیٰ نکل گئی' یعنی صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

۹۔ گفت فردا امت خیر الرسلؐ جمع گردد پیش آں مولائے کلؐ
۱۰۔ غازیانِ ملت بیضائے اوؐ حافظانِ حکمت رعنائے اوؐ
۱۱۔ ہم شہیدانے کہ دیں را حجت اند مثل انجم در فضائے ملت اند

۱۲- زاہدان و عاشقانِ دل فگار عالمان و عاصیانِ شرمسار

۱۳- درمیان انجمن گردد بلند نالہ ہائے ایں گدائے دردمند

۹- (والد صاحب) بولے: کل جب قیامت کے روز رسولوں میں افضل رسولؐ (حضور اکرم) کی امت' ان مولائے کلؐ کے سامنے اکٹھی ہوگی' جس میں:

۱۰'۱۲- حضورؐ کی ملت بیضا کے غازی' حضورؐ کی حکمت رعنا (قرآن کریم) کے حافظ (حفظ قرآن کرنے والے)' نیز وہ شہدا جو دین کے دلیل/حجت کی حیثیت رکھتے ہیں اور جو ملت کی فضا میں ستاروں کی مانند ہیں' پھر وہ متقی اور پرہیزگار اور دل فگار عاشق' نیز علماء اور اپنے گناہوں پر شرمندہ گنہگار جمع ہوں گے (تو اس موقع پر)

۱۳- اس محفل میں اس دردمند گداگر کے نالے بلند ہوں گے۔

۱۴- اے صراطت مشکل از بے مرکبی من چہ گویم چوں مرا پرسد نبیؐ

۱۵- حق جوانے مسلمے با تو سپرد کو نصیبے از دبستانم نبرد

۱۶- از تو ایں یک کار آساں ہم نشد یعنی آں انبارِ گل آدم نشد

۱۷- در ملامت نرم گفتار آں کریم من رہینِ خجلت و امید و بیم

۱۸- اندکے اندیش و یاد آر اے پسر اجتماعِ امتِ خیر البشرؐ

۱۴'۱۶- اے بیٹے! تو کہ تیرا راستہ سواری کے بغیر کٹھن ہے (نیک اعمال کے بغیر زندگی کٹھن ہے) ذرا یہ بتا کہ حضور نبی کریمؐ جب مجھ سے یہ سوال فرمائیں گے کہ "خدا تعالیٰ نے ایک مسلمان نوجوان تیرے سپرد کیا تھا' جس نے میرے مکتب یعنی میری تعلیمات سے کچھ بھی حاصل نہ کیا' تجھ سے یہ آساں کام بھی نہ ہو سکا' یعنی تو اس مٹی کے ڈھیر (اپنے بیٹے) کو انسان نہ بنا سکا؟" یعنی حضورؐ کا یہ فرمان اس بات کی دلیل ہوگا کہ میں تیری صحیح تربیت نہ کر سکا۔

۱۷- وہ ذات گرامی' وہ مہربان ہستیؐ ڈانٹ ڈپٹ میں بھی نرمی اور حلیمی میں گفتار فرما رہی تھی جبکہ میں شرمندگی اور امید و بیم میں ڈوبا ہوا تھا/امید و بیم کا شکار تھا۔

۱۸- سو اے بیٹے! تو ذرا سوچ اور خیر البشرؐ حضور اکرمؐ کی امت کی اس محفل کو ذہن میں لا۔ وہ منظر ذرا آنکھوں کے سامنے لا۔

۱۹- باز ایں ریشِ سفیدِ من نگر لرزۂ بیم و امیدِ من نگر

۲۰- بر پدر ایں جورِ نازیبا مکن پیشِ مولاؐ بندہ را رسوا مکن

۲۱۔ غنچہ ای از شاخسارِ مصطفیٰؐ — گل شو از بادِ بہارِ مصطفیٰؐ
۲۲۔ از بہارشؐ رنگ و بو باید گرفت — بہرہ ے از خلقِ اوؐ باید گرفت

۱۹۔ نیز میری سفید ڈاڑھی (جو بڑھاپے کی علامت ہے) پر نظر کر (اس کا خیال کر) اور امید اور خوف کے باعث مجھ پر جو کپکپی طاری ہے اس پر بھی توجہ کر (اپنی یہ غصے کی عادت ترک کر کے مجھے حضورؐ کی بارگاہ میں شرمندہ ہونے سے بچالے)

۲۰۔ تو اپنے اس بوڑھے باپ سے نامناسب ظلم نہ کر' آقا/حضور اکرمؐ کے حضور اس غلام (اپنے باپ) کو رسوا نہ کر۔

۲۱۔ تو حضور اکرم مصطفیٰؐ کی شاخ کا ایک غنچہ ہے۔ حضرت مصطفیٰؐ کی بادِ بہاری سے پھول بن جا۔ تیرا تعلق حضور اکرمؐ کی ملت یعنی مصطفیٰؐ ملت اسلامیہ/محمدیہؐ سے ہے۔ لہٰذا حضورؐ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اپنی زندگی سنوار لے۔

۲۲۔ حضور اکرمؐ کی بہار سے رنگ و بو حاصل کرنا چاہیے اور حضورؐ ہی کے خلقِ عظیم سے کچھ حصہ لینا ضروری ہے۔ یعنی تجھے بھی نرمی اور حلیمی اختیار کرنی چاہیے اور حضورؐ کی اعلیٰ و عظیم تعلیمات پر عمل کرنا چاہیے۔

۲۳۔ مرشد رومیؒ چہ خوش فرمودہ است — آنکہ یم در قطرہ اش آسودہ است
۲۴۔ مگسل از ختم الرسلؐ ایامِ خویش — تکیہ کم کن بر فن و بر گامِ خویش"
۲۵۔ فطرتِ مسلم سراپا شفقت است — در جہاں دست و زبانش رحمت است
۲۶۔ آں کہ مہتاب از سرِ انگشتش دونیم — رحمتِ او عام و اخلاقش عظیم
۲۷۔ از مقامِ او اگر دور ایستی — از میانِ معشرِ ما نیستی

۲۳۔ مرشد رومیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے۔ وہ رومیؒ جن کے قطرے میں سمندر/دریا سمٹا ہوا ہے' غالباً مراد یہ ہے کہ ان کا ہر ہر شعر ایک عظیم فکر کا حامل ہے۔

۲۴۔ (ان کا فرمان یہ ہے کہ) تو حضور ختم الرسلینؐ سے اپنا تعلق و ناطہ مت توڑ اور اپنے فن و ہنر اور اپنی رفتار پر بھروسہ نہ کر' ان کا سہارا نہ لے۔ اپنی چھوٹی موٹی خوبیوں پر مت اترا بلکہ حضورؐ کی عظیم تعلیمات کو اپنا پیرایہ عمل بنا کر اپنی زندگی سنوار لے۔ (یہ شعر مثنوی رومی کے چوتھے دفتر میں ہے۔ ایرانی نسخوں میں پہلا مصرع یوں ہے: "مگسل از پیغمبرؐ ایامِ خویش"

۲۵۔ ایک مرد مومن/مسلم کی سرشت سراسر شفقت اور پیار کی حامل ہے۔ دنیا میں کیا اس

کے ہاتھ اور کیا اس کی زبان بھی سراپا رحمت ہیں۔ یعنی وہ نہ تو اپنے ہاتھوں سے کسی کو اذیت پہنچاتا ہے اور نہ اپنی زبان سے کسی کی دل آزاری کا سامان کرتا ہے۔

۲۶، ۲۷۔ وہ ذات گرامیؐ جن کی انگشت مبارک سے چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے' ان کی رحمت عام ہے' یعنی حضور اکرمؐ سراپا رحمت تھے' اور آپ کا حسن اخلاق کمال کو پہنچا ہوا تھا (سوائے بیٹے!) اگر تو حضورؐ کے مقام سے دور رہے گا (حضورؐ کی تعلیمات کو نہ اپنائے گا) تو پھر تو ہماری جماعت میں سے نہ ہوگا۔

۲۸۔ تو کہ مرغِ بوستانِ ماستی　　ہم صفیر و ہم زبانِ ماستی
۲۹۔ نغمہ ے داری اگر تنہا مزن　　جز بہ شاخِ بوستانِ ما مزن
۳۰۔ ہرچہ ہست از زندگی سرمایہ دار　　میرد اندر عنصرِ ناسازگار

۲۸، ۲۹۔ تو جو ہمارے چمن کا پرندہ اور ہمارا ہم صفیر اور ہم زبان ہے' تو اگر تیرے پاس کوئی نغمہ ہے تو اسے تنہا نہ الاپ اور ہمارے چمن کی شاخ کے سوا (ایسا نغمہ) اور کہیں نہ چھیڑ۔ تو ملت اسلامیہ کا ایک فرد ہے' اس لیے تیری سوچ اور تیرے افکار و خیالات ملت کے جذبوں سے ہم آہنگ ہونے چاہئیں۔

۳۰۔ آج جو بھی زندگی کی دولت سے مالا مال ہے (زندہ ہے)' کل وہ ناموافق عناصر/حالات کے ہاتھوں دم توڑ جائے گا۔ مراد یہ کہ یہ جو چند روزہ زندگی ہے' اسے ملت کے لیے وقف رکھ تا کہ تیرا اور ملت دونوں کا بھلا ہو۔

۳۱۔ بلبل استی؟ در چمن پرواز کن　　نغمہ ے با ہم نوایاں ساز کن
۳۲۔ در عقاب استی تہ دریا مزی　　جز بخلوت خانۂ صحرا مزی
۳۳۔ کوکبی؟ می تاب بر گردونِ خویش　　پا منہ بیروں ز پیرامونِ خویش

۳۱، ۳۳۔ تو اگر بلبل ہے تو چمن میں پرواز کر اور ہم نواؤں کے ساتھ مل کر نغمہ الاپ/ چہچہا' اور اگر تو عقاب ہے تو دریا کی تہ میں زندگی بسر نہ کر۔ (عقاب ہونے کی صورت میں) صحرا کے خلوت خانہ کے سوا اور کہیں زندگی بسر نہ کر۔ تو کوئی ستارہ ہے؟ (اگر تو کوئی ستارہ ہے) تو پھر اپنے ہی آسمان پر چمکتا رہ اور اپنے ماحول سے پاؤں باہر مت نکال۔ ان مختلف مثالوں سے صرف یہ کہنا مقصود ہے کہ تو جو کچھ بھی ہے' اپنی ملت سے بہر طور وابستہ رہ اور اس کے دستور و آئین پر عمل پیرا رہ۔

۳۴۔ قطرۂ آبے گر از نیساں بری　　در فضائے بوستانش پروری

۳۵- تا مثال شبنم از فیض بہار — غنچۂ نگہش بگیرد در کنار
۳۶- از شعاع آسماں تاب سحر — کز فسونش غنچہ می بندد شجر
۳۷- عنصر نم برکشی از جوہرش — ذوق رم از سالمات مضطرش
۳۸- گوہرت جز موج آبے ہیچ نیست — سعی تو غیر از سرابے ہیچ نیست

۳۴'۳۸- اگر تو نیساں کے بادل سے پانی کا ایک قطرہ پالے اور بوستان / چمن میں اس کی پرورش کرے تاکہ شبنم کی مانند وہ کسی بند کلی کو اپنی آغوش میں لے لے' اور آسمان کو روشن کرنے والی صبح کی شعاع سے' جس کے سحر سے' درخت شگوفوں سے آراستہ ہو جاتے ہیں (درختوں پر شگوفے پھوٹ پڑتے ہیں)' تو اس کے جوہر سے نمی کا عنصر کھینچ لے اور اس کے بے قرار اجزائے ترکیبی سے گریز / رم کا ذوق چھین لے' تو بھی (یعنی ان سب باتوں کے باوجود) تیرا گوہر پانی کی لہر (یعنی بوند) کے سوا کچھ اور قرار نہ پائے گا اور تیری سعی و کوشش سراب کے سوا کچھ اور نہ ہوگی۔ یعنی تیرا یہ خیال کہ وہ قطرہ' موتی بن جائے' ہرگز ایسا نہ ہوگا۔ ملت سے باہر رہ کر تو کتنا ہی عظیم بننے کی کوشش کیوں نہ کرے' سب بے سود ہوگا۔ اگلے اشعار میں ان باتوں کی گویا وضاحت ہے۔

۳۹- دریم اندازش کہ گردد گوہرے — تاب او لرزد چو تاب اخترے
۴۰- قطرۂ نیساں کہ مہجور از یم است — نذر خاشاکے مثال شبنم است
۴۱- طینت پاک مسلماں گوہر است — آب و تابش از یم پیغمبر است
۴۲- آب نیسانی' بآغوشش درآ — وز میان قلزمش گوہر بر آ
۴۳- در جہاں روشن تر از خورشید شو — صاحب تابانی جاوید شو

۳۹'۴۰- تو اس قطرے کو سمندر میں ڈال تاکہ وہ (صحیح معنوں میں) موتی بنے اور اس کی چمک ستارے کی چمک کی مانند جھلملائے (اس لیے کہ نیسان کا جو قطرہ سمندر سے دور رہتا ہے وہ شبنم کی مانند خاشاک کی نذر ہو جاتا ہے۔ (ملت سے دور رہنے والے کی کوئی حیثیت واہمیت نہیں ہوتی)۔

۴۱- مسلمان کی پاک فطرت گویا موتی / گوہر ہے۔ اس کی چمک دمک حضور نبی کریمؐ کے سمندر سے ہے۔ حضور اکرمؐ کی تعلیمات پر عمل ہی سے مسلمان دنیا میں سربلندی و آبرو حاصل کرتا ہے۔

۴۲- تو جو نیساں کا پانی (قطرہ ہے) تو اس سمندر (حضورؐ) کی آغوش میں آجا اور حضورؐ

کے سمندر میں سے گوہر بن کر نکل۔

۴۳۔ پھر دنیا میں سورج سے بھی بڑھ کر تابناک ہو جا اور ہمیشہ ہمیشہ کی تابانی / چمک دمک والا بن جا۔ یعنی حضور اکرمؐ سے وابستگی اور آپ کی شرع و آئین پر عمل سے تیری زندگی صحیح معنوں میں سرخروئی کی اور باعظمت زندگی ہوگی۔ بصورتِ دیگر (یعنی ملت محمدیہؐ سے تعلق نہ رکھنے کی بنا پر) تیری زندگی بے وقعت و بے حیثیت ہو کر رہ جائے گی۔

در معنیِ ایں کہ حیاتِ ملیہ مرکز محسوس می خواہد و مرکز ملت اسلامیہ بیت الحرام است

(اس موضوع پر کہ کسی ملت کی بقا محسوس مرکز کی طالب ہے اور ملت اسلامیہ کا یہ مرکز بیت الحرام یعنی کعبہ ہے)

۱۔	می کشایم عقدہ افکارِ حیات	سازمت آگاہ و اسرارِ حیات
۲۔	چوں خیال از خود رمیدن پیشہ اش	از جہت دامن کشیدن پیشہ اش
۳۔	در جہانِ دیر و زود آید چساں؟	وقت او فردا و دی زاید چساں؟
۴۔	گر نظر داری یکے بر خود نگر	جز رمِ پیہم نہ ای اے بے خبر

۱۔ میں زندگی کے معاملے کی گتھی سلجھاتا ہوں اور تجھے زندگی کے اسرار / حقیقتوں سے آگاہ کرتا ہوں۔

۲۔ خیال کی مانند اپنے آپ سے بھاگنا اس کا شیوہ / شغل ہے اور اطراف سے دامن کشاں رہنا اس کا پیشہ ہے (یعنی کبھی ایک طرف، کبھی دوسری طرف)

۳۔ اس دنیا میں جس میں دیر اور زود (جلدی، دیر کی ضد) یعنی وقت کا سلسلہ ہے وہ (حیات) کس طرح آتی ہے؟ یعنی کس طرح عمل پیرا ہوتی ہے اور اس کا وقت ماضی اور مستقبل کس طرح پیدا کرتا ہے؟

۴۔ اگر تو صاحب نظر / بصیرت ہے تو ذرا خود پر ہی نظر ڈال، (اس سے تجھے) اے بے خبر! پتا چل جائے گا کہ تو بھی مسلسل بھاگ دوڑ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یعنی زندگی کی ضروریات پوری کرنے کے لیے انسان مسلسل تگ و دو کرنے میں مصروف رہتا ہے۔

۵- تا نماید تاب تا مشہودِ خویش — شعلۂ او پردہ بند از دودِ خویش
۶- سیر او را تا سکوں بیند نظر — موجِ جوشش بستہ آمد در گہر
۷- آتشِ او دم بخویش اندر کشید — لالہ گردید و ز شاخے بردمید
۸- فکرِ خامِ تو گراں خیز است و لنگ — تہمتِ گل بست بر پروازِ رنگ

۵- اس خاطر کہ وہ (زندگی) اپنی غیر موجود/ان دیکھی تجلی ظاہر کرے' اس کا شعلہ اپنے دھوئیں سے پردہ پوش/ چھپا ہوتا ہے۔

۶- اور اس خاطر کہ نظر اس کی گردش کو سکون/ ٹھہراؤ کی حالت میں دیکھے' اس کی ندی کی لہر' موتی میں سٹ جاتی ہے جس طرح پانی کی موج ٹھہراؤ کی صورت میں موتی بن جاتی ہے' کچھ یہی کیفیت زندگی کی ہے۔

۷- اس کی آگ نے جب اپنے اندر دم کھینچ لیا (جب زندگی نے اپنی آگ کو اپنے اندر پوشیدہ رکھا تو) وہ گلِ لالہ کی صورت ایک ٹہنی سے پھوٹ پڑی۔

۸- تیری خام سوچ سست و کاہل بھی ہے اور لنگڑی بھی' اس (سوچ) نے رنگ کی پرواز پر پھول ہونے کی تہمت لگا دی۔ غالباً یہ مراد ہے کہ تیری فکر زندگی کی حقیقتوں اور مقصدوں سے کما حقہ باخبر نہیں ہے۔ (زندگی کیا ہے؟ اگلے شعروں میں اس کی وضاحت ہے)

۹- زندگی مرغِ نشیمن ساز نیست — طائرِ رنگ است و جز پرواز نیست
۱۰- در قفس وا ماندہ و آزاد ہم — با نواہا می زند فریاد ہم
۱۱- از پرِ خود کردہ جوید دمبدم — چارۂ پرواز شوید دم بدم
۱۲- عقدہ ہا خود می زند در کارِ خویش — باز آساں می کند دشوارِ خویش

۹- زندگی آشیانہ بنانے والا کوئی پرندہ نہیں ہے' وہ تو رنگ کا پرندہ ہے اور پرواز کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یعنی صحیح زندگی مسلسل حرکت میں رہتی ہے۔ جہد و عمل میں لگی رہتی ہے' اس میں ٹھہراؤ نہیں ہے۔

۱۰- وہ پنجرے میں قید بھی ہے اور آزاد بھی' وہ چہچہوں کے ساتھ ساتھ دہائی بھی دیتی یا فریاد بھی کرتی ہے۔ گویا اس میں ہر طرح کے نشیب و فراز آتے ہیں لیکن وہ ہر لمحہ گامزن رہتی ہے' رکتی نہیں۔

۱۱- وہ ہر لمحہ اپنے پروں سے پرواز درست کرتی رہتی اور اپنے کیے کا علاج بھی ہر پل

تلاش کرتی رہتی ہے۔ (زندگی کو چونکہ پرندے سے تشبیہ دی ہے اس لیے اسی حوالے سے اس کی وضاحت کی جارہی ہے)۔ گویا وہ ہر لحظہ نت نئی پرواز پر یعنی نت نئے عمل کی راہ پر گامزن رہنے پر تیار رہتی ہے اور اپنی خامیوں کوتاہیوں کا علاج / چارہ بھی خود کرتی ہے۔

۱۲۔ وہ خود ہی اپنے کاموں میں الجھاؤ ڈالتی اور پھر خود ہی اپنی مشکل کو آسان کر لیتی ہے۔ گویا وہ اپنی قوت یا قوتِ عمل کو آزمانے کی خاطر یہ الجھاؤ ڈالتی اور اپنے مسائل خود حل کرتی ہے۔

۱۳۔ پا بگِل گردد حیاتِ تیز گام — تا دوبالا گردش ذوقِ خرام
۱۴۔ سازہا خوابیدہ اندر سوزِ او — دوش و فردا زادۂ امروزِ او
۱۵۔ دمبدم مشکل گر و آساں گذار — دمبدم نو آفرین و تازہ کار
۱۶۔ گرچہ مثلِ بو سراپایش رم است — چوں وطن در سینۂ گیرد دم است

۱۳۔ تیز رفتار زندگی اپنے پاؤں کیچڑ میں پھنسا لیتی ہے تاکہ اس کے چلنے یا اس کی رفتار کا ذوق دگنا ہو جائے / بڑھ جائے۔ علامہ نے اس قسم کی تمام مثالوں سے یہ واضح کرنا چاہا ہے کہ زندگی کسی بھی قسم کے مسائل و مصائب سے ڈرنے کی بجائے ان کا دلیری سے مقابلہ کرتی اور اس ضمن میں اپنی قوت آزماتے ہوئے اپنی مسلسل کوششوں اور جہد و عمل سے آگے بڑھتی چلی جاتی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ زندگی بذاتِ خود کوئی چیز نہیں' اس سے مراد وہ انسان ہے جو اس قسم کی زندگی کا حامل ہوتا ہے۔

۱۴۔ اس کے سوز میں کئی ساز سوئے پڑے ہیں۔ گزرا ہوا کل یعنی ماضی اور آنے والا کل (مستقبل) اس کے آج (حال) کی پیداوار ہیں۔ گویا اس کی تپش میں بھی کئی راحتیں ہیں اور شاندار ماضی' شاندار مستقبل (ہر دور) بھی اس کی بروقت کوششوں اور عمل کا نتیجہ ہیں۔

۱۵۔ وہ ہر لحظہ اپنے لیے مشکل / مشکلیں پیدا کرنے والی بھی ہے اور آسانیاں پیدا کرنے والی بھی' نیز وہ ہر لحظہ نئی چیز / چیزیں بنانے والی بھی ہے اور نئے انداز اپنانے والی بھی۔ گویا وہ ایک مستقل ڈگر پر نہیں رہتی بلکہ نت نئی جدتیں پیدا کرتی اور نئی نئی تخلیقات کرتی رہتی ہے تاکہ اپنے لیے عظمت و سربلندی کا سامان کرے۔

۱۶۔ اگرچہ خوشبو کی طرح وہ سراسر پرواز ہی پرواز ہے لیکن جب وہ کسی سینے میں ٹھکانا

کرتی ہے تو وہ سانس کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔

۱۷۔ رشتہ ہائے خویش را بر خود تند / تکمہ ئے گردد گرہ بر خود زند
۱۸۔ در گرہ چوں دانہ دارد برگ و بر / چشم بر خود وا کند گردد شجر
۱۹۔ خلعتے از آب و گل پیدا کند / دست و پا و چشم و دل پیدا کند
۲۰۔ خلوت اندر تن گزیند زندگی / انجمن ہا آفریند زندگی

۱۷۔ زندگی اپنے ممکنات کے دھاگوں کو اپنے اوپر تنتی رہتی ہے اور کبھی گھنڈی بن کر خود پر گرہ لگا لیتی / دیتی ہے۔
۱۸۔ وہ اپنی گرہ / جیب میں برگ و بر کو دانے یا بیج کی مانند رکھتی ہے اور جب اپنے آپ پر آنکھ کھولتی ہے تو شجر بن جاتی ہے۔
۱۹۔ وہ مٹی کے خمیر سے ایک خلعت (قیمتی لباس) وجود میں لاتی ہے اور پھر ہاتھ، پاؤں اور چشم و دل پیدا کر لیتی ہے۔
۲۰۔ پھر زندگی جسم کی خلوت میں ٹھکانا اختیار کر کے انجمن وجود میں لاتی ہے۔ گویا مذکورہ تمام مراحل طے کر کے زندگی انسان کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور اس طرح یعنی انسانوں کے وجود سے دنیا میں رونقوں کا باعث بن جاتی ہے۔

۲۱۔ ہم چناں آئین میلادِ امم / زندگی بر مرکزے آید بہم
۲۲۔ حلقہ را مرکز چو جاں در پیکر است / خط او در نقطہ او مضمر است
۲۳۔ قوم را ربط و نظام از مرکزے / روزگارش را دوام از مرکزے
۲۴۔ راز دار و رازِ ما بیت الحرم / سوزِ ما ہم سازِ ما بیت الحرم

۲۱۔ کچھ یہی ڈھنگ / دستور قوموں کے وجود میں آنے کا ہے یعنی زندگی یہاں ایک مرکز پرست آتی ہے۔
۲۲۔ (اب مثال سے بات واضح کی جا رہی ہے) دائرے کے لیے مرکز ایسے ہی ہے جیسے بدن میں جان۔ اس کی لکیر (جس کے کھینچنے سے دائرے کی صورت بنتی ہے) اس کے نقطے میں پوشیدہ ہے۔ دائرے کی شکل بنانے کے لیے پرکار ایک نقطے پر رکھ کر گھمائی جاتی ہے۔ گویا یہ نقطہ اس کا مرکز ہے اور اس کے بغیر دائرہ نہیں بن سکتا۔ یہی کچھ حال قوموں کا ہے، مرکز کے بغیر ان کا وجود ممکن نہیں۔
۲۳۔ کسی قوم کا باہمی ربط و نظم ایک مرکز ہی سے وابستہ ہے۔ اس کے زمانے / بقا کو دوام

ایک مرکز ہی سے میسر ہے۔

۲۴۔ ہمارا (ملت اسلامیہ کا) راز دار اور ہمارا راز سب کچھ کعبہ ہی ہے اور ہمارا سوز اور ہمارا ساز یعنی ربط و ضبط کعبہ ہی ہے۔

۲۵۔ چوں نفس در سینۂ او پروریم — جانِ شیرین است او ما پیکریم

۲۶۔ تازہ رو بستانِ ما از شبنمش — مزرعِ ما آب گیر از زمزمش

۲۷۔ تاب دار از ذرہ ہایش آفتاب — غوطہ زن اندر فضایش آفتاب

۲۸۔ دعویٔ او را دلیل استیم ما — از براہینِ خلیل استیم ما

۲۵۔ ہم سانس کی مانند اس کے (کعبہ کے) سینے میں پرورش پاتے / بڑھتے پھولتے ہیں۔ وہ ہماری جانِ شیریں ہے اور ہم جسم / ڈھانچا ہیں۔ ملت اسلامیہ کا یہ مرکز اس کی جان کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کی افزائش کا باعث ہے۔

۲۶۔ (ملت اسلامیہ کے لیے کعبہ کی جو اہمیت و افادیت ہے' اسے مثالوں سے واضح کیا جا رہا ہے)۔ ہمارا چمن اس کی شبنم سے شگفتہ و تازہ رہتا ہے اور ہماری کھیتی اس کے زمزم (چشمۂ زمزم) سے پانی حاصل کرتی ہے۔

۲۷۔ اس کے ذروں کی بدولت سورج روشن / منور ہے اور وہ (سورج) اس کی فضا میں غوطہ زن ہے۔

۲۸۔ ہم اس کے دعوے (یعنی دعویٔ توحید) کی دلیل ہیں اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی دلیلوں میں سے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے کبھی سورج' کبھی چاند وغیرہ کو اپنا خدا مانا لیکن ان کے غروب ہونے پر ان کا یقین و ایمان خدائے بزرگ و برتر پر ہوا اور یوں وہ توحید کا پیغام لے کر اٹھے۔ گویا ملت اسلامیہ' جس کا پختہ ایمان توحید پر ہے' اور جس ملت کے لیے انہوں نے خدا تعالیٰ سے گزارش کی تھی وہ حضور اکرمؐ کی وساطت سے پوری ہوگئی' انہی کی ایک دلیل ہے۔

۲۹۔ در جہاں ما را بلند آوازہ کرد — با حدوثِ ما قِدم شیرازہ کرد

۳۰۔ ملتِ بیضا ز طوفش ہم نفس — ہمچو صبح آفتاب اندر قفس

۳۱۔ از حسابِ او یکی بسیار ست — پختہ از بندِ یکی خود دار ست

۳۲۔ تو ز پیوندِ حریمے زندہ ای — تا طوافِ او کنی پایندہ ای

۲۹۔ اس (کعبہ) نے دنیا میں ہمیں شہرت کی بلندی سے نوازا۔ اس نے ہمارے حدوث

کے ساتھ قدم/ قدیم کو ملا دیا۔ بظاہر ملت اسلامیہ حضور اکرمؐ کی وساطت سے وجود میں آئی' یہ گویا اس کا حدوث/ نیا پن تھا' لیکن درحقیقت اس کا آغاز حضرت ابراہیمؑ ہی کے زمانے سے ہو چکا تھا۔ یہ اس کا قدیم ہونا ہے۔

۳۰۔ ملت بیضا/ اسلامیہ کعبہ کے طواف کی بدولت باہم متحد و متفق/ ایک جان ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے پنجرے میں روشن صبح ہو۔ یعنی جس طرح صبح کی روشنی' قفس میں یکجا ہوتی ہے' بعینہٖ ملت اسلامیہ اس طواف سے یکجا/ متحد ہوتی ہے۔

۳۱۔ اس کے حساب سے تیری (ملت اسلامیہ کی) کثرت' وحدت کی صورت میں ہے اور وحدت کے اس بندھن سے تیری خودداری مضبوط و محکم ہے۔

۳۲۔ تو (امت اسلامیہ کا وجود) بیت الحرام/ کعبہ سے وابستگی کے سبب زندہ و برقرار ہے۔ جب تک تو اس کا طواف کرتا رہے گا تو پائندہ و برقرار رہے گا۔

۳۳۔ در جہاں جانِ امم جمعیت است | در نگر سرِ حرم جمعیت است
۳۴۔ عبرتے اے مسلم روشن ضمیر | از مآل امت موسیٰؑ بگیر
۳۵۔ داد چوں آں قوم مرکز را ز دست | رشتۂ جمعیت ملت شکست

۳۳۔ دنیا میں قوموں کی روح جمعیت/ مرکزیت ہے (اسی مرکزیت سے انہیں بقا و دوام حاصل ہے) تو ذرا غور کر تو تجھ پر واضح ہوگا کہ جمعیت ہی حرم/ کعبہ کا راز یعنی اس کی حقیقت ہے۔

۳۴۔ اے روشن باطن مسلم تو حضرت موسیٰؑ کی امت (یہودیوں) کے انجام سے عبرت حاصل کر۔

۳۵۔ جب اس قوم نے اپنے مرکز سے تعلق/ ناتا توڑ لیا تو ملت کی جمعیت کا رشتہ ٹوٹ گیا۔ اس میں وہ باہمی تعلق اور ربط و ضبط نہ رہا۔

۳۶۔ آنکہ بالید اندر آغوش رسل | جزو او دانندۂ اسرار کل
۳۷۔ دہر سیلی بر بنا گوشش کشید | زندگی خوں گشت و از چشمش چکید
۳۸۔ رفت نم از ریشہ ہائے تاک او | بید مجنوں ہم نروید خاک او
۳۹۔ از گل غربت زباں گم کردہ ے | ہم نوا' ہم آشیاں گم کردہ ے

۳۶' ۳۷۔ وہ قوم (یہود) جس نے رسولوںؑ کی آغوش میں پرورش پائی تھی (کئی رسولوںؑ سے اسے سابقہ رہا) اور جس کا جزو کل کی حقیقتوں سے آشنا تھا (غالباً یہ مراد ہے جس کا

ہر فرد توحید ایزدی سے آگاہ تھا) زمانے نے اس کے کان کی لو پر تھپڑ رسید کیا، جس کے نتیجے میں اس کی زندگی خون ہو کے رہ گئی اور اس کی آنکھوں سے ٹپک گئی۔ گویا مرکز سے اس قوم کا تعلق ٹوٹتے ہی اس کی زندگی کی حوادث کا شکار ہو گئی اور وہ پورے طور پر انتشار و افتراق میں ڈوب گئی۔

۳۸۔ اس کی تاک کی جڑوں سے نمی جاتی رہی اور اب اس کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ اس کی خاک سے بید مجنوں جیسا بیکار قسم کا درخت بھی نہیں اگتا۔ (وہی شعر ۳۷ والی تشریح)۔ انتشار و افتراق کے باعث اس قوم کے جذبے ختم ہو گئے اور قوت عمل جاتی رہی اور یوں وہ دنیا میں معمولی مقام بھی حاصل نہ کر سکی۔ (اس سے پہلے اسی موضوع پر بات ہو چکی ہے)۔

۳۹۔ وطن یا مرکز سے دوری / ناوابستگی کے باعث اس کی حالت اس شخص کی سی ہو گئی جس کی زبان گنگ ہو گئی ہو، اور اس کا چہچہا اور اس کا آشیانہ بھی اس سے چھن گیا یا گم ہو گیا ہے۔

۴۰۔ شمع مرد و نوحہ خواں پروانہ اش　　مشت خاکم لرزد از افسانہ اش
۴۱۔ اے ز تیغ جور گردوں خستہ تن　　اے اسیر التباس و وہم و ظن
۴۲۔ پیرہن را جامۂ احرار کن　　صبح پیدا از غبارِ شام کن
۴۳۔ مثل آبا غرق اندر سجدہ شو　　آں چناں گم شو کہ یکسر سجدہ شو
۴۴۔ مسلم پیشیں نیازے آفرید　　تا بہ نازِ عالم آشوبے رسید
۴۵۔ در رہ حق پا بہ نوک خار خست　　گلستاں در گوشۂ دستار بست

۴۰۔ شمع بجھ گئی اور اب اس پر ماتم کرنے والا صرف پروانہ رہ گیا۔ میرا (علامہ کا) تو جسم اس کی داستان سے کانپ اٹھتا ہے۔ مرکز ختم ہونے سے امت موسیٰ (یہود) کی جو حالت ہوئی وہ دردناک ہے۔

۴۱، ۴۲۔ اے (مسلم) تو جو آسمان کے ظلم کی تلوار سے زخمی ہے تو جو شک و شبہ اور وہم گمان کا شکار ہے تو اپنے لباس کو احرام کا لباس بنا اور شام کے غبار سے اپنی صبح پیدا کر۔ یعنی اپنے مرکز کی طرف آ۔ انتشار و افتراق اور شک و گمان سے بچ اور اس طرح اپنا کھویا ہوا مقام پھر حاصل کر لے۔

۴۳۔ اپنے آباؤ اجداد کی طرح سجدے میں ڈوب جا اور اس (سجدے) میں اس طرح کھو

جا کہ تو خود سراپا سجدہ بن جائے۔ توحید ایزدی پر پختہ ایمان پیدا کر اور صرف اس معبودِ مطلق کے حضور پورے طور پر سجدہ ریز ہو جا کہ دین کا تقاضا بھی یہی ہے اور ملت اسلامیہ کی بقا و دوام بھی اسی میں ہے۔

۴۴'۴۵۔ گذشتہ مسلمان (مسلمانوں) نے ایسے عجز و نیاز کو جنم دیا' یعنی اللہ کے حضور ایسی عاجزی و بندگی اختیار کی کہ اس کی بدولت وہ دنیا میں عظیم انقلاب لانے والے ناز تک پہنچا (پہنچے)۔ اس / انہوں نے حق کے راستے میں کانٹے کی نوک سے اپنے پاؤں زخمی کر لیے اور پھر اپنی دستار / پگڑی کے گوشے میں گلستاں سجا لیا۔ دینِ حق کی سربلندی اور ملت کی بقا و دوام اور عظمت کی خاطر گذشتہ مسلمانوں نے بڑی اذیتیں برداشت کیں' جب کہیں جا کر ملت اسلامیہ کو یہ بلند مقام حاصل ہوا۔

در معنیِ ایں کہ جمعیتِ حقیقی از محکم گرفتن نصب العین ملیہ است و نصب العین امت محمدیہؐ حفظ و نشر توحید است

(اس موضوع پر کہ حقیقی جمعیت' ملی نصب العین کو مضبوطی کے ساتھ تھامنے سے ہے اور امت محمدیہؐ کا نصب العین توحید کی حفاظت اور اشاعت ہے)

۱۔ با تو آموزم زبانِ کائنات — حرف و الفاظ است اعمالِ حیات

۲۔ چوں ز ربطِ مدعاے بستہ شد — زندگانی مطلعِ برجستہ شد

۳۔ مدعا گردد اگر مہمیزِ ما — ہمچو صرصر می رود شبدیزِ ما

۴۔ مدعا رازِ بقاے زندگی — جمع سیماب قواے زندگی

۱۔ میں تجھے کائنات (زندگی) کی زبان سکھاتا / بتاتا ہوں۔ حروف اور الفاظ زندگی کے اعمال ہیں۔ یعنی اعمال زندگی کی زبان ہیں۔ علامہ ہی کے بقول:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

۲۔ جب زندگی کسی مقصد و مدعا سے وابستہ ہو گئی تو وہ پھر برمحل یا بے ساختہ مطلع بن جاتی ہے۔ زندگی کی بقا اور اس کی عظمت و سربلندی' کسی اعلیٰ مقصد یا نصب العین اور اس

مقصد کے حصول کے لیے جہد و عمل ہی سے ممکن ہے۔

۳۔ اگر مدعا ہماری مہمیز بن جائے تو ہمارا گھوڑا باد صرصر/ آندھی کی صورت سرپٹ دوڑنے لگے۔ اگر ہمارا کوئی اعلیٰ نصب العین ہو اور ہم اس کے حصول کے لیے تگ و دو کریں تو ہماری زندگی تیزی سے ترقی کرنے لگے۔

۴۔ مدعا و مقصد زندگی کی بقا کا راز ہے۔ اس سے زندگی کی قوتوں کا پارہ اکٹھا ہوتا ہے۔ مراد یہ کہ اس سے انسان کی بکھری ہوئی قوتیں مل کر جدوجہد کرتی ہیں اور یوں وہ مقصد حاصل کر لیتی ہیں۔

۵۔ چوں حیات از مقصدے محرم شود — ضابط اسباب ایں عالم شود

۶۔ خویشتن را تابع مقصد کند — بہر او چیند' گزیند' رد کند

۷۔ ناخدا را ایم روی از ساحل است — اختیارِ جادہ ہا از منزل است

۸۔ بر دلِ پروانہ داغ از ذوقِ سوز — طوف او گرد چراغ از ذوقِ سوز

۵۔ جب زندگی کسی مقصد و مدعا سے آگاہ ہو جاتی ہے (اس کی توجہ کسی مقصد کی طرف ہو جاتی ہے) تو وہ اس دنیا کے اسباب و علل کی محافظ بن جاتی ہے (انہیں ایک ضابطے میں لے آتی ہے)

۶۔ وہ (زندگی) خود کو اس مقصد کے تحت کر لیتی ہے' اسی کے لیے چنتی' پسند کرتی اور ٹھکرا دیتی/ رد کر دیتی ہے۔ وہ مقصد ہی اس کے لیے سب کچھ بن جاتا ہے۔ اس کے حصول کی راہ میں جو کچھ اس (مقصد) کے مطابق ہوتا ہے' اسے وہ اختیار کر لیتی اور مطابق نہ ہونے کی صورت میں اسے ٹھکرا دیتی ہے۔

۷۔ ملاح کے لیے سمندر میں چلنا (کشتی چلانا) ساحل کی بنا پر ہے' جبکہ راستے اختیار کرنا منزل کی بنا پر ہے۔ جس طرح کسی منزل تک پہنچنے کے لیے اس کے مطابق راستے اختیار کیے جاتے ہیں' بعینہٖ جیسا مقصد ہوگا (عظیم و اعلیٰ وغیرہ) اس کے لیے ویسا ہی عمل ضروری ہوگا اتنی ہی جدوجہد کرنا پڑے گی۔

۸۔ پروانے کے دل پر جلنے کے ذوق کے سبب داغ ہے۔ اس کا چراغ کے گرد چکر لگانا اسی سوز کے ذوق کے باعث ہے۔ حصول مقصد کے لیے خاص ذوق کی ضرورت ہے' جس کی بنا پر راستے میں آنے والی اذیتوں' مشکلوں اور تکلیفوں کی کوئی پروا نہیں رہتی اور انسان بے خوف ہو کر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

۹- قیس اگر آوارۂ صحراستے | مدعایش محمل لیلاستے
۱۰- تا بود شہر آشنا لیلاے ما | بر نمی خیزد بصحرا پاے ما
۱۱- ہمچو جاں مقصود پنہاں در عمل | کیف و کم از وے پذیرد ہر عمل
۱۲- گردشِ خونے کہ در رگہاے ماست | تیز از سعیِ حصولِ مدعاست
۱۳- از تف او خویش را سوزد حیات | آتشے چوں لالہ اندوزد حیات

۹- قیس/مجنوں اگر صحرا میں آوارہ گھوم رہا ہے' تو اس کا مقصود مدعا اپنی محبوبہ لیلیٰ کی محمل کی تلاش ہے۔ گویا وہ بے مقصد نہیں پھر رہا۔ اس کا مقصد عظیم ہے۔ اسی طرح ایک عظیم مقصد کے حصول کے لیے جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔

۱۰- جب تک ہماری لیلیٰ شہر آشنا ہے' اس وقت تک ہمارے پاؤں صحرا کی طرف نہیں اٹھیں گے۔ گویا جب تک ہماری زندگی کا کوئی مقصد نہ ہوگا اور اس کے حصول کے لیے ہم تگ و دو نہیں کریں گے' ہماری زندگی بیکار ہوگی۔

۱۱- روح/جان کی طرح مقصد عمل میں پوشیدہ ہے اور اسی مقصد کی بنا پر ہر عمل وجود پذیر ہوتا ہے۔ مقصد کے حصول کی خاطر عمل یا جدوجہد ضروری ہے۔ جب کوئی مقصد ہی نہ ہوگا تو عمل کیوں کر ہوگا۔

۱۲- یہ جو ہماری رگوں میں خون کی گردش ہے تو یہ مقصد کے حصول کے لیے کوشش کرنے سے تیز ہو جاتی ہے' یعنی انسان زیادہ سے زیادہ جدوجہد کرنے لگتا ہے۔

۱۳- مقصد کی گرمی سے زندگی خود کو جلاتی اور گل لالہ (سرخ پھول) کی طرح اپنے اندر آگ ذخیرہ کرتی ہے۔ مقصد کی بنا پر زندگی میں جذبوں کا اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے جو اس (زندگی) کے لیے عظمت و سرخروئی کا باعث بنتا ہے۔

۱۴- مدعا' مضراب سازِ ہمت است | مرکزے کو جاذبِ ہر قوت است
۱۵- دست و پاے قوم را جنباند او | یک نظر صد چشم را گرداند او
۱۶- شاہدِ مقصود را دیوانہ شو | طائف ایں شمع چوں پروانہ شو
۱۷- خوش نواے' نغمہ سازِ قم زد است | زخمۂ معنی بر ابریشم زد است
۱۸- تا کشد خار از کفِ پا رہ سپر | می شود پوشیدہ محمل از نظر
۱۹- گر بقدرِ یک نفس غافل شدی | دور صد فرسنگ از منزل شدی

۱۴- مقصد' ہمت کے ساز کی مضراب ہے۔ وہ (مقصد) ایک ایسا مرکز ہے جو ہر قوت کو

اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ جس طرح مضراب لگانے سے ساز میں آواز/لے پیدا ہوتی ہے اسی طرح جب انسان کے پیشِ نظر کوئی مقصد ہو تو وہ ہمت و طاقت سے کام لے کر اسے پورا کرتا ہے۔ اس طرح انسان میں گویا کئی قوتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

۱۵- مقصد کسی قوم کے دست و پا کو حرکت میں لاتا ہے۔ سیکڑوں آنکھوں کو ایک ہی نظر کر دیتا ہے۔ یعنی پوری قوم کی آنکھیں ایک ہی نظر سے دیکھتی ہیں۔ پوری قوم کا ایک مقصد ہوتا ہے اور وہ مل کر اسے اپنی جدوجہد سے حاصل کرتی ہے۔

۱۶- تو (اے مسلم) مقصد کے محبوب کا عاشق و دیوانہ ہو جا اور اس شمع (مقصد) کے گرد پروانے کی طرح چکر لگانے والا بن جا۔ مقصد پیدا کر کے پورے جوش و خروش اور ولولے سے اس کے حصول میں تگ و دو کر۔

۱۷- قم کے نغمہ ساز/شاعر نے کیا عمدہ راگ الاپا ہے (شعر کہا ہے) اس نے گویا تار پر حقیقت کی مضراب لگائی ہے۔ بڑی حقیقت بیان کی ہے۔ اس میں ملک قمی (فرہنگ دیکھیے) کے اس مشہور شعر کی طرف اشارہ کیا ہے:

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد

(میں نے چاہا کہ اپنے پاؤں سے کانٹا نکال لوں' اسی عرصے میں محمل نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ میں ایک لحظہ/لمحہ غافل ہوا تو میرا راستہ سو سال دور ہو گیا۔ یعنی کسی بھی کام/مقصد میں ذرا سی غفلت و کوتاہی انسان کو اس (مقصد) سے بہت دور کر دیتی ہے)۔

۱۸- جب تک راستہ چلنے والا اپنے پاؤں سے کانٹا نکالے' محمل نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ (قمی کے شعر کو اپنے انداز میں پیش کیا ہے)۔

۱۹- (سوائے مسلم) اگر تو ایک لمحہ بھی غافل ہو گیا تو تو منزل سے سو کوس/بہت دور ہو جائے گا۔

۲۰- ایں کہن پیکر کہ عالم نام اوست	ز امتزاجِ امہاتِ اندامِ او
۲۱- صد نیستاں کاشت تا یک نالہ رست	صد چمن خوں کرد تا یک لالہ رست
۲۲- نقشہا آورد و افگند و شکست	تا بہ لوحِ زندگی نقشِ تو بست
۲۳- نالہ ہا در کشتِ جاں کاریدہ است	تا نوائے یک اذاں بالیدہ است

۲۰- یہ پرانا وجود جسے عالم/کائنات کا نام دیا گیا ہے' اس کا جسم عناصر اربعہ (آب و آتش

باد و خاک) کی باہمی آمیزش سے بنا ہے۔ یعنی یہ چند عناصر مل کر اس دنیا کے وجود کا باعث بنتے ہیں۔

۲۱۔ اس عالم/دنیا نے سیکڑوں نیستان بوئے تب کہیں جا کر ایک نالہ اگا۔ نیز اس نے سیکڑوں چمن خون کیے/مٹا دیے، تب کہیں ایک لالہ کا پھول اگا۔ نالہ یا لے بانسری سے نکلتا ہے۔ مراد یہ کہ یہ کائنات یوں ہی وجود میں نہیں آ گئی بلکہ بڑے دشوار مرحلوں سے گزر کر وہ اس حالت تک پہنچی ہے۔

۲۲۔ اس نے کئی نقش بنائے اور زمین پر دے مارے اور توڑ ڈالے جب کہیں زندگی کی تختی پر اس نے تیرا نقش بنایا۔ وہی یعنی بڑے مرحلے طے کر کے انسان اس دنیا میں وجود پذیر ہوا۔ کتاب ''اخلاقِ جلالی'' میں یہ تفصیل کچھ اس طرح دی گئی ہے: ''پہلے انسان مونگا/مرجان (ایک خاص قسم کا پتھر) تھا، پھر وہ نخل کی صورت میں آیا (کھجور کے درخت نر اور مادہ کی صورت میں ہوتے ہیں)، پھر اس نے بن مانس (بوزنگور، قدیم جنگلی آدمی، وحشی انسان) کی شکل اختیار کی اور آخر میں وہ موجودہ صورت میں وجود پذیر ہوا (واللہ اعلم)۔

۲۳۔ اس نے روح کی کھیتی میں کئی نالے اگائے/بوئے ہیں، تب کہیں ایک اذان کی آواز ابھری/بلند ہوئی ہے۔ گویا انسان مختلف کیفیتوں سے گزرا۔ وہ مذہب سے بیگانہ تھا۔ بت پرست تھا، وغیرہ وغیرہ۔ بہت مرحلے طے کر کے وہ توحید پرستی کی طرف آیا اور اس نے اذان/اللہ اکبر کے اعلان سے خدا کی توحید و عظمت بیان کی۔

۲۴۔ مدتے پیکار با احرار داشت | با خداوندانِ باطل کار داشت
۲۵۔ تخمِ ایماں آخر اندر گل نشاند | با زبانت کلمۂ توحید خواند
۲۶۔ نقطۂ ادوارِ عالم لا الٰہ | انتہائے کارِ عالم لا الٰہ
۲۷۔ چرخ را از زورِ او گردندگی | مہر را پایندگی، رخشندگی

۲۴۔ ایک مدت تک اس (عالم/دنیا) نے آزاد لوگوں کے ساتھ لڑائی جاری رکھی، اس لیے کہ اسے باطل آقاؤں یا بتوں سے سروکار تھا۔ مراد یہ کہ مذہب سے دوری رہی، انسان ابھی دین و مذہب کی اہمیت و افادیت سے آگاہ نہ ہوا تھا۔

۲۵۔ آخر اس نے انسان کے جسم یا اس کی فطرت میں ایمان کا بیج بویا اور پھر تیری یعنی مسلم/ملتِ اسلامیہ کی زبان سے کلمۂ توحید (لا الٰہ.....) پڑھا۔ دین اسلام کی بنیاد

ہی توحید پر ہے۔ گویا زمانے میں اسلام کی بدولت توحید خداوندی کی اشاعت ہوئی۔

۲۶- دنیا کی گردشوں کا نقطہ/مرکز لا الٰہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں....الخ) یعنی توحید ہے' اور اس عالم کے کام/معاملہ کی انتہا بھی لا الٰہ ہے۔ جب تک یہ دنیا قائم ہے توحید اس کے آخر تک چلے گی۔

۲۷- یہ آسمان اسی توحید کے زور سے گردش میں رہتا ہے اور سورج کی بقا و ثبات نیز اس کی چمک بھی اسی کلمہ توحید کی بدولت ہے۔ (چاند کا اس لیے ذکر نہیں کیا کہ وہ مستقل ایک حالت پر نہیں رہتا)۔

۲۸- بحر گوہر آفرید از تاب او | موج در دریا تپید از تاب او
۲۹- خاک از موج نسیمش گل شود | مشت پر از سوز او بلبل شود
۳۰- شعلہ در رگہاے تاک از سوز او | خاک مینا تابناک از سوز او
۳۱- نغمہ ہایش خفتہ در ساز وجود | جویدت اے زخمہ ور ساز وجود

۲۸- سمندر نے اس (توحید) کی طاقت سے موتی پیدا کیے اور موج' دریا میں اسی کی طاقت سے لہرائی۔

۲۹- خاک اس کی باد نسیم کے جھونکے سے پھول بن جاتی ہے اور اس (توحید) کے سوز سے مٹھی بھر پر بلبل کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

۳۰- انگور کی بیل کی رگوں میں جو شعلہ ہے وہ اسی کے سوز سے ہے' جبکہ صراحی کی مٹی اس کے سوز سے روشن ہے۔ (مینا یعنی شراب کی صراحی)

۳۱- توحید کے نغمے وجود کے ساز میں سوئے پڑے ہیں۔ اے مضراب والے تجھے وجود کا ساز تلاش کر رہا ہے۔ غالباً یہ مراد ہے کہ دنیا میں توحید کی طرف توجہ نہیں دی جا رہی تو اے مسلم اٹھ اور اس کی اشاعت میں لگ جا۔

۳۲- صد نوا داری چو خوں در تن رواں | خیز و مضرابے بہ تار او رساں
۳۳- زانکہ در تکبیر راز بود تست | حفظ و نشر لا الٰہ مقصود تست
۳۴- تا نہ خیزد بانگ حق از عالمے | گر مسلمانی نیا سائی دمے

۳۲- تجھ میں سیکڑوں سر موجود ہیں' بالکل اس طرح جیسے جسم میں خون گردش کرتا ہے۔ اٹھ اور اس کے تار پر مضراب لگا۔ غالباً یہ مراد ہے کہ تجھ میں اشاعت توحید کی بہت اہلیتیں ہیں' یا تجھ میں ایسے جذبے ہیں' اس لیے تو آگے بڑھ اور یہ اہم کام کر۔ اگلے

شعر میں یہ بات واضح طور پر کی ہے۔

۳۳۔ اس لیے کہ نعرۂ تکبیر (خدا کی توحید و عظمت کا اعلان) بلند کرنے ہی میں تیری ہستی، تیرے وجود کا راز ہے اور لا الٰہ (توحید) کی حفاظت اور اشاعت ہی تیری زندگی کا مقصد/نصب العین ہے۔

۳۴۔ جب تک پوری دنیا سے حق کی آواز (نعرۂ توحید) بلند نہیں ہوتی' اگر تو مسلمان ہے، ایک پل بھی آرام سے نہ بیٹھ۔

۳۵۔	می ندانی آیۂ ام الکتاب	امت عادل ترا آمد خطاب
۳۶۔	آب و تاب چہرۂ ایام تو	در جہاں شاہد علی الاقوام تو
۳۷۔	نکتہ سنجاں را صلائے عام دہ	از علوم امیے پیغام دہ
۳۸۔	امیے پاک از "ھویٰ" گفتار او	شرح رمز "ما غویٰ" گفتار او
۳۹۔	تا بدست آورد نبض کائنات	وا نمود اسرار تقویم حیات
۴۰۔	از قبائے لالہ ہائے ایں چمن	پاک شست آلودگی ہائے کہن

۳۵۔ کیا تجھے قرآن کریم کی اس آیت کریمہ کا علم نہیں (تو نے نہیں پڑھی)؟ جس میں تجھے (ملت اسلامیہ کو) امت عادل سے خطاب کیا گیا ہے۔ (فرہنگ دیکھیے)

۳۶۔ زمانے کے چہرے کی چمک دمک تجھ سے ہے اور دنیا میں تمام اقوام پر تو گواہ ہے (وہی آیہ کریمہ)۔ یعنی تو دنیا کی قوموں کے لیے معیار ہے۔

۳۷'۳۸۔ تو (توحید کی اشاعت کے سلسلے میں) دانا و بینا لوگوں کو دعوت عام دے اور ان تک ایک امی یعنی حضور اکرم کا عظیم پیغام پہنچا۔ (پیغام توحید خداوندی ہی سے متعلق ہے)۔ اُمی (حضور اکرمؐ) کون ہیں' وہ جن کی گفتار ہر طرح کی حرص و ہوس سے پاک ہے اور جن کی گفتگو "ما غویٰ" کی رمز کی تشریح ہے۔ (فرہنگ.....)

۳۹۔ جب سے حضور اکرمؐ نے کائنات کی نبض کو اپنے مبارک ہاتھ میں لے لیا ہے تو اس وقت سے حضور نے زندگی کی حقیقتوں سے پردہ اٹھا دیا ہے۔ یعنی زندگی کا صحیح مقصد کیا ہے اور وہ یہی ہے توحید کی اشاعت و حفاظت۔

۴۰۔ حضورؐ نے اس چمن کے لالہ کی قبا سے پرانی غلاظتیں پوری طرح دھو ڈالیں۔ مراد یہی ہو سکتی ہے کہ انسان بت پرستی اور ہر طرح کے بیہودہ توہمات میں ڈوبا ہوا تھا۔ حضور نے توحید کا پیغام دے کر اسے ان غلاظتوں اور خباثتوں سے نکالا۔

۴۱۔ درجہاں وابستۂ دینش حیات | نیست ممکن جز بآئینش حیات
۴۲۔ اے کہ می داری کتابش در بغل | تیز تر نہ پا بہ میدانِ عمل
۴۳۔ فکرِ انساں بت پرستے، بت گرے | ہر زماں در جستجوے پیکرے
۴۴۔ باز طرحِ آزری انداخت است | تازہ تر پروردگارے ساخت است
۴۵۔ کاید از خوں ریختن اندر طرب | نامِ او "رنگ" ست وہم ملک ونسب

۴۱۔ دنیا میں حضورؐ کے دین (اسلام) سے وابستگی ہی حقیقی معنوں میں زندگی ہے اور حضورؐ کی شرع کے بغیر ایسی زندگی کا کوئی امکان نہیں۔

۴۲۔ اے (مسلم، ملت اسلامیہ) تو جو بغل میں آپؐ کی کتاب (قرآن کریم) رکھے ہوئے ہے، عمل کے میدان میں تیز قدم اٹھا۔ یعنی قرآن کریم کی تعلیمات اور حضورؐ کی شرع پر پوری طرح عمل پیرا ہو جا۔

۴۳، ۴۴۔ انسان کی سوچ تو ایک بُت پرست اور بت تراش ہے جو ہر لمحہ ایک نئے وجود/بت کی تلاش میں رہتی ہے۔ اس کی اسی سوچ نے پھر بت پرستی اور بت گری کی بنیاد رکھ دی ہے اور اس طرح اس نے ایک بالکل نیا معبود/بت بنا لیا ہے۔

۴۵۔ وہ ایک ایسا بت ہے جو ناحق خوں ریزی (قتل و غارت گری) سے مسرت و شادمانی حاصل کرتا ہے۔ اس بات کا نام "رنگ" ہے اور ملک و نسب بھی۔ یہ مغربی تہذیب کا چھوڑا ہوا شوشہ/شگوفہ ہے۔ اس کے مطابق رنگ و نسل اور ملک ہی سب کچھ ہے، دین و مذہب کی کوئی اہمیت نہیں، جبکہ اسلام میں رنگ و نسل وغیرہ کی کوئی حیثیت و گنجائش نہیں ہے۔

۴۶۔ آدمیت کشتہ شد چوں گوسفند | پیشِ پاے ایں بت نا ارجمند
۴۷۔ اے کہ خوردستی زمیناے خلیلؑ | گرمیِ خونت ز صہباے خلیلؑ
۴۸۔ برسر ایں باطلِ حق پیرہن | تیغ "لا موجود الا ھو" بزن
۴۹۔ جلوہ در تاریکیِ ایام کن | آنچہ بر تو کامل آمد عام کن
۵۰۔ لرزم از شرمِ تو چوں روزِ شمار | پرسدت آں آبروے روزگار
۵۱۔ حرفِ حق از حضرتِ ما بردہ ای | پس چرا با دیگراں نسپردہ ای

۴۶۔ انسانیت بھیڑ بکری کی مانند اس بے وقعت/گھٹیا بت کی بھینٹ چڑھا دی گئی۔ رنگ و نسل پر زور دینا، اسی کو سب کچھ سمجھنا انسانیت کی تباہی کا باعث بنا ہے۔

۴۷۔ اے مسلم تو نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی صراحی سے پی ہے' تیرے خون کی گرمی حضرت ابراہیمؑ کی شراب سے ہے۔ یعنی تیرا تعلق ملت اسلامیہ سے ہے جس کی بنیاد توحید پر ہے۔ اس ملت کے لیے حضرتؑ نے خدا سے دعا کی تھی' اس لیے تیرے سارے جذبے انہی کی بدولت ہیں۔

۴۸۔ تو حق کا لباس پہنے ہوئے اس باطل کے سر پر "لا موجود الا ھو" کی تلوار چلا دے۔ توحید کی اشاعت کر اور ثابت کر کہ یہ رنگ و نسل والی بات سراسر انسانیت کے خلاف ہے۔ صرف اس معبودِ مطلق کو بقا و دوام ہے باقی ہر شے عارضی و فانی ہے۔

۴۹۔ (اپنے اس عمل سے) تو زمانے کی تاریکی کو روشنی میں بدل دے اور جو چیز تجھ پر مکمل ہوئی ہے' اسے عام کر دے۔ حضور اکرمؐ خاتم ہیں نبیوں اور امتوں کے۔ اس بنا پر تیرا یہ فرض بنتا ہے کہ ملت اسلامیہ کا فرد ہونے کے ناتے تو توحید کی اشاعت کر کے دنیا کو اس قسم کی جہالتوں (رنگ و نسل) سے پاک کر دے۔

۵۰'۵۱۔ تیری وجہ سے مجھے جو شرم اٹھانا پڑے گی' اس کے خیال سے میں لرز اٹھتا ہوں کہ قیامت کے روز جب وہ زمانے کی آبرو (حضورؐ کی ذاتِ گرامی) تجھ سے یہ پوچھے گی/ سوال کرے گی کہ تو نے جب ہمارے دربار/ ہماری بارگاہ سے حق کی بات حاصل کر لی تو وہ کس وجہ سے دوسروں تک نہ پہنچائی۔ حضورؐ نے ہمیں توحید کا درس دیا۔ ہمارا فرض تھا کہ ہم اس کی اشاعت کرتے' دوسروں تک پہنچاتے لیکن ہم نے کوتاہی سے کام لیا ہے۔ اس پر حضورؐ جو باز پرس کریں گے۔ علامہ کے لیے وہ باعث ندامت ہوگی اور اسی خیال سے وہ لرزاں ہیں۔ مطلب یہ بھی ہے کہ ابھی وقت ہے اٹھو اور اس اشاعت پر ڈٹ جاؤ۔

در معنیِ ایں کہ توسیع حیاتِ ملیہ از تسخیر قوائے نظامِ عالم است

(اس موضوع پر کہ حیاتِ ملی کی توسیع دنیا کے نظام کی قوتوں کی تسخیر سے ہے۔)

۱۔ اے کہ با نادیدہ پیماں بستہ ای — ہمچو سیل از قید ساحل رستہ ای

۲۔ چوں نہال از خاک ایں گلزار خیز — دل بغایب بند و با حاضر ستیز

۳۔ ہستی حاضر کند تفسیر غیب — می شود دیباچۂ تسخیر غیب

۴۔ ماسوا از بہر تسخیر است و بس — سینۂ او عرضۂ تیر است و بس
۵۔ "از کن" حق ماسوا شد آشکار — تا شود پیکانِ تو سنداں گذار
۶۔ رشتہ ے باید گرہ اندر گرہ — تاشود لطف کشودن را فرہ

۱۔ اے (مسلم) تو کہ جس نے ایک ان دیکھے کے ساتھ پیمان وفا باندھ رکھا ہے اور یوں سیلاب/طوفان کی طرح ساحل کی قید سے آزاد ہو گیا ہے۔

۲۔ درخت کی مانند اس گلزار کی خاک سے اٹھ' دل غائب سے لگا اور حاضر/موجود کے ساتھ لڑ/جنگ کر' یعنی اللہ تعالیٰ/معبودِ مطلق سے خود کو وابستہ کر اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے یعنی ماسوا' اس کی نفی کر' اسے بالکل اہمیت نہ دے۔

۳۔ موجود/حاضر کا وجود/کی ہستی غیب کی تفسیر ہے۔ اور غیب کی تسخیر اس ذات کی معرفت کی تمہید بن جاتی ہے۔ یہ کائنات خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کا پتا دیتی ہے۔ صاحب بصیرت کو کائنات کی ہر ہر شے میں اس ذاتِ اقدس کا جلوہ نظر آتا ہے۔ اسی حوالے سے شیخ سعدیؒ نے ایک قرآنی آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے:

برگِ درختانِ سبز پیش خداوند ہوش
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

(ایک صاحب دانش و بصیرت کے لیے سبز درختوں کا ہر ہر پتا اس خالق کائنات کی معرفت کی ایک کتاب ہے)۔

۴۔ اللہ کے سوا جو کچھ ہے' یعنی اس کائنات کی ہر ہر شے' صرف تسخیر ہی کے لیے ہے اور بس۔ اس کا سینہ صرف تیر کا نشانہ ہے اور بس۔ مطلب یہ کہ انسان افضل کائنات ہے۔ خدا کی ذات سے وابستگی اور توحید پر کامل ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ (انسان) اس کائنات کو مسخر کرے۔

۵۔ حق تعالیٰ کے "کن" کہنے سے یہ ماسوا (کائنات) وجود میں آیا تاکہ تیرا پیکان/تیر اہرن میں سے گزر جانے والا بن جائے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ "جب میں نے دنیا کو پیدا کرنا چاہا تو میں نے کہا "کن" (ہو جا)، "فیکون" (اور وہ ہو گئی یعنی وجود میں آ گئی۔) تو یہ اس لیے ہوا کہ انسان اسے اپنی تسخیر یا اپنے تصرف میں لا سکے۔

۶۔ دھاگے میں گرہ/الجھاؤ کے اندر گرہ ہونی چاہیے تاکہ وہ سلجھاؤ کے لطف کا باعث بن سکے۔ یعنی انسان مشکلات میں جتنا گھرے گا' اتنا ہی انھیں دور کرنے میں اسے ایک

خاص لطف حاصل ہوگا۔ بقول غالب:

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہوگئیں

۷۔ غنچہ ای؟ از خود چمن تعبیر کن — شبنمی؟ خورشید را تسخیر کن
۸۔ از تو ای آید اگر کار شگرف — از دمے گرمے گداز ایں شیر برف
۹۔ ہر کہ محسوسات را تسخیر کرد — عالمے از ذرہ ے تعمیر کرد
۱۰۔ آنکہ تیرش قدسیاں را سینہ خست — اوّل آدم را سر فتراک بست
۱۱۔ عقدۂ محسوس را اول کشود — ہمت از تسخیر موجود آزمود

۷۔ کیا تو غنچہ ہے؟ یعنی اگر تو غنچہ ہے تو خود یعنی اپنی ذات کو چمن سمجھ اور اگر تو شبنم ہے تو سورج کو تسخیر کر۔

۸۔ اگر تجھ سے کوئی انوکھا/عجیب کام ہو سکتا ہے تو اپنی ایک گرم پھونک سے اس برف کے شیر کو پگھلا دے۔ (بات وہی کائنات کو اپنے تصرف میں لانے والی ہے)۔

۹۔ جس کسی نے اس کائنات کو مسخر کر لیا/اپنے تابع کر لیا' اس نے گویا ایک ذرّے سے ایک دنیا تعمیر کر ڈالی۔

۱۰۔ وہ ذات کہ جس کے تیر نے فرشتوں کا سینہ زخمی کر دیا تھا (فرشتوں کو خلافت کا منصب نہ ملا) اس نے پہلے آدمؑ کو فتراک میں سب سے اوپر باندھا' یعنی حضرت آدمؑ کو اولیت سے نوازتے ہوئے انہیں فضیلت دی۔ اس لیے کہ انہوں نے کائنات کی ہر چیز مسخر کر لی تھی۔

۱۱۔ حضرت آدمؑ ہی نے سب سے پہلے محسوسات/کائنات کی گتھی کو سلجھایا۔ پھر موجودات کی تسخیر سے اپنی ہمت کو آزمایا۔

۱۲۔ کوہ و صحرا دشت و دریا بحر و بر — تختۂ تعلیم ارباب نظر
۱۳۔ اے کہ از تاثیر افیوں خفتہ ای — عالم اسباب را دوں گفتہ ای
۱۴۔ خیز و واکن دیدۂ مخمور را — دوں مخواں ایں عالم مجبور را
۱۵۔ غایتش توسیع ذات مسلم است — امتحان ممکنات مسلم است

۱۲۔ یہ پہاڑ' یہ صحرا' یہ دشت و دریا اور بحر و بر (سمندر اور خشکی) سب صاحبان دانش و بصیرت کے لیے تختۂ تعلیم (بلیک بورڈ) ہیں۔ سورۂ یونس آیہ ۴ میں ارشاد خداوندی

ہے: ''بلاشبہ رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور اللہ نے جو کچھ آسمان اور زمین میں پیدا کیا ہے' ان سب میں ان لوگوں کے واسطے (توحید کے) دلائل ہیں جو (خدا کا) ڈر مانتے ہیں۔'' سعدی نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

برگِ درختانِ سبز پیش خداوند ہوش
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

۱۳'۱۴۔ تو جو افیون کے اثر کی بنا پر سویا ہوا ہے اور اس عالم اسباب کو حقیر/پست کہتا ہے' اٹھ اور نشے میں ڈوبی ہوئی اپنی آنکھیں کھول اور اس عالم مجبور کو گھٹیا/حقیر نہ کہہ۔ مطلب یہ کہ چونکہ یہ کائنات یہ انسان خدائے مختار کے سامنے مجبور ہے (جبر و اختیار کا مسئلہ ہے) لیکن چونکہ اس کائنات کے ذرّے ذرّے میں اس ذاتِ اقدس کی توحید کی نشانیاں ہیں' اس لیے اس کائنات کو حقیر و پست کہنا ٹھیک نہیں۔

۱۵۔ اس کا مقصد مسلمان کی ذات کو وسعت دینا ہے۔ یہ مسلم کے ممکنات کی آزمائش ہے۔ یہ جو کائنات تخلیق ہوئی ہے تو یہ مسلم کی' جو توحید ایزدی پر ایمانِ کامل رکھتا ہے' شخصیت کی توسیع کی خاطر ہے اور اس سے یہ دیکھنا (جانچنا) مقصود ہے کہ اس (مسلم) میں کون کون سی یا کتنی قوتیں (ممکنات) ہیں جن سے وہ کام لے کر پوری دنیا میں توحید کی اشاعت کر سکتا ہے۔

۱۶۔ می زند شمشیر دوراں بر تنت | تا بہ بینی ہست خوں اندر تنت
۱۷۔ سینہ را از سنگ زورے ریش کن | امتحانِ استخوانِ خویش کن
۱۸۔ حق جہاں را قسمت نیکاں شمرد | جلوہ اش با دیدۂ مومن سپرد
۱۹۔ کارواں را رہگذار است ایں جہاں | نقدِ مومن را عیار است ایں جہاں
۲۰۔ گیر او را تا نہ او گیرد ترا | ہمچو مے اندر سبو گیرد ترا

۱۶۔ زمانہ تیرے جسم پر تلوار چلاتا ہے۔ (رموز..... مطبوعہ ۱۹۴۰ء میں شمشیر اضافت کے ساتھ ہے جو کتابت کی غلطی ہو سکتی ہے) تاکہ تو دیکھے کہ تیرے جسم میں خون ہے۔ یعنی تیری قوتوں کو آزمانے کی خاطر تجھ پر مصائب و آلام وارد کرتا ہے۔ (اگر شمشیر اضافت کے ساتھ صحیح ہو تو اس کا فاعل ذاتِ خداوندی ہو سکتی ہے۔)

۱۷۔ تو اپنے سینے کو مگدر کے ساتھ زخمی کر لے اور اس طرح اپنی ہڈیوں کی آزمائش کر۔ غالباً مطلب یہ ہے کہ تو خود کو مشکلات وغیرہ سے دوچار کر کے اپنی اندرونی

قوتوں اور صلاحیتوں کی آزمائش کر۔ اس طرح تجھے اپنی قوتوں کا پتا چلے گا اور تو پھر ہر لحہ آگے بڑھتا چلا جائے گا۔ عظمت و سربلندی تیرا مقدر رہو گی۔

۱۸- حق تعالیٰ نے دنیا کو نیک لوگوں کا نصیب (میراث) قرار دیا ہے اور اس کے نظارے بندۂ مومن کی آنکھوں کے لیے وقف کیے ہیں۔ بندۂ مومن دنیا/کائنات کے نظاروں/ذرّوں میں بھی اس ذات کا عکس دیکھتا ہے (جبکہ یہ عام آدمی کے بس کی بات نہیں) اور یہ امر مومن کے لیے بڑی مسرت وشادمانی کا باعث بنتا ہے۔

۱۹- قافلے کے لیے یہ دنیا ایک گزرگاہ ہے جبکہ یہ مومن کی نقدی/سکے کی کسوٹی ہے۔ یعنی انسان فانی ہے۔ وہ گویا ایک قافلے کی صورت میں اس دنیا سے گزر رہا ہے۔ یہ دنیا مردِ مومن کی قوتوں اور صلاحیتوں کی آزمائش گاہ ہے۔

۲۰- تو اس کائنات پر قابو پالے (اس کی تسخیر کر) تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تجھ پر غالب آجائے اور شراب کی مانند تجھے صراحی میں ڈال لے۔ مادی دنیا میں کھوئے ہوئے انسان کی تمام قوتیں اور صلاحیتیں بیکار ہو کر رہ جاتی ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ انسان اسے اپنی قوتوں کے تابع رکھے کہ صحیح مومنانہ زندگی یہی ہے۔

۲۱-	دلدلِ اندیشہ ات طوطی پرست	آں کہ گامش آسماں پہناور است
۲۲-	احتیاجِ زندگی می راندش	بر زمیں گردوں سپر گرداندش
۲۳-	تا ز تسخیرِ قوائے ایں نظام	ذو فنونی ہائے تو گردد تمام
۲۴-	نائبِ حق در جہاں آدم شود	بر عناصر حکمِ او محکم شود
۲۵-	تنگی ات پہنا پذیرد در جہاں	کارِ تو اندام گیرد در جہاں

۲۱، ۲۲- تیری فکر کا گھوڑا طوطے کے سے پروں والا ہے اور اس کے ڈگ/قدم آسمان کی سی وسعت رکھتے ہیں۔ یعنی تیری قوتِ فکر کی اڑان بڑی بلند ہے۔ وہ گویا آسمان کی وسعتوں تک پہنچتی ہے۔ زندگی کی ضروریات اسے (فکر کے گھوڑے کو) ہانکتی اور زمین پر رہوتے ہوئے اسے آسمان کو طے کرنے والا (آسمان کی سیر کرنے والا) بنا دیتی ہیں۔ مراد یہ کہ انسان اپنے مقاصد کے حصول کے لیے جدوجہد کرکے (پیہم عمل میں مصروف رہ کر) آسمان کی سی بلند عظمت حاصل کر سکتا ہے۔

۲۳- (اور یہ سب اس لیے ہے) کہ اس نظامِ کائنات کی قوتوں کو اپنے تابع لانے/تسخیر کرنے سے تیری ہر فن مولائی تکمیل کو پہنچے۔ انسان کی قوتیں اور صلاحیتیں پورے طور

پر بروئے کار آ جائیں۔

۲۴۔ تا کہ دنیا میں خدا کا خلیفہ/ نائب آدمی ہو اور عناصر پر اس کی فرماں روائی مستحکم ہو۔

۲۵۔ تا کہ تیری تنگی (محدود قوتیں) وسعت و فراخی پائے اور دنیا میں تیرا کام/ معاملہ آراستہ ہو۔

۲۶۔ خویش را بر پشت باد اسوار کن — یعنی ایں جمازہ را ماہار کن

۲۷۔ دست رنگیں کن ز خونِ کوہسار — جوئے آب گوہر از دریا برآر

۲۸۔ صد جہاں در یک فضا پوشیدہ اند — مہر ہا در ذرہ ہا پوشیدہ اند

۲۹۔ از شعاعش دیدہ کن نادیدہ را — وانما اسرار نافہمیدہ را

۲۶۔ تو خود کو ہوا پر سوار کر یعنی اس اونٹنی کو نکیل ڈال۔ (اسے اپنا مطیع کر' ہوا سے اپنے مقصد کے مطابق کام لے)۔ دوسرے لفظوں میں اس کائنات میں جتنے عناصر ہیں' ان سے اپنے حسب خواہش کام لے۔

۲۷۔ پہاڑ کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ لے اور دریا سے موتی کی چمک کی ندی نکال لے۔

۲۸۔ اس ایک فضا میں سیکڑوں جہاں پوشیدہ ہیں اور کئی سورج ذروں میں مخفی ہیں۔

۲۹۔ تو اس کی شعاعوں سے ان دیکھی چیزوں کو دیکھا ہوا کر/ معلوم کر اور ان رازوں کو ظاہر کر جو نہیں سمجھے گئے۔ (مراد وہی شعر ۲۶ والی بات) یعنی اپنے پیہم عمل اور جدوجہد سے تیز بصیرت سے کام لیتے ہوئے عناصر کائنات کو مسخر کر' ان سے کام لے اور دنیا سے متعلق نت نئے انکشافات سامنے لا۔

۳۰۔ تابش از خورشید عالم تاب گیر — برق طاق افروز از سیلاب گیر

۳۱۔ ثابت و سیارۂ گردوں وطن — آں خداوندانِ اقوام کہن

۳۲۔ ایں ہمہ اے خواجہ آغوشِ تو اند — پیش خیز و حلقہ در گوشِ تو اند

۳۳۔ جستجو را محکم از تدبیر کن — انفس و آفاق را تسخیر کن

۳۴۔ چشم خود بکشا و در اشیا نگر — نشہ زیر پردۂ صہبا نگر

۳۰۔ روشنی' دنیا کو منور کرنے والے سورج سے حاصل کر اور طاق کو روشن کرنے والی بجلی سیلاب سے حاصل کر۔ اپنی قوت عمل سے بڑے بڑے کارنامے انجام دے۔

۳۱'۳۲۔ یہ آسمان پر اپنا ٹھکانا کرنے والے ثابت و سیارہ جو کبھی قدیم زمانے میں انسانوں کے معبود تھے' یہ سب اے میاں/ اے بھائی! تیری لونڈیاں ہیں' تیرے خدمت گار

اور تیرے غلام ہیں۔ یعنی انہیں تسخیر کر کے ان سے انسانی فلاح و ترقی کے کام لے۔

۳۳۔ اپنی تدبیر سے اپنی تلاش و کاوش (اپنے تجسس) کو ٹھوس بنا اور اس طرح انفس و آفاق کو اپنا تابع کر' ان سے کام لے۔

۳۴۔ اپنی آنکھیں کھول اور اشیا کو غور سے دیکھ۔ (یعنی) شراب کے پردے کے پیچھے موجود نشے کو غور سے دیکھ۔ اپنی بصیرت کو کام میں لا اور کائنات میں موجود اشیا کا جائزہ لے/ مطالعہ کر' جس سے تجھ پر بہت کچھ روشن ہوگا اور تو صحیح معنوں میں افضل مخلوقات قرار پائے گا۔

۳۵۔	تا نصیب از حکمت اشیا برد	ناتواں باج از توانایاں برد
۳۶۔	صورتِ ہستی ز معنی سادہ نیست	این کہن ساز از نوا افتادہ نیست
۳۷۔	برق آہنگ است ہشیارش زنند	خویش را چوں زخمہ بر تارش زنند
۳۸۔	تو کہ مقصودِ خطابِ "انظری"	پس چرا ایں راہ چوں کوراں بری

۳۵۔ تاکہ فانی انسان اشیا کی حکمت سے بہرہ ور ہو (اپنا حصہ لے) اور یوں طاقتوروں سے خراج وصول کرے۔ ناتواں' انسان کے لیے اور توانایاں' اشیا/ عناصر کے لیے استعمال ہوا ہے۔ (خراج وہی اپنا حصہ)۔

۳۶'۳۷۔ ہستی یعنی موجودات/ کائنات کا ظاہر' حقیقت سے عاری نہیں ہے۔ یہ پرانا ساز بالکل بے آواز نہیں ہو گیا' یہ ساز بجلی کی لے/ سر والا ہے جسے صاحبانِ دانش و بینش چھیڑتے/ بجاتے ہیں۔ وہ خود کو اس کے تاروں پر مضراب کی طرح لگاتے ہیں۔ گویا موجودات سے صحیح معنوں میں اربابِ دانش استفادہ کر سکتے ہیں۔

۳۸۔ تو تو "انظر" کے خطابیہ لفظ کا مقصود ہے' پھر بھلا اس راستے پر اندھوں کی طرح کیوں چل رہا ہے؟ قرآن کریم میں کئی جگہ یہ لفظ آیا ہے۔ مراد یہ کہ تم اس کائنات پر' اس کی ہر ہر شے پر غور و فکر کرو تاکہ توحید ایزدی پر تمہارا ایمان پختہ ہو' لیکن تم ہو کہ اس لفظ ارشادِ ربانی پر عمل ہی نہیں کر رہے۔

۳۹۔	قطرہ ے کز خودفروزی محرم است	بادہ اندر تاک و بر گل شبنم است
۴۰۔	چوں بدریا در رود گوہر شود	جوہرش تابندہ چوں اختر شود
۴۱۔	چوں صبا بر صورتِ گلہا متن	غوطہ اندر معنیِ گلزار زن
۴۲۔	آنکہ بر اشیا کمند انداخت است	مرکب از برق و حرارت ساخت است

۴۳- حرف چوں طائر بہ پرواز آورد نغمہ را بے زخمہ از ساز آورد

۳۹،۴۰- وہ قطرہ جو خود کو روشن/منور کرنے کے طریقے سے آگاہ ہے وہ انگور کی بیل میں شراب کی صورت اور پھول پر شبنم کی صورت میں ہے۔ جب وہ (قطرہ) دریا میں اتر جاتا ہے تو وہ موتی بن جاتا ہے اور اس کا جوہر ستارے کی مانند درخشاں ہو جاتا ہے۔ یہ مثال دے کر اصل بات اگلے شعروں میں کہی ہے۔

۴۱- تو صبا کی طرح پھولوں کے ظاہر پر توجہ نہ دے بلکہ گلزار کے باطن میں غوطہ لگا۔ ہوا چلتی ہے تو پھولوں پر سے گزرتی رہتی ہے جبکہ انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اشیائے کائنات کے صرف ظاہر کو نہ دیکھے بلکہ ان کے اندر چھپی حقیقتوں پر غور کرے۔

۴۲- جس نے اشیا پر کمند ڈالی ہے' اس نے بجلی اور حرارت کو اپنی سواری بنایا ہے۔ اسی غور وتوجہ سے اس نے کائنات کی ہر شے کو تسخیر/اپنے تابع کر لیا ہے۔

۴۳- ایسا شخص لفظوں کو پرندے کی طرح پرواز میں لاتا اور مضراب کے بغیر ہی ساز سے نغمہ نکالتا ہے۔ اس کی مختلف صلاحیتوں کی بات کی ہے۔ علامہ نے غالب کے شعر کو ذرا بدل کر لکھا ہے۔ غالب کی مثنوی "تقریظ آئین اکبر مصحّحہ سید احمد خاں صدر الصدور مراد آباد" میں یہ شعر یوں ہے:

نغمہ ہا بے زخمہ از ساز آورند
حرف چوں طائر بہ پرواز آورند

(وہ مضراب کے بغیر ساز سے نغمہ نکالتے اور الفاظ کو پرندے کی طرح اڑاتے ہیں)

۴۴- اے خرت لنگ از رہ دشوار زیست غافل از ہنگامۂ پیکار زیست

۴۵- ہمرہانت پے بہ منزل بردہ اند لیلیٰ معنی ز محمل بردہ اند

۴۶- تو بصحرا مثل قیس آوارہ ای خستہ ای' وا ماندہ ای' بیچارہ ای

۴۷- علم "اسما" اعتبار آدم است حکمت اشیا حصار آدم است

۴۴،۴۵- اے کہ تیرا گدھا زندگی کے کٹھن راستے کے سبب چلنے سے عاجز/لنگڑا ہے اور زندگی کی کشمکش کے ہنگامے سے بے خبر ہے۔ مراد یہ کہ حیات انسانی کا جو بنیادی مقصد ہے (اور وہ ہے تسخیر کائنات) تو (موجودہ مسلم) اس مقصد سے غافل ہے' جبکہ تیرے ہم سفر/ساتھی منزل پر بھی پہنچ گئے ہیں اور انہوں نے محمل سے حقیقت کی لیلیٰ کو بھی نکالیا ہے۔ ہم سفر سے مراد دوسرے انسان یا دوسری قومیں بالخصوص یورپی اقوام

ہو سکتی ہیں جنہوں نے حقیقت اشیا پر غور اور انہیں تسخیر کرنے میں خاصی جدوجہد کی ہے اور کامیابی سے ہمکنار ہوئی ہیں۔ بقول حالی:

یارانِ تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

۴۶۔ جبکہ تو (اے مسلم) ابھی مجنوں کی طرح /صحرا میں بیکار ادھر ادھر پھر رہا ہے (ادھر ادھر کی خاک چھان رہا ہے) تو (کچھ کیے بغیر ہی) تھک گیا ہے' پیچھے رہ گیا ہے اور بے بس ہو گیا ہے۔ یہ سب سستی و کاہلی اور کائنات پر غور نہ کرنے کی علامت ہے۔

۴۷۔ اسما کا علم آدمی کے لیے آبرو کا باعث ہے۔ اشیا کی حقیقت کو جاننا آدمی کے لیے ایک طرح سے قلعہ کی صورت ہے جس طرح قلعہ میں آدمی محفوظ ہوتا ہے' اسی طرح کائنات/موجودات کی حقیقت سے باخبر ہونا' اس پر غور کرنا اس کے لیے باعث تقویت و تحفظ ہوتا ہے۔

در معنیِ ایں کہ کمالِ حیاتِ ملیہ این است کہ ملت مثل فرد احساسِ خودی پیدا کند و تولید و تکمیل ایں احساس از ضبطِ روایاتِ ملیہ ممکن گردد

(اس موضوع کے بارے میں کہ ملی حیات کی تکمیل اس طرح سے ہے کہ ملت' فرد کی مانند خودی کا احساس پیدا کرے اور اس احساس کا پیدا ہونا اور اس کی تکمیل ملی روایات کی حفاظت ہی سے یعنی ان پر عمل پیرا ہونے ہی سے ممکن ہے۔)

۱۔ کودکے را دیدی اے بالغ نظر — کو بود از معنیِ خود بے خبر
۲۔ ناشناسِ دور و نزدیک آں چناں — ماہ را خواہد کہ برگیرد عناں
۳۔ از ہمہ بیگانہ آں مامک پرست — گریہ مست و شیر مست و خواب مست
۴۔ زیر و بم را گوشِ او درگیر نیست — نغمہ اش جز شورشِ زنجیر نیست

۱۔ اے باشعور آدمی! تو نے کسی بچے کو تو دیکھا ہوگا' کہ وہ اپنی حقیقت سے غافل /بے خبر ہوتا ہے۔

۲۔ وہ کچھ اس طرح دور اور نزدیک کے فاصلوں سے بے خبر/انجان ہوتا ہے کہ چاہتا ہے

چاند کو اپنے قابو/اپنی گرفت میں لے آئے۔

۳- وہ (بچہ) اپنی امی کا شیفتہ سب سے ناواقف ہوتا ہے۔ اس کا کام بس روتے رہنا یا دودھ پینے میں یا پھر نیند میں مست رہنا ہے۔

۴- اس کے کان آواز/نغمہ کے زیر و بم کا کوئی اثر نہیں لیتے' اس کے لیے تو کنڈی کا کھڑکا ہی نغمہ ہے۔ بچے کو چپ کرانے یا بہلانے کی خاطر دروازے کی کنڈی کھڑکاتے ہیں۔

۵- سادہ و دوشیزہ افکارش ہنوز — چوں گہر پاکیزہ گفتارش ہنوز
۶- جستجو سرمایۂ پندارِ او — از 'چرا'، 'چوں'، 'کے'، 'کجا' گفتارِ او
۷- نقش گیر این و آں اندیشہ اش — غیر جوئی' غیر بینی' پیشہ اش
۸- چشمش از دنبال اگر گیرد کسے — جانِ او آشفتہ می گردد بسے

۵- اس کے خیالات ابھی سادہ اور ہر طرح کی آلودگی سے پاک ہیں' جبکہ اس کی باتیں موتی کی طرح پاکیزہ ہیں۔

۶- تجسس اس کی سوچ کا سرمایہ ہوتا ہے اور اس کی باتیں کچھ اس قسم کی ہوتی ہیں: ''کیوں''، ''کس طرح''، ''کب'' اور ''کہاں؟''

۷- اس کی فکر ''اِس'' اور ''اُس'' کا اثر قبول کرنے والی (یعنی ہر کس و ناکس کا اثر) اور اس کا شغل غیر کی تلاش اور غیر کو دیکھنا/غیر پر نظر ڈالنا ہے' یعنی اپنی ذات کے سوا اس کی توجہ دوسروں کی طرف ہوتی ہے۔

۸- اگر کوئی (لاڈ سے) اس کی آنکھوں پر پیچھے سے ہاتھ رکھ دے تو اس کی جان بہت ہی پریشان ہو جاتی ہے۔

۹- فکر خامش در ہوائے روزگار — پر کشا مانندِ بازِ نو شکار
۱۰- در پے نخچیر ہا بگذاردش — باز سوئے خویشتن می آردش
۱۱- تا ز آتش گیریِ افکارِ او — گل فشاند زرچکِ پندارِ او
۱۲- چشم گیرائش فتد برخویشتن — دستکے بر سینہ می گوید کہ ''من''

۹'۱۰- اس کی ناپختہ سوچ زمانے کی فضا میں' نیا نیا شکار کرنے والے باز کی مانند پر کشا ہوتی/رہتی ہے۔ وہ اسے (سوچ کو) شکار کے پیچھے چھوڑتا اور پھر اپنی طرف لے آتا ہے۔
غالباً مراد یہ کہ کبھی کچھ سوچتا ہے اور کبھی ویسے ہی چپ رہتا ہے۔

۱۱'۱۲- تا آنکہ اس کے افکار کی آتش گیری سے اس کے خیال کی پھلجڑی پھول برسانے لگتی

ہے اور اس کی پرکشش آنکھیں اس کی اپنی ذات پر پڑتی ہیں اور وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر ''میں'' کہنے لگتا ہے۔

۱۳- یاد او با خود شناسایش کند — حفظ ربط دوش و فردایش کند
۱۴- سفتہ ایامش دریں تارِ زر اند — ہمچو گوہر از پے یک دیگر اند
۱۵- گرچہ ہر دم کاہد افزاید گلش — ''من ہمانستم کہ بودم'' در دلش
۱۶- ایں ''من'' نو زادہ آغاز حیات — نغمۂ بیداریِ سازِ حیات

۱۳- اس کا حافظہ یا اس کی یاد اس کو اپنی ذات سے متعارف کراتا/کراتی ہے' یعنی اب اس کا حافظہ کام کرنے لگتا ہے۔ وہ (یاد) اس کے گزرے ہوئے کل اور آنے والے کل کے باہمی ربط کو محفوظ کرتی ہے۔

۱۴- اب اس کے دن (یا اس کا زمانہ) اس سنہری تار (یاد) میں پروئے ہوئے ہیں اور وہ موتیوں کی طرح ایک تسلسل کے ساتھ ایک دوسرے کے آگے پیچھے ہیں۔

۱۵- اگرچہ ہر لحظہ وہ (عمر کے لحاظ سے) گھٹتا چلا جاتا ہے۔ بقول شاعر:

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹا دی

اور اس کا جسم بڑھتے پھولنے لگتا ہے (پھر بھی) اس کے دل میں یہ آنے لگتا ہے یا اس کا یہ احساس برقرار رہتا ہے کہ ''میں وہی ہوں جو میں تھا یا جو کبھی میں تھا۔''

۱۷- ملت نو زادہ مثلِ طفلک است — طفلکے کو درکنارِ مامک است
۱۸- طفلکے از خویشتن نا آگہے — گوہرِ آلودہ خاکِ رہے
۱۹- بستہ با امروز او فرداش نیست — حلقہ ہائے روز و شب در پاش نیست
۲۰- چشمِ ہستی را مثالِ مردم است — غیر را بینندہ و از خود گم است

۱۷'۱۸- نئی نئی/تازہ تازہ وجود میں آئی ہوئی قوم بھی بچے کی مانند ہے' ایسے بچے کی مانند جو اپنی امی کی گود میں ہے' ایسے بچے کی مانند جو اپنی ذات/شخصیت سے بے خبر ہے' جو گویا کسی راستے کی خاک میں اٹا ہوا موتی ہو۔

۱۹- ابھی اس (نوزائیدہ قوم) کا امروز اس کے فردا سے وابستہ نہیں اور دن اور رات کی زنجیریں اس کے پاؤں میں نہیں ہیں۔ گویا اس قوم کا حال اور مستقبل دونوں واضح نہیں ہیں اور وقت کے احساس سے بھی وہ ابھی عاری ہے۔ (یہ بات یا شعر بچے کے

متعلق بھی ہو سکتا ہے۔)

۲۰۔ وہ ہستی/وجود کی آنکھ کے لیے پتلی کی حیثیت رکھتی ہے یعنی وہ دوسروں کو تو دیکھ لیتی ہے لیکن خود سے پوشیدہ ہے۔ نوزائیدہ ہونے کی بنا پر ابھی اسے اپنے وجود کا احساس نہیں ہوا ورنہ وہ اپنا مستقبل عظیم و شاندار بنانے کے لیے جدوجہد کرے۔

۲۱۔ صد گرہ از رشتۂ خود وا کند — تا سرِ تارِ خودی پیدا کند

۲۲۔ گرم چوں افتد بکارِ روزگار — ایں شعورِ تازہ گردد پایدار

۲۳۔ نقشہا بردارد انداز د ازو — سرگذشت خویش رامی سازد او

۲۴۔ فرد چوں پیوند ایامش گسیخت — شانۂ ادراکِ او دندانہ ریخت

۲۱۔ وہ (نوزائیدہ قوم) اپنے دھاگے کی سینکڑوں گرہیں کھولتی/سلجھاتی ہے، جب کہیں خودی کے تار کا سرا اس کے ہاتھ آتا ہے یعنی اسے بڑے مرحلوں اور نشیب و فراز سے گزر کر اپنے وجود یا اپنی خودی کا احساس ہوتا ہے۔

۲۲۔ جب وہ زمانے کے کاروبار میں پوری طرح مستعد ہو جاتی ہے (یا بچہ مستعد ہو جاتا ہے) تو اس کا یہ تازہ شعور (خودی) پائیدار ہو جاتا یا ہوتا چلا جاتا ہے۔

۲۳۔ اس (قوم یا بچے) سے نقش بنتے اور بگڑتے رہتے ہیں، اس طرح وہ اپنی سرگذشت تیار کرتی رہتی ہے (کرتا رہتا) ہے۔

۲۴۔ جب فرد اپنے زمانے سے/اپنے ماضی سے تعلق منقطع کر لیتا ہے تو اس کے شعور کی کنگھی کے دندانے گر جاتے ہیں/گرنے لگتے ہیں۔ ماضی سے تعلق رکھے بغیر ترقی اور عظمت و سربلندی ممکن نہیں۔

۲۵۔ قوم روشن از سوادِ سرگذشت — خودشناس آمد ز یادِ سرگذشت

۲۶۔ سرگذشت او گر از یادش رود — باز اندر نیستی گم می شود

۲۷۔ نسخۂ بود ترا اے ہوش مند — ربطِ ایام آمدہ شیرازہ بند

۲۸۔ ربطِ ایام است مارا پیرہن — سوزنش حفظِ روایاتِ کہن

۲۵۔ (کوئی بھی) قوم اپنے ماضی سے ربط و تعلق ہی کے سبب تابناک بنتی ہے اور ماضی ہی کی یاد سے وہ خود کو پہچاننے والی بنتی ہے۔

۲۶۔ اگر وہ اپنا ماضی بھلا دے یا اس کی یاد سے محو ہو جائے تو پھر وہ فنا کا شکار ہو جاتی ہے۔ (اس کا وجود نہیں رہتا۔)

۲۷- اے صاحب ہوش و خرد! ایام/ ماضی سے ربط و تعلق تیرے وجود کی کتاب کا شیرازہ بند ہے۔ ماضی سے وابستگی ملت کی بقا کا باعث ہے۔ یہ ربط منتشر افراد کو متحد و متفق کرتا اور ایک صحیح ملت کی صورت دیتا ہے۔

۲۸- ماضی سے ربط و تعلق ہمارے لیے گویا لباس ہے اور اپنی قدیم روایات کا تحفظ اس کی سوئی ہے۔ سوئی سے بکھرے/ پھیلے ہوئے کپڑے کو لباس بنایا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ یہ تحفظ ہماری ملت کے اتحاد و بقا کا باعث ہے۔

۲۹- چیست تاریخ؟ اے زخود بیگانہ ے — داستانے' قصہ ے' افسانہ ے؟
۳۰- ایں ترا از خویشتن آگہ کند — آشنائے کار و مرد رہ کند
۳۱- روح را سرمایۂ تاب است ایں — جسم ملت را چو اعصاب است ایں
۳۲- ہمچو خنجر بر فسانت می زند — باز بر روئے جہانت می زند

۲۹- اے اپنی ذات سے بے خبر انسان (مسلم) تاریخ کیا ہے؟ کیا یہ کوئی داستان ہے؟ کوئی افسانہ ہے یا کوئی قصہ ہے؟ یعنی یہ داستان و افسانہ نہیں ہے بلکہ کسی بھی قوم کے لیے اس کی تاریخ' اس کا ماضی بنیادی امر ہے۔

۳۰- یہ (تاریخ) تجھے تیری ذات سے باخبر کرتی ہے اور تجھے عمل اور جدوجہد سے آشنا کرتی اور مرد رہ بناتی ہے۔ تجھ میں ایسے جذبے پیدا کرتی ہے جن کی بنا پر تو راہ عمل پر گامزن ہو جاتا اور اس طرح مقصد تک رسائی کے لیے راستے کی ہر طرح کی رکاوٹوں سے ٹکراتا ہوا آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

۳۱- یہ (تاریخ) روح میں جوش و جذبہ پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے اور ملت کے جسم کے لیے یہ اعصاب کی مانند ہے۔ انسان کا جسم اعصاب پر قائم ہے' بعینہٖ ملت کے لیے تاریخ بنیادی ضرورت ہے۔

۳۲- وہ (تاریخ) تجھے پہلے خنجر کی طرح سان پر لگاتی ہے اور پھر تجھے دنیا پر چلا دیتی ہے' یعنی تجھے غلبہ عطا کرتی ہے۔

۳۳- وہ چہ سازِ جاں نگار و دل پذیر — نغمہ ہائے رفتہ در تارش اسیر
۳۴- شعلۂ افسردہ در سوزش نگر — دوش در آغوشِ امروزش نگر
۳۵- شمع او بخت امم را کوکب است — روشن از وے امشب و ہم دیشب است
۳۶- چشم پرکارے کہ بیند رفتہ را — پیش تو باز آفریند رفتہ را

۳۳- واہ وا! یہ (تاریخ) کیسا روح پرور اور دل کش ساز ہے۔ ماضی کے نغمے اس کے تاروں میں پوشیدہ ہیں۔ (تاریخ کی اہمیت استعارے میں بیان کی ہے)

۳۴- تو اس (تاریخ) کے سوز میں بجھا ہوا شعلہ ملاحظہ کر اور گزرا ہوا کل یعنی ماضی اس کے آج / زمانہ حال میں دیکھ۔

۳۵- اس (تاریخ) کی شمع قوموں کے نصیبے کے لیے ستارے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سے آج کی رات / حال بھی روشن ہے اور گزری ہوئی رات / ماضی بھی۔

۳۶- جب کوئی ہشیار / با بصیرت آنکھ ماضی کو دیکھ لیتی ہے تو وہ ماضی کو تیرے سامنے پھر سے زندہ کر دیتی ہے۔ (چشم پرکارے سے کسی ہوشیار کی آنکھ بھی مراد ہو سکتی ہے' اس صورت میں آخری الفاظ ہوں گے ''وہ زندہ کر دیتا ہے'')

۳۷- بادۂ صد سالہ در مینائے او / مستی پارینہ در صہبائے او

۳۸- صید گیرے کو بدام اندر کشید / طائرے کز بوستانِ ما پرید

۳۹- ضبط کن تاریخ را پایندہ شو / از نفسہائے رمیدہ زندہ شو

۴۰- دوش را پیوند با امروز کن / زندگی را مرغِ دست آموز کن

۳۷- سو سالہ پرانی شراب اس (تاریخ) کی صراحی میں ہے اور اس کی شراب میں گزشتہ / ماضی کی مستی ہے۔ تاریخ کی اہمیت اور اسی طرح پرانی روایات کی اہمیت و وقعت کو اس استعارے میں بیان کیا ہے۔ (شراب جتنی پرانی ہو اتنی ہی زیادہ نشہ آور اور مہنگی ہوتی ہے۔)

۳۹- تو تاریخ کی حفاظت کر (روایات سابقہ پر عمل پیرا رہ) اور یوں جاوداں ہو جا اور ان گزشتہ روایات پر عمل کی وساطت سے زندگی پا جا۔

۴۰- گذرے ہوئے کل / ماضی کو آج سے مربوط کر اور اس طرح زندگی کو اپنا سدھایا ہوا پرندہ بنا لے۔ ان روایات پر عمل سے تو اپنے حسب منشا زندگی بسر کر سکے گا جو بہت بڑی خوش بختی کی علامت ہے۔

۴۱- رشتۂ ایام را آور بدست / ورنہ گردی روز کور و شب پرست

۴۲- سر زند از ماضیِ تو حالِ تو / خیزد از حالِ تو استقبالِ تو

۴۳- مشکن ار خواہی حیاتِ لازوال / رشتۂ ماضی ز استقبال و حال

۴۴- موجِ ادراکِ تسلسل زندگی است / مے کشاں را شورِ قلقل زندگی است

۴۱۔ تو (اے مسلم) ایام کے دھاگے کو ہاتھ میں لے لے یعنی اپنے (ملت کے) ماضی سے ربط و تعلق قائم رکھ ورنہ تو دن کا اندھا اور رات کا پجاری بن جائے گا۔ تاریکی اور تباہی تیرا مقدر ہو جائے گی۔

۴۲۔ تیرے ماضی ہی سے تیرا حال وجود میں آتا ہے اور پھر حال سے تیرا مستقبل پیدا ہوتا ہے۔ زمانوں کے تسلسل کو قائم رکھنے ہی سے تجھے (ملت اسلامیہ کو بھی) عظمت و سربلندی حاصل ہو گی۔

۴۳۔ اگر تو حیات جاوید کا خواہش مند ہے تو پھر تو مستقبل اور حال سے ماضی کا تعلق نہ توڑ۔ (زمانوں کا تسلسل برقرار رکھ)

۴۴۔ مذکورہ تسلسل کے شعور و ادراک کی موج ہی میں بقا ہے۔ میکشوں کے لیے شورِ قلقل ہی بقا کا سامان ہے۔ اپنی بات اس تمثیل سے واضح کی ہے۔

در معنیِ ایں کہ بقائے نوع از اموموت است و حفظ و احترام امومت

اصلِ اسلام است

(اس موضوع کے بارے میں کہ نوع کی بقا اموموت [ماں ہونا Motherhood] سے ہے اور اموموت کا تحفظ اور احترام اسلام کی بنیاد ہے۔)

۱۔ نغمہ خیز از زخمۂ زن سازِ مرد — از نیازِ او دوبالا نازِ مرد

۲۔ پوشش عریانیِ مردان زن است — حسن دلجو عشق را پیراہن است

۳۔ عشق حق پروردۂ آغوش او — ایں نوا از زخمۂ خاموش او

۴۔ آں کہ نازد بر وجودش کائنات — ذکر او فرمود باطیب و صلوٰۃ

۱۔ آدمی کا ساز عورت کی مضراب ہی سے نغمہ سرا ہے۔ اس (عورت) کی عاجزی و انکساری سے مرد کا ناز دوبالا / دگنا ہوتا ہے۔ عورت کے بغیر آدمی کی زندگی بے وقعت ہے اور وہ اس حالت میں کارنامے انجام نہیں دے سکتا اور نہ خود میں کوئی انقلاب ہی پیدا کر سکتا ہے۔

۲۔ مردوں کی عریانی کا لباس عورت ہے اور اس کا دلکش حسن عشق کی پوشاک ہے۔ پہلے

مصرعے میں سورۃ البقرہ' آیہ ۱۸۷ کی طرف اشارہ ہے' جس میں ارشادِ ربانی ہے:
''وہ (عورتیں) تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔'' گویا دونوں زندگی گزارنے کے لیے ایک دوسرے کے واسطے لازم ملزوم ہیں۔ عورت کا حسن' آدمی کے لیے عشق کا باعث بنتا ہے۔

۳۔ حق کا عشق اس (عورت) کی گود میں نشوونما پاتا ہے اور یہ نغمہ اس کی خاموش مضراب سے وجود پذیر ہے۔ حضور اکرمؐ اور دوسرے انبیاءؑ اپنی ماؤں کی گود میں پلے اور یہ سب عشق الٰہی سے سرشار تھے۔ گویا ان کی یہ سرشاری' ماؤں کی خاموش تربیت کا نتیجہ تھی۔

۴۔ اس ذاتِ گرامی (حضور اکرمؐ) نے' جنؐ کے وجود مبارک پر کائنات فخر کرتی ہے' اس (عورت) کا ذکر ''طیب وصلوٰۃ'' کے ساتھ فرمایا ہے۔ (فرہنگ دیکھیے....) گویا حضورؐ نے عورت کی بے حد اہمیت بتائی ہے۔

۵۔ مسلمے کو را پرستارے شمرد	بہرہ ے از حکمت قرآں نبرد
۶۔ نیک اگر بینی اُمومت رحمت است	زانکہ او را بانبوت نسبت است
۷۔ شفقت او شفقت پیغمبرؐ است	سیرت اقوام را صورت گر است
۸۔ از امومت پختہ تر تعمیر ما	درخط سیمائے او تقدیر ما

۵۔ وہ مسلمان جس نے اسے (عورت کو) کوئی لونڈی / کنیز سمجھا ہے وہ درحقیقت قرآن کی حکمت سے بہرہ ور نہیں ہوا۔ قرآن کریم میں تو عورت کی اہمیت بیان ہوئی ہے' اسے لونڈی سمجھنا اس کی اہمیت سے انکار کرنا ہے۔

۶۔ اگر تو بغور دیکھے یا تو اس بات پر غور کرے تو تجھ پر واضح ہوگا کہ امومت سراپا رحمت ہے' اس لیے کہ اسے نبوت سے نسبت / تعلق ہے۔ یعنی تمام انبیا نے ماں کی گود میں پرورش پائی اور نبوت کے مقام پر پہنچے۔ اس سلسلے میں ماؤں کا کردار بڑا اہم ہے۔

۸۔ امومت ہی سے ہماری تعمیر پختہ تر ہے۔ اس کی پیشانی کی لکیر میں ہماری تقدیر مخفی ہے۔ ہمارے کردار و عمل اور گفتار وغیرہ میں جو خوبیاں پیدا ہوتی ہیں اور ہماری تقدیر جو سنورتی ہے تو وہ سب ماں ہی کی پرورش و تربیت کا نتیجہ ہوتا ہے۔

۹۔ ہست اگر فرہنگ تو معنی رسے	حرف امت نکتہ ہا دارد بسے
۱۰۔ گفت آں مقصودِ حرف ''کن فکاں''	زیرِ پائے امہات آمد جناں
۱۱۔ ملت از تکریم ارحام است و بس	ورنہ کارِ زندگی خام است و بس

۱۲- از اموت گرم رفتار حیات | از اموت کشف اسرار حیات
۱۳- از اموت پیچ و تاب جوے ما | موج و گرداب و حبابِ جوے ما

۹- اگر تیرا شعور حقیقت تک رسائی پانے والا (یا رسائی پا سکتا/سمجھ سکتا ہے) تو لفظ ''امت'' میں بڑی گہری/باریک باتیں ہیں۔ غالباً اموت کے حوالے سے ایسا کہا ہے' کیونکہ ان دونوں لفظوں کا مادہ ایک ہی ہے۔

۱۰- الفاظ ''کن فکاں'' کے اس مقصود (حضور اکرمؐ) کا ارشادِ گرامی ہے کہ ماؤں کے پاؤں تلے جنت ہے۔

۱۱- ملت کی بقا ماں کی عزت و تکریم ہی سے قائم ہے' ورنہ زندگی کا تمام معاملہ سراسر خام ہے۔ یعنی اگر کوئی قوم ماں کی عزت و تعظیم نہیں کرتی تو اس کا وجود برقرار رہنا ناممکن یا مشکوک ہو جاتا ہے۔

۱۲- اموت ہی کی بدولت زندگی کی رفتار میں تیزی ہے یا تیزی آتی ہے۔ اموت ہی سے زندگی کے راز ظاہر ہوتے ہیں۔

۱۳- اموت ہی سے ہماری ندی کے پیچ و تاب ہیں (یہ ندی میں پانی ہونے اور اس کے وجود کی اہمیت کی علامت ہیں)' جو اس میں موجوں بھنور اور بلبلوں کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اموت کی اہمیت استعارے میں بیان کی ہے۔

۱۴- آں دُخِ رستاق زادے' جاہلے | پست بالاے سطبرے بدگلے
۱۵- ناتراشے' پرورش نا دادہ ے | کم نگاہے' کم زبانے' سادہ ے
۱۶- دل ز آلامِ اموت کردہ خوں | گردِ چشمش حلقہ ہاے نیلگوں
۱۷- ملت ار گیرد ز آغوشش بدست | یک مسلمانِ غیور و حق پرست
۱۸- ہستیِ ما محکم از آلامِ اوست | صبحِ ما عالم فروز از شامِ اوست

۱۴'۱۶- وہ گنوار اور جاہل لڑکی' جس کا قد ٹھگنا ہے' وہ موٹی بھی ہے اور بدصورت بھی' وہ غیر مہذب بھی ہے' اس کی صحیح معنوں میں پرورش نہیں ہوئی' پھر وہ غافل/بے پروا بھی ہے اور کم زبان و سادہ طبع بھی ہے (ایسی تمام خامیوں کے باوجود) اس کا دل اموت کے دکھوں سے خون ہو چکا ہے' جس کے باعث اس کی آنکھوں کے گرد نیلے حلقے پڑ گئے ہیں۔

۱۷'۱۸- تو ایسی لڑکی/عورت کی آغوش سے ملت اسلامیہ کو اگر ایک ایسا مسلمان میسر آتا/

ہاتھ لگتا ہے جو غیرت مند بھی ہے اور حق پرست بھی' تو اس عورت کی اس بچے (مسلمان) کی خاطر اٹھائی ہوئی مصیبتوں کے نتیجے میں ہماری ہستی/بقا مستحکم و مضبوط ہوگی اور اس کی شام سے ہماری صبح دنیا کو روشن کرنے والی بن جائے گی۔ امومت کی انتہائی اہمیت زوردار الفاظ میں بیان کی ہے۔

۱۹- واں تہی آغوش نازک پیکرے | خانہ پرورد نگاہش محشرے
۲۰- فکر او از تاب مغرب روشن است | ظاہرش زن' باطن او نازن است
۲۱- بند ہائے ملت بیضا گسیخت | تاز چشمش عشوہ ہا حل کردہ ریخت
۲۲- شوخ چشم و فتنہ زا آزادیش | از حیا نا آشنا آزادیش
۲۳- علم او بار امومت برنتافت | بر سر شامش یکے اختر نتافت
۲۴- ایں گل از بستان ما نارستہ بہ | داغش از دامان ملت شستہ بہ

۱۹- (اس سے پہلے اشعار میں گنوار لیکن سراپا امومت لڑکی/عورت کی بات تھی' اب ان اشعار میں مغرب زدہ عورت کی خامیاں بتا کر گویا گنوار لڑکی کی اہمیت اور اس عورت کی بے اہمیتی واضح کی ہے)۔ اس گنوار عورت کے برعکس ایک وہ لڑکی/عورت جو تہی آغوش ہے' نازک اندام ہے اور قیامت جس کی نگاہوں کی لونڈی ہے۔ اکثر شعرا نے محبوب کی آنکھوں/نگاہوں کو قیامت خیز کہا ہے۔ مثلاً میر ممنون کہتے ہیں:

غلط کہ صرف خرابی ہے گردش شب و روز
کہ گھر کے گھر تیری آنکھوں نے ہیں تباہ کیے

بقول شاعر:

دیکھو تو چشم یار کی جادو نگاہیاں
بیہوش اک نظر سے ہوئی انجمن تمام

فغاں:

ایسی نگاہ کی کہ مرا جی نکل گیا
قصہ مٹا' عذاب سے چھوٹے' خلل گیا

نظیری:

چناں وقت شکایت از نگاہش مضطرب گشتم
کہ مضمون سخن صد بار از دل تا زباں گم شد

غالب نے گویا نظیری کے اس شعر کا ترجمہ کیا ہے:

کرنے گئے تھے ان سے تغافل کا ہم گلہ
کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے

محتشم کاشی:

تمام از گردشِ چشمِ تو شد کارِ من اے ساقی
زدستِ من بگیر ایں جام را کز خویشتن رفتم

سودا کا یہ شعر مذکورہ شعر کا گویا ترجمہ ہے:

کیفیت چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا
ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

فیضی:

آنچہ بہ فیضی نظر دوست کرد
مشکل اگر دشمن جانی کند

خواجہ وزیر:

ترچھی نظروں سے نہ مارو عاشق دلگیر کو
کیسے تیر انداز ہو سیدھا تو کر لو تیر کو

فوق:

ہر بار مجھے ترچھی نگاہوں سے نہ دیکھو
سیدھا نہ ہو جو تیر چلانا نہیں اچھا

۲۰۔ اس کی فکر اور سوچ مغرب کی تابش سے روشن ہے۔ یعنی وہ مغربی تہذیب کی بڑی دلدادہ ہے۔ ظاہری طور پر تو وہ زن/عورت ہے لیکن اس کا باطن نازن ہے۔ دیکھنے میں تو وہ عورت ہے لیکن درحقیقت اس میں عورتوں والی کوئی بات (شرم و حیا وغیرہ) نہیں ہے۔

۲۱۔ اس مغرب زدہ لڑکی/عورت نے ملت بیضا/اسلامیہ کے بندھن توڑ ڈالے (اسلام نے جہاں عورتوں کو بہت حقوق دیے ہیں وہاں ان پر کچھ پابندیاں بھی عاید کی ہیں جو اس مغرب زدہ لڑکی نے توڑ دی ہیں)۔ اس نے اپنی آنکھوں کے آشکارا غمزوں اور نخروں سے کام لیا۔ یعنی اس کی آنکھوں میں شرم و حیا نہیں رہی۔

۲۲- وہ شوخ چشم ہے اور اس کی آزادی / آزادہ روی فتنہ پرور ہے۔ اس کی یہ آزادہ روی حیا اور شرم سے ناواقف ہے۔ یعنی اس میں قطعاً شرم و حیا نہیں ہے۔

۲۳- اس کا علم (مغربی طرزِ تعلیم) امومت کا بوجھ نہ اٹھا سکا۔ (گویا اس نے باقاعدہ ماں بننے کی طرف توجہ نہیں کی)۔ اس کی شام میں ایک ستارہ بھی نہ چمکا۔ غالباً مراد یہ ہے کہ وہ نہ ماں بنی اور نہ اس نے کسی بچے کو جنم دیا۔

۲۴- (تو جب اس عورت کا یہ طرزِ زندگی ہے تو) اس پھول (عورت) کا ہمارے باغ میں نہ اگنا / کھلنا ہی بہتر ہے۔ اس کا داغ ملت کے دامن سے دھل جانا ہی بہتر ہے۔ یعنی ایسی مغرب زدہ عورت یا عورتوں کی ملت اسلامیہ میں کوئی جگہ نہیں۔ یہ ملت سے دور ہی رہے / رہیں تو اچھا ہے۔

۲۵- "لاالہ" گویاں چو انجم بے شمار — بستہ چشم اندر ظلامِ روزگار
۲۶- پانبردہ از عدم بیروں ہنوز — از سوادِ کیف و کم بیروں ہنوز
۲۷- مضمر اندر ظلمت موجودِ ما — آں تجلی ہائے نامشہودِ ما
۲۸- شبنمے بر برگِ گل ننشستہ ے — غنچہ ہائے از صبا ناخستہ ے
۲۹- بردمد ایں لالہ زارِ ممکنات — از خیابانِ ریاضِ امہات

۲۵- ستاروں کی مانند ان گنت کلمہ گو (مسلمان) ابھی زمانے کی تاریکی میں آنکھیں بند کیے پڑے ہیں۔ ابھی وجود میں نہیں آئے۔

انہوں نے ابھی عدم سے پاؤں باہر نہیں نکالے۔ ابھی وہ مادی دنیا کی حدود سے باہر ہیں۔ غالباً یہ مراد ہے کہ ابھی وہ اپنی ماؤں کے پیٹ میں ہیں۔

۲۷- گویا ہمارے وجود کی تاریکی میں ان دیکھی تجلیاں پوشیدہ ہیں۔ یعنی وہ کلمہ گو مسلمان / مردانِ مومن ابھی پیدا نہیں ہوئے، جب ان کی مائیں انہیں جنیں گی تو وہ ملت اسلامیہ کے لیے روشنی کا باعث بنیں گے۔ (اس حوالے سے امومت کی اہمیت سامنے آتی ہے۔)

۲۸- ابھی کوئی شبنم پھول کی پتی پر نہیں پڑی۔ ابھی بعض کلیاں صبا کے ہاتھوں زخمی نہیں ہوئی ہیں۔ (وہی بات اب استعارے میں کی ہے)۔

۲۹- موجودات کا یہ لالہ زار (مردانِ مومن) ماؤں کے باغ کی کیاری سے پھوٹتا ہے / پھوٹے گا۔

۳۰۔ قوم را سرمایہ اے صاحب نظر | نیست از نقد و قماش و سیم و زر
۳۱۔ مالِ او فرزند ہائے تندرست | تر دماغ و سخت کوش و چاق و چست
۳۲۔ حافظ رمز اخوت مادراں | قوتِ قرآن و ملت مادراں

۳۰'۳۱۔ اے دانا بینا انسان! قوم کا سرمایہ یہ نقدی (مختلف سکے' نوٹ)' یہ گھریلو سامان/ قماش اور چاندی سونا نہیں ہے۔ اس (قوم) کا مال و دولت تو تندرست و توانا/صحت مند فرزند/نوجوان ہیں جو تر دماغ' سخت کوش اور چاق و چست ہوں۔

۳۲۔ رمز اخوت کی محافظ' مائیں ہیں اور قرآن و ملت کے لیے قوت کا باعث مائیں ہی ہیں (یا قرآن و ملت کی قوت مائیں ہیں)۔ ماؤں کی تربیت و پرورش ہی سے اولاد میں بھائی چارے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ قرآن و ملت کی تقویت کا باعث بنتی ہے۔

در معنی ایں کہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا اسوۂ کاملہ

ایست برائے نساءِ اسلام

(اس موضوع کے بارے میں کہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا مسلم خواتین کے لیے ایک مکمل نمونہ ہیں)۔

۱۔ مریمؑ از یک نسبت عیسیٰؑ عزیز | از سہ نسبت حضرتِ زہراؓ عزیز
۲۔ نورِ چشم رحمۃ للعالمینؐ | آں امامِ اولین و آخریں
۳۔ آں کہ جاں در پیکرِ گیتی دمید | روزگارِ تازہ آئیں آفرید
۴۔ بانوے آں تاجدار "ھل اتیٰ" | مرتضیٰؓ، مشکل کشا، شیرِ خدا
۵۔ پادشاہ و کلبۂ ایوانِ او | یک حسام و یک زرہ سامانِ او

۱۔ حضرت مریمؑ تو صرف حضرت عیسیٰؑ سے (مادرانہ) نسبت کی بنا پر عزیز ہیں جبکہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ تین نسبتوں سے عزیز ہیں۔ (اگلے شعروں میں ان نسبتوں کا ذکر ہے)۔

۲۔ (پہلی نسبت تو یہ ہے کہ وہ) حضور اکرمؐ رحمۃ للعالمین کی' جو سب سے پہلے اور سب سے آخری پیشوا/ نبیؐ ہیں' نورِ چشم یعنی بیٹی ہیں۔ (سب سے پہلے اس لحاظ سے کہ

کائنات کے وجود سے پہلے آپؐ کا نور موجود تھا اور آخری اس لحاظ سے کہ نبوت آپؐ پر ختم ہو گئی' آپؐ خاتم الرسلین ہیں)۔

۳- وہ (ذاتِ گرامی' یعنی حضور اکرمؐ) ایک ایسی ہستی ہیں جس نے اس دنیا/کائنات کے جسم میں (یعنی کائنات میں) ایک نئی روح پھونک دی' اور ایک نئے آئین والا زمانہ وجود میں لائی۔ یعنی آپؐ کی تعلیمات اور شرع نے دنیا میں ایک عظیم تعمیری انقلاب پیدا کر دیا۔

۴'۵- (دوسری نسبت یہ کہ وہ یعنی حضرت فاطمہؓ) حضرت علیؓ کی زوجہ مطہرہ تھیں' حضرت علیؓ جو "ھل اتیٰ" کے تاجدار اور مرتضیٰؓ مشکل کشا اور شیر خدا کے لقبوں سے ملقب ہیں اور جو بادشاہ تھے لیکن ایک کٹیا/چھوٹا سا گھر ان کا گویا محل تھا۔ ان کا سارا سروسامان/اثاثہ ایک تلوار اور ایک زرہ تھی۔ یعنی انؓ کی زندگی اور طرزِ رہائش بیحد سادہ تھی۔

۶- مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق — مادرِ آں کارواں سالارِ عشق
۷- آں یکے شمعِ شبستانِ حرم — حافظ جمعیتِ خیرالامم
۸- تا نشیند آتشِ پیکار و کیں — پشت پا زد بر سرِ تاج و نگیں
۹- واں دگر مولائے ابرارِ جہاں — قوتِ بازوے احرارِ جہاں

۶'۷- (اور تیسری نسبت یہ کہ) آپؓ عشق کی پرکار کے اس نقطے کی والدہؓ محترمہ ہیں اور عشق کے اس کارواں سالار/سردارِ قافلہ کی والدہ محترمہ ہیں۔ مراد حضرت امام حسنؓ کی والدہ محترمہ ہیں جن کی ذات عشق خدا و ملت سے سرشار تھی۔

۸- وہ (حضرت امام حسنؓ) حرم کے شبستان کی گویا شمع تھے اور جن کی ذات خیر الامم کے اتحاد و یکجہتی کی محافظ تھی۔ انہوں نے اس خاطر کہ لڑائی جھگڑے اور دشمنی کی آگ ٹھنڈی ہو/بجھ جائے' حکومت و اقتدار کو ٹھکرا دیا۔ حضرت ابو بکرؓ ثقفیؓ سے روایت ہے کہ ایک موقع پر حضور نبی کریمؐ نے حضرت حسنؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے (جو حضورؐ کے پہلو میں بیٹھے تھے) منبر پر فرمایا تھا: "یہ میرا بیٹا سردار ہے اور امید ہے کہ خدا اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔" (البخاری) چنانچہ خلافت کے سلسلے میں انہوں نے حضرت معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہو کر متوقع لڑائی کو صلح میں بدل دیا۔

9- اور دوسری شخصیت (جن کی حضرت فاطمہؓ والدہ محترمہ تھیں) وہ ہے یعنی حضرت امام حسینؓ، جو دنیا کے متقی لوگوں کے سردار اور جہاں بھر کے آزاد لوگوں کے بازوؤں کی قوت تھے۔

10- در نوائے زندگی سوز از حسینؓ | اہل حق حریت آموز از حسینؓ
11- سیرتِ فرزند ہا از امہات | جوہر صدق و صفا از امہات
12- مزرعِ تسلیم را حاصل بتول | مادراں را اسوۂ کامل بتولؓ
13- بہر محتاجے دلش آں گونہ سوخت | با یہودے چادرِ خودرا فروخت
14- نوری وہم آتشی فرماں برش | گم رضایش در رضائے شوہرش

10- زندگی کے نغمے میں سوز حضرت امام حسینؓ کی بدولت ہے۔ اہل حق نے حریت امام حسینؓ سے سیکھی ہے یعنی انہوں نے جان قربان کردی لیکن ظالم یزید کے آگے سر تسلیم خم نہیں کیا۔ بقول شاعر:

سر داد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسینؓ

11- اولاد میں جو سیرت پیدا ہوتی ہے وہ ماؤں ہی سے (ان کی تربیت و پرورش ہی سے) ہوتی ہے۔ صدق اور صفا کا کمال بھی ماؤں ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

12- تسلیم کی کھیتی کا حاصل حضرت فاطمہؓ بتول ہیں۔ بتولؓ ماؤں کے لیے مکمل نمونہ ہیں۔ یعنی جس طرح انہوں نے تسلیم و رضا کی زندگی بسر کی وہ ایک اعلیٰ نمونہ ہے جسے اپنا کر مائیں اپنی اور شوہر اور اولاد کی زندگی سنوار سکتی ہیں اور اس طرح ملت کے لیے عظمت و سربلندی کا سامان کر سکتی ہیں۔

13- ایک محتاج کی خاطر حضرت فاطمہؓ کا دل کچھ اس حد تک جلا (انہیں بے حد دکھ پہنچا) کہ انہوں نے اپنی چادر ایک یہودی کے پاس بیچ دی تاکہ وہ پیسے اس محتاج کو دے دیں۔

14- فرشتے اور جن و پری سب انؓ (حضرت فاطمہ) کے حکم بردار ہیں۔ ان کی رضا اپنے شوہر (حضرت علیؓ) کی رضا پر قربان تھی۔ یعنی شوہر کے معاملے میں وہ سراپا تسلیم و رضا تھیں اور یہ بہت بڑی خوبی ہے۔

15- آں ادب پروردۂ صبر و رضا | آسیاں گرداں و لب قرآں سرا
16- گریہ ہائے او ز بالیں بے نیاز | گوہر افشاندے بدامانِ نماز

۱۷- اشک او بر چید جبریلؑ از زمیں | ہم چو شبنم ریخت بر عرش بریں
۱۸- رشتۂ آئین حق زنجیر پاست | پاس فرمانِ جناب مصطفیؐ است
۱۹- ورنہ گرد تربتش گردیدمے | سجدہ ہا بر خاک او پاشیدمے

۱۵- آپؓ (حضرت فاطمہؓ) جو صبر اور رضا کی ادب پروردہ تھیں، چکی چلاتیں اور (اس حالت میں بھی) آپؓ کے مبارک ہونٹوں پر قرآن کریم جاری ہوتا (آپ قرآن کریم پڑھتی رہتیں)

۱۶- آپؓ کا گریہ سرہانے سے بے نیاز ہوتا، لیکن نماز میں وہ موتی بکھیرتیں، یعنی تنگ حالی میں بھی وہ کبھی نہ روئیں، البتہ نماز میں جب کھڑی ہوتیں تو آپؓ کا رونا اور عجز و انکسار اللہ کے حضور ہوتا۔

۱۷- حضرت جبرئیلؑ آپؓ کے آنسو زمین سے چن / اٹھا لیتے اور انھیں شبنم کی طرح بلند عرش پر بکھیر دیتے۔ مطلب یہ کہ ان کی نماز مکمل طور پر حضور قلب کے ساتھ ہوتی اور اس میں کوئی دکھاوا نہ ہوتا۔

۱۸، ۱۹- خدائی قانون کی ڈوری میرے (علامہ کے) پاؤں کی زنجیر بنی ہوئی ہے، نیز جناب مصطفیؐ کے فرمانِ مبارک کا بھی مجھے احساس و خیال ہے (اور وہ فرمان یہ کہ اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں) ورنہ میں آپؓ (فاطمہؓ) کی تربت / آپؓ کے روضۂ مبارک کا طواف کرتا اور آپؓ کی خاکِ پاک پر سجدے کرتا۔ علامہ نے بڑے زوردار الفاظ میں حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے اپنی انتہائی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔

خطاب بہ مخدراتِ اسلام

(اسلام کی پردہ نشیں خواتین سے خطاب)

۱- اے ردایت پردۂ ناموسِ ما | تابِ تو سرمایۂ فانوسِ ما
۲- طینت پاک تو ما را رحمت است | قوتِ دین و اساسِ ملت است
۳- کودکِ ما چوں لب از شیرِ تو شست | لا الہ آموختی او را نخست
۴- می تراشد مہرِ تو اطوارِ ما | فکرِ ما، گفتارِ ما، کردارِ ما
۵- برقِ ما کو در سحابت آرمید | بر جبل رخشید و در صحرا تپید

۱- اے (مسلم خاتون) تیری چادر ہماری عزت و ناموس کا پردہ ہے۔ تیری چمک/ تابش ہماری قندیل کا سرمایہ ہے۔ یعنی تیری گود میں پل کر اور تیری پرورش و تربیت ہی سے ہم عملی زندگی میں کامیاب و کامران ہوں گے۔

۲- تیری پاک فطرت ہمارے لیے باعث رحمت ہے اور یہ (پاک فطرت) دین کے لیے قوت اور ملت کی بنیاد ہے۔ یعنی تیری تربیت وغیرہ کی بدولت ہی دین مستحکم ہوتا اور ملت کے بڑھنے پھولنے کا سامان ہوتا ہے۔

۳- ہمارے بچے نے جب تیرے دودھ سے اپنے ہونٹ تر کیے (یعنی دودھ پینا شروع کیا) تو تو نے اسے سب سے پہلے "لا الٰہ" کہنا سکھایا۔ یہ گویا دین کے استحکام کی خاطر اور ملت اسلامیہ کی بنیاد ہے۔

۴- تیری محبت و شفقت ہمارے طور طریقوں کی، ہماری سوچ/فکر کی، ہماری گفتار اور ہمارے کردار کی تراش خراش کرتی یعنی انہیں سنوارتی ہے۔

۵- ہماری بجلی جو تیرے بادل میں آرام پا رہی تھی، پہاڑ پر چمکی اور صحرا میں کڑکی۔ غالباً اس میں اشارہ ہے حضرت موسیٰ کی طرف (جنہوں نے طور سینا پر خدا سے جلوہ دکھانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا) اور حضور اکرمؐ کی طرف جن کا تعلق صحرائے عرب سے تھا اور وہیں سے آپؐ نے دین اسلام کی خوب اشاعت کی۔

۶- اے امین نعمت آئین حق — در نفس ہائے تو سوز دین حق
۷- دور حاضر تر فروش و پرفن است — کاروانش نقد دیں را رہزن است
۸- کور و یزداں ناشناس، ادراک او — ناکساں زنجیری پیچاک او
۹- چشم او بیباک و ناپرواستے — پنجۂ مژگان او گیراستے
۱۰- صید او آزاد خواند خویش را — کشتۂ او زندہ داند خویش را

۶- (اے مسلم خاتون) تو آئین حق کی نعمت کی امانت دار ہے۔ تیری سانسوں میں دین حق کا سوز ہے۔ شریعت الٰہی ایک بہت بڑی نعمت ہے جو ماں کے وسیلے سے اولاد کو پہنچتی ہے اور پھر اسی کی بدولت ملت (ملت اسلامیہ) کو استحکام حاصل ہوتا ہے، اس لیے تجھے یہ نعمت اولاد تک ضرور پہنچانی چاہیے۔

۷- دور حاضر/موجودہ زمانہ عیار اور مکار ہے۔ اس کا قافلہ دین کی نقدی کا لٹیرا ہے۔ دور حاضر مغربی تہذیب سے متاثر ہے جو سراسر عیاری و مکاری کی حامل ہے۔ یہ عوام

کو دین سے بدظن کرتی اور صرف دنیاداری یا دنیاوی امور و فوائد کو پیشِ نظر رکھتی ہے۔

۸۔ اس (دورِ حاضر) کی عقل و دانش اندھی اور خدا ناشناس ہے (اسے صرف مادی دنیا ہی سے دلچسپی ہے)۔ گھٹیا لوگ ہی اس کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہیں۔ جو صحیح معنوں میں دین دار، حق شناس اور صاحبانِ فہم و شعور ہیں، وہ اس کے فریب میں نہیں آتے۔ کم عقل اور دین سے بیگانہ لوگ اس کے پرستار ہیں۔

۹۔ اس کی آنکھیں/ نگاہیں بے باک اور شرم و حیا سے عاری ہیں (ان میں شرم و حیا نہیں ہے)۔ اس کی پلکوں کا پنجہ پکڑ لینے والا ہے، گویا وہ اپنے شکار کو (یعنی جو بھی اس دور سے متاثر ہوتا ہے) مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے۔ جو بھی دورِ حاضر/ جدید تہذیب سے متاثر ہوتا ہے، وہ اسی کا ہو کے رہ جاتا ہے۔ دین و ملت سے اسے کوئی سروکار نہیں رہتا۔

۱۰۔ اس کا شکار خود کو آزاد کہتا ہے اور اس کا مارا ہوا خود کو زندہ سمجھتا ہے۔ یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کے پیشِ نظر صرف دنیاوی فوائد ہیں۔ خدا خوفی، خدا شناسی اور دینداری کی، ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے اور یہ رویہ ایک منفی رویہ ہے جسے مذکورہ لوگ بڑا مثبت رویہ قرار دیتے ہیں۔

۱۱۔ آبِ بندِ نخلِ جمعیت توئی ... حافظِ سرمایۂ ملت توئی
۱۲۔ از سرِ سود و زیاں سودا مزن ... گام جز بر جادۂ آبا مزن
۱۳۔ ہوشیار از دستبردِ روزگار ... گیر فرزندانِ خود را در کنار
۱۴۔ ایں چمن زاداں کہ پر نگشادہ اند ... ز آشیانِ خویش دور افتادہ اند
۱۵۔ فطرتِ تو جذبہ ہا دارد بلند ... چشم ہوش از اسوۂ زہرا مبند
۱۶۔ تا حسینے شاخِ تو بار آورد ... موسمِ پیشیں بگلزار آورد

۱۱۔ (اے خاتونِ مسلم) تو ہی جمعیت کے شجر/ درخت کی آبیاری کرنے والی ہے اور ملت کے سرمایہ کی محافظ بھی تو ہی ہے۔ تیری ہی تربیت و پرورش سے ہماری نسلیں اتحاد و یکجہتی اور دینداری کے جذبوں سے سرشار ہوں گی۔

۱۲۔ تو نفع اور نقصان کی بنا پر دنیاوی معاملات کو نہ جانچ، اور اپنے آباؤ اجداد یعنی قدیم مسلمانوں/ بزرگوں کی راہ کے سوا اور کسی ڈگر پر قدم نہ رکھ/ نہ چل۔ یعنی انہی کے

طور طریقے اپنا تا کہ تیرے پیر و جو نسل ہے وہ صحیح معنوں میں اسلام پر عمل پیرا ہو۔

۱۳- تو زمانے کی لوٹ مار سے ہوشیار رہ اور اپنے فرزندوں / اپنی اولاد کو اپنی گود میں سنبھال۔ یعنی ان کی طرف توجہ دے اور ان کی تربیت و پرورش صحیح اسلامی انداز سے کرتا کہ وہ ملت کی جمعیت اور اشاعت و استحکام کا باعث بنیں / بنے۔

۱۴- یہ چمن زادے (مراد نئی نسل) جو ابھی اڑنے کے قابل نہیں ہوئے ہیں' اپنے آشیانے سے دور پڑے ہیں' مطلب یہ کہ ان کی طرف توجہ کر۔ ان کی صحیح اسلامی طریقے پر پرورش و تربیت کرتا کہ یہ جو دین و ملت کی اہمیت وغیرہ سے ناواقف ہیں' اس سے آگاہ ہو کر ملت کا سرمایہ بن جائیں۔

۱۵'۱۶- (اے مسلم خاتون) تیری فطرت بلند جذبوں کی حامل ہے' تو اپنی عقل کی آنکھ حضرت فاطمۃ الزہراء کے نمونے سے مت چرا' یعنی ان کا اسوۂ کامل (اولاد کی پرورش و تربیت کے سلسلے میں) اپنے پیش نظر رکھ' تا کہ تیری شاخ کو حسینؓ سا کوئی پھل لگے جو گلزار میں پہلا سا موسم لے آئے۔ یعنی جب تو مذکورہ اسوۂ کاملہ پیش نظر رکھ کر اولاد کی تربیت کرے گی تو توقع ہے کہ تیرے یہاں بھی حضرت امام حسینؓ کی سی شخصیت وجود میں آئے جو انؓ کی طرح ظالم اور باطل قوتوں سے ٹکرانے کی جرأت رکھتی ہو اور حق کی خاطر جان تک قربان کر دے۔

خلاصہ مطالب مثنوی

در تفسیر سورۂ اخلاص

قل ھو اللہ احد

(کہہ دے وہ اللہ ایک ہے)

۱-	من شبے صدیقؓ را دیدم بخواب	گل ز خاک راہ او چیدم بخواب
۲-	آں "امن الناس" بر مولائے ما	آں کلیم اول سینائے ما
۳-	ہمت او کشت ملت را چو ابر	ثانی اسلام و غار و بدر و قبر

۴- گفتمش "اے خاصۂ خاصانِ عشق   عشقِ تو سر مطلعِ دیوانِ عشق

۵- پختہ از دستت اساسِ کارِ ما   چارہ ے فرماے آزارِ ما

۱- ایک رات میں نے خواب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو دیکھا۔ خواب ہی میں میں نے ان کی خاکِ راہ سے پھول چنے۔ (یہ انتہائی عقیدت کی علامت ہے)

۲- وہ جو ہمارے آقا (حضور اکرمؐ) پر "امن الناس" ہیں اور جو ہمارے طورِ سینا کے پہلے کلیم ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ پہلے خلیفۃ المسلمین ہیں (نیز فرہنگ)۔

۳- ان کی ہمت امت کی کھیتی کے لیے بادل کی مانند ہے۔ آپؓ ثانی اسلام، ثانی غار، ثانی بدر و قبر تھے۔ (فرہنگ)۔ ملت اسلامیہ کو حضورؐ کے بعد ان کی ہمت و دلیری سے عروج ملا۔

۴، ۵- میں نے انؓ سے عرض کیا: "اے کہ آپؓ عشق کے خاصوں کے خاص ہیں (حضور اکرمؐ سے آپؓ کو جو بے پناہ عشق تھا وہ کسی اور کو نہ تھا)، آپؓ کا عشق دیوانِ عشق کا سب سے پہلا شعر ہے۔ عشقِ رسولؐ میں آپؓ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے۔ آپؓ کے ہاتھوں سے ہمارے کام کی بنیاد مضبوط ہوئی۔ آپؓ ہمارے آزار/ مرض یا دکھ کا کوئی علاج بتایئے۔"

۶- گفت: "تا کے در ہوس گردی اسیر   آب و تاب از سورۂ اخلاص گیر

۷- ایں کہ در صد سینہ پیچد یک نفس   سرے از اسرارِ توحید است و بس

۸- رنگِ او بر کن مثالِ او شوی   در جہاں عکسِ جمالِ او شوی

۹- آنکہ نامِ تو مسلماں کردہ است   از دوئی سوے یکی آوردہ است

۶- حضرت صدیقؓ نے فرمایا: "تو (یعنی مسلم/ امت مسلمہ) کب تک حرص و ہوس میں جتلا رہے گا۔ تو سورۂ اخلاص سے چمک دمک/ رونق حاصل کر۔ (سورۂ اخلاص میں سارا زور توحیدِ ایزدی پر ہے۔ مراد یہ کہ توحید پر کامل ایمان لا/ رکھ۔

۷- یہ جو بے شمار سینوں میں ایک ہی سانس چل رہا ہے تو یہ توحید کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ سانس کا انداز ایک ہی ہے۔ دنیا بھر کے انسانوں میں یہ ایک ہی طرح چل رہا ہے۔ یہ گویا توحیدِ خداوندی کی علامت ہے۔

۸- تو اس (خدا) کا رنگ اختیار کر تو تو اس جیسا ہو جائے گا اور دنیا میں اس کے جمال کا عکس بن جائے گا۔ یعنی جب تو اے امت مسلمہ خود میں اتفاق و اتحاد پیدا کر کے

توحیدِ خداوندی کا سا رنگ پیدا کر لے گی تو تیری یہ یکجہتی و یگانگت گویا خدائی جمال کا عکس بن جائے گی۔

۹۔ وہ ذاتِ اقدس جس نے تیرا نام مسلمان رکھا ہے' وہ تجھے دوئی/کثرت سے وحدت کی طرف لائی ہے۔ امتِ مسلمہ ایک وحدت ہے' اس میں کوئی فرقہ' گروہ یا علاقائی نام نہیں ہے۔ (اگلے شعر میں علاقائی نام کی وضاحت ہے۔)

۱۰۔	خویشتن را ترک و افغان خواندہ ای	وائے بر تو آنچہ بودی ماندہ ای
۱۱۔	وارہاں نامیدہ را از نامہا	ساز با خم در گذر از جامہا
۱۲۔	اے کہ تو رسوائے نام افتادہ ای	از درختِ خویش خام افتادہ ای
۱۳۔	با یکی ساز از دوئی بردار رخت	وحدتِ خود را مگرداں لخت لخت
۱۴۔	اے پرستارِ یکی گر تو توئی	تا کجا باشی سبق خوانِ دوئی

۱۰۔ تو خود کو ترک اور افغان کہلاتا ہے' افسوس ہے تجھ پر کہ تو جو کچھ تھا اس سے ہٹ گیا/وہ نہیں رہا۔ یعنی خود کو مسلمان کہنے کی بجائے ترک و افغان کہلانے میں خوش ہوتا ہے' گویا تو مختلف قوموں اور گروہوں میں بٹ گیا ہے اور یہ قابلِ افسوس ہے کہ تو نے امتِ مسلمہ کی سابقہ روایات یکجہتی و یگانگت کو بھلا دیا ہے۔ علامہ ہی کے بقول:

یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو
(جوابِ شکوہ)

۱۱۔ تو موسوم (ایک نام والی' امتِ مسلمہ) کو اس قسم کے دوسرے ناموں سے نجات دلا (مت ان ناموں سے پکار) تو صراحی کے ساتھ موافقت کر اور پیالوں کو چھوڑ دے۔ صراحی ایک امتِ مسلمہ کے لیے اور پیالے مذکورہ قسم کے ناموں اور گروہوں کے لیے بطورِ استعارہ استعمال ہوئے ہیں۔

۱۲۔ اے (اس دور کے مسلم) تو اس قسم کے ناموں (ترک' افغان وغیرہ) سے رسوائے نام ہو گیا ہے اور اس طرح گویا اپنے درخت سے کچا ہی گر پڑا ہے۔ فرقہ و گروہ پرستی نے امتِ مسلمہ کو رسوائے زمانہ کر دیا ہے۔

۱۳۔ تو توحید/وحدت سے تعلق رکھ اور دوئی/شرک سے ہاتھ اٹھا لے/باز آ جا۔ اپنی وحدت کو (اس قسم کے طور طریقوں سے) ٹکڑے ٹکڑے نہ کر۔

۱۴- اے وحدت/توحید کے پرستار اگر تو واقعی تو ہے تو کب تک تو دوئی/شرک کا سبق پڑھتا رہے گا۔ اگر تو واقعی صاحب ایمان مسلم ہے تو اپنی وحدت کو نقصان نہ پہنچا۔

۱۵- تو در خود را بخود پوشیدہ ای — در دل آور آنچہ بر لب چیدہ ای

۱۶- صد ملل از ملتے انگیختی — بر حصار خود شبیخوں ریختی

۱۷- یک شو و توحید را مشہود کن — غائبش را از عمل موجود کن

۱۸- لذت ایماں فزاید در عمل — مردہ آں ایماں کہ ناید در عمل

۱۵- تو نے تو اپنا دروازہ خود پر بند کر لیا ہے۔ جو کچھ تو ہونٹوں پر لاتا ہے اسے دل میں بھی اتار لے۔ یعنی تو کلمۂ توحید صرف ہونٹوں/زبان سے ادا کرتا ہے/پڑھتا ہے۔ اگر تو صحیح معنوں میں مسلم ہے تو یہ کلمہ اپنے دل میں بسا لے تاکہ اس کی بدولت ملت اسلامیہ کی جمعیت برقرار رہے۔

۱۶- تو نے (اے عہد حاضر کے مسلمان) ایک ملت کی سیکڑوں ملتیں بنا ڈالی ہیں اور اس طرح اپنے قلعے پر آپ ہی شب خون مارا ہے۔ بقول علامہ:

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

(حضرت صدیقؓ کی زبان مبارک سے جو کچھ کہلوایا گیا ہے' کچھ ایسی ہی باتیں جواب شکوہ میں ہیں) گویا ملت اسلامیہ کے انتشار کا تو خود ہی ذمہ دار ہے۔

۱۷- تو ایک ہو جا اور اس طرح توحید و وحدت کا اظہار کر اور اس کے غایب کو اپنے عمل سے موجود کر لے۔ یعنی صرف زبان ہی سے کلمہ توحید ادا نہ کر بلکہ اس پر عمل پیرا ہو کر ملت میں اتحاد و یکجہتی' جو اس وقت نہیں ہے' پیدا کر۔

۱۸- عمل سے ایمان کی لذت میں اضافہ ہوتا ہے اور جس ایمان پر عمل نہ کیا جائے وہ مردہ ہو جاتا ہے۔ زبانی کلامی ایمان کی باتیں کرنا ایک بیکار مشغلہ ہے' اس سے ایمان کو تقویت نہیں ملتی بلکہ اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے جبکہ اس پر عمل سے جہاں اسے تقویت ملتی ہے وہاں خود صاحب عمل بھی ایک خاص سرشاری حاصل کرتا ہے۔

اللہ الصمد

(اللہ بے نیاز ہے)

۱۔ گر بہ "اللہ الصمد" دل بستہ ای — از حد اسباب بیروں جستہ ای
۲۔ بندۂ حق' بندۂ اسباب نیست — زندگانی گردشِ دولاب نیست
۳۔ مسلم استی؟ بے نیاز از غیر شو — اہل عالم را سراپا خیر شو
۴۔ پیش منعم شکوۂ گردوں مکن — دست خویش از آستیں بیروں مکن
۵۔ چوں علیؓ در ساز با نانِ شعیر — گردنِ مرحب شکن خیبر بگیر

۱۔ اگر تو نے اس بے نیاز خدا سے دل لگا لیا ہے تو تو اسباب کی حد سے باہر نکل گیا ہے۔ یعنی تو نے اللہ کی یہ صفت اپنانے کی صورت میں اس دنیا سے گویا بے نیازی اختیار کر لی ہے جو تیری عظمت و سربلندی کا باعث بنے گی۔

۲۔ خدا کا بندہ اس مادی دنیا کا غلام نہیں ہے۔ زندگی رہٹ کی طرح گردش نہیں کرتی۔ رہٹ یعنی کنوئیں سے پانی نکالنے کا ڈول بس کنویں تک ہی محدود رہتا ہے جبکہ انسانی زندگی ہر لحہ آگے بڑھنے کا نام ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب انسان اس دنیا سے بے نیاز رہے اور صرف اپنے مالک یعنی اللہ سے لو لگائے رکھے۔

۳۔ اگر تو (صحیح معنوں میں) مسلمان ہے تو ماسوا اللہ سے بے نیاز ہو جا اور یوں دنیا والوں کے لیے سراسر خیر بن جا۔ جب اس دنیا سے تو بے نیاز ہو گا' تیرا کوئی دنیاوی مفاد نہیں ہو گا تو تو بنی نوع انسان کا خیر خواہ بن جائے گا جو اسلام کی تعلیمات پر گویا تیرا عمل ہو گا۔ (انسان دوستی اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے)۔

۴۔ تو کسی دولت مند یا غنی کے آگے گردشِ آسمان یعنی تقدیر کا شکوہ نہ کر اور اپنا ہاتھ اپنی آستین سے باہر نہ نکال۔ اللہ سے لو لگانے اور دنیاوی فوائد سے بے نیازی کا یہی تقاضا ہے کہ تو کسی دنیاوی منعم کے آگے ہاتھ پھیلانے کی بجائے اپنے مولا سے مانگے اور جو کچھ ملے اس پر قناعت کرے۔

۵۔ تو حضرت علیؓ کی طرح جو کی روٹی یعنی سادہ / معمولی خوراک پر ہی قناعت کرنا سیکھ اور مرحب کی گردن توڑ اور خیبر فتح کر۔ حضرت علیؓ دلیر جذبوں کے مالک تھے۔ اعلیٰ خوراک یا دنیاوی فائدے ان کے پیشِ نظر نہ تھے۔ انہوں نے اپنی دلیری و شجاعت

سے ایک باطل قوت کا خاتمہ کیا۔

۶۔ منت از اہل کرم بردن چرا — نشتر لا و نعم خوردن چرا؟
۷۔ رزقِ خود را از کفِ دوناں مگیر — یوسف استی خویش را ارزاں مگیر
۸۔ گرچہ باشی مور وہم بے بال و پر — حاجتے پیش سلیمانے مبر
۹۔ راہ دشوار است ساماں کم بگیر — در جہاں آزاد زی آزاد میر

۶۔ سخی لوگوں کا احسان کیوں اٹھایا جائے' ان کی ''نہ'' اور ''ہاں'' کے نشتر کا زخم کیوں اور کس لیے کھایا جائے۔ اگر کسی سخی سے تو کچھ مانگے اور وہ دینے سے انکار کر دے یا تجھے کچھ دے دے تو یہ ہر صورت میں تیری غیرت کا سودا ہوگا' تیری توہین ہوگی۔ تو ہمت سے کام لے اور قناعت اختیار کرتے ہوئے اپنی ضرورتیں پوری کرنے کا خود سامان کر۔ بقول عرفی:

اقبال کرم می گزد ارباب ہمم را
ہمت نہ خورد نیشتر لا و نعم را

(ہمت والے لوگوں کے لیے کسی کی سخاوت / خیرات کو قبول کرنا بہت بڑا آزار ہے' اس لیے کہ ہمت لا و نعم کا نیشتر برداشت نہیں کر سکتی۔)

۷۔ تو اپنا رزق گھٹیا / کمینے لوگوں کے ہاتھ سے مت لے / حاصل نہ کر۔ تو یوسف ہے اپنے آپ کو سستا نہ سمجھ۔ یعنی تو حضرت یوسفؑ کی طرح گراں قیمت ہے۔ تو خود بہت بڑا صاحب ہمت ہے۔ اس لیے اپنا وقار برقرار رکھ۔ دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلا کر خود کو ذلیل و خوار مت کر۔

۸۔ اگرچہ تو چیونٹی اور بے بال و پر ہی کیوں نہ ہو' پھر بھی اپنی کوئی حاجت / ضرورت کسی سلیمان کے پاس نہ لے جا۔ یعنی اگرچہ تو ایک معمولی انسان ہی کیوں نہ ہو اور تیرے ذرائع / وسیلے بھی کم ہوں (یا نہ ہوں) پھر بھی کسی بڑی شخصیت کا احسان نہ اٹھائے۔

۹۔ راستہ (زندگی کا) بڑا کٹھن ہے' سامان کم ہی لے کر چل اور اس طرح دنیا میں آزاد زندگی بسر کر اور آزادی کی موت مر۔ اپنی حاجتیں / ضرورتیں کم سے کم رکھ' سادہ زندگی بسر کر کہ اسی سے تو باعزت اور باوقار زندگی بسر کر سکے گا۔

۱۰۔ سجۂ ''اَلْقَلِیْلُ مِنَ الدُّنْیَا'' شمار — از ''تَعِشْ حُرًّا'' شوی سرمایہ دار
۱۱۔ ناتوانی کیمیا شوٗ گل مشو — در جہاں منعم شو و سائل مشو

۱۲۔ اے شناسائے مقام بو علیؒ　　　جرعہ ے آرم ز جام بو علیؒ
۱۳۔ "پشت پا زن تخت کیکاؤس را　　　سر بدہ، از کف مدہ ناموس را"
۱۴۔ خود بخود گردد در میخانہ باز　　　بر تہی پیمانگان بے نیاز

۱۰۔ تو "اقلل من الدنیا" کی تسبیح پڑھا کرتا کہ تو "تعش حرا" کی دولت سے مالا مال ہو جائے۔ (فرہنگ دیکھیے)۔ مطلب یہ کہ جس قدر ہم اس دنیا سے بے نیاز رہیں گے، اتنی ہی ہماری زندگی سکون و فراغت سے گزرے گی۔

۱۱۔ جہاں تک تجھ سے ممکن ہو سکے، اکسیر بن، کیچڑ/مٹی نہ بن۔ تو دنیا میں منعم/صاحب نعمت (یا غنی) بن۔ سوال کرنے/مانگنے والا نہ بن۔ اس قابل ہو جا کہ تو دوسروں کو فیض پہنچا سکے نہ یہ کہ تو دوسروں کا دست نگر بنے اور یوں اپنی زندگی کا وقار کھو دے۔

۱۲، ۱۳۔ تو کہ مشہور صوفی بو علی قلندرؒ کے مقام و مرتبہ سے آگاہ ہے، میں تجھے ان کے جام سے ایک گھونٹ پیش کرتا ہوں، یعنی ان کی مشہور مثنوی کا ایک شعر سناتا ہوں جو یوں ہے، تو کیکاؤس کے تخت کو پاؤں سے ٹھوکر مار، اور سر دے دے (کٹوا لے) لیکن اپنا ناموس ہاتھ سے نہ جانے دے۔ صحیح زندگی یہی ہے کہ انسان کا دنیا میں وقار برقرار رہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ دنیاوی احتیاجات سے بے نیازی اختیار کی جائے اور کسی بھی حاکم وقت کے آگے سر نہ جھکایا جائے، خواہ اس سلسلے میں کتنی ہی اذیت کیوں نہ اٹھانی پڑے۔

۱۴۔ خالی پیالوں والے بے نیازوں پر شراب خانے کا دروازہ اپنے آپ کھل جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ دنیا سے بے نیاز رہنے والوں کے کام قدرت خود ہی سنوارتی رہتی اور ان کی ضروریات پوری ہونے کا سامان کرتی رہتی ہے۔

۱۵۔ قاید اسلامیاں ہاروں رشید　　　آں کہ نقفور آب تیغ او چشید
۱۶۔ گفت مالکؒ را کہ "اے مولائے قوم　　　روشن از خاک درت سیمائے قوم
۱۷۔ اے نوا پرداز گلزار حدیث　　　از تو خواہم درس اسرار حدیث
۱۸۔ لعل تا کے پردہ بند اندر یمن　　　خیز و در دارالخلافت خیمہ زن
۱۹۔ اے خوشا تابانی روز عراق　　　اے خوشا حسن نظر سوز عراق
۲۰۔ می چکد آب خضر از تاک او　　　مرہم زخم مسیحا" خاک او"

۱۵، ۱۶۔ مسلمانوں کے قائد خلیفہ ہارون الرشید نے، نقفور جن کی تلوار کی کاٹ کا شکار ہوا،

حضرت امام مالکؒ سے عرض کیا کہ "اے مولائے قوم! آپؒ کے دروازے کی خاک سے امت کی پیشانی روشن ہے۔

۱۷، ۱۸- آپ گلزارِ حدیث کے نغمہ پرداز ہیں، میں (خلیفہ) آپؒ سے حدیث کے بھیدوں/ رازوں کا درس لینا چاہتا ہوں، آخر لعل کب تک یمن میں پوشیدہ رہے گا۔ آپؒ اٹھیے اور دارالخلافہ میں خیمہ زن ہو جائیں (یعنی محل خلیفہ میں قیام کیجیے) یمن (ایک عرب ملک) کا لعل مشہور ہے۔ امامؒ کو لعل سے اور ان کے شہر کو یمن سے تشبیہ دی ہے۔

۱۹، ۲۰- واہ وا! عراق کے دن کی تابانی/ چمک کیا خوب ہے۔ واہ وا! عراق کے حسن نظر سوز کے کیا کہنے ہیں۔ اس کی تاک سے تو آبِ حیات ٹپکتا ہے اور اس کی خاک حضرت عیسیٰ/ مسیحا کے زخم کے لیے گویا مرہم ہے۔" حضرت امام مالک کو ترغیب دلانے کی خاطر سرزمین عراق کے بارے میں اس مبالغے سے کام لیا ہے۔

۲۱-	گفت مالکؒ "مصطفیؐ" را چاکرم	نیست جز سودائے او اندر سرم
۲۲-	من کہ باشم بستۂ فتراکِ اوؐ	بر نخیزم از حریم پاکِ اوؐ
۲۳-	زندہ از تقبیلِ خاکِ یثربم	خوشتر از روزِ عراق آمد شبم
۲۴-	عشق می گوید کہ فرمانم پذیر	پادشاہاں را بخدمت ہم مگیر
۲۵-	تو ہمی خواہی مرا آقا شوی	بندۂ آزاد را مولا شوی

۲۱- (خلیفہ کے جواب میں) امام مالکؒ نے فرمایا: میں تو حضرت مصطفیؐ کا خدمت گزار/ نوکر ہوں۔ حضورؐ کے عشق کے سوا میرے سر میں اور کسی کا سودا نہیں سمایا ہوا۔

۲۲- میں جو حضور اکرمؐ کے فتراک میں بندھا ہوا ہوں (حضورؐ کی ذات گرامی سے میری بے پناہ وابستگی ہے) میں تو حضورؐ کے حریم پاک (روضۂ مبارک) سے کبھی نہیں اٹھوں گا۔

۲۳- میں تو یثرب کی خاک چومتے رہنے ہی سے زندہ ہوں۔ (تیرے) عراق کے دن کے مقابلے میں میری رات کہیں زیادہ افضل/ روشن ہے۔

۲۴- عشق کا کہنا ہے کہ تو (امامؒ) میرا حکم مان (عشق کا تقاضا ہے کہ میں صرف حضور اکرمؐ ہی کی ذات گرامی سے وابستہ رہوں) اور بادشاہوں/ حکمرانوں کو اپنی خدمت کے لیے بھی قبول نہ کر۔

۲۵- تو (خلیفہ ہارون) میرا آقا بننا چاہتا ہے؟ یعنی ایک آزاد انسان کا مالک/ آقا بننے کا

خواہاں ہے۔

۲۶۔ بہر تعلیم تو آیم بردرت؟ | خادمِ ملت نگردد چاکرت
۲۷۔ بہرہ ے خواہی اگر از علمِ دیں | درمیانِ حلقۂ درسم نشیں
۲۸۔ بے نیازیؔ نازہا دارد بسے | نازِ او اندازہا دارد بسے
۲۹۔ بے نیازی رنگِ حق پوشیدن است | رنگِ غیر از پیرہن شوئیدن است

۲۶۔ کیا تجھے درس دینے کے لیے میں تیرے دروازے پر آؤں؟ (میاں) جو ملت کا خادم ہے وہ تیرا خدمت گار نہیں بنے گا۔ حضرت مالکؒ نے خود کو خادم ملت کہا ہے۔

۲۷۔ اگر تجھے یہ خواہش ہے کہ تو کسی قدر علم دین حاصل کرے تو تو میرے حلقۂ درس میں آ کر بیٹھ۔

۲۸۔ بے نیازی میں بڑے ناز ہیں اور اس کے ان نازوں کے بہت سے انداز ہیں۔

۲۹۔ بے نیازی گویا حق کا رنگ اختیار کرتا ہے اور اس طرح لباس سے غیر یعنی ماسوا کا رنگ صاف کرتا ہے۔ یعنی اللہ بے نیاز ہے اور اس کی یہ صفت اختیار کرتے ہوئے انسان دنیا سے بے نیاز ہو جاتا اور اس طرح ایک باوقار زندگی بسر کرتا ہے۔

۳۰۔ علمِ غیر آموختیؔ اندوختی | روے خویش از غازہ اش افروختی
۳۱۔ ارجمندی از شعارش می بری | من ندانم تو توئی یا دیگری
۳۲۔ از نسیمش خاکِ تو خاموش گشت | وز گل و ریحاں تہی آغوش گشت
۳۳۔ کشتِ خود از دستِ خود ویراں مکن | از سحابش گدیۂ باراں مکن
۳۴۔ عقلِ تو زنجیریِ افکارِ غیر | در گلوے تو نفس از تارِ غیر
۳۵۔ بر زبانت گفتگوہا مستعار | در دلِ تو آرزو ہا مستعار

۳۰۔ تو نے غیر کا علم سیکھا اور سمیٹا ہے اور اسی کے غازے (سرخی) سے اپنے چہرے کو چمکایا ہے۔ مطلب یہ کہ تو سراسر ماسوا اللہ یا اس مادی دنیا میں کھویا ہوا ہے اور اسی سے اپنی ظاہر عظمت بنا رکھی ہے۔ (غیروں کے علم والی بات نہیں جچتی۔ یہاں بھی غیر سے مراد ماسوا اللہ ہی ممکن ہے)۔

۳۱۔ تو اسی (علم غیر) کے طور طریقوں سے عزت و وقعت حاصل کر رہا کرتا ہے۔ اب معلوم نہیں کہ تو واقعی تو ہے یا کوئی اور ہے؟ یعنی اگر تو واقعی ایک مسلمان خلیفہ/حکمران ہے تو تجھے ماسوا اللہ سے دور رہنا چاہیے (اب خدا معلوم تجھ میں ایسا جذبہ ہے یا نہیں؟)

۳۲۔ اس (علم غیر) کی نسیم/ ہوا سے تیری خاک بنجر/ بے جان ہوگئی اور گل و ریحان سے اس کی گود خالی ہوگئی ہے۔ تیری فطرت میں صحیح اسلامی جذبے نہیں رہے جس کا باعث بھی ماسوا اللہ سے تیری وابستگی ہے۔

۳۳۔ تو اپنی کھیتی اپنے ہاتھوں سے مت اجاڑ۔ اس (ماسوا اللہ) یا دوسروں کے بادل سے بارش کی بھیک مت مانگ۔ مادی دنیا سے بے نیاز ہو جا اور یوں اپنے لیے صحیح معنوں میں وقار و عظمت کا سامان کر۔

۳۴۔ تیری عقل غیر کے افکار کی زنجیر میں جکڑی ہوئی ہے اور تیرے گلے میں جو دم/ سانس ہے وہ بھی غیر ہی کے تار سے ہے۔

۳۵۔ تیری زبان پر جو گفتگو ہے وہ ادھار مانگی ہوئی ہے اور تیرے دل میں جو آرزوئیں ہیں وہ بھی ادھار مانگی ہوئی ہیں۔ تو ہر کام کے لیے دوسروں کا دست نگر بنا ہوا ہے اور یوں بے نیازی سے بہت دور ہو گیا ہے۔

۳۶۔ قمریانت را نواہا خواستہ — سروہایت را قبا ہا خواستہ
۳۷۔ بادہ می گیری بجام از دیگراں — جام ہم گیری بوام از دیگراں
۳۸۔ آں نگاہش سر "مازاغ البصر" — سوئے قوم خویش باز آید اگر
۳۹۔ می شناسد شمع او پروانہ را — نیک داند خویش و ہم بیگانہ را
۴۰۔ "لست منی" گویدت مولائے ما — وائے ما' اے وائے ما' اے وائے ما

۳۶۔ تیری قمریوں کے چہچہے بھی مانگے ہوئے اور تیرے سروں کی قبائیں بھی مانگ تانگ کر اکٹھی کی ہوئی ہیں۔ اس استعارے سے یہ کہنا مقصود ہے کہ تو ہر معاملے میں دوسروں کا دست نگر ہے۔ تجھ میں بے نیازی بالکل نہیں ہے۔

۳۷۔ تو اپنے جام میں شراب دوسروں سے حاصل کرتا ہے جبکہ تیرا جام بھی دوسروں ہی سے ادھار لیا ہوا ہے۔ اب دوسرے استعارے میں مذکورہ بالا بات کہی ہے۔

۳۸' ۴۰۔ وہ ذات گرامی' یعنی حضور اکرمؐ جن کی نگاہِ پاک "مازاغ البصر" کا راز تھی' اگر ایک مرتبہ پھر اپنی قوم کی طرف تشریف لائے تو آپ کی شمع اپنے پروانے کو پہچان لے گی اور وہ اپنے اور بیگانے کو اچھی طرح پہچانتی ہے۔ اس وقت ہمارے آقا تجھ سے فرمائیں گے کہ "تو میری قوم سے نہیں ہے۔" لیکن افسوس ہے ہم پر' ہائے افسوس ہے ہم پر' حیف ہے ہماری اس زندگی پر۔ یعنی تو (خلیفہ ہارون الرشید) جو دنیا سے بے

نیازی اختیار کرنے کی بجائے اس میں ڈوبا ہوا اور دوسروں کا دست نگر ہے' قرآن کریم اور حضور اکرم کی تعلیمات کے سراسر خلاف جا رہا ہے اور ایسی زندگی پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہوگا۔

۴۱۔ زندگانی مثلِ انجم تا کجا — ہستی خود در سحر گم تا کجا
۴۲۔ ریوے از صبحِ دروغے خوردہ ای — رخت از پہنائے گردوں بردہ ای
۴۳۔ آفتاب استیٔ یکے در خود نگر — از نجومِ دیگراں تابے مخر
۴۴۔ بر دلِ خود نقشِ غیر انداختی — خاک بردی کیمیا در باختی
۴۵۔ تا کجا رخشی ز تابِ دیگراں — سر سبک ساز از شرابِ دیگراں

۴۱۔ ستاروں کی طرح زندگی گزارنا کب تک اور کب تک اپنی ہستی / اپنے وجود کو سحر میں گم پوشیدہ رکھا جائے۔ ستارے چاند سے روشنی حاصل کرتے اور صبح ہوتے ہی غروب ہو جاتے ہیں۔ یعنی وہ اپنی مرضی سے نہ تو اپنی روشنی میں کمی بیشی کر سکتے ہیں اور نہ اپنا وجود برقرار رکھنا ہی ان کے بس میں ہے۔ ایسی زندگی (دوسروں کا دست نگر ہونا) بیکار ہے۔ اس سے بچنا چاہیے۔

۴۲۔ تو (خلیفہ) نے صبح کاذب کا فریب کھایا ہے۔ تو اپنا سامان آسمان کی وسعت سے اٹھا کر چل دیا ہے۔ غالباً مراد یہ ہے کہ تو مادی دنیا کے وقتی فائدوں کے چکر میں پڑ کر اپنی حقیقی عظمت و سربلندی کو (جو بے نیازی کی بدولت حاصل ہوتی ہے) کھو بیٹھا ہے۔

۴۳۔ تو سورج ہے' ذرا اپنے اندر جھانک' یعنی اپنی ذات میں محو ہو جا' دوسروں کے ستاروں سے روشنی / چمک مت لے' تو دوسروں کا دست نگر نہ ہو' ذرا اپنی خودی کو کام میں لا تو تجھے پتا چلے گا کہ تجھ میں کتنی قوتیں اور خوبیاں ہیں۔

۴۴۔ تو نے تو اپنے دل پر غیر کا نقش جما / بٹھا رکھا ہے اور اس طرح تو نے اکسیر دے کر مٹی لے لی ہے۔ دوسروں کا سہارا لے کر یا دوسروں کا دست نگر ہو کر تو نے اپنی تمام صلاحیتیں اور قوتیں کھو دی ہیں اور یوں اپنے لیے ذلت و خواری کا سامان کیا ہے۔

۴۵۔ کب تک تو دوسروں کی روشنی سے چمکے گا۔ اپنا سر دوسروں کی شراب سے ہلکا کر' یعنی دوسروں کی شراب (احسانات) سے بچ۔

۴۶۔ تا کجا طوفِ چراغِ محفلے — ز آتشِ خود سوز اگر داری دلے
۴۷۔ چوں نظر در پردہ ہائے خویش باش — می پرد لا بجائے خویش باش

۴۸۔ درجہاں مثلِ حباب اے ہوش مند — راہِ خلوت خانہ بر اغیار بند
۴۹۔ فرد فرد آمد کہ خود را واشناخت — قوم قوم آمد کہ جز با خود نساخت
۵۰۔ از پیامِ مصطفیٰؐ آگاہ شو — فارغ از اربابِ دون اللہ شو"

۴۶۔ کسی محفل کے چراغ کا تو کب تک طواف کرتا رہے گا (اس کے گرد پھرتا رہے گا) اگر تیرے سینے میں دل ہے تو اسے اپنی آگ سے جلا۔ دوسروں کا مرہونِ منت ہونے کی بجائے اپنے دل کو روشن کر، اپنی خودی کو پہچان اور اس طرح ایک باوقار زندگی (جو بے نیازی کا نتیجہ ہے) بسر کر۔

۴۷۔ نظر کی طرح اپنے ہی پردوں میں رہ۔ اڑتا رہ لیکن تیری یہ پرواز اپنے ہی ٹھکانے پر ہو۔ (وہی بے نیازی اور دوسروں کے احسان نہ اٹھانے کی بات)۔

۴۸۔ اے صاحب عقل و دانش انسان! دنیا میں بلبلے کی مانند اپنے خلوت کدے کا راستہ غیروں پر بند رکھ۔

۴۹۔ کوئی فرد اسی وقت منفرد یعنی یگانہ بنا ہے جب اس نے اپنی ذات/خود کو پہچان لیا اور کوئی قوم اسی وقت ایک باعزت قوم بنی ہے جب اس نے اپنے علاوہ کسی اور سے موافقت نہیں کی یعنی صرف اپنے زورِ بازو پر بھروسا کیا اور دوسروں کی دست نگر نہیں بنی۔

۵۰۔ حضور اکرم مصطفیٰؐ کے پیغام سے آگاہ ہو (اسے سمجھ) اور (اس پر عمل پیرا ہو کر) اللہ کے سوا سب مادی قوتوں یا غیر اللہ کو اپنا آقا ماننے سے آزاد/فارغ ہو جا۔

لم یلد ولم یولد

(نہیں جنا اس نے کسی کو اور نہ وہ جنا گیا)

۱۔ قوم تو از رنگ و خوں بالاتر است — قیمتِ یک اسودش صد احمر است
۲۔ قطرۂ آبِ وضوے قنبرے — در بہا برتر ز خونِ قیصرے
۳۔ فارغ از باب و ام و اعمام باش — ہمچو سلمان زادۂ اسلام باش
۴۔ نکتہ ے اے ہمدمِ فرزانہ بیں — شہد را در خانہ ہاے لانہ بیں
۵۔ قطرہ ے از لالۂ حمرا ستے — قطرہ ے از نرگسِ شہلا ستے

۶۔ ایں نمی گوید کہ من از عبہرم — آں نمی گوید من از نیلوفرم

۱۔ تیری قوم رنگ اور نسل سے بلند تر ہے۔ اس کے ایک کالے/حبشی کی قیمت سو سرخ ہیں۔ یعنی تیری قوم کا ایک معمولی آدمی قدر و منزلت کے لحاظ سے دوسری قوموں کے کئی اعلیٰ نسل کے آدمیوں سے بڑھ کر ہے۔ (اس کی وجہ اس کا توحید پر ایمان اور دنیا سے بے نیازی ہے)۔

۲۔ (اس قوم کے) کسی قنبر کے وضو کے پانی کا ایک قطرہ، قیمت میں کسی قیصر کے خون سے بڑھ کر ہے (مذکورہ بالا بات دوسرے استعارے میں)

۳۔ تو ماں باپ اور چچاؤں سے آزاد ہو جا (یعنی خاندان و نسب وغیرہ کے حوالوں سے بے نیاز ہو جا) اور حضرت سلمان فارسیؓ کی طرح خود کو "ابن اسلام" (اسلام کا بیٹا) کہلوانا پسند کر۔ یعنی صرف اسلام سے حقیقی معنوں میں وابستہ ہو جا اور رنگ و نسل نیز نسب و شجرۂ نسب وغیرہ کی بات نہ کر۔

۴،۶۔ اے دانا/عقلمند ساتھی ایک نکتہ پر غور کر (وہ نکتہ یہ ہے کہ تو ذرا) شہد کو چھتے کے خانوں/سوراخوں میں دیکھ۔ اس (شہد) میں ایک قطرہ تو سرخ لالہ کے پھولوں سے (مکھیوں نے) لیا ہے اور ایک قطرہ نرگس شہلا سے۔ (یعنی شہد کی مکھیوں نے) مختلف پھولوں سے قطرہ قطرہ لے کر اسے شہد کی صورت دے دی/شہد بنا دیا ہے لیکن نہ تو یہ (قطرۂ نرگس) کہتا ہے کہ میں نرگس کے پھول سے لیا گیا ہوں اور نہ دوسرا قطرہ کہتا ہے کہ میں نیلوفر سے حاصل کیا ہوا ہوں۔ مطلب یہ کہ فرد کا تعلق صرف ملت سے ہے اور وہ حسب نسب اور رنگ و نسل سے آزاد ہوتا ہے۔

۷۔ ملت ما شانِ ابراہیمی است — شہد ما ایمانِ ابراہیمی است

۸۔ گر نسب را جزوِ ملت کردہ ای — رخنہ در کارِ اخوت کردہ ای

۹۔ در زمین ما نگیرد ریشہ ات — ہست نا مسلم ہنوز اندیشہ ات

۷۔ ہماری ملت ابراہیمی شہد کا چھتا ہے اور ہمارا شہد ابراہیمی ایمان ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ملت اسلامیہ کی بنیاد رکھی۔ اس ملت کا تقاضا ہے کہ ہم رنگ و نسل وغیرہ کے چکروں میں نہ پڑیں، صرف توحید خداوندی پر پختہ ایمان رکھیں اور تمام افراد ملت یک دل و یک جان ہو کر رہیں۔

۸،۹۔ اگر تو نے نسب کو ملت کا حصہ بنا لیا ہے تو پھر تو نے بھائی چارے (باہمی اتحاد و

یگانگت) کے معاملے میں خلل ڈال دیا ہے' اس میں بگاڑ پیدا کر دیا ہے۔ اس صورت میں ہماری زمین میں تیری جڑ قائم نہیں رہ سکتی اور تیری فکر ابھی تک زناری / کافرانہ ہے۔ اس قسم کے مسلمان / نام نہاد مسلمان کا ملت اسلامیہ سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔

۱۰۔ ابن مسعودؓ آں چراغ افروز عشق — جسم و جانِ او سراپا سوزِ عشق
۱۱۔ سوخت از مرگِ برادر سینہ اش — آب گردید از گداز آئینہ اش
۱۲۔ گریہ ہائے خویش را پایاں ندید — در غمش چوں مادراں شیون کشید

۱۰' ۱۱۔ حضرت ابن مسعودؓ جو عشق کا چراغ روشن کرنے والے تھے (عشق نبیؐ سے سرشار تھے)' ان کا جسم اور ان کی روح دونوں پورے طور پر عشق کا سوز تھے' اپنے بھائی کی موت پر ان کا سینہ جل اٹھا۔ گداز / پگھلاہٹ کے باعث ان کا آئینہ پانی ہو کر رہ گیا۔ یعنی شدت غم کی بنا پر ان کا دل پگھل کر پانی ہو گیا۔

۱۲۔ انہیں اپنا رونا ختم ہوتا نظر نہ آیا (وہ بے حد روئے) اور بھائی کے غم میں انہوں نے ماؤں کی طرح آہ و زاری کی / واویلا کیا۔

۱۳۔ "اے دریغا آں سبق خوانِ نیاز — یارِ من اندر دبستانِ نیاز"
۱۴۔ "آہ آں سروِ سہی بالائے من — در رہِ عشقِ نبیؐ ہمپائے من
۱۵۔ "حیف او محرومِ دربارِ نبیؐ — چشمِ من روشن ز دیدارِ نبیؐ"

۱۳۔ "ہائے افسوس! عجز و نیاز اور عشق کا وہ درس خوان جو عاجزی کے مکتب میں میرا دوست / ساتھی تھا۔ یعنی وہ بھی عشق نبیؐ سے سرشار تھا اور اس سلسلے میں وہ سراپا عجز و نیاز تھا۔

۱۴۔ آہ! وہ میرا بلند قد پیارا بھائی' جو نبی کریمؐ کے عشق کی راہ میں میرا ہم سفر / ہم قدم تھا۔ (اسے بھی میری طرح حضور اکرمؐ سے بے حد عشق تھا)۔

۱۵۔ افسوس کہ وہ دربار نبیؐ یعنی دیدار نبیؐ سے محروم ہو گیا' جبکہ میری آنکھیں نبی کریمؐ کے دیدار سے روشن ہیں۔ گویا حضرت ابن مسعودؓ کو بھائی کی وفات پر جس بات کا زیادہ دکھ ہوا' وہ اس کا حضورؐ کے دیدار سے محروم ہونا تھا۔

۱۶۔ نیست از روم و عرب پیوندِ ما — نیست پابندِ نسب پیوندِ ما
۱۷۔ دل بہ محبوبِؐ حجازی بستہ ایم — زیں جہت با یک دگر پیوستہ ایم

۱۸۔ رشتۂ ما یک تولایش بس است | چشم ما را کیف صہبایش بس است
۱۹۔ مستی او تا بخونِ ما دوید | کہنہ را آتش زد و نو آفرید
۲۰۔ عشق او سرمایۂ جمعیت است | ہم چو خوں اندر عروقِ ملت است
۲۱۔ عشق در جان و نسب در پیکر است | رشتۂ عشق از نسب محکم تر است

۱۶۔ ہمارا (ہم مسلمانوں کا) باہمی ربط و تعلق روم اور عرب کے حوالے سے نہیں ہے' یعنی کسی بھی ملک یا جغرافیائی حدود سے اس کا تعلق نہیں ہے اور نہ ہمارا باہمی ربط و تعلق کسی خاندان/نسب کا پابند ہے۔

۱۷۔ ہم نے تو اپنا دل محبوب حجازیؐ (حضور اکرمؐ) سے لگا رکھا ہے اور اسی بنا پر ہم ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔

۱۸۔ ہمارے باہمی ربط و تعلق/جمعیت کے لیے حضور اکرمؐ کی ایک محبت ہی کافی ہے۔ (یعنی ہم سب اگر حضور اکرمؐ سے محبت کریں تو یہی بات ہماری جمعیت کا باعث بنے گی)۔ ہماری آنکھوں کے لیے حضورؐ کی شراب کا نشہ ہی بہت ہے۔ (پہلے مصرعے والی بات استعارے میں)۔

۱۹۔ جب اس (شرابِ محبت) کی مستی ہمارے خون میں دوڑی/رچی بسی تو اس نے ہمارے پرانے افکار جلا ڈالے اور ہمیں نئے افکار سے روشناس کیا۔ یعنی اس سے پہلے ہم (انسان) بت پرستی میں کھوئے ہوئے تھے' اس محبت کی وجہ سے ہم توحید پر ایمان لائے اور دنیاوی معبودوں وغیرہ سے آزاد ہو گئے۔

۲۰۔ حضور اکرمؐ کا عشق ہماری جمعیت کا سرمایہ/باعث ہے جو خون کی مانند ملت کی رگوں میں دوڑ رہا ہے۔

۲۱۔ عشق کا تعلق روح سے ہے جبکہ نسب جسم سے متعلق ہے۔ عشق کا رشتہ/ربط و تعلق نسب سے کہیں زیادہ مضبوط و محکم ہے۔

۲۲۔ عشق ورزی از نسب باید گذشت | ہم ز ایران و عرب باید گذشت
۲۳۔ امتِ او مثلِ او نورِ حق است | ہستیِ ما از وجودش مشتق است
۲۴۔ "نورِ حق را کس نجوید زاد و بود | خلعتِ حق را چہ حاجت تار و پود"
۲۵۔ ہر کہ پا در بندِ اقلیم و جد است | بے خبر از "لم یلد لم یولد" است

۲۲۔ اگر تو عشق اختیار کرتا ہے تو تیرے لیے ترکِ نسب ضروری ہے' اسی طرح ایران و

عرب سے بھی بے تعلق ہو جانا ضروری ہے۔ اسلام نسل ونسب اور علاقائی حدود سے ماوراء ہے۔ اس سے وابستگی اور حضورؐ سے عشق کا تقاضا ہے کہ ان حدود وغیرہ سے کوئی تعلق نہ رکھا جائے۔

۲۳- حضورؐ کی امت حضورؐ ہی کی مانند خدا کا نور ہے۔ ہمارا وجود حضورؐ ہی کے وجودِ مبارک/ نور سے مشتق ہے۔ حضورؐ ہی کی بدولت ملت اسلامیہ وجود میں آئی ہے' اس لیے ملت کو حضورؐ ہی کے نقش قدم پر چلنا چاہیے ورنہ ملت کا وجود مٹ سکتا ہے۔

۲۴- حق کے نور کے زاد و بود یا جائے پیدائش کو کوئی نہیں ڈھونڈتا۔ بھلا حق کی خلعت کو تانے بانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ شعر مثنوی رومی کے دفتر چہارم سے ہے۔ اس حصے کا عنوان ہے: نشان جستن عبدالمطلب از موضع مصطفیٰ کہ کجایش.....الخ

۲۵- جو کوئی بھی علاقائی حدود اور رنگ ونسل کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے' یعنی خود کو ان سے وابستہ کیے ہوئے ہے' وہ "لم یلد ولم یولد" کی حقیقت سے بے خبر ہے۔ اگر وہ اس حقیقت سے صحیح معنوں میں آگاہ ہو جائے تو اس قسم کی تمام حدود سے آزاد و بے نیاز ہو جائے۔

ولم یکن لہ کفواً احد

(اور نہیں ہے کوئی اس کی برابری کرنے والا)

۱- مسلم چشم از جہاں بربستہ چیست؟ | فطرتِ ایں دل بحق پیوستہ چیست؟
۲- لالہ ے کو بر سرِ کوہے دمید | گوشۂ دامانِ گل چینے ندید
۳- آتش او شعلہ ے گیرد بہ بر | از نفس ہائے نخستین سحر
۴- آسماں ز آغوشِ خود نگذاردش | کوکبِ وا ماندہ ے پنداردش
۵- بوسدش اول شعاعِ آفتاب | شبنم از چشمش بشوید گردِ خواب

۱- دنیا سے آنکھیں بند کیے ہوا مسلم کیا ہے؟ اس (مسلم) حق سے دل لگائے ہوئے کی فطرت کیا ہے؟ یعنی وہ مسلمان جس نے خود کو مادی دنیا کی آلودگیوں سے پاک رکھا اور صرف خدا/محبوب حقیقی سے دل وابستہ کیے ہوئے ہے' اس کی فطرت کیسی ہے۔ (اس کا جواب اگلے چار شعروں میں بصورت تمثیل دیا ہے۔)

۲- لالہ کا وہ پھول جو کسی پہاڑ کی چوٹی پر اگا' اس نے کسی گل چین (پھول توڑنے والے) کے دامن کا گوشہ/کنارہ نہیں دیکھا۔

۳- اس کی آگ (یعنی سرخی) صبح کے اولین ہوائی جھونکوں سے ایک شعلہ اپنے پہلو میں حاصل کرتی ہے۔ بادِ نسیم کے چلنے پر وہ کھلتا ہے۔

۴- آسمان اسے اپنی گود سے جدا نہیں کرتا' وہ اسے کوئی گرا پڑا ستارہ سمجھتا ہے۔ پہاڑ کی چوٹی کے حوالے سے آسمان کی بات کی ہے یعنی وہ پھول اسی چوٹی پر نکھار ہتا ہے۔

۵- پہلے تو سورج کی کرن یا سورج کی پہلی کرن اسے چومتی ہے اور پھر شبنم اس کی آنکھوں سے نیند کی گرد دھوتی ہے۔ یہ سب باتیں گویا اس (لالہ) کی عظمت و سربلندی کی علامت ہیں۔ گویا وہ ایک ایسا فرد ہے جو دنیا سے الگ تھلگ یا اس سے بے نیاز ہے۔

۶- رشتۂ با "لم یکن" باید قوی ‏ تا تو در اقوام بے ہمتا شوی

۷- آں کہ ذاتش واحداست ولاشریک ‏ بندہ اش ہم در نسازد با شریک

۸- مومنِ بالائے ہر بالا ترے ‏ غیرتِ او برنتابد ہمسرے

۹- خرقۂ "لا تحزنوا" اندر برش ‏ "انتم الاعلون" تاجے برسرش

۶- "لم یکن" (اس کی برابری کرنے والا کوئی نہیں ہے) کے ساتھ تعلق مضبوط ہونا چاہیے تاکہ تو دوسری قوموں میں بے مثل/لاثانی ٹھہرے۔ یعنی جب حق سے دل وابستہ کرلیا ہے تو اس کی صفات کو اپنانا ضروری ہے۔

۷- وہ ذات/ہستی جو واحد اور لاشریک ہے' اس کا بندہ بھی کسی شریک کا متحمل نہیں ہوتا۔

۸- مومن جو کسی بلند تر سے بھی بلند ہے' اس کی غیرت کسی ہمسر کو برداشت نہیں کرتی۔ یعنی وہ عظمت کی اس چوٹی پر ہے جہاں تک کسی اور کی رسائی نہیں ہے۔

۹- "لا تحزنوا" کا خرقہ اس کے تن پر اور "انتم الاعلون" کا تاج اس کے سر پر ہے۔ (فرہنگ دیکھیے)

۱۰- می کشد بارِ دو عالم دوشِ او ‏ بحر و بر پروردۂ آغوشِ او

۱۱- بر غو تندر مدام افگندہ گوش ‏ برق اگر ریزد ہمی گیرد بدوش

۱۲- پیشِ باطل تیغ و پیشِ حق سپر ‏ امر ونہی او عیارِ خیر و شر

۱۳- در فضائے ایں جہانِ ہاے و ہو ‏ نغمہ پیدا نیست جز تکبیر او

۱۰۔ اس (مردِ مومن) کے کندھے دونوں جہانوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ سمندر اور خشکی اس کی گود کے پالے ہوئے ہیں۔ غالباً مراد یہ ہے کہ خدائی صفات اپنانے کے باعث اس میں بڑی قوتیں، صلاحیتیں اور خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

۱۱۔ بجلی کی کڑک پر وہ ہمیشہ کان لگائے رکھتا ہے اور اگر بجلی گرتی ہے تو وہ اسے کندھوں پر اٹھا لیتا ہے۔ شاید یہ مقصود ہے کہ وہ بڑے سے بڑے خطروں کو خاطر میں نہیں لاتا اور ان سے ٹکرانے میں اسے لذت محسوس ہوتی ہے۔

۱۲۔ وہ کسی باطل قوت کے لیے تو تلوار ہے، یعنی اس سے ڈرنے کی بجائے اس کا خاتمہ کرتا ہے، جبکہ حق کے آگے وہ ڈھال ہے، گویا حق کی مدافعت میں وہ سینہ سپر ہو جاتا ہے۔ اس کا امر و نہی، خیر اور شر کی کسوٹی ہے۔ یعنی وہ نیک کام تو خوب کرتا ہے لیکن برے کاموں سے دور رہتا ہے۔

۱۳۔ اس کی چنگاری میں سیکڑوں شعلے ہیں۔ زندگی اس کے جوہر سے کمال حاصل کرتی ہے۔ مراد یہی ہے کہ اس کا دل عظیم جذبوں کا حامل ہے جن کو عمل میں لا کر وہ زندگی کا صحیح مقصد پورا کرتا اور یوں اسے کمال تک پہنچاتا ہے۔

۱۴۔ اس شور و غل کی (یعنی مادی) دنیا کی فضا میں اس کی تکبیر کے سوا کوئی اور نغمہ نمایاں/ موجود نہیں ہے۔

۱۵۔	عفو و عدل و بذل و احسانش عظیم	هم بقهر اندر مزاج او کریم
۱۶۔	سازِ او در بزم ہا خاطر نواز	سوزِ او در رزم ہا آہن گداز
۱۷۔	در گلستاں با عنادل ہم صفیر	در بیاباں جرۂ باز صید گیر
۱۸۔	زیرِ گردوں می نیاساید دلش	بر فلک گیرد قرار آب و گلش
۱۹۔	طائرش منقار بر اختر زند	آں سوے ایں کہنہ چنبر پر زند

۱۵۔ اس کا عفو و عدل اور احسان عظیم ہے۔ قہر و غضب میں بھی اس کا مزاج کریمانہ ہے۔ اول تو اسے غصہ ہی نہیں آتا اور اگر آ بھی جائے تو مخالف کو معاف کر دیتا ہے۔ ایک قرآنی آیت کے مطابق "غصہ پی جانے والوں اور لوگوں کو معاف کرنے والوں اور احسان کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔"

۱۶۔ احباب کی محفل میں تو اس کا ساز دلوں کو لبھاتا ہے (اس کی گفتگو سراپا محبت و اخوت ہوتی ہے)، جبکہ اس کا سوز جنگوں میں لوہے کو پگھلا دیتا ہے۔ باطل قوتوں سے وہ

ایسے جذبوں اور ولولوں کے ساتھ ٹکراتا ہے کہ بڑی سے بڑی باطل قوت بھی اس کے سامنے بے بس ہو کر رہ جاتی ہے یا ختم ہو جاتی ہے۔

۱۷۔ گلستاں میں تو وہ بلبلوں کا ہم صفیر ہے جبکہ بیاباں میں وہ شکار کرنے والا نر باز ہے۔ شعر سولہ والی بات نئی تمثیل سے بیان کی ہے۔

۱۸۔ آسمان تلے اس کا دل آسودگی نہیں پاتا' اس کی فطرت کو آسمان پر سکون و قرار ملتا ہے۔ وہ ہر وقت جد و جہد اور عمل پیہم میں مصروف رہتا ہے اور اس طرح آسمان کی سی بلندی/عظمت پاتا ہے۔

۱۹۔ اس کا پرندہ ستاروں پر چونچ مارتا ہے' وہ اس قدیم دائرے یعنی آسمان کے اس پار پرواز کرتا ہے۔ (شعر ۱۸ والی بات نئی تمثیل سے)

۲۰۔ تو بہ پروازے پرے نکشودہ ای — کرمک استی زیر خاک آسودہ ای

۲۱۔ خوار از مہجوری قرآں شدی — شکوہ سنج گردش دوراں شدی

۲۲۔ اے چو شبنم بر زمیں افتندہ ئے — در بغل داری کتاب زندہ ئے

۲۳۔ تا کجا در خاک می گیری وطن — رخت بردار و سر گردوں فگن

۲۰۔ تو نے کسی پرواز کے لیے کوئی پر ہی نہیں کھولا۔ تو تو کیڑا ہے اور خاک کے نیچے آرام کر رہا ہے۔ یہاں مخاطب جدید دور کا مسلمان ہے جو جذبوں سے عاری اور جہد و عمل سے بیگانہ ہے جس کی وجہ سے وہ دنیا میں پست زندگی بسر کر رہا ہے۔

۲۱۔ تو قرآن کریم سے دوری کے باعث خوار ہو کر رہ گیا اور زمانے کی گردش کا شکوہ گلہ کر رہا ہے۔ قرآن کریم پر تو عمل نہیں کر رہا جس کے باعث تو ذلت و خواری کا شکار ہو گیا ہے' اپنی اس بے عملی پر توجہ کرنے کی بجائے مقدر کا رونا رو رہا ہے۔

۲۲۔ تو جو شبنم کی مانند زمین پر گرا پڑا ہے' تیری بغل میں تو ایک زندہ کتاب ہے۔ قرآن کریم رہتی دنیا تک ہدایت و رہنمائی کا سرچشمہ ہے جسے تو نے گویا طاق پر رکھ چھوڑا ہے' یعنی اس کی تعلیمات پر عمل پیرا نہیں ہے۔ اسی بنا پر ذلت و خواری تیرا مقدر بن گئی ہے۔

۲۳۔ تو کب تک خاک کو اپنا ٹھکانا بنائے رکھے گا' وہاں سے اپنا سامان اٹھا اور آسمان پر ڈال دے۔ یعنی ذلت کی زندگی سے باہر نکل اور قرآن کریم پر عمل کرتے ہوئے عظمت و سربلندی کی حامل زندگی اختیار کر۔

عرضِ حال مصنف بحضورِ رحمتہ للعالمینؐ

(رحمتہ للعالمین کے حضور مصنف یعنی علامہ کا عرضِ حال)

۱۔ اے ظہورِ تو شبابِ زندگی　　جلوہ ات تعبیرِ خوابِ زندگی
۲۔ اے زمیں از بارگاہت ارجمند　　آسماں از بوسہ بامت بلند
۳۔ شش جہت روشن زتابِ روے تو　　ترک و تاجیک و عرب ہندوے تو
۴۔ از تو بالا پایۂ ایں کائنات　　فقرِ تو سرمایۂ ایں کائنات
۵۔ درجہاں شمعِ حیات افروختی　　بندگاں را خواجگی آموختی

۱۔ اے حضورِ اکرمؐ آپؐ کی ذات گرامی کا وجود میں آنا زندگی کا شباب ہے (صحیح اور حقیقی زندگی کا باعث) اور آپ کا جلوہ خوابِ زندگی کی تعبیر ہے یعنی مقصدِ حیات ہے۔
۲۔ حضورؐ! اس زمین/کائنات کو آپؐ کی بارگاہ کے باعث قدر و منزلت حاصل ہوئی ہے اور آسمان آپ کی بارگاہ کو چومنے کے باعث بلندی پا گیا ہے۔ گویا زمین سے آسمان تک پوری کائنات کو جو بھی عظمت ملی ہے وہ آپؐ ہی کے وجود کے طفیل ہے۔
۳۔ یہ پوری کائنات آپؐ کے مبارک چہرے کے نور سے منور ہے' ترک اور تاجیک اور عرب یعنی تمام اہلِ دنیا آپؐ کے غلام ہیں۔
۴۔ آپؐ ہی کے طفیل اس کائنات کا مرتبہ بلند ہے۔ آپ کا فقر اس کائنات کا سرمایہ ہے۔
۵۔ آپؐ نے دنیا میں زندگی کی شمع روشن کی اور غلاموں کو آپؐ نے آقائی سکھائی۔

۶۔ بے تو از نابود مندی ہا خجل　　پیکرانِ ایں سرائے آب و گل
۷۔ تادمِ تو آتشے از گل کشود　　تودہ ہائے خاک را آدم نمود
۸۔ ذرہ دامن گیرِ مہر و ماہ شد　　یعنی از نیروے خویش آگاہ شد
۹۔ تا مرا افتاد بر رویتؐ نظر　　از اب و ام گشتہ ای محبوب تر

۶۔ حضورؐ! آپؐ کے بغیر (آپؐ کے وجود مبارک کے بغیر) اس کائنات کے تمام پیکر (موجودات' وجود) اپنی مفلسی اور کنگالی پر شرمسار تھے یعنی آپ کا وجود مبارک ہی دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے۔
۷۔ جب آپؐ کے مبارک سانس نے مٹی کے اندر (عشق کی) آگ سلگائی تو اس نے خاک کے ڈھیروں کو آدم بنا دیا۔ یعنی آپؐ سے پہلے انسان محض مٹی کا پتلا تھا' آپؐ

نے اس میں جذبۂ عشق پیدا کر کے اسے صحیح معنوں میں انسان بنا دیا۔

۸۔ (چنانچہ اسی جذبے کی بدولت) ذروں/ذرّے (معمولی انسانوں) میں وہ قوت پیدا ہوگئی کہ وہ سورج اور چاند کے دامن گیر ہوگئے/ہوگیا۔ یعنی اس ذرّے کو اپنی قوت کا پتا چل گیا۔

۹۔ جب سے میری نظر آپؐ کے مبارک چہرے پڑی ہے' آپؐ مجھے ماں باپ سے بھی زیادہ محبوب/عزیز ہوگئے ہیں۔ ایک حدیث ہے: تم میں سے کوئی صاحبِ ایمان نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والدین' اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

۱۰۔ عشق در من آتشے افروخت است فرصتش بادا کہ جانم سوخت است

۱۱۔ نالہٴ مانند نے سامانِ من آں چراغ خانہٴ ویرانِ من

۱۲۔ از غمِ پنہاں نگفتن مشکل است بادہ در مینا نہفتن مشکل است

۱۰۔ (آپؐ کے) عشق نے مجھ میں ایک آگ روشن کردی ہے/بھڑکا دی ہے' خدا کرے یہ عشق قائم و برقرار رہے کہ اس نے میری جان جلا دی یا اس سے میری جان جل گئی ہے۔ یہی مطلب ہوسکتا ہے کہ اس عشق کی بدولت میری جان میں خاص روشنی پیدا ہوگئی ہے۔

۱۱۔ بانسری کی طرح ایک نالہ ہی میرا ساز و سامان ہے اور وہی (نالہ) میرے ویران گھر کا چراغ ہے۔ نالہ انتہائی عشق کی علامت ہے' گویا اس کی بدولت شاعر علامہ کا دل روشن ہے۔

۱۲۔ اپنے پوشیدہ غم کے بارے میں کچھ عرض نہ کرنا مشکل امر ہے' شراب کو صراحی میں چھپا کے رکھنا مشکل ہے۔ (پہلے مصرعے کی بات دوسرے میں تمثیل کی صورت میں بیان کی ہے۔ صراحی شیشے کی ہوتی ہے جس میں سے شراب صاف نظر آتی ہے)۔ پوشیدہ غم کیا ہے؟ اگلے شعروں میں اس کا ذکر ہے۔

۱۳۔ مسلم از سرِ نبیؐ بیگانہ شد باز ایں بیت الحرم بتخانہ شد

۱۴۔ از منات و لات و عزّے و ہبل ہر یکے دارد بتے اندر بغل

۱۵۔ شیخِ ما از برہمن کافر تراست زانکہ اورا سومنات اندر سراست

۱۶۔ رختِ ہستی از عرب برچیدہ ے درخمستانِ عجم خوابیدہ ے

۱۷۔ شل ز برفابِ عجم اعضائے او سرد تر از اشکِ او صہبائے او

۱۳'۱۴۔ (آج کا) مسلمان حضور نبی کریمؐ کی حقیقت (حضورؐ کے عشق) سے بیگانہ ہوگیا ہے (اس میں وہ عشق نہیں رہا) چنانچہ یہ کعبہ ایک مرتبہ پھر بت خانہ بن گیا ہے۔ ہر کسی

نے لات و منات اور عزیٰ و ہبل میں سے کوئی نہ کوئی بت اپنی بغل میں چھپا رکھا ہے۔
کعبہ اسلام سے پہلے ان بڑے بڑے بتوں کا گھر تھا۔ عرب ان کی پرستش کرتے تھے۔
مراد یہ کہ آج کے مسلمان نے صحیح اسلام اور عشق نبیؐ سے اپنا تعلق توڑ لیا اور مختلف قسم کی
صورتوں یا بتوں مثلاً رنگ و نسل، ذات پات، فرقہ پرستی وغیرہ کو اپنا ایمان بنا رکھا ہے!

ع: فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں

۱۵۔ ہمارا شیخ (ملا، مذہبی رہنما) برہمن سے کہیں زیادہ کافر ہے، اس لیے کہ اس کے سر کے اندر سومنات ہے۔ ان ملاؤں ہی نے فرقہ بندی کی لعنت کو عروج دے کر اسلام کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ علامہ ہی کے بقول:

دینِ کافر فکر و تدبیرِ جہاد   دینِ ملا فی سبیل اللہ فساد

یعنی کافر تو جہد و عمل میں مصروف ہے اور ملا خدا کی راہ میں بھی فساد پیدا کر رہا ہے۔

۱۶۔ اس (ملا شیخ) نے عرب سے اپنی ہستی کا اسباب اٹھا لیا ہے، اور عجم کے شرابخانے میں سو گیا ہے۔ اس نے حقیقی اسلام سے اپنا ناتا / رشتہ توڑ لیا ہے اور عجم کے نام نہاد تصوف کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے۔

۱۷۔ عجم (عجمی تصوف) کے یخ پانی سے اس کے اعضا شل ہو کر رہ گئے ہیں جبکہ اس کی شراب اس کے آنسوؤں سے بھی زیادہ سرد ہے۔ اس نام نہاد تصوف نے مسلمانوں میں جہد و عمل کے جذبوں کو ختم کر دیا ہے اور ان کے آنسو بھی عشق کی گرمی سے خالی ہیں۔

۱۸۔ ہمچو کافر از اجل ترسندہ ے   سینہ اش فارغ ز قلبِ زندہ ے
۱۹۔ نعشش از پیشِ طبیباں بردہ ام   در حضورِ مصطفیؐ آوردہ ام
۲۰۔ مردہ بود از آبِ حیواں گفتمش   سرّے از اسرارِ قرآں گفتمش
۲۱۔ داستانے گفتم از یارانِ نجد   نکہتے آوردم از بستانِ نجد
۲۲۔ محفل از شمعِ نوا افروختم   قوم را رمزِ حیات آموختم

۱۸۔ وہ (آج کا مسلمان) کافر کی طرح موت سے خوف زدہ رہتا ہے۔ اس کا سینہ ایک بیدار دل سے محروم ہے۔ مردِ مومن موت سے کبھی نہیں ڈرتا اس لیے کہ اسے علم ہے کہ یہ بہر صورت آئے گی۔ اس کی تمام تر توجہ عشق خدا اور رسول کی طرف ہوتی ہے، جبکہ آج کے مسلمان میں یہ جذبہ نہیں ہے۔

۱۹۔ میں (علامہ) اس (مردہ دل مسلمان) کی نعش طبیبوں کے یہاں سے اٹھا کر اب

حضور مصطفیٰؐ نبی کریم کی بارگاہِ اقدس میں لایا ہوں۔

۲۰۔ (وہاں میں نے عرض کیا کہ) یہ تو مر چکا تھا' میں نے اسے آبِ حیات کی بات بتائی اور قرآن کریم کے رازوں میں سے ایک راز اسے بتایا ہے۔ اس میں عشقِ حقیقی کے جذبے ختم ہو چکے تھے اور وہ ایک مردہ دل مسلمان بن گیا تھا۔ میں نے اپنی شاعری کے ذریعے اس میں یہ جذبے پیدا کیے جو بقائے دوام کا باعث بنتے ہیں' نیز قرآن کریم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کا پیغام دیا۔

۲۱۔ میں نے اسے نجد کے دوستوں کی داستان سنائی اور نجد کے باغ میں سے اس کے لیے ایک خوشبو لایا ہوں۔ (فرہنگ دیکھیے)

۲۲۔ میں نے محفل (ملت) کو اپنے نغمے یعنی شاعری کی شمع سے روشن کیا اور قوم کو رمزِ حیات سکھائی: اپنی شاعری کے ذریعے میں نے قوم کو حقیقی زندگی گذارنے کا نکتہ/ ڈھنگ بتایا۔ (جو یہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات پر غور اور عمل کرو اور دل کو عشقِ خدا و رسولؐ کے جذبوں سے سرشار کرو)۔

۲۳۔ گفت "برما بندد افسونِ فرنگ — ہست غوغایش ز قانونِ فرنگ"
۲۴۔ "اے بصیریؒ را ردا بخشندہ ای — بربطِ سلمیٰ مرا بخشندہ ای
۲۵۔ ذوقِ حق دہ ایں خطا اندیش را — ایں کہ نشناسد متاعِ خویش را
۲۶۔ گر دلم آئینۂ بے جوہر است — ور بحرفم غیرِ قرآں مضمر است
۲۷۔ اے فروغت صبحِ اعصار و دہور — چشمِ تو بینندۂ مافی الصدور
۲۸۔ پردۂ ناموسِ فکرم چاک کن — ایں خیاباں را ز خارم پاک کن

۲۳۔ اس (قوم) نے میرے (اقبال کے) بارے میں یہ کہا کہ یہ شخص تو ہم پر فرنگ کا جادو منتر پھونک رہا ہے' اور اس کا یہ سارا شور و غوغا فرنگ کے باجے سے ہے۔ یعنی یہ (علامہ) ہمیں انگریزوں یا یورپی تہذیب کی طرف کھینچ رہا ہے۔ اس کی باتوں یا پیغام میں فرنگی سوچ کارفرما ہے۔

۲۴۔ حضورؐ! آپؐ نے بصیریؒ کو چادر عطا فرمائی تھی اور مجھے بربطِ سلمیٰ عطا فرمایا ہے۔ (بصیری کے لیے فرہنگ) یعنی مجھے ادبیات یا شاعری میں فکرِ صالح سے نوازا ہے۔

۲۵۔ اس (علامہ) غلط اندیش کو ذوقِ حق یا سچ بات کہنے کے ذوق سے نوازیے کیونکہ یہ (علامہ) تو اپنی متاع ہی سے ناواقف ہے۔

۲۶ تا ۲۸۔ اگر میرا دل ایک ایسا آئینہ ہے جو اپنے جوہر/چمک سے محروم ہے (دنیاوی آلودگیوں میں کھویا ہوا ہے) اور اگر میری گفتار یعنی میرے کلام میں قرآن کریم سے ہٹ کر کوئی اور موضوع پوشیدہ ہے' تو اے ذاتِ گرامی کہ آپ کا نور مبارک زمانوں اور جہانوں (یعنی پوری کائنات) کے لیے صبح' اور آپ کی چشم مبارک سینے کے رازوں کو دیکھنے والی ہے' آپ میرے افکار کے ناموس کا پردہ چاک کر ڈالیے اور اس کیاری (دنیا) کو میرے کانٹے (یعنی میرے اس قسم کے وجود) سے پاک فرما دیجیے۔ یعنی میں نے قرآن کریم سے ہٹ کر کوئی بات کی ہے تو مجھے سزا دے ڈالیے۔

۲۹۔ تنگ کن رختِ حیات اندر برم | اہلِ ملت را نگہدار از شرم

۳۰۔ سبز کشتِ نا بسامانم مکن | بہرہ گیر از ابرِ نیسانم مکن

۳۱۔ خشک گرداں بادہ در انگورِ من | زہر ریز اندر مے کافورِ من

۳۲۔ روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا | بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا

۲۹۔ (ان اشعار میں اپنے لیے مختلف سزاؤں کی بات استعاروں میں کی ہے اور وہ اس شرط پر کہ اگر انہوں نے قرآن سے ہٹ کر کوئی بات کی ہے)۔ میرے جسم پر زندگی کا لباس تنگ فرما دیں' یعنی میری زندگی اجیرن فرما دیں اور اہلِ ملت کو میرے شر/فساد اور بگاڑ سے محفوظ فرما دیں۔ (شر سے مراد شاعری ہے)

۳۰۔ میری بنجر کھیتی کو سبز نہ فرمائیں اور نہ مجھے ابرِ نیساں سے بھی کوئی حصہ لینے دیں۔ گویا معمولی سی بھی خوش بختی میرے نزدیک نہ پھٹکنے دیجیے۔

۳۱۔ میرے انگور میں موجود شراب کو خشک فرما دیں اور میری کافوری شراب میں زہر انڈیل/ڈال دیجیے۔

۳۲۔ قیامت کے روز مجھے خوار و رسوا فرمائیں اور اپنے پائے مبارک کے بوسہ سے مجھے محروم فرما دیں۔

۳۳۔ گرڈرِ اسرارِ قرآں سفتہ ام | با مسلماناں اگر حق گفتہ ام

۳۴۔ اے کہ از احسانِ تو ناکس' کس است | یک دعایت مزدِ گفتارم بس است

۳۵۔ عرض کن پیشِ خدائے عزوجل | عشقِ من گردد ہم آغوشِ عمل

۳۶۔ دولتِ جانِ حزیں بخشیدہ ای | بہرہ ے از علمِ دیں بخشیدہ ای

۳۷۔ در عمل پایندہ تر گرداں مرا | آبِ نیسانم گہر گرداں مرا

۳۳، ۳۴- اور اگر میں نے قرآن کریم کے اسرار کے موتی پروئے ہیں (یعنی قرآن کے حوالے سے باتیں کی ہیں) اور اگر میں نے مسلمانوں سے حق کی بات کی ہے تو اے ذاتِ گرامی! کہ آپ کے کرم سے ایک نالائق/پست انسان لائق/باعظمت بن جاتا ہے' میرے حق میں دُعا فرمایئے' آپ کی ایک دعا ہی میری گفتار کا بڑا اجر/صلہ ہے۔

۳۵- خدائے بزرگ و برتر کے حضور یہ دعا کیجیے گا کہ میرا عشق' عمل سے ہم کنار ہو جائے یعنی میرا عشق صرف گفتار تک ہی محدود نہ رہے بلکہ میں عمل سے بھی بہرہ ور ہو جاؤں۔

۳۶- تو (خدا) نے مجھے دردمند جان سے نوازا ہے (جذبۂ عشق عطا کیا ہے) اور کسی قدر علم دین عطا کیا ہے۔

۳۷- عمل میں مجھے پائندہ تر بنا دے' میں آبِ نیساں ہوں' مجھے گوہر بنا دے۔ (میں بارش کا قطرہ ہوں مجھے موتی بنا دے)۔ یعنی میں (عشقِ حق) میں عمل سے سرشار ہو کر صحیح معنوں میں مردِ مومن بن جاؤں۔

۳۸- رختِ جاں تا در جہاں آوردہ ام ۔۔۔ آرزوئے دیگرے پروردہ ام
۳۹- ہم چو دل در سینہ ام آسودہ است ۔۔۔ محرم از صبحِ حیاتم بودہ است
۴۰- از پدر تا نامِ تو آموختم ۔۔۔ آتشِ ایں آرزو افروختم
۴۱- تا فلک دیرینہ تر سازد مرا ۔۔۔ در قمارِ زندگی بازد مرا
۴۲- آرزوئے من جواں تر می شود ۔۔۔ ایں کہن صہبا گراں تر می شود

۳۸- جب سے میں جان کا سامان لے کر اس جہان میں آیا ہوں (یعنی جب سے میں پیدا ہوا ہوں) میرے دل میں ایک ہی آرزو پرورش پا رہی ہے۔

۳۹- (یہ آرزو) میرے سینے میں دل کی طرح آسودہ ہے اور میری زندگی کی صبح کی واقف حال ہے۔ (یہ آرزو بہت آگے جا کر بیان ہوئی ہے)۔

۴۰- جب سے میں نے اپنے والدِ بزرگوار سے آپؐ کا نام نامی سیکھا/سنا ہے' اس وقت سے اس آرزو کی آگ روشن کیے ہوئے ہوں (یہ آرزو دل میں رکھے ہوئے ہوں)۔

۴۱، ۴۲- جب تک یہ آسمان مجھے بہت پرانا بنا دے (یعنی میں بوڑھا ہو جاؤں) اور زندگی کے جوئے میں وہ مجھے ہار دے (یعنی میں مر جاؤں' اس وقت تک میری یہ آرزو جوان تر رہے گی (برقرار رہے گی) اور یہ پرانی شراب گراں تر ہوتی چلی جائے گی۔

۴۳- ایں تمنا زیرِ خاکم گوہر است ۔۔۔ در شبم تاب ہمیں یک اختر است
۴۴- مدتے با لالہ رویاں ساختم ۔۔۔ عشق با مرغولہ مویاں باختم

۴۵۔ بادہ ہا با ماہ سیمایاں زدم ‏ ‏ بر چراغ عافیت داماں زدم
۴۶۔ برقہا رقصید گرد حاصلم ‏ ‏ رہ زناں بُردند کالاے دلم
۴۷۔ ایں شراب از شیشۂ جانم نریخت ‏ ‏ ایں زر سارا ز دامانم نریخت

۴۳۔ یہ تمنا/ آرزو میرے جسم/ بدن میں گویا موتی/ گوہر ہے اور میری راتوں میں اسی ایک ستارے (یعنی آرزو) کی روشنی ہے۔ گو میری زندگی کردار کے لحاظ سے اچھی نہ سہی' پھر بھی اس ایک آرزو نے میرے باطن کو روشن کر رکھا ہے۔

۴۴۔ ایک مدت تک میں نے لالہ رو حسیناؤں سے دوستی رکھی اور گھنگریالے بالوں والی دوشیزاؤں سے عشق کا کھیل کھیلا۔

۴۵۔ میں چاند ایسی چمکتی پیشانی والی حسیناؤں کی رفاقت میں شراب کے جام چڑھاتا/ پیتا رہا اور یوں اپنے امن وسکون اور صحت وسلامتی کا چراغ بجھا دیا۔ اپنی عافیت تباہ کرلی۔

۴۶۔ میری فصل/ پیداوار کے گرد بجلیاں کوندتی/ رقص کرتی رہیں اور لٹیرے میرے دل کا اثاثہ لوٹ کر لے گئے۔ یعنی میری زندگی تباہی کی طرف رواں رہی اور یوں دل کا امن وسکون غارت ہو گیا۔

۴۷۔ (لیکن ان سب باتوں کے باوجود) یہ شراب میری جان/ روح کے پیمانے سے باہر نہ چھلکی۔ یہ خالص سونا میرے دامن سے نیچے نہ گرا۔ یعنی ہر حالت میں میری آرزو برقرار رہی۔

۴۸۔ عقل آزر پیشہ ام زنار بست ‏ ‏ نقشِ او در کشور جانم نشست
۴۹۔ سالہا بودم گرفتار شکے ‏ ‏ از دماغ خشکِ من لاینفکے
۵۰۔ حرفے از علم الیقیں ناخواندہ ے ‏ ‏ در گماں آبادِ حکمت ماندہ ے
۵۱۔ ظلمتم ازتاب حق بیگانہ بود ‏ ‏ شامم از نور شفق بیگانہ بود

۴۸۔ میری آزر پیشہ (بہت بڑی بُت تراش' نت نئے اور الٹے سیدھے خیالات پیدا کرنے والی) عقل نے زنار گلے میں ڈال لی اور اس کا نقش میری جان کی اقلیم میں جم گیا۔

۴۹۔ میں برسوں ایک شک میں مبتلا رہا جو میرے خشک دماغ سے جدا نہ ہوا' یعنی دماغ میں قائم/ برقرار رہا۔

۵۰۔ (میں گویا ایک ایسا انسان تھا) جس نے علم الیقین کا ایک لفظ بھی نہیں پڑھا تھا (گویا میں ہر وقت شکوک ہی میں ڈوبا رہا) اور جو فلسفہ کی بھول بھلیوں میں تھک ہار کر رہ گیا ہو۔

۵۱۔ میری تاریکی یعنی رات نورِ حق سے بیگانہ تھی اور میری شام شفق کے نور/ روشنی سے

ناواقف تھی۔ یعنی میری ساری سوچ اور میری فکر میں یقین کے اور تعمیری پہلو نہ تھے' وہ سراسر تاریکیوں کا شکار تھی۔

۵۲- ایں تمنّا در دلم خوابیدہ ماند | در صدف مثلِ گہر پوشیدہ ماند
۵۳- آخر از پیمانۂ چشمم چکید | در ضمیرِ من نواہا آفرید
۵۴- اے ز یادِ غیر تو جانم تہی | بر لبش آرم اگر فرماں دہی
۵۵- زندگی را از عمل ساماں نبود | پس مرا ایں آرزو شایاں نبود
۵۶- شرم از اظہارِ او آید مرا | شفقتِ تو جرأت افزاید مرا
۵۷- ہست شانِ رحمتؐ گیتی نواز | آرزو دارم کہ میرم در حجاز

۵۲- (اس دوران میں) میری یہ آرزو میرے دل ہی میں سوئی رہی (میں اسے زباں پر نہ لا سکا)' جیسے سیپی میں موتی پوشیدہ رہے۔

۵۳- تا آنکہ یہ آرزو میری آنکھوں کے پیمانے سے چھلک اٹھی / ٹپک پڑی اور اس نے میرے ضمیر میں نغمے پیدا کر دیے یا فریادیں پیدا کر دیں۔

۵۴- تو اے ذات گرامیؐ! کہ آپؐ کی یاد کے علاوہ' میری جان میں کسی اور کی یاد نہ رہے' اگر آپؐ ارشاد فرمائیں تو میں اپنی وہ آرزو ہونٹوں تک لے آؤں۔

۵۵- میری زندگی عمل سے بالکل خالی / محروم تھی' جس کے سبب میرے لیے ایسی آرزو کرنا / رکھنا مناسب نہ تھا۔

۵۶- (اور اب) اس کے اظہار سے میں شرم محسوس کر رہا ہوں' البتہ حضورؐ آپ کی شفقت میرا حوصلہ بڑھا رہی ہے۔

۵۷- آپؐ کی شانِ رحمت دنیا کو نوازنے والی ہے۔ میری آرزو یہ ہے کہ میری موت حجاز میں واقع ہو۔

۵۸- مسلمے از ما سوا بیگانہ ے | تا کجا زنّاریِ بت خانہ ے
۵۹- حیف چوں او را سر آید روزگار | پیکرش را دَیر گیرد در کنار
۶۰- از دَرَت خیزد اگر اجزاے من | وائے امروزم' خوشا فردا ے من

۵۸- ایک مسلمان (یعنی اقبال) جو ما سوا سے ناواقف ہے' کب تک بت خانے میں زناری بنا رہے گا۔ یعنی اس کا توحید پر ایمان تو ہے لیکن مادی دنیا کے جھنجٹوں میں گرفتار ہے' آخر کب تک اس کی یہ حالت رہے گی۔

۵۹۔ افسوس کی بات ہوگی کہ جب اس کی زندگی کے دن پورے ہو جائیں تو اس کے پیکرِ جسم کو بت خانہ اپنی آغوش میں سمالے۔ یعنی اس کی موت کا ہندوستان میں واقع ہونا اور یہیں اس کا دفن ہونا' دکھ کی بات ہوگی۔

۶۰۔ (قیامت کے روز) اگر میرے اجزاے بدن آپؐ کی مبارک چوکھٹ (حجاز) سے اٹھیں تو میرے افسوسناک ''آج'' کے مقابلے میں میرا کل بہت مبارک ہوگا۔ آج یعنی جو زندگی میری یہاں گذرے وہ قابلِ افسوس اور کل یعنی حجاز میں جو تھوڑی بہت گذرے اور وہیں موت واقع ہو' وہ میری بہت بڑی خوش بختی ہوگی۔

۶۱۔ فرخا شہرے کہ تو بودی در آں | اے خنک خاکے کہ آسودیؐ دراں

۶۲۔ ''مسکنِ یار است و شہرِ شاہِ من | پیشِ عاشق ایں بود حب الوطن''

۶۳۔ کوکبم را دیدۂ بیدار بخش | مرقدے در سایۂ دیوار بخش

۶۴۔ تا بیاساید دلِ بیتابِ من | بستگی پیدا کند سیمابِ من

۶۵۔ با فلک گویم کہ آرامم نگر | دیدہ ای آغازم انجامم نگر

۶۱۔ وہ شہر بہت ہی مبارک شہر ہے جہاں آپؐ کا قیام رہا اور وہ خاک/ سرزمین بڑی ہی مقدس ہے' جہاں آپؐ آرام فرما رہے/ دفن ہیں۔

۶۲۔ وہ شہر دوست کا مسکن ہے اور میرے بادشاہ کا شہر۔ عاشق کے نزدیک اسی کا نام حب وطن ہے۔ یہ شعر مولانا رومیؒ کی مثنوی کے دفتر سوم میں آیا ہے۔ اس حصے میں وکیل صدرِ جہاں کی داستاں بیان ہوئی ہے' جو عشق کی تہمت لگنے پر بخارا سے بھاگ جاتا ہے لیکن پھر دوست کی یاد میں جان کی پروا کیے بغیر واپسی کا ارادہ کرتا ہے۔ جس حصے کے آخر میں یہ شعر آیا ہے' اس کا عنوان ہے: ''عزم کردن آن وکیل از عشق کہ رجوع کنند بخارا''۔

۶۳۔ حضورؐ! میرے ستارے کو بیدار آنکھیں عطا فرمائیں اور اپنی مبارک دیوار کے سائے میں مجھے ایک قبر سے نوازیں۔ یعنی میرے مقدر کا ستارہ روشن ہو جائے اور میرا نصیبہ جاگ جائے اگر آپ مجھ پر یہ نوازش فرمادیں۔

۶۴۔ تاکہ میرے بے قرار/ بے چین دل کو قرار مل جائے یعنی میرا پارہ ٹھہراؤ/ قرار پیدا کرلے۔ بے قرار دل کو پارے سے تشبیہ دی ہے' جو ہر وقت ہلتا رہتا ہے۔

۶۵۔ (اس صورت میں) میں (فخر سے) آسمان سے کہوں گا کہ ذرا میرا آرام و سکون دیکھ۔ تو نے میرا آغاز تو دیکھا تھا اب میرا (خوش بخت) انجام بھی دیکھ۔

فرہنگ شرحِ مثنوی

اَسرارِ خودی

(اشعار رومیؒ)

۱-۳: دی: گذری ہوئی کل رات دام ودد: حیوان اور درندے ملولم: میں آزردہ ہوں ہمرہانِ سُست عناصر: کاہل اعضا والے ہمراہی' سُست الوجود ساتھی دلم گرفت: میرا دل تنگ آ گیا ہے۔ شیرِ خدا: حضرت علیؓ کا لقب جو بہت بہادر تھے رستم دستاں: ایران کا مشہور افسانوی پہلوان جس کے باپ کا دوسرا نام دستاں تھا جستہ ایم ما: ہم تلاش کر چکے' ڈھونڈ چکے ہیں۔

اسرارِ خودی

تمہید

(شعر نظیری نیشاپوری) = بیشہ: جنگل کوتاہی: کوئی نقص/خرابی منبر: جس پر چڑھ کر واعظ وعظ کرتے ہیں' یہ علامت ہے شریعت کی دار: تختۂ دار' پھانسی کا تختہ' سولی' یہ علامت ہے طریقت کی نظیری نیشاپوری: مغلیہ دور (اکبر اور جہانگیر) کا مشہور ایرانی شاعر' محمد حسین نام۔ ولادت نیشاپور ۱۵۵۲ء۔ ۱۵۸۳ء میں برصغیر آیا۔ یہاں عبدالرحیم خاں خانان اور اکبر و جہانگیر کی مدح میں قصیدے کہے: وفات ۱۶۱۲ء احمد آباد گجرات میں دفن ہوا۔ اسرار: سِر کی جمع' راز' حقیقتیں

خودی: صوفیا وغیرہ نے اس کے معنی تکبر کے لیے ہیں' لیکن علامہ کے مطابق اپنی ذات' اپنی شخصیت اور اس کو سمجھنے کی صورتِ حال' احساسِ نفس اور یقینِ ذات۔

۱-۴: مہرِ عالم تاب: دنیا کو روشن کرنے والا سورج آب زد: پانی چھڑکا خواب شست: نیند دھو دی/ختم کر دی بیدار رُست: کھڑی صورت میں/ بیدار اگا زورِ کلام: میری شاعری کی قوت وشدت مصرعے کارید: اس نے ایک مصرع بویا شمشیرے درود: ایک تلوار کی فصل کاٹی نکشت: نہ بویا تارِ فغانم: میری فریاد و فغاں کا تانا (تانا: کسی کپڑے کی بناوٹ میں لمبا دھاگا) پود باغ: باغ کے بانے میں (بانا: کپڑا بنتے وقت چوڑائی/ عرض میں آنے والا دھاگا) رشت: بنا

۵-۹: مہرِ منیر: روشن/ چمکتا سورج آنِ من است: میرا ہے جامِ جم: جمشید کا پیالہ، جمشید ایران کا ایک قدیم بادشاہ جس کے پاس ایک ایسا پیالہ تھا جس میں اسے تمام دنیا کا حال نظر آتا تھا خاکِ من: میری سرشت محرم: واقف، آگاہ ناز اد ہائے عالم: دنیا کی وہ چیزیں جو ابھی وجود میں نہیں آئیں فکرم: میرا تخیل، میری بصیرت سر فتراک بست: فتراک میں باندھ لیا کو: کہ او کا مخفف، وہ جو، جو کہ بیروں نجست: باہر نہیں کودا، باہر نہیں آیا سبزۂ ناروئیدہ: وہ سبزہ جو ابھی نہیں اُگا، اَن اگا سبزہ زیبِ گلشنم: میرے گلشن کی آرائش ہے نہاں: پوشیدہ، جو ابھی ٹہنی ہی کے اندر ہے، ابھی نہیں پھوٹا محفلِ رامشگری: نغمہ و سرود کی محفل زخمہ: مضراب۔

۱۰-۱۴: عودِ فطرتم: میری فطرت کا باجا نادر نواست: انوکھی سر والا/ انوکھے نغمے والا ہے ہم نشین: مراد ہم وطن مسلمان نغمہ ام: مراد میری شاعری، میری شاعری کی حقیقت خورشیدِ نو زائیدہ ام: میں نیا نیا وجود میں آیا ہوا سورج ہوں رم: وحشت سے بھاگ اٹھنا، ڈر کر بھاگنا تابم: میری چمک/ روشنی ناآشفتہ: تڑپ یا بے چینی سے عاری سیمابم: میرا پارا (پارا ہر وقت ہلتا رہتا ہے) رقصِ ضیایم: میری روشنی کا رقص/ اثر رنگِ حنایم: میری مہندی کا رنگ خوگر: عادی چشمِ ہست وبود: کائنات/ زمانے کی آنکھ بیمِ نمود: ظاہر ہونے یا سامنے آنے کا خوف خیزم: میں اٹھتا ہوں لرزہ: کپکپی۔

۱۵-۱۸: بامم: میری صبح، خاور: مشرق شکست: مراد ختم ہو گئی صبح خیزاں: صبح خیز کی جمع، صبح کو اٹھنے والے یا صبح لانے والے، مراد ایسے لوگ جو علامہ کے کلام کو سمجھیں، عام معنوں میں زاہد و عابد زرتشتیاں: زرتشتی کی جمع، آتش پرست، حضرت عیسیٰ سے تقریباً نو سو برس پہلے ایران کے ایک مدعی نبوت زرتشت یا زردشت کے پیروکار جو آگ کی پرستش کرتے ہیں۔ آج بھی برصغیر پاک و ہند میں اس مذہب کے لوگ ہیں جنھیں پارسی کہا جاتا ہے، مراد علامہ کے کلام سے متاثر ہونے اور ان کے پیغام پر عمل کرنے والے آتشم: میری آگ مراد میری شاعری، میرا پیغام بے پروا استم: میں بے پروا/ بے نیاز ہوں دانندہ: جاننے والا، سمجھنے والا یوسف: حضرت یوسف، مراد کلام علامہ (قرآنی تلمیح کے حوالے سے حضرت یوسف کو ان کے بھائی کنویں میں ڈال گئے تھے۔ بعد میں تاجروں کے ایک گروہ نے انھیں وہاں سے نکال کر بازار میں فروخت کر دیا۔)

۱۹-۲۳: استم: میں ہوں یارانِ قدیم: پرانے دوست، مراد پرانے اور علامہ کے دور کے شاعر، جن کی شاعری بے مقصد ہے طورِ من: میرا طور، مراد میرا بلند افکار کا حامل کلام (طور: کوہ طور جہاں حضرت موسیٰؑ نے اللہ سے اپنا جلوہ دکھانے کی گزارش کی تھی) کلیم: حضرت موسیٰؑ جن کا لقب "کلیم اللہ" (اللہ سے کلام کرنے والا) ہے قلزم: سمندر بے خروش: طوفان سے عاری/ خالی یم: سمندر، انتہائی گہرائی طوفاں بدوش: کندھوں پر طوفان لیے ہوئے، مراد میرا کلام انقلاب برپا کر دینے والے پیغام کا حامل ہے جرس: وہ گھنٹی جو قافلہ میں بجائی جاتی ہے (قدیم میں بجائی جاتی تھی) بعد از مرگ زاد: موت کے بعد پیدا ہوا، اسے مرنے کے بعد شہرت ملی بربست: بند کر لی کشاد: کھول دی رختِ ناز: فخر کا سامان دمید: اگا۔

۲۴-۲۸: گامِ ناقہ: اونٹنی کے قدم/ پاؤں کم غوغا: جس میں شور نہ ہو (اونٹنی جب چلتی ہے تو اس کے پاؤں کی چاپ سنائی نہیں دیتی) پیش خیزان: پیش خیز کی جمع بمعنی خادم یا چوبدار جو کسی کے آنے کی اطلاع دیتا ہے، نقیب نغمہ ام: میرا نغمہ، میری شاعری من نترسم: میں نہیں ڈرتا شکستِ عود: باجے کی ٹوٹ پھوٹ، باجے کا ٹوٹنا آشوب: ہنگامہ، تلاطم درنمی گنجد: نہیں سماتا جو: ندی میں

عمان من: (مراد میرا ٹھاٹھیں مارتا سمندر)

۲۹-۳۲: بالیدگی: بڑھنا پھولنا درخور: لائق، سزاوار خوابیدہ: سوئی ہوئیں باب: دروازہ جولان: میدان میں تیز دوڑنا، ہر طرف گھوڑا دوڑانا پنجہ کن: پنجہ لڑا، مقابلہ کر ار: اگر درگیر: سولے، سیٹ لے، روشن کر سینا: طور سینا جس پر حضرت موسیٰ کو خدا کا جلوہ نظر آیا تھا، اسے کوہ طور بھی کہتے ہیں چشمہ حیواں: آب حیات کا چشمہ براتم کردہ اند: قضاوقدر کے کارکنوں نے میرا حصہ قرار دیا ہے، میرے مقدر میں لکھ دیا گیا ہے راز حیاتم: مجھے زندگی کے راز یا زندگی کی حقیقت کا محرم: واقف، باخبر۔

۳۳-۳۶: سوز نوایم: مراد میری شاعری کی تپش / گرمی پرکشود: اس نے پر کھولے، اڑنے کے لیے تیار ہوا کرمک تابندہ: چمکنے والا کیڑا، جگنو دُر: موتی نہ سفت: نہیں پروئے عیش جاوداں: مراد حیات جاوید خواہی: تو چاہتا ہے، اگر تجھے خواہش ہے پیر گردوں: آسمان کا بوڑھا، بوڑھا آسمان کا پیرو مرشد، مراد قضاوقدر ندیماں: ندیم کی جمع، ایک ہی خیال رکھنے والے، ساتھ بیٹھنے والے نتواں نہفت: نہیں چھپائے جاسکتے۔

۳۷-۴۲: برخیز: اٹھ محو کن: زائل / دور کردے کاوش ایام: زمانے کی خلش اصلش: اس کی اصل، اس کا سرچشمہ پرستارش: اس کا غلام / عقیدت مند اندیشہ: فکر، سوچ، تخیل ہشیارتر: مراد زیادہ تیز حس والا / والی اعتبار: ساکھ، بڑائی، عظمت روباہ: لومڑی اوج ثریا: پروین کی سی بلندی / عظمت پہنائے دریا: دریا / سمندر کی سی وسعت کبک: چکور احمر: سرخ جم: جمشید، ایران کا مشہور قدیم بادشاہ ثریا: ان چھ ستاروں کا جھرمٹ جو بہت بلندی پر ہیں، پروین۔

۴۳-۴۶: شراب ناب: خالص شراب شب اندیشہ: یعنی میرے افکار کی رات مہتاب ریز: چاندنی ڈال، تاریکی دور کر، روشن کردے کشم: مراد میں لے چلوں آوارہ: مراد بھٹکی ہوئی ملت نظارہ: بصارت گرم رو: تیز چلنے والا مردم: آنکھ کی پتلی جس میں نظر ہوتی ہے۔

۴۷-۵۰: جنس سخن: شاعری کا سامان، مراد شاعری بالا کنم: بڑھادوں کالا: سامان

تجارت   برخوانم: میں پڑھوں   پیر رومؒ: مراد مولانا جلال الدین رومیؒ جن کی مثنوی معنوی کو آفاقی شہرت حاصل ہے، علامہ نے انھیں اپنا روحانی مرشد مانا ہے۔ علامہ نے مثنوی معنوی کی بحر ہی میں اپنی یہ مثنوی کہی ہے، ولادت مقام بلخ ۶ ربیع الاول ۶۰۴ھ/۳۰ ستمبر ۱۲۰۷ء، وفات اور مزار: قونیہ (ترکی) ۵ جمادی الاخر ۶۷۲ھ/۱۷ ستمبر ۱۲۷۳ء   دفتر سربستہ: بند کتاب جسے کسی نے کھول کر نہ دیکھا ہو، سربمہر کتاب   اسرار علوم: حکمت و دانش کی معلومات   فروغ یک نفس: ایک پل/آن کی روشنی   تاخت: حملہ کیا   شبخون ریخت: شب خون مارا۔

۵۱-۵۴: خاک: مراد علامہ   اکسیر کرد: یعنی بلند مرتبہ کر دیا   رخت بست: اس نے سامان باندھ لیا   آرد بدست: وہ پکڑ لے   درِ تابندہ ے: ایک/کوئی چمکتا ہوا موتی۔

۵۵-۶۰: مائل: جھکا ہوا، راغب   یاربم: میری ''یارب'' (خدا کے حضور عرض و فریاد) شکوہ آشوب: زور شور سے/شکوہ و شکایت کرنے والا   بدم: بودم، میں تھا تہی پیمانگی: جام کا خالی ہونا، مراد دل کا عشق و معرفت سے خالی ہونا   نظارہ ام: میری بصارت   جنمود: دکھایا، ظاہر ہوئے   پیر حق سرشت: وہ بزرگ جن کا خمیر حق سے اٹھا ہو، جن کی فطرت میں حق ہو، مراد مولانا رومی   بحرفِ پہلوی: فارسی زبان میں   جرعہ ے: ایک گھونٹ۔

۶۱-۶۵: پرکالہ: ٹکڑا   ساز: بنا   نکہت: خوشبو   ارزاں: سستا، سستی   سپند: کالا دانہ، ہرمل جسے جب آگ پر ڈالا جائے تو ''تڑتڑ'' کی آواز آنے لگتی ہے بیروں فگن: باہر ڈال   آتش استی: تو آگ ہے   برفروز: روشن کر بسوز: جلا، تپش و گرمی پیدا کر۔

۶۶-۷۰: پیرے فروش: مراد حق/حقیقت کی طرف رہنمائی کرنے والا   کسوت: لباس، بھیس   بپوش: پہن   آئینہ اندیشہ: فکر یا خوف کا آئینہ   بشکن: توڑ ڈال نیستان: نرکل یا بانس کا جنگل   نے: بانسری   قیس: مجنوں، مراد ملت اسلامیہ جسے عاشق رسولؐ بناتا ہے   قوم حے: لیلیٰ (مجنوں کی محبوبہ) کے قبیلے کا نام ہائے وہو: مراد مستی اور وجد کے نعرے   ازقم خود: اپنے ''قم'' سے، قرآنی

مسیح، حضرت عیسیٰ کا ایک معجزہ، وہ ''قم باذن اللہ'' (خدا کے حکم سے اٹھ کھڑا ہو)
کہہ کر مردے کو زندہ کر دیا کرتے تھے۔

۷۵-۷: جادہ: سڑک، راستہ بنہ: رکھ جوش سودائے کہن: پرانی دھن کا جوش/
ابال، مراد پرانی شاعری کا خیال از سر بنہ: سر سے نکال دے درائے
کارواں: قافلے کی گھنٹی آتش بہ پیراہن شدم: میں بہت مضطرب ہو گیا
ہنگامہ آبستن: شور و غوغا سے پر آراستم: میں نے سجائی برگرفتم: میں نے
اٹھا دیا وانمودم: میں نے ظاہر کر دیا۔

۸۰-۷: نقش ہستیم: میری زندگی کی تصویر انگارہ ے: ایک نامکمل نقش ناقبولے:
ایک ناپسندیدہ ناکسے: ایک نااہل ناکارہ اے: ایک ناکارہ، جو کسی کام
کے لائق نہ ہو سوہاں زد: ریتی چلائی/رگڑی آدم شدم: مراد میں صحیح
معنوں میں انسان بن گیا عالم: (ل کے نیچے زیر) جاننے والا، صاحب علم
کیف وکم عالم: دنیا کے تمام احوال و اسرار (عالم میں ل پر زبر) اعصاب:
جمع عصب، رگیں، پٹھے اعصاب گردوں: مراد آسمان کا اندرونی نظام
دریدم: میں نے چاک کر ڈالا کارگاہ ممکنات: ممکنات کا کارخانہ (ممکنات،
ممکن کی جمع، وہ باتیں جو موجودہ قوت و طاقت کے مطابق ہو سکیں اور عمل میں لائی
جا سکیں) گردش خون: مراد نظام برکشیدم: مراد میں نے ظاہر کر دیا۔

۸۶-۰: ملت بیضا: روشن ملت، ملت اسلامیہ ستم: ہستم، میں ہوں باغ وراغ:
باغ اور سبزہ زار/وادی، مراد پوری دنیا آوازہ اش: اس کا شہرہ سرود
تازہ اش: اس کا نیا نغمہ، اس کا تازہ پیغام کشت: بویا آفتاب انبار رد
کرد: سورج کی فصل حاصل کی، بہت سے سورج پیدا کیے، مراد بے شمار شیدائی پیدا
ہو گئے خرمن: پکی ہوئی فصل کا ڈھیر، کھلیان صد رومی وعطار: سینکڑوں/
بے شمار رومی اور عطار، مراد رومی اور عطار جیسے بے شمار بڑے بڑے ارباب عشق و
معرفت، ملت کا درد رکھنے والے، عاشقان رسول اکرمؐ (رومی، مولانا جلال
الدین رومیؒ اور عطار مشہور ایرانی صوفی شاعر فرید الدین عطار جن سے کئی مثنویاں
اور ایک دیوان یادگار ہیں۔ ولادت نیشاپور کے قصبے کدکن یا شادیاخ ۵۱۲ھ یا
۵۱۳ھ ۱۱۱۸ء یا ۱۱۱۹ء میں، ۶۲۷ھ/۱۲۳۰ء میں ایک منگول کے ہاتھوں شہید

ہوئے دُودم: میں دھواں ہوں، بے وقعت ہوں تبار: خاندان خامہ ام: میرا قلم نُہ پردہ: مراد نو آسمان فگند: ڈالا، فاش کیا ہم پایہ: برابر کا، ایک ہی مرتبے کا بالیدگی: نشو ونما، بڑھنا پھولنا۔

۸۷-۹۳: بت پرستی، بت گری: شاعری کے حوالے سے الفاظ کی تراش خراش اور بے مقصد قسم کے نئے نئے مضمون پیدا کرنے کی طرف اشارہ ہے ہندیم: میرا تعلق ہند سے ہے (پہلے سارا ملک ہند/ ہندوستان تھا، اب ہم اسے برصغیر پاک و ہند کے نام سے پکارتے ہیں) پارسی: فارسی زبان ماہِ نو: ہلال، پہلے دن کا چاند تہی پیمانہ ام: میں خالی جام والا ہوں مجو: مت تلاش کر، توقع نہ کر خوانسار و اصفہان: ایران کے دو بڑے شہر جہاں فارسی زبان کے بعض نامور شاعر پیدا ہوئے ہندی: مراد اردو زبان عذوبت: شیرینی، مٹھاس طرزِ گفتار دری: دری زبان (شعر و شاعری) کا انداز بیان (دری: خالص فارسی زبان، قدیم فارسی زبان جو پہلوی زبان کے بعد رائج ہوئی اور تھوڑے سے تغیر کے ساتھ اب رواج پذیر ہے) نخلِ طور: کوہ طور کا درخت جس پر حضرت موسیٰ کے اصرار پر جلوۂ ایزدی کی ایک جھلک پڑی تھی اور وہ بے ہوش ہو گئے تھے فطرت اندیشہ ام: میری فکر/سوچ کی سرشت یا طینت رفعت اندیشہ ام: میری فکر کی بلندی درخورد: مطابقت/موزونیت رکھتی ہے خردہ مگیر: عیب نہ لگا، نکتہ چینی نہ کر مینا: صراحی خردۂ مینا: شراب، مراد شاعری کی اصل روح، اس میں دیا گیا پیغام۔

در بیان این کہ اصل نظام عالم از خودی است و تسلسل حیات

تعینات وجود بر استحکام خودی انحصار دارد

۱-۵: پیکرِ ہستی: ہستی کا جسم/ ڈھانچا آثار: جمع اثر، علامتیں، نشانیاں خویشتن را: خود کو عالم پندار: کبریائی کی دنیا، شانِ کبریائی غیر او: اس کا غیر یعنی اللہ کے سوا جو کچھ ہے اثبات: کسی شے کے ہونے کا بیان، نفی کی ضد

تخم خصومت: دشمنی کا بیج کاشت است: کاشتہ است، بویا ہے پنداشت است: پنداشتہ است، سمجھا ہے فزاید: بڑھائے پیکر اغیار: غیروں کے جسم/ ڈھانچے یعنی جو کچھ اس کائنات میں ہے، ماسوا پیکار: لڑائی، باہمی کشمکش
۱۰-۶: می کشد: مار ڈالتی ہے نیروے خویش: اپنی طاقت خود فریبی: اپنے آپ کو دھوکے میں ڈالنا/ رکھنا عین حیات: سراپا زندگی شیون: آہ و زاری، ماتم صد مقال: سو/ سینکڑوں باتیں/ اقوال اسراف: فضول خرچی، مراد لاکھوں اشیا پیدا کرنا یا بنا ڈالنا اور پھر انہیں ضائع کر دینا یا مٹا دینا خلق: تخلیق/ پیدا کرنا جمال معنوی: حقیقی حسن۔
۱۶-۱۱: کوہ کن: پہاڑ کھودنے والا، مراد فرہاد جو شیریں کا عاشق تھا نافہ ے: ایک نافہ، ایک تھیلی سی جو ختن کے علاقے کی ایک خاص نسل کے ہرن کی ناف میں ہوتی ہے، ہرن کو مارنے کے بعد اس کا خون اس تھیلی میں جم جاتا ہے جو نہایت خوشبودار ہوتا ہے ختن: تاتار کا ایک علاقہ جہاں کے ہرن اپنی مشک کی وجہ سے مشہور ہیں محنت: تکلیف، دکھ خامہ: قلم صد ابراہیم: سینکڑوں ابراہیم، قرآنی تلمیح، حضرت ابراہیمؑ کے آتش نمرود میں ڈالے جانے کی طرف اشارہ ہے، وہ آگ خدا کے حکم سے گلزار بن گئی تھی، حضرت ابراہیم، حضور اکرمؐ کے مورث اعلیٰ تھے اغراض: جمع غرض، مقاصد عامل: عمل کرنے والا معمول: جس پر عمل کیا جائے اسباب و علل: وجوہات اور علتیں انگیزد: اچھلتی ہے پرد: اڑتی ہے تابد: چمکتی ہے رمد: رم کرتی ہے، چھلانگ لگا کر دوڑتی ہے افروزد: روشن ہوتی ہے، روشنی دیتی ہے کشد: مار ڈالتی ہے میرد: مر جاتی ہے دمد: پھوٹتی/ اگتی ہے۔
۲۳-۱۷: وسعت ایام: زمانے کا پھیلاؤ، یعنی کل زمان و مکاں جولانگاہ: دوڑ کا میدان گل بجیب آفاق: کل کائنات/ موجودات دامن میں پھول رکھے ہوئے ہے یعنی فیض پا رہی ہے از گلکاریش: اس کے پھول اگانے/ بونے سے، اس کی فیض رسانی سے جزو پرستی: مراد کل کی بجائے اس کے کسی حصے/ جز پر توجہ رکھنا اور اسی کا مشاہدہ کرتے رہنا آفرید: پیدا کیے اندکے: تھوڑی دیر، ذرا آشفتت: بکھری ہوئی، منتشر ہوئی آشفتگی: منتشر ہونے کی کیفیت بہم

بیوشگی: خود میں مست جانا   وانمودن: ظاہر کرنا، سامنے آنا۔

۲۴-۲۸: حیات عالم: کائنات کا برقرار رہنا   بقدر استواری: جس قدر (خودی) قوی ہوگی   از بر کند: یاد/حفظ کر لیتا ہے   ہستی بے مایہ: اپنی بے وقعت/بے قدر زندگی یا وجود   بے پیکر: ڈھانچے کے بغیر، جس کا جسم نہ ہو   منت پذیر: احسان اٹھانے والا، احسان مند   وام گیرد: ادھار لیتا ہے (اسرار خودی مطبوعہ ۱۹۴۰ء میں ''وام'' کی بجائے ''دام'' (دال کے ساتھ) چھپا ہے جو کتابت کی غلطی ہے)   از خود رود: اپنے آپ یعنی اپنی خودی سے بے خبر ہو جاتا ہے   شکوہ سنج: شکوہ کرنے والا   جوشش دریا: سمندر کا طوفان۔

۲۹-۳۵: دوش بحر: سمندر کا کندھا، مراد سمندر کی سطح پر   حلقہ اے زد: اس نے ایک حلقہ/دائرہ بنا لیا   گردید چشم: آنکھ بن گیا   جنبید: حرکت میں لے آیا   تاب دمید: اگنے کی قوت   شگافت: پھاڑ ڈالا   بخود زنجیر کرد: خود کو زنجیر میں جکڑ لیا (خود کو اپنے دھاگے پر لپیٹ لیا)   تعمیر کرد: وجود بنا لیا   خود گدازی: اپنے آپ کو پگھلانا   از خود رمید: اپنے آپ سے بھاگ گئی، اپنی ہستی کھو بیٹھی   چکید: ٹپک پڑی   جراحت ہا: زخم، مراد رگڑائی، چھلائی بیاسودے: آرام میں ہوتا، بچا رہتا۔

۳۶-۴۰: طواف پیہم: متواتر چکر کاٹنا   مسحور: جس پر جادو کیا گیا ہو   چشم خاور: مشرق کی آنکھ، سورج   جنبش ... برد: حرکت لے جاتی ہے، ساکت کر دیتی ہے، ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے کو جی چاہتا ہے   شان: خوبصورتی، دل کشی   چنار: ایک خوبصورت پہاڑی درخت جس کے پتے انسانی پنجوں کی مانند اور سرخ ہوتے ہیں، دور سے ان درختوں کا جھرمٹ دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے آگ لگی ہو، یہ منظر خاصا دلکش ہوتا ہے   سطوت: شان و شوکت، دبدبہ   کسوت: لباس   دانہ گردن کش: مراد بیج جو پھوٹتے وقت زمین کا سینہ گویا چیر کر باہر نکلتا ہے   آرد بہم: سمیٹ لیتی یا مجتمع کر لیتی ہے   نیروے زیست: زندگی کی قوت   می کشاید: کھول دیتی/جاری کر دیتی ہے   قلزمے: ایک سمندر۔

در بیانِ این کہ حیاتِ خودی از تخلیق و تولیدِ مقاصد است

تخلیق: وجود میں لانا، پیدا کرنا تولید: پیدا کرنا، وجود میں لانا مقاصد: مقصد کی جمع، مدعا، جستجوئیں۔

۱-۴: مدعا: آرزو، مقصود، مقصد (مراد عظیم مقاصد) کاروانش را: اس کے قافلے کی درا: گھنٹی، قافلے کے کوچ کی گھنٹی جستجو: مراد حقائق/حقیقتوں کی تلاش زندہ دار: برقرار اور قائم رکھ تا نگردد: تاکہ بن نہ جائے مشت خاک تو: تیرا جسم جہانِ رنگ و بو: یہ کائنات۔

۵-۱۰: بخشد: عطا کرتی ہے خضر باشد: مراد رہنما بنتی ہے (خضر کے حوالے سے قرآنی تلمیح، سورۂ الکہف، آیات ۶۰ بعد) موسیٰ ادراک: ادراک کا موسیٰ قرآنی حوالہ غیر حق: اللہ کے سوا جو کچھ ہے، ماسوا اللہ تخلیق: پیدا کرنا باز ماند: رک گیا، محروم ہوگیا شہپرش: اس کا بڑا پر از پرواز ماند: اڑنے سے رہ گیا، نہ اڑ سکا ہنگامہ آرائے خودی: خودی کا ہنگامہ/رونق آراستہ کرنے والی دفترِ افعال: کارناموں کی کتاب شیرازہ بند: جلد بندی کرنے والی، بکھرے اجزا کو سمیٹنے اور یکجا کرنے والی، منظم و مکمل کرنے والی۔

۱۱-۱۵: نفی تمنا: آرزو کا نہ ہونا، عدم آرزو نقصانِ سوز: تپش کی کمی افسردہ کرد: بجھا دیا بست صورت: صورت اختیار کی کبک: چکور شوخی رفتار: چال کا البیلا پن منقار: چونچ بروں: بیروں، باہر زندان: قید خانہ ندرت کوش: نت نئی اور انوکھی بات نکالنے کی کوشش کرنے والی گردوں تاز: آسمان پر حملہ کرنے یعنی آسمان تک رسائی کرنے والی اعجاز: عام طاقت سے بالاتر بات، خارقِ عادت بات، معجزہ۔

۱۶-۲۰: زائیدگان: زائیدہ کی جمع، اولاد، جنے ہوئے بطن: پیٹ نظم قوم: قوم کی تنظیم تازگیہائے علوم: علوم (Sciences) کا تازہ پن یعنی نت نئے علوم کا وجود میں آنا بزورِ خود شکست: مراد اپنی قوت سے نکلنے کی راہ پیدا کی تخیل: نئے نئے خیالات/افکار پیدا کرنے کی قوت یاد: حافظہ مرکب: سواری، گھوڑا جنگاہ: جنگ گاہ، میدان جنگ باخت: مراد دوڑایا ایں

آلات: یہ اوزار یعنی ہاتھ، دماغ وغیرہ۔

۲۱-۲۳: آگہی: آگاہی، واقفیت، علمی مسئلوں کو سمجھ لینے کی کیفیت تقویم: کسی چیز کے ٹیڑھے پن کو درست کرنا، صحیح ڈگر پر چلانا پیش خیزان: پیش خیز کی جمع، مستعد نوکر، پھر دکھانے والے خادم خانہ زادان: خانہ زاد کی جمع، مراد غلام، خادم (کسی کے گھر میں پیدا شدہ لوگ)

۲۴-۲۸: خیز: اٹھ، بیدار ہو جا شراب مقصدے: کسی مقصد کی شراب، مراد مقصد سے انتہائی وابستگی تابندہ ے: روشن، چمکنے والا مستانہ خیز: یعنی خاص ولولے کے ساتھ اٹھ ماسوئی: ماسواء، اللہ کے سوا جو کچھ ہے آتش سوزندہ ے: ایک جلا ڈالنے والی آگ باطل دیرینہ: قدیم باطل، مراد بے عملی یا احساس خودی سے محروم۔

دربیانِ این کہ خودی از عشق و محبت استحکام می پذیرد

استحکام می پذیرد: مضبوط/مستحکم ہوتی ہے۔

۱-۴: زیر خاک ما: یعنی ہمارے باطن میں پایندہ تر: زیادہ جاوید، مراد زیادہ استوار اشتعال: شعلہ ور ہونا، روشن ہونا جوہرش: اس کی اصل ارتقا: نشوونما ممکنات مضمرش: اس کے چھپے ہوئے وہ امور جن کا ہونا ممکن ہو آتش اندوزد: آگ حاصل کرتی ہے عالم افروزی: دنیا کو منور/روشن کرنا۔

۵-۱۰: باک: خوف، ڈر، پروا آب و باد و خاک: مراد عناصر اربعہ، مادہ مادیات پیکار: لڑائی، مار دھاڑ آب حیواں: آب حیات تیغ جوہر دار: چمک دار یا تیز تلوار خارا: سخت پتھر شق بود: پھٹ جاتا ہے آموز: سیکھ چشم نوحے: کسی نوح کی سی آنکھ، حضرت نوحؑ کی سی آنکھ، مراد اللہ کے حضور بہت گریہ کرنے والی آنکھ قلب ایوبے: حضرت ایوبؑ کا سا دل، بیحد صابر دل، حضرت یعقوبؑ کا صبر ضرب المثل ہے مشت گلے: مٹی کی مٹھی، جسم، دل کا طے: کوئی/کسی کامل، ایک عارف خدا رسیدہ رومی: مولانا جلال الدین رومیؒ، مشہور عارف برفروز: روشن کر، جلا روم: ایک ملک کا نام، یہاں

مراد اپنی ذات آتش تبریز: تبریز کی آگ، اشارہ ہے رومی کے مرشد شمس الدین تبریزی کی طرف جن سے رومی کی ملاقات ۶۴۲/۱۲۴۴ء میں ہوئی۔ اس پراسرار درویش نے مولانا کی کایا پلٹ کے رکھ دی، اس ملاقات کے بعد مولانا علوم منقول و معقول سے توجہ ہٹا کر عشق و معرفت اور جذب و سلوک کی طرف مائل ہو گئے۔

۱۱-۱۴: نہاں: چھپا ہوا بنمایمت: میں تجھے دکھاؤں خوباں: خوب کی جمع حسین خوشتر: زیادہ اچھا/عمدہ توانا: قوی، مضبوط ہمدوش ثریا: ثریا (ستاروں کا جھرمٹ، پروین) کا ہم پلہ/برابر خاک نجد: نجد کی سرزمین، نجد عرب کے ایک علاقے کا نام، مراد عرب کی سرزمین جو اسلام کا سرچشمہ ہے چالاک: مراد چست و متحرک، بلند برافلاک شد: یعنی اسے بلند مرتبہ مل گیا۔

۱۵-۲۰: آبرو: مراد عزت، نیک نامی طور: مشہور پہاڑ جہاں حضرت موسیٰ نے خدا کا جلوہ دکھایا خانہ اش: حضورؐ کا دولت خانہ بیت الحرم: بیت اللہ، خانہ کعبہ، وہ جگہ جس میں بعض مباحات (یعنی حلال اور روا باتیں اور چیزیں) حرام ہیں، اسے بیت الحرام اور بیت العتیق (پرانا گھر) بھی کہتے ہیں آنے: ایک آن/پل کاسب: کمانے والا، حاصل کرنے والا/والی کسریٰ: ایران کے قدیم بادشاہوں کا لقب، نوشیروان عادل کا نام شبستان: رات گزارنے کی جگہ، خوابگاہ حرا: غار حرا جو مکہ معظمہ کے ایک پہاڑ کی بلندی پر واقع ہے، حضور اکرمؐ نے بعثت (اعلان نبوت) سے پہلے اس غار میں عبادت و ریاضت فرمائی آفرید: تخلیق کیا، بنایا کاشانہ: دولت خانہ نوم: نیند تخت خسروی: خسرو کا تخت، مراد عظمت اور شان و شوکت۔

۲۱-۲۵: ہیجا: جنگ، لڑائی آہن گداز: لوہے کو پگھلا دینے والی، بڑی تیز کاٹ والی نصرت: فتح، مدد قاطع: کاٹنے/مٹانے والی درنورد: لپیٹ دی، ختم کر دی کلید: چابی کشاد: کھولا نزاد: نہیں جنا، پیدا نہیں کیا ام گیتی: زمانے کی ماں، زمانہ خوان: دسترخوان جس پر بیٹھ کر کھانا کھایا جاتا ہے۔

۲۶-۳۲: مصافے: ایک جنگ/جہاد گردوں سریر: آسمان کے تخت والا/والے، بہت بلند مرتبہ اور عظیم ہستی (حضور اکرمؐ) سردار طے: طے قبیلے کا سردار، مراد حاتم

طائی جس کی سخاوت ضرب المثل بن چکی ہے   خم کردہ بود: جھکا رکھی تھی
دخترک: بیچاری لڑکی   عریاں تریم: ہم زیادہ ننگے/عریاں ہیں، زیادہ بے
پردہ ہیں   اعتبار ماست او: حضورؐ ہماری ساکھ/عزت و آبرو ہیں   بیاراں:
دوستوں یعنی اپنوں کے ساتھ   باعدا: دشمنوں کے ساتھ   ''لا تثریب: کوئی
تعزیر نہیں، حضور اکرم کا ایک فرمان ''تمہارے لیے کوئی تعزیر/سزا نہیں''

۳۸-۳۴: قید وطن: یعنی جغرافیائی/علاقائی حدود   یکیم: ہم ایک ہیں   حجاز و چین و
ایران: تینوں مشہور ممالک ہیں، یہاں مراد تمام دنیا   صبح خنداں: ہنستی ہوئی
یعنی روشن صبح   ساقی بطحا: حضور اکرمؐ   پاک سوخت: حضورؐ نے بالکل جلا
ڈالا، مٹا ڈالے، ختم کر دیے   ایں خس و خاشاک: یعنی امتیازات نسب
گل صد برگ: سو یعنی بہت سی پتیوں والا پھول   سر مکنون: پوشیدہ بھید/حقیقت
ما بدیم: ہم تھے   نعرۂ بے باکانہ: خوف سے عاری دلیرانہ نعرہ/للکار   زد:
لگایا   افشا شدیم: ہم ظاہر ہو گئے۔

۴۵-۳۹: نے خاموش: خاموش بانسری، مراد دل   تو لائش: اس یعنی حضورؐ کی محبت
خشک چوبے: ایک خشک لکڑی، حضورؐ کے ایک معجزے کی طرف اشارہ ہے۔ مسجد
نبویؐ میں جب تک منبر تعمیر نہ ہوا تھا، حضورؐ لکڑی کے ایک خشک ستون کے سہارے
کھڑے ہو کر وعظ و خطبہ فرمایا کرتے تھے۔ منبر کی تعمیر کے بعد حضورؐ نے یہ سہارا
چھوڑ دیا۔ ایک روز رونے کی آواز سنائی دی۔ صحابہ کرامؓ کو رونے والا کوئی نظر نہ
آیا تو وہ حیران ہوئے۔ آخر حضورؐ نے اس راز سے پردہ اٹھایا کہ یہ ستون میری
اس سے دوری کے باعث رو رہا ہے۔ اس ستون کو ''ستون حنانہ'' (بہت رونے
والا ستون) کہتے ہیں   گریست: رویا   بالد: نمو پاتے ہیں، فخر کرتے ہیں
آفرید: پیدا کیا   آئینہ اش: حضور کا آئینہ   تپید و مبدم: مسلسل تڑپتے
رہنے کی حالت   ابر آذار: موسم بہار کا بادل، اسے آذر بھی کہا جاتا ہے
کشت: کھیتی   کاشتم: میں نے بوئی   حاصلے برداشتم: میں نے فصل کاٹی یا
حاصل کی۔

۵۱-۴۶: یثرب: حضورؐ کی ہجرت سے پہلے مدینہ کا قدیم نام   خنک: عمدہ، مبارک
دل بر: محبوب، یعنی حضورؐ   ملا جامی: نورالدین عبدالرحمٰن، تخلص جامی، ولادت

شہر جام (خراسان) ۸۱۷ھ/۱۴۱۴ء، وفات ۸۹۸ھ/۳-۱۴۹۲ء فارسی کے مشہور شاعر و نثر نویس، حضور اکرمؐ کے عشق سے بے حد سرشار تھے، ان کی نعتوں میں ان کا بھرپور خلوص شامل ہے علاج خامیم: میری خامی/خامیوں کا علاج گوہر سفتہ است: موتی پروئے ہیں ور ثنائے خواجہؐ: حضور کی شان/نعت میں نسخۂ کونین: دونوں جہانوں کی کتاب بندگان: بندہ کی جمع غلام خیزد: اٹھتی/پیدا ہوتی ہے تقلید: پیروی کامل بسطام: حضرت بایزید بسطامیؒ، ابتدائی دور کے صوفیا میں ان کا مقام بہت بلند ہے، بسطام کے رہنے والے تھے، ۸۷۴ عیسوی میں فوت ہوئے۔ ان کی تالیفات سے امام غزالی نے استفادہ کیا، اب یہ کتب نہیں ملتیں اجتناب: پرہیز کرنا، کسی چیز سے بچنا کیفیت ہا: کیفیت کی جمع، مراد سرور۔

۵۲-۵۶: عاشقی: کیا تو عاشق ہے؟ اگر تو عاشق ہے یار: مراد حضور اکرمؐ یزداں شکار: خدا کو پھانسنے والی، مراد خدا کو اپنی طرف مائل کرنا اندکے: کچھ دیر حرائے دل: دل کی غار حرا، غار حرا میں حضورؐ پہروں عبادت الٰہی میں مصروف رہتے، مراد غار ترک خود کن: اپنی ذات کی نفی کر ہجرت گزیں: مراد خدا کی طرف متوجہ/مائل ہو لات و عزیٰ نفس: نفس کے لات و عزیٰ (لات اور عزیٰ عربوں کے دور جاہلیت کے دو بڑے بت) یہاں مراد بت سرشکن: سر توڑ ڈال سلطان عشق: عشق کا غلبہ/قوت فاران: مسلمانوں کے مطابق مکہ معظمہ کا کوہستانی علاقہ ہے، یہود کی مقدس کتاب تورات میں یہ بشارت دی گئی ہے کہ فاران کے مقام سے تجلی کا ظہور ہوگا۔ عیسائی مورخین اس تعبیر سے اختلاف کرتے ہیں انی جاعل: قرآنی تلمیح سورہ بقرہ آیہ ۳۰: ''اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ بے شک میں زمین پر اپنا خلیفہ/نائب بنا کر بھیج رہا ہوں...'' سازد ترا: تجھے بنائے/کرے

در بیان این کہ خودی از سوال ضعیف می گردد

سوال: کسی سے مانگنا، کسی کا احسان اٹھانا ضعیف می گردد: کمزور پڑ جاتی ہے

۱-۵: اے فراہم کردہ: اے مخاطب تو نے/جس نے حاصل کیا گشتہ ای: تو ہو گیا ہے، بن گیا ہے روبہ مزاج: روباہ یعنی لومڑی کی سی خصلت والا احتیاج: ضرورت، حاجت خستگی ہائے تو: تیری شکستہ حالیاں/بدحالیاں ناداری: کچھ نہ رکھنے کی حالت، مفلسی، غریبی می رباید: اچک لے جاتی ہے، اڑا لے جاتی ہے رفعت: بلندی، عظمت می کشد: بجھا ڈالتی ہے خیال ارجمند: باعظمت و وقعت خیال مے گلفام: سرخ رنگ کی شراب کیسہ: تھیلی فرود آ: اتر آ عمرؓ: حضرت عمر فاروق، خلیفہ ثانی الحذر: بچ، بچو منت غیر: دوسروں کا احسان۔

۶-۱۰: تا بکے: کب تک دریوزہ: بھیک منصب: عہدہ، مرتبہ زنے مرکب کنی: تو بانس کی سواری کرے گا، بچے بانس کے ڈنڈے کو دونوں ٹانگوں کے درمیان رکھ کر دوڑتے ہیں جیسے کسی جانور/گھوڑے پر سوار ہوں، مراد تو کب تک فضول اور بیہودہ کاموں میں الجھا رہے گا خوارتر: زیادہ رسوا/ذلیل گدیہ گر: بھکاری آشفتہ: بکھرے ہوئے، منتشر نخل سینائے خودی: خودی کے کوہ طور/طور سینا کا درخت، سینا وہ پہاڑ جس پر حضرت موسیٰ کو جلوۂ الٰہی نظر آیا تھا از ہم مپاش: بالکل بکھیر نہ دے، ضائع نہ کر دے از پہلو تراش: پہلو سے پیدا کر لے، چاند کے قاش کی صورت میں گھٹنے بڑھنے کا تراشے جانے سے استفادہ کیا ہے۔

۱۵-: تنگ روز: بدحال، تنگ دست تنگ بخت: بدقسمت سیل بلا: مصیبتوں کا سیلاب/طوفان افگندہ رخت: سامان ڈالے/رکھے ہوئے مجو: مت تلاش کر، مت ڈھونڈ چشمہ خاور: سورج تجل: شرمندہ، شرمسار روز فردائے کہ باشد: آنے والا کل، جو ہو گا، مراد روز قیامت جاں گسل: مراد شدید عذاب کا حامل روزی رسد: روزی یعنی روشنی پہنچتی/ملتی ہے داغ بردل: دل پر داغ، چاند کے اندر قدرتی طور پر ایک داغ سا ہوتا ہے، اسے شرمندگی کا داغ کہا گیا ہے باگردوں ستیز: آسمان سے لڑ، آسمان کی گردش سے تقدیر وابستہ ہے مریز: مت گرا، مت گنوا۔

۱۶-۲۰: آنکہ: وہ جس نے، یعنی حضور اکرمؐ نے رفت: (ر پر پیش) صاف کر دی،

جھاڑ دی مردِ کاسب: ہنر اور محنت سے روزی کمانے والا حبیب اللہ: اللہ کا دوست منت پذیر: احسان مند خم گشتہ: جھکی ہوئی (جو شرمندگی کی علامت ہے) سوخت: جلا ڈالا پشیز ے: ایک کوڑی مایہ غیرت: غیرت کی دولت، غیرت کاندر: کہ اندر ترجبیں: گیلی پیشانی والا، جس کی پیشانی پر ندامت وخجالت کا پسینہ ہو مشتِ گل: مٹی کی مٹھی، نام کا آدمی، مٹی کا مادھو۔

۲۱-۲۳: جوانِ ارجمند: عزت ووقار والا جوان صنوبر: چنار کی مانند ایک درخت، جسے کاج بھی کہتے ہیں، بہت بڑا اور تناور درخت، اس کے پتے موٹے اور گہرے سبز رنگ کے ہوتے ہیں تہی دستی: مفلسی خوددارتر: زیادہ باغیرت، بہت غیور خوابید: سوگیا قلزم: سمندر زنبیل: ٹوکری، بھیک کی علامت نگوں پیمانہ: الٹے پیمانے والا، بلبلا دیکھنے میں اس طرح لگتا ہے جیسے الٹا پیالہ ہو۔

در بیانِ ایں کہ چوں خودی از عشق ومحبت محکم می گردد قوائے ظاہرہ و مخفیہ نظامِ عالم را مسخر می سازد

قوائے ظاہرہ ومخفیہ: ظاہری اور پوشیدہ طاقتیں نظامِ عالم: کائنات کا نظم و نسق مسخر می سازد: تسخیر کر لیتی یعنی اپنے تصرف/کام میں لے آتی ہے۔

۱-۴: فرمان دہ: حکم چلانے والی، حکومت کرنے والی پیر گردوں: آسمان کا بوڑھا/ مرشد کواکب: کوکب کی جمع، ستارے نقش بست: تصویر بنائی، مرقع بنایا شق می شود: ٹکڑے ہو جاتا ہے خصومات: دشمنیاں، جھگڑے حکم: منصف، عدل وانصاف کرنے والا دارا وجم: مراد بڑے بڑے حکمران، بڑی بڑی طاقتیں۔

۵-۱۲: حدیث: بات، قصہ (سورۂ یوسف میں یہ لفظ خواب کے معنوں میں بھی آیا ہے، آیہ ۱۰۱، ملاحظہ ہو "تاویل الاحادیث" اصطلاح میں حضورِ اکرمؐ کی فرمائی ہوئی بات بوعلیؒ: حضرت شیخ شرف الدین بوعلی شاہ قلندر جن کا مزار پانی پت میں

ہے، اپنے وقت کے بہت بڑے صوفی، ولادت، پانی پت ۶۰۵ھ/ ۱۲۰۸ء، وفات ۷۲۴ھ/ ۱۳۲۴ء سوادِ ہند: خطۂ ہند/ ہندوستان جلی: نمایاں، روشن، مشہور نوا پیرا: نغمہ الاپنے والا، مرادشاعر گلزارِ کہن: پرانا باغ، عالم بالا، عالم ارواح یا قدیم صوفیا کا چمن، تصوف اور مشیخت کی دنیا گلِ رعنا: شگفتہ اور خوبصورت پھول، مراد محبوب حقیقی، بوعلی قلندرؒ کے جس شعر کے حوالے سے بات ہوئی ہے، وہ ان کی ایک مختصر سی مثنوی کا پہلا شعر ہے اور اس میں روح سے مخاطب ہو کر گلِ رعنا یعنی محبوب حقیقی کا پوچھا گیا ہے (ملاحظہ ہو مثنوی شاہ بوعلی قلندر، مطبوعہ مطبع نولکشور، کانپور ص ۲) شعر یوں ہے:

مرحبا اے بلبلِ باغِ کہن از گلِ رعنا بگو با ما سخن

جنت آتش نژاد: ایسی جنت/ باغ جو اپنی اصل کے لحاظ سے آگ ہے، مراد برصغیر پاک و ہند/ ہندوستان کی سرزمین جو پہلے کفرستان تھی اور حضرت بوعلی قلندر کی مساعی سے وہاں اسلام پھیلا مینو: بہشت سواد: خطہ، سرزمین کوچک ابدالش: ان کا مرید، جو چھوٹی عمر کا یا نیا نیا مرید ہوا ہو شرابِ بوعلی: مراد بوعلی سے بے حد ارادت اور وابستگی عامل: گورنر، حاکم ہم رکابِ او: اس کے ہمراہ چوبدار: حاکم کی سواری کے ساتھ ساتھ چلنے والے غلام/ نوکر جن کے ہاتھ میں لکڑی کا عصا/ ڈنڈا ہوتا تھا، یہ عصا اکثر چاندی سے منڈے ہوتے تھے پیشرو: حاکم کے آگے آگے چلنے والا، نقیب زد بانگ: پکارا، زور سے بولا ناہوشمند: بے شعور، گنوار جلوداران: جلودار کی جمع، حاکم/ مالک کی سواری کے آگے آگے چلنے والے، پیشرو، نقیب سر افگندہ پیش: سر آگے جھکائے ہوئے یم: سمندر استکبار: تکبر و نخوت، غرور۔

۱۳-۱۷: آزردہ رفت: رنجیدگی کی حالت میں گیا دل گراں: بوجھل دل والا، ملول خاطر ریخت: گری رگ جاں: مراد من آتش دیگر: ایک اور آگ کشود: بھڑکائی دبیر: منشی، سیکرٹری۔

۱۸-۲۲: عاملت: تیرا حاکم، تیرے حاکم نے اخگر: چنگاری بازگیر: باز پرس کر، محاسبہ کر عامل بدگوہرے: بدفطرت حاکم بخشم: میں دے دوں گا، عطا کر دوں گا بندہ حق دستگاہ: حق تک رسائی رکھنے والا یا خدا کی عطا کردہ طاقت

رکھنے والا انسان اندام: جسم سرمایہ آلام: غموں دکھوں کا مجموعہ، جسے بہت دکھ پہنچے ہوں حلقہ زنجیر جست: مراد اسے قید میں ڈال دیا عفو: معافی تقصیر: خطا، قصور۔

۲۳-۲۷: خسرو: مراد امیر خسروؔ ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری/ تیرھویں اور چودھری صدی عیسوی کے مشہور فارسی گو صوفی شاعر (وفات ۷۲۵ھ/ ۱۳۲۵ء) اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے مرید خاص' ان سے کئی مثنویاں اور دیوان کے علاوہ نثر کی کتابیں یادگار ہیں شیریں زباں: مراد اچھے اور عمدہ شعر کہنے والا از ضمیر کن فکاں: مراد کائنات کے اسرار سے متعلق چنگ: باجا، ستار نواخت: بجایا، بجائی گداخت: پگھلا دیا شوکتے: ایسی شوکت/ قوت و دبدبہ نیشتر: زخم کھولنے کا اوزار، نشتر مزن: مت لگا

حکایت دراین معنی کہ مسئلہ نفی خودی از مخترعات اقوام مغلوبہ بنی نوع انسان است کہ باین طریق مخفی اخلاق اقوام غالبہ را ضعیف می سازند

نفی خودی: یعنی طاقت ہوتے ہوئے بھی طاقت کا مظاہرہ نہ کرنا، بے جا عجز و انکسار سے کام لینا مخترعات: جمع مخترع، ایجاد کی ہوئی/ گھڑی ہوئی باتیں اقوام مغلوبہ: وہ قومیں جن پر دوسروں کا غلبہ ہو، محکوم قومیں ضعیف می سازند: کمزور کردیتی ہیں۔

۱-۵: گوسفنداں: گوسفند کی جمع، بھیڑ بکریاں درعلفزارے: کسی/ ایک چراگاہ میں وفور کاہ: گھاس کی کثرت نسل افزا: نسل بڑھانے والی بدند: بودند، وہ تھیں اندیشہ اعدا: دشمنوں کا خوف/ ڈر ناسازی تقدیر: تقدیر کی ناموافقت، تقدیر کا ساتھ نہ دینا میش: بکری، بھیڑ ریش: زخمی بیشہ: جنگل بزاں: بز کی جمع، بکریاں شبخوں زدند: رات کے وقت حملہ کردیا، شب خون مارا جذب: اپنی طرف کھینچ لینے کی حالت/ کیفیت استیلا: غلبہ، غالب آنا شعار: طریقہ، طور طریقہ۔

۶-۱۰: کوس: ڈنکا نواخت: بجایا حریت: آزادی زیرکے: ایک صاحب ہوش، صاحب عقل و دانش فہمیدہ ے: ایک صاحب فہم، سمجھ بوجھ رکھنے والا کہنہ سالے: ایک بوڑھا/جہاں دیدہ گرگ باراں دیدہ: ایک بھیڑیا جس نے بارش دیکھی ہو، مراد خرانٹ، جہاں دیدہ، مکار (برسات میں بھیڑیا بارش کے ڈر سے اپنے بھٹ سے باہر نہیں نکلتا، جس کے نتیجے میں وہ بہت بھوکا رہتا ہے لیکن اگر وہ باہر نکلا ہو اور اس دوران میں بارش ہو جائے تو اس کا ڈر جاتا رہتا ہے)
ہژبراں: ہژبر کی جمع، شیر سینہ ریش: زخمی سینے والا، بے حد مصیبت زدہ۔

۱-۱۵: بہر حفظ خویش: اپنے تحفظ/حفاظت کے لیے حیلہ ہا جوید: تدبیریں/چالیں سوچتا ہے کارداں: تجربہ کار، معاملہ فہم دفع ضرر: تکلیف دور کرنا جنون: دیوانگی، شدید جذبہ فتنہ اندیشی: مکر و فریب سوچنے کی کیفیت عقدہ: گرہ، مشکل بات، وہ مسئلہ/گتھی جس کا سلجھنا/حل ہونا مشکل ہو بے ساحل: جس کا کوئی کنارہ نہ ہو، بہت وسیع نتواند رست: رہائی/نجات نہیں پا سکتی/پا سکتا سیم ساعد: چاندی کی کلائی والی/والا، کمزور پولاد دست: لوہے کے ہاتھ والا، بہت قوت والا۔

۱۶-۲۱: خوے گرگی: بھیڑیے کی سی خصلت، بھیڑیا پن آفریند: پیدا کرلے میش کردن: بھیڑ بنا لینا، بزدل بنا لینا صاحب آوازۂ الہام: الہام/وحی کی شہرت رکھنے والی خون آشام: خون پینے والے کذاب اشر: سورہ القمر میں یہ الفاظ دو مقامات پر آئے ہیں، آیات ۲۵،۲۶ بہت زیادہ جھوٹا، بہت شیخی باز، بہت اِترانے والا یوم نحس مستمر: ہمیشہ ہمیشہ کی نحوست کا دن، سورہ القمر آیت ۱۹ میں یہ الفاظ آئے ہیں مایہ دار: قوی، طاقتور، سرمایہ دار مرسل یزدانیم: میں خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہوں، رسول ہوں دیدہ بے نور: بصارت سے عاری آنکھ، مراد وہ لوگ جو شعور و بصیرت سے محروم ہوں صاحب دستور: شریعت کی مالک، جسے کوئی قانون و شریعت عطا ہوا ہو ماموَر: جسے کسی منصب پر مقرر کیا گیا ہو۔

۲۲-۲۶: اعمال نامحمود: برے عمل/کام، جو تعریف کے لائق نہ ہوں زیاں اندیش: نقصان/گھاٹے کا سوچنے والا سود: نفع، فائدہ تندو زور آور: تیز مزاج

شقی: بد بخت، سنگ دل تارک اللحم: وہ آدمی جو گوشت نہ کھاتا ہو دیدۂ ادراک: فہم و شعور کی آنکھ، بصیرت اعمیٰ: اندھا، مراد بصیرت سے محروم خسران: گھاٹا، نقصان۔ اور طاقتور

۲۷-۳۲: سطوت: شوکت و ہیبت / دبدبہ امارت: امیری، دولت مندی، سرداری کمین: گھات خرمن: کھلیان، پکی ہوئی فصل کا ڈھیر فرزانہ: عقلمند مشو: مت ہو، مت بن برخوری: مراد تو فائدہ اٹھائے می نازی: تو اترا رہا ہے، فخر کر رہا ہے ذبح کن خود را: اپنے آپ کو ذبح کر یعنی اپنی خودی کی نفی کر پامال: پاؤں تلے روندا ہوا روید: اگتا ہے شوید: دھوتا ہے، دھو ڈالتا ہے۔

۳۳-۳۸: تا رسد: تاکہ پہنچے ہیچ است ہیچ: کچھ بھی نہیں ہے، کچھ بھی نہیں ہے، اس کی کوئی حیثیت و وقعت نہیں ہے موہوم: خیالی، جس کی کوئی حقیقت نہ ہو مپیچ: مت لپٹ، مت الجھ خیل: گروہ، گلہ سخت کوشی: نہایت محنت اور کوشش، بہت جدوجہد خستہ بود: تھک چکا تھا تن پرستی: مراد آرام طلبی چند خواب آور: نیند لانے والی نصیحت، ایسی نصیحت جس سے عملی قوتیں سلب ہو جائیں خامی: بے شعوری، کم عقلی فسوں: افسوں، جادو دین گوسفندی: یعنی بھیڑوں کی سی عادت و خصلت۔

۳۹-۴۳: پلنگاں: پلنگ کی جمع، چیتے، یہاں مراد شیر سازگار آمد: طبیعت کو موافق / راس آ گئی گوہر شیری: شیر ہونے کا جوہر / قوی، شیر ہونے کی خوبیاں خزف: ٹھیکری نماند: نہ رہی چشم شرار افشاں: شرارے / چنگاریاں بکھیرنے والی آنکھ، ایسی آنکھ جس میں ہیبت و دبدبہ ہو بتدریج: آہستہ آہستہ جوہر آئینہ: آئینے کی چمک اقتدار: قدرت و قوت غلبہ استقلال: ثابت قدمی، کوئی کام پوری طرح ڈٹ کر انجام دینا اعتبار: ساکھ، امتیاز، عزت اقبال: خوش بختی۔

۴۴-۴۷: آہنیں: لوہے کے، مراد بہت مضبوط گور شد: قبر بن گئے، بیکار او رست ہو کر رہ گئے کاہید: گھٹ گیا فزود: افزود، بڑھ گیا سرمایہ ہمت ربود: ہمت کی پونجی لے اڑا، ہمت ختم کر کے رکھ دی کوتہ دستی: کوتاہ دستی، مراد پست ہمتی بیدلی: افسردگی، کسی کام یا بات کو جی نہ چاہنے کی کیفیت، پژمردگی

دوں فطرتی: گھٹیا پن، کمینگی، گھٹیا لوگوں کی سی عادت وخصلت خفت: سو گیا
انحطاط: زوال، جسمانی و روحانی تنزل تہذیب: خوش اخلاقی، شائستگی، انسانیت۔

در معنی این کہ افلاطونِ یونانی کہ تصوف و ادبیاتِ اقوام اسلامیہ از افکار او اثر عظیم پذیرفتہ بر مسلک گوسفندی رفتہ است و از تخیلات او احتراز واجب است

افلاطون یونانی: یونان کا رہنے والا مشہور فلسفی Plato، افلاطون، سقراط کا شاگرد اور ارسطو کا استاد تھا، ۴۲۸ قبل مسیح یونان کے شہر ایتھنز میں پیدا اور ۳۴۷۔۳۴۸ ق مسیح میں فوت ہوا۔ اس نے ۳۸۷ قبل مسیح میں فلسفیانہ اور علمی تحقیقات کے لیے ایک اکیڈمی قائم کی۔ اس کے "مکالمات" اور "ریاست" کو اپنی نوعیت کے لحاظ سے بے مثال کارنامے کہا گیا ہے افکار: فکر کی جمع، خیالات اثر عظیم پذیرفتہ: بہت بڑا اثر قبول کیا ہے مسلک گوسفندی: بھیڑ کا طریق، یعنی اس بھیڑ کا سا طریق جس سے متعلق علامہ اس سے پہلے باب میں بتا چکے ہیں احتراز: دوری، پرہیز، بچاؤ واجب: لازمی۔

۱-۵: راہب دیرینہ: پرانا/قدیم پادری، ترک دنیا کرنے والا شخص گوسفندانِ قدیم: پرانی بھیڑیں رخش: ایران کے مشہور داستانی پہلوان رستم کے گھوڑے کا نام، مراد گھوڑا ظلمت معقول: فلسفے کی تاریکی، عقلی علوم جن کا عالم محسوس سے کوئی تعلق نہ ہو کوہستانِ وجود: ہستی کا پہاڑ افگندہ سم: اس نے سم ڈال دیے، یعنی حرکت و رفتار سے عاجز و درماندہ ہو کر رہ گیا افسونِ نامحسوس: نامحسوس کا جادو (نامحسوس: جسے حواس خمسہ سے جانا پہچانا نہ جا سکے) اعتبار: بھروسا مردن: مرنا افسردن: بجھنا خواب آور: نیند لانے والا، عمل سے بیگانہ کر دینے والا گیتی ربا: دنیا کو اچک لے جانے والا یعنی دنیا

کو اپنی طرف مائل کرنے والا

۶-۱۱: بر سر گردوں رسانند: مراد بہت بلندیوں پر لے گیا عالم اسباب: مراد یہ دنیا جس کا ہر کام کسی نہ کسی سبب سے ہوتا ہے تحلیل: الگ الگ کرنا اور (اجزا) کی حقیقت پر روشنی ڈالنے کا عمل سرو رعنا: خوبصورت اور دلکش و تازہ سرو زیاں: نقصان سود: نفع، فائدہ بود: ہستی، وجود نابود: نیستی، جس کا کوئی وجود نہ ہو خوابید: سوگئی آفرید: پیدا کیا چشم ہوش: فہم و شعور/عقل و دانش کی آنکھ سرابے: ایک سراب، ریت کا میدان جس میں ہوا چلنے سے پانی کی موجود کا سا انداز ہوتا ہے اور جب کوئی پیاسا دور سے اسے پانی سمجھ کر ادھر بڑھتا ہے تو اسے مایوسی ہوتی ہے، فریب نظر وارفتہ: بیخود، محو معدوم: جس کا وجود نہ ہو۔

۱۲-۱۶: ہنگامہ موجود: دنیا کی رونق اعیان نامشہود: وہ اشیا جو خارج میں موجود نہیں موجود: جو چیز عالم ظاہر میں پائی جائے عالم امکاں: مراد یہ فانی دنیا مردہ دل: جس کی قوت عمل اور عملی صلاحیتیں بیکار ہو چکی ہوں عالم اعیان: موجودات کی دنیا، مراد وہ دنیا جس کی محسوس چیزیں فلسفی کی نگاہ میں معدوم ہیں آہوش: اس کا ہرن خرام: دلکش چال بے بہرہ: محروم کبکش: اس کا چکور طاقت رم: مراد اڑ جانے کی طاقت روئیدن: اگنا تپیدن: تڑپنا۔

۱۷-۲۱: چارہ غیر از رم: فرار کے سوا کوئی اور تدبیر دل ... بست: دل لگایا/لگا لیا دنیائے افیون خوردہ: مراد عمل سے بیگانہ اور کاہل دنیا پر کشود: اڑا نامد فرود: نیچے نہ آیا خم گردوں: آسمان کا مٹکا، شکل کے لحاظ سے آسمان کو مٹکے سے تشبیہ دی ہے دُرد (پہلے د پر پیش): تلچھٹ، مٹکے وغیرہ کی تہ میں بیٹھنے والی میل/گار خشت: اینٹ سکر (س پر پیش): بے ہوشی، اپنے آپ سے بے خبری، تصوف کی اصطلاح میں وہ حالت و کیفیت جب سالک اپنے ماحول سے بے خبر اور حالت جذب میں ہوتا ہے مسموم: زہر سے متاثر خفت: سوگئیں

در حقیقت شعر و اصلاحِ ادبیاتِ اسلامیہ

۱-۵: گرم خوں: مراد قوت عمل سے سرشار، راہ عمل پر گامزن داغ: نشان مے بجام آمد حیات: مراد زندگی میں جوش وولولہ پیدا ہوا، زندگی عمل کی طرف راغب ہوئی گرم خیز: عمل میں سرگرمی دکھانے والی تیز گام: تیز چلنے والی، جدوجہد میں تیزی دکھانے والی مضمون تسخیر: مغلوب کر لینے کا مضمون، یعنی زندگی کا مقصد ہی فطرت پر غلبہ پا کر اسے اپنے کام میں لاتا ہے صید افگن: شکار کرنے والی دام: جال از چہ رو: کس طرح سے، کیونکر زیر و بم: نچلے اور اونچے سر۔

۶-۱۰: جمیل: حسین بیابان طلب: خواہش کا صحرا دلیل: رہنما آفریند: پیدا کرتا ہے در دلت: تیرے دل میں خلاق: بہت زیادہ پیدا/تخلیق کرنے والا پروردگار: پالنے والا تجلی زار: جلوہ گر ہونے کی جگہ، جلوہ گاہ سینائے او: اس کا سینا (کوہ طور جس پر حضرت موسیٰ کو خدا کا دیدار ہوا)

۱۱-۱۶: از دمش: مراد اس کے نغمے یا اس کی شاعری سے غازہ اش: اس کی سرخی/ گلگونہ، مراد وہ کلام جس میں خاص پیام ہے آموخت است: آموختہ است، اس نے سیکھا ہے افروخت است: افروختہ است، اس نے روشن کیا ہے ازو: از او، اس سے در آب و گلش: اس کی طینت/ سرشت میں مضمر: چھپے ہوئے، مخفی نادمیدہ: جو ابھی کھلے بھی نہیں ناشنیدہ: جو ابھی سنے نہیں گئے زشت: برائی، بری چیز خوب آفریں: اچھائی یا خوبی تخلیق کرنے والا خضر: یعنی وہ (شاعر) خضر ہے، خضر ایک داستانی بزرگ جنہوں نے تاریکیوں میں پڑا ہوا آبِ حیات پی لیا تھا اور یوں عمر جاوداں پالی ظلمات: ظلمت کی جمع، تاریکیاں۔

۱۷-۲۳: ما گراں سیریم: ہم دشواری سے چلنے والے ہیں یعنی ہم میں جدوجہد کا جذبہ نہیں خام و سادہ: یعنی نادان اور شعور سے عاری ز پا افتادہ ایم: ہم گرے پڑے ہیں پرداخت است: پرداختہ است، چہچہاتی ہے، نغمے الاپتی ہے حیلہ ے: کوئی تدبیر انداخت است: انداختہ است، کام میں لائی ہے تا کشد:

تا کہ کھینچ لے جائے درِ ایش: اس کی کوچ کی گھنٹی قوس: مکمل حلقہ
آوازِ نائیش: اس کی بانسری کی آواز ریاض: باغ وزد: چلتی ہے نرمک:
آہستہ آہستہ می خزد: رینگتی ہے، داخل ہوتی ہے فریب: مراد ترغیب/
تخیل خود افزا: اپنے آپ کو بڑھانے والی، ترقی کے امکانات میں توسیع
کرنے والی خود حساب: اپنا محاسبہ آپ کرنے والی/ والا ناشکیبا: بے
قرار صلا: دعوت عام۔

۲۴-۳۰: وائے: افسوس ہے، لائق افسوس ہے گیرو برات: حصہ لیتی ہے، خوش ہوتی
ہے وابوسد: روگردانی کرتا ہے زشت: برا، برائی، بدصورت خوش
نماید: اچھا دکھاتا ہے نوشینہ اش: اس کا مشروب، مراد اس کی شاعری
اعصاب: عصب کی جمع، پٹھے، رگیں افیون او: مراد اس کی شاعری می
رباید: چھین لے جاتا ہے جرہ شاہیں: نر باز، اعلیٰ درجے کا شکاری نر باز جو
اپنے خصائل میں گویا خودی کا مجسمہ ہوتا ہے تدرو: تدرو، چکور کی قسم کا ایک
پرندہ ماہی: مچھلی بنات آشیاں اندریم: سمندر کی تین پریاں جنہیں
عربی میں بنات البحر کہتے ہیں (سمندر کی بیٹیاں) انگریزی میں سائرنز، ملاحوں
کے توہمات کے مطابق ان کا آدھا جسم مچھلی کا اور آدھا انسان کا ہوتا ہے اور
جہاز ران ان کی خوش آوازی سے بے راہ ہو کر غرق ہو جاتے ہیں ناخدا:
ملاح، جہاز ران افسوں زند: جادو پھونکتا ہے قعر دریا: سمندر کی گہرائی
افگند: مراد ڈبو دیتا ہے۔

۳۱-۳۵: وزدو: چراتا ہے، ختم کر دیتا ہے ثبات: ثابت قدمی، استقلال داعیہ:
آرزو، خواہش برد: لے جاتا ہے لعل عنابی: شوخ رنگ لعل، مراد قوت
عمل پیرایہ بندو: لباس پہناتا ہے یعنی پیش کرتا ہے مذموم: مذمت کیا گیا،
گھٹیا، برا محمود: تعریف کیا گیا، اچھا یم اندیشہ: خوف اور ڈر کا سمندر
خستہ: تھکا ہوا، پریشان مضمحل دور جامش: اس کے جام کی گردش۔

۳۶-۴۰: نیسان: موسم بہار کی پہلی بارش جس کا پہلا قطرہ صدف/سیپی کے شکم میں موتی بن
جاتا ہے سراب رنگ و بو: مراد ایسی شے جس میں نہ کوئی رنگ ہو اور نہ کوئی
خوشبو، جیسے کاغذ کے پھول، یہ رنگ و بو کا فریب/دھوکا ہے صداقت: حقیقت،

سچائی درِیمش: اس کے سمندر میں گوہر تف دار: نقص/عیب والا موتی شمرد: اس نے سمجھا فسرد: بجھ گئی مسموم: زہر دیا گیا سرود: نغمہ، چہچہا خفتہ: سویا ہوا انبار گلش: اس کا پھولوں کا ڈھیر الحذر: بچو، دوری اختیار کرو مے آئینہ فامش: اس کی آئینے کی طرح چمکتی ہوئی شراب۔

۴۱-۴۵: زپا افتادہ: گرا ہوا، ٹھوکر کھا کر گرا ہوا سرد جوش: جس کا جوش و ولولہ ٹھنڈا پڑ گیا ہو دلیل انحطاط: زوال/پستی کی نشانی یا علامت از نوا افتاد: آواز/نغمے سے محروم ہو گیا ننگ مسلمانی: مسلمانی کے لیے باعث شرم بستن: باندھنا خستن: زخمی کرنا رگ گل: پھول کی پتی پر بنی ہوئی لکیر، مراد انتہائی نازک تار۔

۴۶-۵۱: زشت رو: بدصورت بہزاد: ایک مشہور ایرانی مصور جس کا تعلق سلطان ابوالحسین غازی (نویں صدی ہجری/ ۱۵ ویں صدی عیسوی) کے دربار سے تھا، پورا نام کمال الدین بہزاد ہے۔ بعد میں وہ صفوی دربار سے منسلک ہو گیا، اس کی تصویروں میں خطوط کی نفاست اور خوبصورتی چینی فن کاروں کی یاد دلاتی ہے، یہاں مراد کوئی بھی مصور سردی: مراد سرد مہری خستہ جاں: زخمی روح والا گریہ طفلانہ: بچوں کی طرح رونا کلفت: زحمت دریوزہ: بھیک، گدائی جلوہ وزد: روشنی چرانے والا لکدکوب: لاتوں کی ٹھوکر۔

۵۲-۵۶: کاہیدہ ے: ایک گھٹا ہوا، ایک دبلا صد شکوہ... چیدہ ے: ایسا شخص جس کے ہونٹوں پر سینکڑوں شکوے ہوں لابہ: چاپلوسی، خوشامد کیں: کینہ، دشمنی پست بخت: بدنصیب زیردست: محتاج، ماتحت، محکوم دوں نہاد: گھٹیا ذہنیت کا مالک ناسزا: نالائق، گھٹیا شیونش: اس کی آہ و زاری حرم: مراد خانہ کعبہ زائید: پیدا ہوا۔

۵۷-۶۳: اے: یعنی اے شاعر میان کیسہ ات: تیری تھیلی میں، یعنی تجھ میں صلاحیت ہے نقد سخن: شاعری کی نقدی عیار: کسوٹی بزن: پرکھ فکر روشن بیں: ایسا خیال جو روشن/نورانی پہلو کو پیش نظر رکھے درخش: چمک تندر: گرج، بجلی/بادل کی گرج می بایدت: تجھے چاہیے رجعتے: واپسی، خاص واپسی سلمائے عرب: عرب کی سلما/سلمیٰ، عربی ادب کی ایک مشہور معشوقہ کا نام

تا دمد: تا کہ پھوٹے/طلوع ہو صبح حجاز از شام کرد: حجاز کی صبح کردی شام سے، مراد غیر اسلامی زندگی سے اسلامی زندگی پھوٹے۔ اس میں شیخ حسام الحق ضیاء الدین کے اس مقولے کی طرف اشارہ ہے: ''میں شام کے وقت کردی تھا، صبح کو میں عربی ہو گیا'' گویا رات ہی رات کے اندر فضل خداوندی سے مجھے وہ معارف حاصل ہو گئے کہ صبح تک مجھ ایسا نادان انسان اسرار الٰہی کا خازن اور فاضل بن گیا، شیخ حسام الحق یا حسام الدین مولانا رومی کے خاص مریدین و معتقدین میں سے اور ان کے ہدم و ہمراز تھے، علامہ نے ان کا نام آگے پیچھے کر دیا ہے، صحیح نام ہے حسام الدین ضیاء الحق گل چیدہ ای: تو نے پھول چنے ہیں یعنی تو نے عجمی ادب سے استفادہ کیا ہے بادہ دیرینہ: پرانی شراب یکے: ذرا تھوڑی دیر کیلئے بر گرمش: اس کا گرم پہلو دے: ایک پل کیلئے صرصر گرمش: اس کی گرم آندھی۔

۶۴-۶۷: غلتیدہ ای: تو لڑھکا یعنی پہنے پھرا ہے، مراد تو نے یہاں کا ادب پڑھا اور تخلیق کیا ہے حریر: ریشمی کپڑا خو..بگیر: عادت ڈال کرپاس درشتے: موٹا کھردرا کپڑا جو جسم کو چبھتا ہے قرنہا: قرن بمعنی صدی کی جمع پا کوبیدہ ای: تو نے پاؤں مارے/چلائے ہیں عارض: گال، رخسار شوئیدہ ای: تو نے دھوئے ہیں ریگ سوزاں: جلتی ہوئی یعنی بہت تپتی ہوئی ریت، مراد عرب اسلام کی شاعری شیون: نالہ و فریاد، رونا پیٹنا اے: یعنی اے شاعر ہما: ایک فرضی پرندہ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کا سایہ جس انسان پر پڑ جائے، وہ بادشاہ بن جاتا ہے از یمن دامت: تیرے جال کی برکت سے ارجمند: مرتبے والا در برے: پہلو میں کنام: باز کا ٹھکانا/آشیانہ درخورد: لائق، اہل پیکار حیات: زندگی کی جدوجہد۔

در بیانِ ایں کہ تربیت خودی راسہ مراحل است، مرحلہ اول را اطاعت و مرحلہ دوم را ضبط نفس و مرحلہ سوم را نیابت الٰہی نامیدہ اند

مراحل: مرحلہ کی جمع، منزلیں طاعت: پیروی، خدائی قوانین پر عمل پیرا ہونا

ضبطِ نفس: نفس کو قابو میں رکھنا، خدائی حکم سے ہٹ کر جو خواہشات ہوں، ان پر قابو پانا نیابتِ الٰہی: خدا کا نائب/ خلیفہ ہونے کا منصب۔

مرحلہ اول: اطاعت

۱-۵: اشتر: شتر، اونٹ استقلال: ثابت قدمی گام: قدم کم غوغا سِتی: ان میں شور کم/نہیں ہے زورقِ صحرا: صحرا کی کشتی/جہاز (Ship of Desert) بیشہ: جنگل کم خواب: تھوڑا سونے یا آرام کرنے والا محنت پیشہ: جس کا پیشہ محنت کرنا ہو، بہت محنتی پائے کوباں: پاؤں مارتے ہوئے سرخوش: بہت خوش، بہت مست صابرتر: زیادہ بردبار

۶-۱۱: سرمتاب: سرگردانی نہ کر برخوری: تو فائدہ اٹھائے گا عندہٗ حسن المآب: اچھا انجام اللہ ہی کے پاس ہے (سورہ آل عمران، آیہ ۱۴ کا حصہ) کوش: کوشش کر غفلت شعار: غفلت کا مارا ہوا، بے خبر ناکس: نااہل، معمولی انسان کس: مراد عظیم/اچھا انسان طغیاں: نافرمانی، سرکشی زنجیری آئین: قانون یا آئین کا پابند زنداں: قید خانہ نافۂ آہو: ہرن کا ناف، ختن کے علاقے میں ایک خاص قسم کے ہرن کی ٹونڈی میں ایک تھیلی ہوتی ہے، ہرن کو مارنے کے بعد اس کا خون اس تھیلی میں جم کر بہت خوشبودار بن جاتا ہے، اسے مشک بھی کہتے ہیں۔

۱۲-۱۷: دینِ نمو: بڑھنے پھولنے کا آئین روئیدہ است: اگا/اگتا ہے پامال: پاؤں تلے روندے جانا پیہم سوختن: مسلسل جلتے رہنا، لالہ سرخ رنگ کا پھول ہے، اس سرخی کے حوالے سے جلنے کی بات کی ہے برجہد: اچھلتا ہے قطرہا: قطرہا، قطرے آئینِ وصل: باہم مل جانے کا قانون/ دستور آزاد: مراد بے تعلق دستورِ قدیم: پرانا آئین، شریعتِ محمدیؐ زینتِ پا کن: پاؤں کی زینت بنالے زنجیرِ سیم: چاندی کی زنجیر، وہی پرانا آئین شکوہ سنج: شکوہ کرنے والا مشو: مت ہو حدودِ مصطفیٰؐ: مراد حضور اکرمؐ کے مقرر کردہ آئین وشریعت کا دائرہ۔

مرحلہ دوم: ضبط نفس

۱-۷: خود پرور: جسے صرف اپنے شکم کا دھیان ہو خود پرست: خود پسند خودسر: ضدی مردشو: دلیر/نڈر بن آور: یعنی پکڑ زمام: لگام خزف: ٹھیکری ریختند: انہوں نے یعنی قضا وقدر نے ڈالی آمیختند: انہوں نے باہم ملا دیا عقبیٰ: آخرت اقربا: قریبی رشتہ دار آلام: جمع، الم، مصیبتیں، دکھ حب: محبت امتزاج: آمیزش ماء: پانی طین: مٹی تن پرور: جسم ہی کی تعمیر/پرورش پر زور دینے والا کشتہ فحشا: بے حیائی کی/فحش باتوں کا مارا ہوا ہلاک منکر: شریعت میں جن باتوں سے منع کیا گیا ہے انہی پر جان دینے والا۔

۸-۱۳: عصائے لا الہ: ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے'' کا ڈنڈا خم نگردد: نہیں جھکتی باطل: یعنی باطل قوتیں، غیر حق خاطرش: اس کا دل مرعوب: خوفزدہ غیر اللہ: ماسوا، اللہ کے سوا جو کچھ ہے اقلیم ''لا'': لا یعنی ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں'' کی مملکت بند: قید، ذمہ داری، پابندی قطع نظر: نظر انداز کرنا می نہد: رکھتا ہے ساطور: چھری بایکی: یعنی ایک ہوتے ہوئے بھی ارزاں تر: زیادہ سستی۔

۱۴-۱۸: صدف: سیپی حج اصغر: چھوٹا حج، اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک رکن قاتل فحشا: خلاف شریعت باتوں کو مٹا دینے والی، قرآنی تلمیح ''ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشا'' بغی: سرکشی، خدائی احکام سے روگردانی منکر: جن باتوں سے شریعت نے روکا ہے جوع: بھوک عطش: پیاس شبخوں زند: شبخون مارتا ہے یعنی بھوک پیاس سے بے نیاز کر دیتا ہے خیبر تن پروری: بدن کی پرورش کا خیبر (خیبر: مشہور قلعہ جسے حضرت علیؓ نے فتح کیا تھا) یہاں مراد عام قلعہ فطرت افروز: فطرت/سرشت کو منور کرنے والا، ایمان و یقین میں اضافہ کرنے والا ہجرت آموز: ہجرت سکھانے والا وطن سوز: مراد علاقائی یا جغرافیائی حدود کا امتیاز ختم کر دینے والا طاعت: ایک ایسی عبادت ربط: اکٹھے ہونے کی کیفیت

۱۹-۲۳: زکوٰۃ: اسلام کا ایک بنیادی رکن، مال کا اڑھائی فیصد حصہ جو راہ خدا میں دیا جائے مساوات آشنا: یعنی حقوق و فرائض میں چھوٹے بڑے کی برابری سے آگاہ حتیٰ تنفقوا: سورۂ آل عمران، آیہ ۹۲، (مسلمانو!) "تم اس وقت تک نیکی کا درجہ ہرگز حاصل نہیں کر سکتے جب تک تم اس دولت سے، جسے تم محبوب رکھتے ہو، خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے" زرفزاید: دولت میں اضافہ کرتی ہے، دولت کے لیے باعث برکت بنتی ہے استحکام: مضبوطی، قوی ہونا پختہ ای: تو مضبوط/قوی ہے زورد یا قوی: یا قوی کی تسبیح سے (یا قوی: اے ہر قسم کی قوت کے مالک، خدا) اشتر خاکی: مراد نفس سوار: مراد قابو پانے والا

مرحلۂ سوم: نیابت الٰہی

۱-۶: شتربانی: تو اونٹ ہانکنے کا کام کرتا ہے یعنی تو نے نفس پر قابو پالیا ہے جہاں بانی: دنیا پر حکومت کرنا، تسخیر کائنات کرنا زیب سر: سر کی زینت/آرائش تاج سلیمانی: حضرت سلیمانؑ کا سا تاج، حضرت سلیمانؑ جن کے چرند، درند، پرند اور دوسرے عناصر مسخر تھے، مراد کائنات کی تسخیر کا تاج جہاں آرا: دنیا کو آراستہ کرنے والا، دنیا پر غالب و حکمران ملک لا یبلیٰ: وہ ملک جو زمانے کی دست برد سے ہمیشہ محفوظ رہے، اشارہ ہے سورہ طٰہٰ کی ایک آیت کی طرف، ایسی بادشاہی جسے کبھی زوال نہ ہو نائب حق: خدا کا خلیفہ عناصر: مراد وہ اشیا جن کے مرکب سے مادی اجسام وجود میں آتے ہیں، آگ، پانی، مٹی اور ہوا، کائنات ظل: سایہ، پرتو اسم اعظم: اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا نام جس کی تاثیر سے ہر دعا قبول ہوتی ہے، یہ نام کونسا ہے، اس کی خبر اللہ کے صرف خاص بندوں ہی کو ہے، یہاں مراد وہ تمام قوتیں جو اللہ تعالیٰ میں ہیں رموز: رمز کی جمع، اشارہ، بھید جزو کل: مراد ساری کائنات آگہ: آگاہ، واقف، باخبر قائم بامر اللہ: اللہ کی طرف سے مامور، جسے خدا اپنی نیابت/خلافت کے منصب پر فائز کرے بساط کہنہ: پرانی چٹائی، مراد یہ کائنات جو صدیوں سے چلی آرہی ہے برہم زند: الٹ کے رکھ دیتا ہے۔

۷-۱۲: فطرتش معمور: مراد اس کی فطرت حق وصداقت کے خزانوں سے پر ہے نمود: اظہار رویند: اگتے ہیں، پیدا ہوتے ہیں، وجود میں آتے ہیں کشت: کھیتی اصنام: جمع صنم، بت شیب: بڑھاپا آموزد: سکھاتا ہے آہنگ شباب: جوانی کی لے/سر، جوانی کا ولولہ نغمہ زا: نغمہ پیدا کرنے والا بشیر: خوش خبری دینے والا نذیر: ڈرانے والا

۱۳-۱۷: مدعا: مقصد، مقصود، مراد علم الاسما: سورۂ بقرہ، آیہ ۳۱: ''اور آدم کو تمام اشیا کے نام سکھا دیے، پھر اسے ملائکہ کے سامنے پیش کیا'' ستے: وہ ہے ''سبحان الذی اسرا'': سورۂ الاسراء، آیہ ا: ''وہ ذات قابل تسبیح ہے جو اپنے بندے (یعنی حضور اکرمؐ) کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی'' (معراج کا واقعہ) دست سفیدش: اس کا سفید ہاتھ، قرآنی تلمیح، حضرت موسیٰ کے ایک معجزے ''ید بیضا'' کی طرف اشارہ ہے، جب وہ ہاتھ بغل میں دبا کر باہر نکالتے تو وہ روشن ہوتا اور اس کی روشنی دور دور تک جاتی توام: جڑواں، باہم ملی ہوئیں/ ملے ہوئے سمند: گھوڑا نیل: مصر کا دریائے نیل، حضرت موسیٰ کے حوالے سے قرآنی تلمیح، حضرت موسیٰ جب اپنے پیروکاروں (اسرائیل یعنی یہود) کو فرعون سے بچانے کے لیے ہجرت پر مجبور ہوئے تو راستے میں دریائے نیل تھا، اللہ کے حکم سے انہوں نے پانی پر عصا مارا تو نیل درمیان میں سے خشک ہو گیا اور وہ پار اتر گئے لیکن جب فرعون اور اس کے سپاہی جو ان کے تعاقب میں تھے، اس میں داخل ہوئے تو پانی پھر اپنی جگہ پر آ گیا اور وہ سب ڈوب گئے قم: اٹھ، اٹھو، ''قم باذن اللہ'' (اللہ کے حکم سے اٹھو) قرآنی تلمیح، حضرت عیسیٰ کے ایک معجزے کی طرف اشارہ ہے، وہ مردے کو کہتے ''خدا کے حکم سے اٹھ کھڑا ہو اور وہ مردہ زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوتا خیزد: اٹھتا ہے تن: مراد مردہ

۱۸-۲۳: توجیہ ذات عالم: کائنات کے وجود کی دلیل جلال: رعب، غیظ، غضب خورشید آشنا: وہ جو سورج اور اس کی تجلیات سے واقف ہو ذرہ: مراد ایسا انسان جو کسی کمال کے معاملے میں ناقص ہو قیمت ہستی گراں: کائنات یا وجود/شخصیت کی قدر و قیمت بڑھ (جاتی ہے) از مایہ اش: اس کے سرمائے یعنی علوم اور روحانیت سے اعجاز عمل: عمل کا معجزہ تجدید: جدید کرنا، نئے

سر سے زندہ کرنے کا عمل، کسی چیز کو پھر سے نیا بنا دینا خیزد: پھوٹتے ہیں، اٹھتے ہیں
ہستی مکنون او: اس کی چھپی ہوئی/مخفی شخصیت نغمہ نشنیدہ: ایسا نغمہ جو نہ سنا گیا ہو۔

۲۷-۲۴: طبع مضموں بند فطرت: مراد وہ طبیعت جو فطری قول و فعل سننے اور دیکھنے کی عادی ہے اور جسے معجزے اور کرامتیں دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا بیت: شعر سر گردوں رسید: آسمان تک پہنچی آید پدید: ظاہر ہوگا خاکستر: راکھ امروز ما: ہمارا آج، ہمارا دور حاضر فردائے عالم سوز: دنیا کو جلا دینے والا کل (مستقبل)

۳۶-۲۸: قانون اخوت: بھائی چارے اور باہمی ہمدردی کا قانون/دستور اشہب دوراں: زمانے کا گھوڑا فروغ: روشنی دیدۂ امکاں: مراد اس کائنات کی آنکھیں ہنگامہ ایجاد: موجودات عالم کی رونق سواد دیدہ ہا: آنکھوں کی پتلیاں شورش اقوام: قوموں کا ہنگامہ و فساد بہشت گوش: کانوں کی بہشت جسے سن کر کان لطف اٹھائیں سازدہ: ترتیب دے، تیار کر بیار: لے آ ایام صلح: صلح کے دن، باہمی میل محبت کا زمانہ جنگ جویاں: جنگ جو کی جمع، جنگ کرنیوالے، لڑائی کا بہانہ ڈھونڈنے والے مزرع: کھیتی تو حاصلی: تو پیداوار ہے منزلی: تو منزل ہے ریختند: گر گئے جور: ستم، ظلم ریاض: باغ طفلک: بچہ، طفل کا اسم تصغیر برنا: جوان پیر: بوڑھا بگیر: لے سرافرازیم ما: ہم سربلند ہیں، ہمارا سر اونچا ہے سازیم ما: ہم نباہ کر رہے ہیں (۱۹۴۰ء کے مطبوعہ متن میں "سوزیم" ہے جو کتابت کی غلطی ہے، اس لیے ایک تو قافیہ غلط ہوتا ہے دوسرے معنی میں ربط نہیں رہتا۔)

در شرح اسرار اسمائے حضرت علیؓ

۱-۷: مسلم اول: یعنی سب سے پہلے جو اسلام لائے شہ مرداں: دلیروں کا/کے سردار ولائے دودمانش: اس/ان کے خاندان کی محبت نرگسم: میں نرگس ہوں، مراد میں ٹھہری ہوئی نگاہ ہوں وارفتۂ نظارہ: نظارے میں کھوئی ہوئی/محو خیابانش: اس کی کیاری/باغ ارجوشد: اگر بہہ نکلے خاکم: مراد میں حقیر شے ہوں از شکوہش: اس/ان کا رعب و دبدبہ فرگرفت: شان

وشوکت پائی آئیں پذیر: آئین قبول کرنے والا دودہ اش: اس/ان کا گھرانا۔

۸-۱۴: مرسل حق: خدا کے رسول (حضور اکرمؐ) بوتراب: مٹی/زمین کا باپ، حضرت علیؓ ایک موقع پر کسی بڑھیا کے باغ میں آبپاشی کرنے گئے، ساری رات محنت کی، اجرت میں چند کھجوریں ملیں، وہ کھا کر، تھکا ماندہ ہونے کے باعث مسجد کے فرش پر لیٹ گئے، حضور اکرم جب تشریف لائے اور انہیں اس حالت میں دیکھا تو فرمایا "اے اباتراب، اٹھ کھڑا ہو" یداللہ: اللہ کا ہاتھ ام الکتاب: مراد قرآن کریم خاک تاریکے: وہ سیاہ/تاریک خاک جو بیداد: ظلم وستم شیون: فریاد، نالہ وماتم فکر گردوں رس: آسمان تک پہنچنے والا فکر/تخیل، مراد بلند خیالات زمیں پیما: زمین پر گھومنے پھرنے والا، پستی تک محدود ناشنوا: نہ سننے والا، بہرا تیغ دورو: دو دھاروں والی تلوار رہ رواں: رہ روکی جمع، چلنے والے، مراد سالک (اللہ کی راہ میں چلنے والے) مرتضیٰؓ: منتخب، برگزیدہ، حضرت علی کا لقب۔

۱۵-۲۰: کشور گیر: ملک فتح کرنے والا کراری: بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے کی حالت، کرار حضرت علیؓ کا لقب ہے خودداری: مراداپنے وقار کا خود تحفظ کرنا، کسی قسم کے دباؤ کے آگے نہ جھکنا، بلند ہمتی سے پیش آنے کا عمل بازگرداند: لوٹا دیتا ہے خاتم دولت: حکومت کی مہر جس میں حکمران/بادشاہ کے دستخط وغیرہ کندہ ہوتے ہیں زیر پاش: اس کے پاؤں کے نیچے شکوہ خیبر: خیبر کی شان، قلعہ خیبر حضرت علیؓ نے فتح کیا تھا، اسی حوالے سے یہ کہا قسیم کوثر: کوثر کی تقسیم کرنے والا، ساقی کوثر، قیامت کے روز حضورؐ کے فرمان پر حضرت علیؓ نجات پانے والوں میں کوثر نہر کا میٹھا پانی تقسیم کریں گے یداللہی: اللہ کا ہاتھ ہونے کی کیفیت، وہ کیفیت جس کے مطابق انسان ایسے عظیم کارنامے انجام دے جو عام انسانوں کی طاقت وقدرت سے بالا ہوں دروازۂ شہر علوم: علموں کے شہر کا دروازہ، اس حدیث مبارک کی طرف اشارہ ہے: "میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہے

۲۱-۲۷: خاک گشتن: خاک ہو جانا، جل کر راکھ ہو جانا جو پروانے کی خصلت ہے خاک را اب شو: مٹی کا باپ بن جا یعنی نفس/تن پر قابو پا کر بوتراب بن جا

سنگ شو: پتھر بن جا، مراد اس راہ میں آنے والی سختیوں اور مصیبتوں کو جھیلنے کی عادت ڈال آدمے: ایک آدمی، مراد خاص شخصیت تعمیر کن: تخلیق کر، یعنی اپنی شخصیت کو بے عملی سے نکال کر عمل کی دنیا میں لے آ عالمے تعمیر کن: مراد ایک عظیم دنیا جو عمل کی دنیا ہو تعمیر کر بنا سازی: تو بنائے/ بنائے گا جور: ظلم وستم چرخ نا ہنجار: بے اصولا/ نالائق آسمان سینہ کوبی ہا: سینہ پیٹنا، ماتم کرنا۔

۲۸-۳۵: خیز: اٹھ خلاق: بہت زیادہ تخلیق یا پیدا کرنے والا شعلہ در بر کن: اپنے پہلو/ بدن میں آگ بھڑکا دے یعنی خون کی حرارت اور گرمی عزم کے ساتھ عمل میں مصروف ہو جا خلیل آوازہ: حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی سی شہرت والا، جنھیں نمرود نے آگ میں ڈالا اور وہ آگ خدا کے حکم سے گلزار بن گئی نا مساعد: ناموافق ساختن: نباہ کرنا سپر انداختن: ڈھال/ ہتھیار ڈال دینا پختہ کار: تجربہ کار جنگ آزما: لڑنے/ جنگ کرنے پر تیار برکند: اکھاڑ دیتا ہے برہم زند: درہم برہم کر دیتا ہے، الٹ پلٹ کر دیتا ہے۔

۳۶-۴۲: جاں سپردن: جان دے دینا آزماید: آزماتا ہے صاحب قلب سلیم: مراد درست اور صحیح نتیجہ نکالنے والا مہمات عظیم: بڑے بڑے اور زبردست کارنامے ورزیدن: اختیار کرنا گل چیدن: پھول چننا ممکنات: مراد ایسے کارنامے جو اپنی قوت کے مطابق عمل میں لائے جائیں حرب: ہتھیار دوں ہمتاں: دوں ہمت کی جمع، کم/ پست ہمت لوگ کین: دشمنی، کینہ قوت پیدا: ظاہر قوت ذوق استیلا: غالب آنے کی فطری خواہش عفو بیجا: بے موقع درگزر/ معافی سکتہ ے: ایک/ خاص سکتہ، شعر کے وزن میں معمولی سا وقفہ جو شعر کا عیب ہے بیت موزوں: ایسا شعر جو وزن/ بحر کے لحاظ سے صحیح ہو۔

۴۳-۴۷: قعر مذلت: ذلت و رسوائی کا گڑھا ناتوانی: بے طاقتی قناعت: جو کچھ تھوڑا بہت میسر ہو اسی پر صابر و شاکر ہو جانا اور مزید کے لیے تگ و دو نہ کرنا بطنش: اس کا پیٹ، اس کا دل/ باطن آبستن: حاملہ، مراد بھرا ہوا، پر مکارم: اچھے اوصاف بہر ذمائم: بری باتوں کے لیے فربہی: موٹاپا صاحب عقل سلیم: درست/ صحیح عقل ورائے والا کمینہا: کمین جمع، گھاتیں

مخور: مت کھا/فریب میں نہ آ حربا: گرگٹ، چھپکلی سے ملتا جلتا ایک رینگنے والا بڑا سا جانور جو اکثر دھوپ میں رنگ بدلتا ہے

۴۸-۵۳: نشناختند: انہوں نے نہ پہچانی گاہ: کبھی انداختند: انہوں نے ڈال دیے ردائے انکسار: عاجزی کی چادر مستور: چھپی ہوئی، پردے میں دل..ربود: دل اڑا لیا صداقت: سچائی، حقیقت توام: جڑواں، ساتھ ملی ہوئی گر خود آگاہی: اگر تو اپنے آپ یعنی اپنے ممکنات سے باخبر ہے جام جم: مشہور ایرانی بادشاہ جمشید کا پیالہ جس میں باہر کی دنیا نظر آتی تھی۔

۵۴-۵۹: مدعی: دعویٰ کرنے والا، مدمقابل حجت: دلیل پذیرد: حاصل کر لیتا ہے بطلانِ حق: حق کو باطل کرنا، جھوٹ قرار دینا کن: ہو جا، ایک قرآنی تلمیح کے حوالے سے ہے: روزِ ازل اللہ تعالیٰ نے کن فرمایا تو یہ ساری کائنات وجود میں آ گئی امانت: مراد جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انسان کے سپرد کیا ہے، یعنی خلافتِ الٰہی شمر: سمجھ رموز: رمز کی جمع، حقیقتیں بر من بخند: مجھ پر ہنس، میرا مذاق اڑا، مجھے غلط سمجھ۔

حکایت نوجوانے از مرو کہ پیش حضرت سید مخدوم علی

ہجویری رحمتہ اللہ علیہ، آمدہ از ستم اعداء فریاد کرد

مرو: ایران کا ایک شہر سید مخدوم علی ہجویری: مراد حضرت سید علی جو "داتا گنج بخش" کے لقب سے مشہور ہیں اعداء: عدو کی جمع دشمن۔

۱-۶: مخدوم امم: امتوں کے، مختلف گروہوں کے مخدوم (مخدوم: جس کی خدمت کی جائے، تعظیم کے طور پر بولا جاتا ہے) مرقد: مزار، قبر سید ہجویر: حضرت شیخ ابوالحسن علی (داتا گنج بخش) جن کا مزار لاہور کے بھاٹی دروازہ کے باہر ہے۔ سال ولادت ۴۰۰ھ/۱۰۱۰-۱۰۰۹ء، سال وفات ۴۶۵ھ/۷۳-۱۰۷۲ء، ہجویر (افغانستان۔ غزنی کے نواح میں ایک چھوٹا سا گاؤں) جہاں حضرت شروع میں قیام پذیر رہے، تصوف پر ان کی کتاب "کشف المحجوب" بہت مشہور ہے تربتِ

سنجر: مراد حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری جن کا مزار اجمیر میں ہے، انہوں نے ایک مرتبہ سیدؒ کے مزار کے قریب چلہ کاٹا تھا (یہ جگہ آج بھی محفوظ و برقرار رکھی ہوئی ہے) چلہ کاٹ کر رخصت ہونے لگے تو یہ شعر پڑھا:

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نور خدا
کاملاں را نور کامل ناقصاں را رہنما

بعد میں کسی نے یہ شعر بدل دیا جواب ان کے مزار کے گنبد پر کندہ اور یوں ہے:

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

گسیخت: توڑ ڈالے، مراد طے کیے بلند آوازہ: جس کی شہرت دور دور پھیلی ہو
ام الکتاب: قرآن کریم قاصد طیار: ایسا پیغام پہنچانے والا جو ہر وقت پیغام پہنچانے کے لیے آمادہ بہ پرواز ہو۔

۷-۱۱: کمالش: اس یعنی ان کا کمال، ان کے ولی کامل ہونے کی صورت سرکنم: آغاز کرتا ہوں مضمر: پوشیدہ کیا گیا قامتش: اس کا قد بالا: بلند
سید والا جناب: بلند مرتبہ یا بلند بارگاہ والے سید (حضرت علی ہجویریؒ)
رباید: اچک لے، ختم کردے ظلمتش: اس کی تاریکی محصور: گھرا ہوا
صف اعدا استم: میں دشمنوں کی صف (میں گھرا ہوا ہوں) میناستم: میں صراحی ہوں آموز: سکھا، سکھایئے شہ گردوں مکاں: آسمان جیسے بلند محل والا بادشاہ، انتہائی بلند مرتبہ بادشاہ

۱۲-۱۸: پیر دانا ہے کہ: وہ دانا بزرگ ہستی جس نے بستہ پیمانِ محبت: محبت کا پیمان باندھ رکھا تھا نامحرم: ناواقف اغیار: غیر کی جمع، یہاں مراد دشمن
اندیشہ: ڈر خوف قوت خوابیدہ ای: تو سوئی ہوئی قوت ہے پیشہ کرد: اس کی خصلت عادت بن گئی شکستن: ٹوٹنا شمرد: اس نے سمجھا رہزن: راہ مار، کسی کا راستہ روک کر اسے لوٹنے والا ماء وطین: پانی اور مٹی، یعنی حقیر اور پست آفریں: پیدا کر سرگراں بودن: ناراض ہونا شکوہ سنج: شکوہ کرنے والا۔

۱۹-۲۳: رونق بازار تست: تیرے بازار کی چمک دمک/ چہل پہل، مراد تیرے وجود کے

لیے نعمت ہے دانائے مقامات خودی: خودی کے مقامات سے آگاہ کشت: کھیتی سحاب: بادل ممکناتش: اس کے ممکنات، اس کی خوابیدہ صلاحیتیں اور قوتیں برانگیزد: بیدار کر دیتا ہے سنگ رہ: راستے کا پتھر مراد رکاوٹیں آب است: پانی ہے، سہل ہے پست و بلند جادہ: راستے کی اونچ نیچ فساں: تیز کرنے کا پتھر، سان امتحان: آزمائش خوردن: کھانا آسودن: آرام کرنا، سونا، بیکار کی زندگی گزارنا چہ سود: کیا فائدہ بخود محکم نہ ای: اگر تیری خودی مضبوط نہیں ہے بودن: ہونا، وجود رکھنا۔

۲۵-۳۱: تو اگر خواہی: اگر تو چاہے برہم کنی: الٹ پلٹ کر دے، انقلاب سے دوچار کر دے گر فنا خواہی: مراد اگر تو فانی بنا چاہتا ہے زخود آزاد شو: اپنی خودی یا اپنے ممکنات سے بے نیاز ہو جا بقا: حیات جاوید بخود آباد شو: یعنی اپنی خودی کی طرف متوجہ ہو جا مردن: مرنا تو چہ پنداری: تو کیا سمجھتا یا تیرا کیا خیال ہے صورت یوسفؑ: حضرت یوسف کی طرح خرام: ٹہل اسیری: قید اندیش: سوچ مرد کار: میدان عمل کا جواں مرد مرد حق: ایسا مومن و مجاہد جس کا ہر عمل حق کی خاطر ہو وا می کنم: میں کھولتا یعنی کھلاتا ہوں سر دلبراں: محبوبوں کے راز گفتہ آید: بیان کیا جائے حدیث دیگراں: دوسروں کی بات۔

حکایتِ طائرے کہ از تشنگی بیتاب بود

۱-۶: تشنگی: پیاس ریزۂ الماس: ہیرے کی کنی (ٹکڑا) آفرید: پیدا کیا، ظاہر کیا خورشید تاب: سورج کی سی چمک والا پنداشت: سمجھا مایہ اندوز نم: نمی کی پونجی حاصل کرنے والا منقار: چونچ کامش: اس کا حلق

۷-۱۵: قصد آزارم کنی: تو مجھے تکلیف پہنچانے کا ارادہ کر رہا ہے حیات خود نما: یعنی اپنی خودی کو ظاہر کرنے والی زندگی آب من: میری چمک، میری کاٹ گوہر جاں بشکند: مراد موت کا باعث بنتی ہے کام دل: دل کی آرزو، خواہش رو.... تافت: منہ موڑ لیا تافت: چمکا، چمک رہا تھا تاب: چمک محو

سپاس آفتاب: سورج کے شکریے میں کھوئی ہوئی تھی لرزہ: کپکپی ہراس: خوف کوکب رم خوئے: دوڑ جانے یعنی ڈوب جانے والی عادت رکھنے والا تارا گردوں زادہ ے: آسمان سے پیدا ہونے والا، آسمان کا بیٹا ذوق نمود: اپنے آپ کو ظاہر کرنے کا شوق یک دم: کچھ دیر کے لیے استادہ ے: کوئی یا ایک ٹھہرا ہوا خوردہ اے: جس نے (فریب) کھایا ہو بہرہ ے: کچھ حصہ نابردہ ے: جس نے نہ لیا عاشق دل دادہ ے: ایک ایسا عاشق جس نے دل دے رکھا ہو چکید آمادہ ے: جو ٹپکنے پر تیار ہو زیب مژگانے: کسی یا ایک پلک کی زینت۔

۱۶-۲۳: مضطر: بے قرار رسید: پہنچا در دہانش: اس کے منہ میں چکید: ٹپکا جان بری: جان بچائے پرسم: میں پوچھتا ہوں سوز تشنگی: پیاس کی تپش، گرمی گداخت: پگھل گیا، نڈھال ہو گیا سرمایہ ساخت: اپنی زندگی کا سامان کیا سخت اندام: سخت یا ٹھوس جسم والا گوہر خو: موتی کی سی خصلت والا ابر دریا بار: دریا یا سمندر برسانے والا بادل باش: ہو، ہو جا دریاب: پالے، آگاہ ہو از ایجاب خویش: اپنی ذات کا اقرار کرنے سے سیم شو: چاندی بن جا بستن سیماب: پارے کو منجمد کرکے آشکارا ساز: ظاہر کر دے۔

حکایت الماس و زغال

زغال: کوئلہ

۱-۱۱: بکشایم: میں کھولتا ہوں حدیث دیگرے: ایک اور بات/داستان معدن: کان ہم دمیم: ہم ساتھی ہیں، ہمدم ہیں ہست و بود: ہماری زندگی، ہمارا حال اور ماضی بکاں: کان میں میرم: میں مرتا ہوں درد ناکسی: گھٹیا پن کا دکھ رسی: تو پہنچتا ہے بدگلی: بدصورتی چاک: زخمی، پھٹا ہوا ہے (گویا حسد کے باعث ایسا ہے) مجمر: انگیٹھی باید گریست: رونا چاہیے برگ و ساز: ساز و سامان، جملہ لوازم اخگر زند: چنگاری لگاتا یعنی جلاتا ہے

موجہ دودے: دھوئیں کی لہرا لہریں ہم پیوستہ ے: جو باہم ملی ہوئی ہیں شرار جستہ ے: اچھلتی ہوئی چنگاری قیصر: روم کے بادشاہوں کا لقب، مراد عام بادشاہ۔

۱۲-۲۰: نکتہ بیں: گہری باتیں دیکھنے اور سمجھنے والا تیرہ خاک: سیاہ مٹی بہ پیرامون خود: اپنے اردگرد، اپنے ماحول میں یا آس پاس پیکار: لڑائی، جنگ پیکرم: میرا ڈھانچا، میرا وجود ذوالنور: روشنی/چمک والا معمور: بھرا ہوا، پُر خوار گشتی: تو ذلیل ہو گیا سوختی: تو جل گیا مستنیر: روشن سخت کوش: بڑی جدوجہد کرنے والا، بہت محنتی سخت گیر: مضبوط پکڑ والا سنگِ اسود: سیاہ پتھر جو خانہ کعبہ کی دیوار میں نصب ہے، اسے بوسہ دینا ارکانِ حج میں شامل ہے اسود و احمر: سیاہ اور سرخ، مراد سیاہ فام اور سرخ فام قومیں، تمام دنیا کے مسلمان جو حج کو جاتے ہیں صلابت: مضبوطی، سختی ناکسی: کسی لائق نہ ہونا ناپختگی: مضبوط نہ ہونا

حکایت شیخ و برہمن و مکالمہ گنگا و ہمالہ

در معنی ایں کہ تسلسل حیات ملیہ از محکم گرفتن روایات مخصوصہ ملیہ می باشد

مکالمہ: دو آدمیوں کا باہم کلام کرنا تسلسل حیات ملیہ: قومی زندگی کا پیہم اور لگا تار برقرار رہنا، قومی زندگی کی بقا/دوام محکم گرفتن: مضبوطی سے پکڑنا، پورے طور پر عمل میں لانا روایات مخصوصہ ملیہ: وہ خاص طور طریقے اور رسم و رواج جو کسی قوم میں قدیم سے رائج ہوں۔

۱-۱۰: برہمنے: ایک برہمن محترم: (ر پر زبر) جس کا احترام کیا جائے، اگر ر کے نیچے زیر ہو تو پھر بمعنی احترام کرنے والا سرفرو: سر جھکائے ہوئے یم بود وعدم: ہستی/وجود اور نیستی کا دریا، مراد فلسفیانہ مسئلوں کا دریا/سمندر بہرۂ وافر: بہت سا حصہ خدا جویاں: خدا جو کی جمع، خدا کی حقیقت جاننے کی تلاش میں رہنے والے ارادت: عقیدت گیرا: مطلب کو پا جانے والا ندرت کوش:

نت نئی نرالی بات نکالنے کی کوشش کرنے والا عنقا: ایک فرضی پرندہ سپند: ہرمل کا دانہ مے نہ بست: شراب نہ بھری عقدہ: گتھی، گرہ غماز: دل کی پوشیدہ حالت ظاہر کرنے والا فرزانہ: دانشمند، عالم۔

۱۱-۲۰: طائف: چکر لگانے والا با خاک بند: خاک سے باندھ درساز: موافقت کرلے، بنا کے رکھ گردوں نورد: مراد آسمان پر پرواز کرنے والا مگرد: مت پھر، گھوم مزن: مت مار درخور: لائق، سزاوار، اہل حریم: چار دیواری جادۂ تسلیم: خدا کی رضا پر راضی ہونے کا راستہ آزر: حضرت ابراہیمؑ کے زمانے کا ایک مشہور بت تراش اور پجاری مُرد: مرگئی، بجھ گئی خیال آسماں پیما: مراد بہت بلند خیال۔

۲۱-۲۵: ہمالہ: مشہور پہاڑ کوہ ہمالیہ رود گنگ: دریائے گنگا صبح آفرینش: کائنات کے وجود میں آنے کی صبح، کائنات کے آغاز ہی سے زنار پوش: مقدس دھاگا پہنے ہوئے پات: تیرا پاؤں، تیرے پاؤں تمکین: شان و شوکت رم: دوڑنا، چلنا

۲۶-۳۱: بردمید: اچھل پڑا پہنائے تو: تیرا پھیلاؤ، تیری وسعت از خود رفتہ: مراد اپنی خودی کھودی شایان: اہل، لائق نازی: تو فخر کرتا ہے ساحل افتادہ ے: ایک ساکن کنارہ نذر قلزم ساختی: تو نے سمندر کی بھینٹ چڑھادی ابلہی: تو بے وقوف/ نادان ہے۔

۳۲-۳۸: خود دار شو: اپنی خودی کی حفاظت کر بہر نشر بو: خوشبو پھیلانے کی خاطر پے گلچیں: پھول توڑنے والے کے پیچھے مرو: مت جا بالیدن: بڑھنا پھولنا پا در گلم: میرے پاؤں کیچڑ میں ہیں، میں ایک جگہ جما ہوا ہوں رسید: پہنچی، بلند ہوگئی ثریا آرمید: چھ ستاروں کے جھرمٹ (ثریا/ پروین) نے آرام کیا ذروہ مسن: میری چوٹی ملک: (م اور ل پر زبر) فرشتہ سعی پیہم: لگاتار/ مسلسل جدوجہد اندوختم: میں نے کمائے، حاصل کیے۔

۳۹-۴۴: قطرہ ای: کیا تو قطرہ ہے؟ مریز: مت گرا در طلاطم کوش: طوفان پیدا کرنے کی کوشش کر ستیز: الجھ جا، لڑ خواہ: مانگ، چاہ گوہر ریزہ: موتی کا چھوٹا سا ٹکڑا آویزہ: بندا، کانوں میں ڈالنے والا ایک زیور خود

افزا: اپنی ترقی کے امکانات میں توسیع کرنے والا   برق انداز: بجلی گرانے والا.   دریابار: سمندر برسانے والا، بے حد برسنے والا   گدیہ: بھیک۔

دربیانِ این کہ مقصد حیات مسلم اعلائے کلمۃ اللہ است وجہاد اگر محرک او جوع الارض باشد، در مذہب اسلام حرام است

اعلائے کلمۃ اللہ: اللہ کا کلمہ/ذکر بلند کرنا   محرک: مراد باعث   جوع الارض: زمین کی بھوک، مراد اپنی سلطنت وسیع کرنے کی خاطر دوسرے ملکوں پر قبضہ کرنا۔

۱-۶: صبغۃ اللہ: اللہ کا رنگ، قرآنی تلمیح: ''اللہ کا رنگ، اور اللہ کے رنگ کے معاملے میں اللہ سے بڑھ کر کون اچھا ہے'' سورۂ بقرہ، آیہ ۱۳۸   قاہر: غلبے والی   ار: اگر   دیدنش: اس کا دیکھنا   تابع حق: حق کا پابند   نادیدنش: اس کا نہ دیکھنا   خوردنش: اس کا کھانے کا عمل   نوشیدنش: اس کا پینے کا عمل   خوابیدنش: اس کا سونے کا عمل   ''شاہد علی الناس'': لوگوں پر گواہ، سورہ بقرہ آیہ ۱۴۳ سے ماخوذ ہے، مراد لوگوں کے لیے توحید باری تعالیٰ کا گواہ، آیت کا ترجمہ: ''اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنا دیا ہے جو (ہر پہلو سے) نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم (مخالف) لوگوں کے مقابلے میں گواہ اور تمہارے لیے رسولؐ گواہ ہوں''   نبیؐ انس و جاں: انسانوں اور جنوں کے نبیؐ، حضور اکرمؐ

۷-۱۱: قال: مراد باتیں، بحثیں   حال: ولولۂ عشق   ظلمت اعمال: عملوں کی تاریکی، ناپسندیدہ اور برے اعمال کی کیفیت   قبائے خسروی: شاہی لباس   درویشی زی: درویشانہ زندگی بسر کر   خدا اندیش: خدا کا خوف رکھنے والا   ناارجمند: بے وقعت، جس کی کوئی قدر و اہمیت نہ ہو   قرب: نزدیکی

۱۲-۱۹: حضرت شیخ میاں میرؒ: لاہور کے مشہور صوفی بزرگ جن کا مزار لاہور چھاؤنی کے قریب واقع ہے۔ یہ علاقہ میانیری ہی کے نام سے مشہور ہے۔ جائے ولادت سندھ بمقام ٹھٹھہ ۹۵۷ھ/۱۵۵۰ء۔ ۲۵ برس کی عمر میں لاہور تشریف لائے۔ یہاں ملا سعد لاہوری کے درس میں شامل ہوئے۔ تکمیل علم کے بعد مخلوق خدا کو روحانی

فیض سے نوازنے لگے۔ مغل شہنشاہ جہانگیر اور دارا شکوہ نے کئی مرتبہ ان کے در پر حاضری دی۔ وفات بمقام لاہور ۱۰۴۵ھ/۱۶۳۵ء مخفی: چھپا ہوا، پوشیدہ جلی: روشن، نمایاں محکم پے: ثابت قدمی سے چلنے والا ایمان: مراد اعتبار، وجہ عقیدت و احترام جبہ فرسا: پیشانی گھسانے/ماتھا رگڑنے والا شہ ہندوستاں: مراد مغل بادشاہ شاہ جہان جو حضرت کا مرید تھا ھل من مزید: کیا کچھ اور ہے، کچھ اور زیادہ ہے؟ آموختے: سکھاتا رہتا عرصہ پیکار: میدان جنگ گردوں پایہ: آسمان کی سی بلندی رکھنے والا، بہت بلند مرتبہ۔

۲۰-۲۴: رم کند: دوڑتا ہے سراپا گوش ماند: بھرپور توجہ سے سنتی رہی، پوری طرح کان لگائے رہی سکہ سیمیں: چاندی کا ایک سکہ، درہم پذیر: قبول کر لیں زحق آوارگاں: حق کی تلاش میں سرگراں لوگ خوے محنت: (ے خ) محنت کا پسینہ۔

۲۵-۳۴: خوان اجانب: غیروں کا دسترخوان دوخت است: دوختہ است، گاڑ رکھی ہیں جوعش: اس کی بھوک ناداریش: اس کی مفلسی ضعیف آزاریش: اس کا کمزوریا کمزوروں کو دکھ تکلیف پہنچانا سطوتش: اس کی شان و شوکت، رعب و دبدبہ خیال خود فریب: اپنے آپ کو فریب/دھوکا دینے والا خیال تاراج: لوٹ مار، غارت گری

اندرز میر نجات نقشبند المعروف بہ بابائے صحرائی کہ برائے مسلمانانِ ہندوستان رقم فرمودہ است

اندرز: نصیحت رقم فرمودہ است: تحریر فرمائی ہے۔

۱-۶: زگل بالیدہ ای: تو مٹی سے اگا/پیدا ہوا ہے، نشوونما پائی ہے زائیدہ ای: تو پیدا ہوا ہے مگذر: مت چھوڑ بجانجام باش: ایسا بن جس کا خاتمہ بجا پر ہو یعنی حیات جاوید پالے قطرہ ے می باش: تو ایک (باعظمت) قطرہ بن جا

بحر آشام: سمندر پی جانے والا   تابندہ ای: تو چمکنے والا/منور ہے   پائندہ ای: تجھے بقا حاصل ہے   خواجگی: امیر/آقا ہونا   ایں کالاست: اس سامان تجارت سے ہے   ہستی: تو ہے، تیرا وجود ہے   ترسیدہ ای: تو ڈر گیا ہے   سرت گردم: میں تیرے صدقے جاؤں   میر نجات: ''تلمیحات اقبال'' کے مولف عابد علی عابد مرحوم کے مطابق اس سے غالباً خود علامہ کی اپنی ذات مراد ہے۔ان کا یہ قیاس سیاق وسباق کی رو سے ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔

۷-۱۲: زدن: لگانا   سر برزدن: سر باہر نکالنا   اندوختن: جمع کرنا   گردیدن: بن جانا   سوختن: جلانا   چل سالہ: چالیس برس کی   خانہ سوز: گھر جلانے والا   شعلہ جوالہ: بھڑکنے والا شعلہ   رستن: (ر پر زبر) نجات/رہائی پانا   دانستن: جاننا   پرزن: اڑ   جذب خاک: خاک کی کشش، مراد دنیوی مفادات کی کشش   افتاد: گرنا   مبند: مت بنا۔

۱۳-۲۰: پیر روم: روم والے مرشد، مولانا جلال الدین رومیؒ   اخوند روم: روم کے ملا یعنی مولانا رومیؒ، روم سے مراد ایشیائے کوچک، ترکی جہاں مولانا کا مزار ہے   حلب: شام کا ایک مشہور شہر جہاں مولانا شروع شروع میں درس دیا کرتے تھے   توجیہات عقل: مراد عقل کی موشگافیاں   طوفانی ظلمات عقل: عقل کی تاریکیوں کے طوفان میں پھنسی ہوئی عقل   تشکک: شک میں پڑے رہنے کی صورت حال، یونان کے قدیم فلسفیوں کے ایک مکتب خیال کا نظریہ جس کی شاخ آج کے دور کی اشتراکیت ہے   اشراق: یہ بھی قدیم فلسفہ یونان کا ایک مکتب خیال اور افلاطون کے فلسفے کا نتیجہ ہے، مسلمانوں میں اس کے جامع اور مرتب شیخ شہاب الدین سہروردی تھے جنہیں سلطان صلاح الدین نے علمائے وقت کے فتوے پر قتل کروا دیا تھا   حکم: حکمت کی جمع، فلسفہ   مشائین: فلسفیوں کا ایک گروہ جس کا سرکردہ ارسطو تھا   وانمود: ظاہر کر دیا۔

۲۱-۲۸: پیر تبریزی: مراد شمس تبریزیؒ جن سے ملاقات کے بعد رومی کی کایا پلٹ گئی   کمال: بابا کمال جندی جنہوں نے شمس تبریزی کو مولانا روم کی طرف بھیجا تھا   غوغا: شور شرابا   قیاس: منطق کی ایک اصطلاح جو استدلال یعنی حجت کی تین قسموں میں سے ایک ہے   لب بہ بند: منہ بند کر، چپ ہو   مقالات: مراد

باتیں، گفتگوئیں   مخند: مذاق مت اڑا   فزود: بڑھ گیا   شعلہ زاد: شعلہ پیدا کر دیا   پاک سوخت: بالکل جلا ڈالا

۲۹-۳۶: اعجاز: معجزہ، کرامت   چساں: کس طرح   افروختی: تو نے جلائی ہے   دفتر: کتاب، کتابوں کا ڈھیر   مسلم زناردار: بظاہر مسلم لیکن عملاً مشرک   چکار: کیا کام/واسطہ   سحاب: بادل   تگرگ: اولا   ترک آفل: غروب ہو جانے والے کو چھوڑ دینا، قرآنی تلمیح، حضرت ابراہیمؑ نے ستارے کو دیکھ کر فرمایا، یہ میرا خدا ہے، پھر چاند کو اور بعد میں سورج کو دیکھ کر یہی کچھ فرمایا لیکن جب یہ غروب ہوتے گئے تو حضرت نے فرمایا: "یہ ڈوبنے والے میرے خدا نہیں ہو سکتے، مجھے ان سے کوئی لگاؤ نہیں   زبند آفل: مراد شرک کے تصور سے   درمیان شعلہ ہا: مراد نمرود کی آگ میں   نکو نشست: اطمینان سے بیٹھ گئے   کیمیائے احمر: سرخ کیمیا، پارس پتھر، یہ جس چیز کو چھو جائے اسے سونا بنا دیتا ہے۔

۳۷-۴۵: درقفا انداختی: تو نے بے پروائی اختیار کی ہے   در باختی: تو نے ہار دی   دم خنجر: خنجر کی دھار   کوثر: جنت کا ایک چشمہ   سنگ اسود: سیاہ پتھر جو کعبہ میں نصب ہے   دانش حاضر: موجودہ دور کے علوم وفنون   مجوے: تو مت تلاش کر   دانش نو: وہی جدید دور کے علوم   باغباناں: باغبان کی جمع مراد استادان علوم وفنون   امتحانم کردہ اند: انہوں نے مجھے آزمایا ہے   سراب نکہت: خوشبو کا دھوکا   رستہ ام: میں نے نجات/رہائی پالی ہے   طوبیٰ: جنت کا ایک شاندار درخت جس کے پتوں کا سایہ مومنوں کے گھر پر ہوگا۔

۴۶-۵۳: دانش حاضر: موجودہ دور کے علوم وفنون   حجاب اکبر: مراد ایک ایسی بڑی رکاوٹ جو خدا کی تجلیات اور انسانوں کے درمیان حائل ہے   مظاہر: اس کائنات کی ظاہری اشیا   بروں ناجستہ: باہر نہ نکلا ہوا   حدود حس: محسوسات کی حدیں، محسوسات ایسی اشیا جنہیں حواس خمسہ میں سے کسی ایک کے ذریعے جانا جا سکے کہ وہ موجود ہے، جس کا وجود خارج میں ہو، صرف عقلی اور ذہنی نہ ہو   صراط: پل   علتہائے عقل: عقل کی بیماریاں   افلاطون: مشہور یونانی فلسفی اور حکیم، طبیب   ساجد: سجدہ کرنے والا   مسجود: جسے سجدہ کیا جائے   سومنات: ہندوستان کا ایک مشہور قلعہ جسے محمود غزنوی نے فتح کیا اور

وہاں کے مندر کو تباہ کر دیا تھا   محمود: محمود غزنوی، غزنوی دور کا مشہور بادشاہ،
یہاں مراد فاتح   مےدیرینہ: پرانی شراب   شبہاش: اس کی راتیں۔

۵۴-۶۰: قیمت شمشاد: مراد اسلامی علوم کی قدر و قیمت   سرو دیگر: مراد دوسروں کے علوم   بلند انداختی: مراد برتر و بالا سمجھ لیا   ریزہ اے: ایک ریزہ (روئی وغیرہ کا بہت چھوٹا ٹکڑا)   جنس خود: اپنا مال، اپنے علوم   می جوئی: تو تلاش کرتا ہے   شرار دیر: مراد کفار یا غیروں کے علوم   سواد: حدیں   رمید: بھاگ گیا / اٹھا   درید: پھاڑ دیا   پریشان: منتشر   رم: وحشت   وحدت: اتحاد، اخوت، سب کا اللہ کی رسی کو مل کر تھامنا۔

۶۱-۶۶: شعار: طور طریقہ، آداب، دینی احکام   ساقی دیرینہ: مراد پرانے علما جو علم اور تبلیغ حق میں مصروف رہتے تھے   رندان حجازی: مراد اسلامی علوم کے شیدائی   اصنام: جمع صنم، بت   اسلام باخت: یعنی اسلام قربان کر دیا یا اسلام سے جاتا رہا   بیاض مو: بالوں کی سفیدی   سخرہ: مذاق، تمسخر

۶۷-۷۲: ہر مو درازے: ہر لمبے بالوں والا، یہ پیر یا صوفی ہونے کی علامت ہے   واعظاں: واعظ کی جمع، یعنی دین کا درس دینے والے، منبر پر چڑھ کر دینی تقریر کرنے والے   منصب پرست: عہدوں کے بھوکے   ملت بیضا: مراد ملت اسلامیہ   اعتبار: ساکھ   دوخت: گاڑ دی   دین مبین: روشن دین، یعنی دین اسلام   فتویٰ فروخت: فتوے بیچے یعنی دولت مندوں یا حکمرانوں وغیرہ سے مال لے کر ان کی مرضی و خواہش کے مطابق دین کے احکام کی تعبیر کر کے فتوے جاری کیے   چیست: کیا ہے   مفتی: فتویٰ دینے والا۔

الوقت سیف

الوقت سیف: وقت تلوار ہے۔

۱-۸: سبز بادا: مراد اللہ کرے پر رونق رہے   خاک پاک: پاک مزار / مرقد   شافعی: امام شافعی، نام محمد کنیت ابو عبداللہ اور لقب ناصر الحدیث، تاریخ و جائے ولادت، غزہ ۱۵۰ھ/۷۶۷ء، حدیث میں ان کے دو مجموعے "مسند" اور "سنن"

مشہور ہیں، وفات بمقام مصر ۳۰ رجب ۲۰۴ھ (۲۰ جنوری ۸۲۰ء) چیدہ است: چنتے ہیں، توڑتے ہیں سیف براں: تیز تلوار نامیدہ است: نام دیا / رکھا ہے آب او: اس کی چمک / کاٹ صاحبش: اس (شمشیر) کا مالک بیضاتر: زیادہ سفید / روشن کلیم: حضرت موسیٰ ضربت: چوٹ ترشود: بھیگ جاتا ہے، حضرت موسیٰ کے ایک معجزے کی طرف اشارہ ہے، ایک موقع پر انہوں نے اسرائیل کے لیے بے آب صحرا میں ایک پتھر پر عصا مارا تو اس سے چشمہ پھوٹ پڑا دریائے احمر: بحیرۂ احمر یعنی دریائے نیل۔

۹-۱۶: گردون گرداں: گھومنے / گردش کرنے والا آسمان فہمیدنی: غور و فکر کے لائق اسیر دوش و فردا: گذرے ہوئے کل اور آنے والے کل کا قیدی، مراد وقت کا گرفتار تخم ظلمت: تاریکی کا بیج کاشتی: تو نے بویا پنداشتی: تو نے سمجھا / سمجھ لیا پیود: تاپا رشتہ: دھاگا باطل فروش: مراد باطل اور کفر میں اضافہ کرنے والا زائیدی: تو نے پیدا کیا، مراد ماضی میں تو نے حق کی حقیقت کو ظاہر کیا مسلمی ؟: کیا تو مسلمان ہے؟ یعنی اگر تو مسلمان ہے تو ملت احرار: آزاد لوگوں کی قوم اصل زماں: مراد اللہ تعالیٰ کی شانوں کا کسی حد پر تمام نہ ہونا۔

۱۷-۲۵: "لی مع اللہ": حدیث حضور اکرمؐ: "اللہ تعالیٰ کے قرب میں میرے لیے ایک ایسا وقت آتا ہے جس میں نہ کوئی نبی بار پا سکتا ہے اور نہ کسی مقرب فرشتے ہی کی رسائی ہوتی ہے این و آں: یہ اور وہ، مراد دن اور رات سریست: ایک بھید ہے جاوید: ہمیشہ رہنے والا عاشور: دسواں، یعنی محرم کی دسویں تاریخ جو حضرت امام حسینؓ کا یوم شہادت ہے، یہاں مراد غم گسترده ای: تو نے پھیلا دیا ہے، یعنی اس میں بھی ماضی، حال اور مستقبل کا فرق پیدا کر دیا ہے رم کرده: مراد دور نکل گیا ہے کو: کہ او، کہ جس نے دمید: اگا، پھوٹا لاتسبو الدھر: زمانے کو برا مت کہو، حدیث قدسی جو رسول اکرمؐ کے وسیلے سے ہم تک پہنچی: "زمانے کو برا مت کہو، بے شک اللہ تعالیٰ ہی زمانہ ہے۔"

۲۶-۳۵: می گویمت: میں تجھے بتاتا ہوں عبد: غلام حر: آزاد انسان دُر: موتی یاوہ: جس کا کوئی مقصد و منزل نہ ہو می بافد: بنتا / تیار کرتا ہے

می تند: حاوی کر لیتا ہے برمی کند: (ک پر زبر) باہر اکھاڑ ڈالتا ہے چابک نفس: تیز سانس والا تحصیل حاصل: حاصل شدہ چیز کو حاصل کرنا، مراد جو کچھ میسر ہے اسی پر اکتفا کرنا، زندگی بسر کرنا بے ندرت: جس میں کوئی انوکھا پن یا جدت نہ ہو گراں خیزی: آقا کی خدمت اور تھکن اور تساہل کے نتیجے میں پیدا ہونے والی کیفیت نو آفرینی: نت نئی چیز پیدا کرنا، جدت اور انوکھے پن سے کام لینا ریزد: مراد نکالتا یا چھیڑتا ہے زحمت کش: زحمت اٹھانے والی تکرار: کسی چیز یا کام کو بار بار کرنا حلقہ پرکار: مراد ایک جگہ سے چل کر پھر وہیں آنے والا

۳۶-۴۳: مشیر: مشورہ دینے والی حادثات: حادثہ کی جمع، مراد نئے نئے اور اچانک کے امور، نئی نئی باتیں صورت پذیر: وجود میں آتے ہیں رفتہ: ماضی آئندہ: مستقبل موجود: زمانہ حال آسودہ: آرام کیے ہوئے دیرہا: دیر کی جمع، گذرے ہوئے وقت / زمانے کی درازی زود: جلدی ادراک: فہم زندہ معنی: ایسی حقیقت / موضوع جو جاندار ہو یعنی اس میں بڑھنے پھولنے کی طاقت ہو بمرد: مر گیا، اس کا وجود مٹ گیا فسرد: بجھ گئی نکتۂ غیب وحضور: مراد وقت کی اوجھل اور ظاہر صورت مرور: گذر جانے کی صورت حال۔

۴۴-۵۲: یاد ایامے کہ: وہ دن یاد آتے ہیں جب توانا دستی: قوت گرفت کاشتیم: ہم نے بویا عقدۂ دنیا: دنیا کی گتھی / گرہ بادۂ گل گوں: سرخ رنگ کی شراب، دین کی صداقت کہن مے خانہ ہا: پرانے شراب خانے، مراد پرانے دین جن میں صداقت نہ تھی شیشۂوں زدیم: مراد ہمارے دین اسلام کے آنے پر دوسرے غیر حقیقی دین ختم ہو گئے مے دیرینہ: پرانی شراب، پرانے علوم منی: گھمنڈ، تکبر ناداری: مفلسی، مراد علوم وحکمت کی دولت سے خالی ہونا۔

۵۳-۶۱: صاحب تکبیر: اللہ کی عظمت کا اعلان کرنے والا اقراء: قرآنی تلمیح، سورۂ العلق، آیت ۱، اس خدا کے نام سے پڑھنا شروع کر جس نے پیدا کیا کعبہ ہا: مراد اسلامی عبادت خانے نیز اسلام کے ماننے والے رزق خویش: مراد علم چشم کم مبیں: حقارت کی نظر سے نہ دیکھ زیاں کاریم: ہم گھاٹے کا سودا

کرنے والے ہیں کہنہ پنداریم: ہم پرانے خیالات کے مالک یعنی رجعت پسند ہیں رستہ ایم: ہم نجات پائے ہوئے ہیں با کسے: کسی کے ساتھ، مراد حضور اکرم کیساتھ سرِ مکنونیم: ہم چھپے ہوئے بھید ہیں ہارونیم: ہم ہارونؑ کے یعنی حضرت ہارونؑ کے آیات: نشانیاں، علامتیں

دعا

۱-۸: می رمی: تو گریزاں ہے عود: ایک قسم کا ساز، باجا محسودِ حیات: زندگی کے لیے باعث حسد ہے نرخِ تو بالا: مراد تجھ تک رسائی عملوں ہی سے ممکن ہے تہی دستاں: جن کے ہاتھ خالی ہیں یعنی جن کے اعمال صالحہ نہیں ہیں سلمانؓ: حضرت سلمانؓ فارسی جن کا تعلق اصفہان سے تھا، ان کا مجوسی نام ماہ بہ تھا، اسلام قبول کرنے کے بعد سلمان نام رکھا، حضور اکرمؐ سے بے پناہ عشق تھا، چنانچہ طویل سفر کرنے اور کئی مصائب اٹھانے کے بعد حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ غزوۂ خندق میں وہ حضورؐ کے ہمراہ تھے۔ اسی موقع پر حضورؐ نے فرمایا کہ: ''سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہے'' ان کا زیادہ تر وقت حضورؐ کی خدمت اقدس میں بسر ہوتا۔ اسی وجہ سے وہ علوم و معارف سے خوب بہرہ ور ہوئے۔ ان کا انتقال ۳۳ھ/۶۵۳ء میں ہوا بلالؓ: حضرت بلال، حبشی نژاد غلام تھے، پیدائش مکہ میں ہوئی۔ ایک کافر کے غلام تھے۔ جب اسلام قبول کیا تو آقا نے ان پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے۔ آخر کار حضرت ابوبکرؓ نے انہیں اس کافر سے خرید کر آزاد کر دیا۔ وہ حضور اکرمؐ کے عاشق صادق اور خادمِ خاص تھے اور مسجد نبوی کے موذن بھی۔ حضور اکرمؐ کی وفات کے بعد شام کو ہجرت کر گئے اور وہیں ۲۰ھ/۶۴۱ء میں فوت ہوئے اعناق اعداء خاضعین: قرآنی تلمیح، سورۂ الشعراء، آیت ۴: ''اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے ایک بڑی نشانی نازل کر دیں، پھر ان کی گردنیں اس نشانی سے پست ہو جائیں۔

۹-۱۵: کوہِ آتش خیز: آتش فشاں پہاڑ سوز: جلا دے غیر اللہ: ماسوا اللہ کے جو کچھ ہے، طاغوتی / باطل قوتیں رشتہ: دھاگا، ڈور شیرازہ کن: مراد

متحد و مجتمع کر   ایں اوراق: مراد ملت اسلامیہ جو انتشار کا شکار ہے   گمار: مقرر / متعین کر   سپار: سپرد کر   راہ رواں: مراد تیری (اللہ کی) راہ پر چلنے والے۔

۲۲-۱۶: آموزم: میں سکھاتا ہوں   دل فروز: دل کو روشن / منور کرنے والا   کارمش: میں اسے بوؤں / کاشت کروں   روید: اُگے   شوید: دھو ڈالے، ماند کر دے   نجست: تلاش نہ کیے۔

۲۹-۲۳: آموختہ: سکھائی   سوختہ: جلا ڈالا   گردوں مقام: آسمان کی سی عظمت و رفعت والا   زہر موئیم: میرے ہر ہر بال سے   دمید: پھوٹے، نکلے   چکید: ٹپکی   چید: چنا، اٹھایا   آتش مزاجے: آگ کی سی تپش رکھنے والا   آفرید: پیدا کیا۔

۳۵-۳۰: تپیدن: تڑپنا   غم گسارے: کوئی شریک غم   ز رویت: تیرے یعنی خدا کے چہرے سے   باز گیر: واپس لے لے   برکش: کھینچ لے، نکال لے

۴۰-۳۶: سر بزانوے شب: رات کی گود میں سر رکھے ہوئے   شب یلدا: لمبی اور تاریک رات

۴۶-۴۱: یکتاستی: تو یکتا / واحد ہے   آراستی: تو نے سجایا ہے   سپارم: میں سپرد کروں   آزرش: اس کا بت گر، آزر، حضرت ابراہیمؑ کے دور کا مشہور بت ساز۔

فرہنگ

مثنوی رموز بیخودی

جہد کن: کوشش کر بیاب: پالے واللہ: اور اللہ اعلم: بہت جانتا ہے بالصواب: درستی یا بہتری کو (یہ شعر مولانا روم کی مثنوی کے دفتر چہارم میں آیا ہے۔)

پیش کش بحضور ملّت اسلامیہ

پیش کش: نذرانہ

عرفی: محمد جمال الدین نام، تخلص عرفی۔ شیراز کا رہنے والا تھا۔ اکبر شہنشاہ کے زمانے میں وارد برصغیر پاک و ہند ہوا۔ ۹۹۹ ہجری مطابق ۱۵۹۱ء میں بعمر چھتیس برس فوت اور لاہور میں دفن ہوا لیکن بعد میں کسی نے اس کی قبر سے ہڈیاں نکال کر نجف میں دفن کر دیں۔ نتواں گشت: نہیں ہوا جا سکتا دم زنم: میں دم بھرتا ہوں، میں دعویٰ کرتا ہوں۔ بمن نیست: مجھ میں نہیں ہے، مجھے نہیں ہے۔

اب مثنوی کے اشعار:

۱-۳: خاتم: ختم کرنے والا، جس کے آنے پر کوئی بات یا دین وغیرہ ختم ہو جائے۔ انجام کرد: ختم کر دیا پاکان: پاک کی جمع یا متقی لوگ ہمگر دلہا: دلوں کو رفو کرنے والے، دوسروں کے دکھ درد دور کرنے والے جگر چاکان: جگر چاک کی جمع، جن کے جگر زخمی ہوں، مراد عاشق ترسا زادہ اے: ایک یا کئی نصرانی (عیسائی) دور افتادہ اے: ایک دور ہٹا ہوا۔

۴-۵: مشت غبار: مٹھی بھر خاک، حقیری شے تماشا گاہ عالم: مراد دنیا کی توجہ کا مرکز ہمچو: مانند آتش زیر پا: پاؤں کے نیچے آگ یعنی انتہائی بیقراری کے ساتھ

بڑی تیزی سے بہر تماشا: نظارے کے لیے

۶-۷: رمز: حقیقت، بھید سوز: جلنا، مراد عشق کی تڑپ پیدا کرنا آموز: سیکھ شرر: چنگاری کاشانہ اے: ایک محل، ایک رہائشی گھر طرح: بنیاد انداز: ڈال پیمانِ خویش: اپنا عہد۔

۸-۱۱: خاطرم: میرا دل صحبتِ ترسا: نصرانی کی رفاقت، عام محبوب کی رفاقت گرفت: اچاٹ ہو گیا بالا گرفت: اوپر کو اٹھ گیا ہم نوا: ساتھی، مراد دوسرے عام شعرا جلوۂ اغیار: غیروں کا جلوہ، (اغیار: غیر کی جمع) یعنی عام محبوبوں یا حسینوں کا نظارہ جبیں فرسود: اس نے پیشانی رگڑی، سجدے کیے مغ زادگان: مغ زادہ کی جمع، وہ حسین نوخیز لڑکے جو قدیم ایران کے میخانوں میں میخواروں کو شراب پلایا کرتے تھے (مغ، ایران کے آتش پرستوں کے مذہبی رہنما کا ایک درجہ جو موبد کے درجہ سے کم ہوتا تھا) بعد میں شعراء نے ساقی کے معنوں میں بھی اور محبوب کے لیے بھی یہ لفظ استعمال کرنا شروع کر دیا۔ یہاں اس سے مراد محبوب یا حسین ہے قصہ پیمود: مراد قصہ بیان کیا شہید: مارا ہوا خاکم: میں خاک ہوں، خاک کی مانند ہوں آسودہ: آرام میں، آرام یا سکون سے پڑا ہوا۔

۱۲-۱۵: ستائش گستری: دوسروں کی مدح گوئی: انعام و اکرام کے حصول کی خاطر حاکمانِ وقت کی مدح سرائی کرنا دیوان: حساب کتاب کا دفتر، امیروں، وزیروں اور بادشاہوں کے بیٹھنے کی جگہ، مراد محکمہ مال یا خزانے کا بڑا افسر فرو نایدسرم: میرا سر نہیں جھکتا سخن: شاعری آئینہ سازم: مجھے آئینہ بنانے والا کردہ اند: انہوں نے یعنی قدرت نے کیا ہے سکندر: سکندر یونانی، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے کسی خاص دھات پر پالش کر کے اسے اپنی سرحدوں پر آئینے کے طور پر نصب کر دیا تھا تاکہ اگر دشمن کی فوج ادھر کا رخ کرے تو اس کا عکس پڑنے سے اس کی فوج چوکس ہو جائے، گویا اس لحاظ سے اسے دنیا کا پہلا راڈار بھی کہہ سکتے ہیں۔ سکندر کو آئینے کا موجد کہا گیا ہے بار: بوجھ برنتابد: برداشت نہیں کرتی گردنم: میری گردن غنچہ گردد: کلی بن جاتا ہے، کلی کی طرح بند ہو جاتا یا سست جاتا ہے سخت کوشم: میں جفاکش ہوں، میں بے حد محنت

کرنے یا جدوجہد کرنے والا ہوں می گیرم: میں لیتا ہوں آب: تلوار یا خنجر کی دھار' تیزی اور کاٹ سنگ گراں: بھاری سِل

۱۶-۱۹: بحرم: میں سمندر ہوں کاسۂ گرداب: بھنور کا کشکول (کشکول جس میں فقیر بھیک مانگتے ہیں) شمیم عیستم: میں کوئی خوشبو نہیں ہوں صید: شکار شرار آباد ہستی: زندگی یا وجود کی چنگاریوں کی دنیا' جس جگہ چنگاریاں ہوں' مراد بے ثبات اور فانی دنیا اخگرم: میں آگ یا سلگتا ہوا کوئلہ ہوں' میں انگارا ہوں خاکسترم: میری راکھ بر ذرت: تیرے یعنی ملت اسلامیہ کے در پر' تیری چوکھٹ پر نیاز: نذرانہ' عاجزی آوردہ است: لائی ہے ہدیہ: تحفہ

۲۰-۲۱: آبگوں: نیلے رنگ کا' نیلگوں یم: سمندر می چکد: ٹپک رہا ہے' برس رہا ہے دمادم: لگاتار جو: ندی می سازمش: اسے بناتا ہوں گلشنت: تیرا گلشن اندازمش: اسے ڈال دوں زانکہ: از آن کہ' اس لیے کہ یار ماستی: تو ہمارے یار کی ہے' یار سے مراد خدا تعالیٰ بھی ہو سکتا ہے اور حضور اکرمؐ بھی۔ قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد ہوا ہے: "اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنایا جو اعتدال پسند ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو" اور حضور اکرمؐ نے اپنی امت کو "امت مرحومہ" (جس پر خدا کی رحمت ہے) فرمایا ہے۔

۲۲-۲۶: طرح ریخت: بنیاد رکھی/ڈالی آئینہ ریخت: آئینہ گرایا' آئینہ گرا رہی ہے از ہم شگافم: چاک چاک کرتا ہوں' الگ الگ کر کے پھاڑتا ہوں آویزم: میں لٹکاؤں' میں لٹکاتا ہوں نگہ ہے افگنی: تو ایک نگاہ ڈالے' ذرا دیکھے می شوی: تو ہو جائے زنجیری گیسوے خویش: اپنی زلف گرہ گیر کی اسیر باز خوانم: میں پھر پڑھتا ہوں' میں پھر دہراتا ہوں قصۂ پارینہ ات: تیرا پرانا قصہ' تیرے تابناک ماضی کی داستان تازہ سازم: تازہ یا ہرا کرتا ہوں' یا ہرا کروں

۲۷-۳۰: از پے: کے لیے' کی خاطر قوم ز خود نامحرمے: ایسی قوم جو اپنی ذات یعنی اپنی وقعت و اہمیت سے بے خبر ہے خواستم: میں نے چاہی' میں نے دعا کی سکوت: خاموشی نالاں بدم: میں نالہ وزاری کرتا (بدم: بودم) اندر خواب: نیند میں' سوئی ہوتی' سویا ہوتا یاحی و یاقیوم: اے ہمیشہ زندہ رہنے

والی اور ہمیشہ قائم رہنے والی ذات یعنی خدا تعالیٰ‘ یہ اللہ کی صفات ہیں
آرزوئے داشتم: میری ایک آرزو تھی   خوں کردمش: میں نے اسے خون بنا
دیا   بیروں کردمش: میں نے اسے باہر نکال دیا

۳۱-۳۳: سوختن: جلنا‘ تڑپنا   پیہم: پے بہ پے‘ مسلسل‘ لگاتار   دریوز: دریوزہ‘ بھیک
می ریزم: میں گراتا ہوں   چو: مانند   شمع: موم بتی‘ جسے جب جلایا جائے
تو پگھلنے کے باعث اس کے قطرے نیچے گرتے رہتے ہیں   شب یلدا: تاریک
اور لمبی رات   درآویزم: الجھتا ہوں‘ الجھتا رہتا ہوں   افزودم: میں نے
بڑھایا‘ اضافہ کیا   جلوہ: روشنی   خود کاستم: خود گھٹ گیا‘ کم ہو گیا
دیگراں: دیگر کی جمع‘ مراد دوسرے لوگ   آراستم: سجائی

۳۴-۳۸: یک نفس: ایک پل‘ ایک پل بھی   ہفتہ ام: میرا ہفتہ (Week) پورے
سات دن   آدینہ: جمعہ‘ چھٹی کا دن   پیکر فرسودہ اے: ایک گھسا پٹا جسم
گردآلودہ اے: غبار یا خاک میں اٹا ہوا/لتھڑا ہوا   حق آفرید: خدا تعالیٰ
نے پیدا کیا   صبح ازل: ایسی صبح جس کی کوئی ابتدائی حد نہ ہو‘ شروع ہی سے
ابریشم عودم: میرے عود کے تار میں (ابریشم: ساز کا تار‘ عود: ایک آلہ موسیقی)
تپید: تڑپا   افشاگر: (بھید) کھولنے والا   خوں بہا: خون کی قیمت‘ دیت‘
کسی مقتول کے عوض لی جانے والی رقم   فطرت: وہ وصف یا برائی جو کسی کے خمیر
میں ہو‘ پیدائشی وصف   بخشد: عطا کرتا ہے۔

۳۹-۴۱: عشق را: عشق کے لیے   بس: کافی ہے   گل یک نالہ: ایک نالہ وزاری
کا پھول‘ ایسا پھول جس میں صرف ایک نالہ ہو‘ مراد صرف نالہ   ہمیں: یہی
بدستارت زنم: تیری پگڑی میں لگاتا/سجاتا ہوں   محشرے: ایک قیامت‘ ایک
حشر‘ ہنگامہ   خواب سرشارت: تیری گہری نیند (سرشار بمعنی لبریز‘ پوری طرح
بھرا ہوا) خواب خرگوش   زخاکت: تیری خاک سے   لالہ زار: جہاں لالہ
کے پھول کثرت سے ہوں   آید پدید: ظاہر ہو‘ وجود میں آئے   از دمت:
تیرے دم یا سانس سے‘ تیری پھونک سے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رموز بیخودی

تمہید

در معنی ربط فرد و ملت

رموز بیخودی: بیخودی کی حقیقتیں، علامہ کے مطابق بیخودی فرد کا اپنی جماعت میں ضم ہو جانا ہے۔

۱-۳: فرد را: فرد کے لیے، فرد ایک انسان یا شخص ربط: تعلق، وابستگی جوہر او: اس کی لیاقت و اہلیت، خاصیت توانائی: جہاں تک تجھ سے ہو سکے یار باش: دوست رہ، ساتھی بن کر رہ احرار: حر کی جمع، آزاد لوگ حرز جاں کن: جان کا تعویز بنا لے گفتہ: کہی ہوئی بات، یہاں مراد حدیث خیر البشرؐ: انسانوں میں سب سے بہتر و افضل یعنی حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم)

۴-۶: سلک: لڑی کہکشاں: چند ستاروں کا وہ مجموعہ جو راستے کی صورت میں آسمان پر رات کو دکھائی دیتا ہے اختر: ستارہ می گیرد: حاصل کرتا ہے می یابد نظام: تنظیم پاتی ہے، اس کی تشکیل ہوتی ہے گم می شود: مراد یہ کہ خود کو پورے طور پر اس سے وابستہ کر لیتا ہے افراد: فرد کی جمع قطرۂ وسعت طلب: وسعت یا پھیلاؤ کا خواہشمند قطرہ قلزم: سمندر۔

۷-۱۲: مایہ دار: مال دار، مالا مال سیرت دیرینہ: قدیم سیرت، پرانے انداز، ماضی کے مسلمانوں کے عظیم جذبے رفتہ: گذرا ہوا یعنی ماضی آئندہ: مستقبل وصل: ملاپ، دو چیزوں کا باہم مل جانا استقبال: مستقبل ابد: ہمیشگی، جس میں ماضی اور مستقبل کو دخل نہیں، جس کی کوئی حد نہ ہو لا انتہا: جس کی کوئی انتہا نہ ہو اوقات: جمع وقت، مراد زمانہ، زماں ذوق نمو: بڑھنے پھولنے کا شوق وسلیقہ احتساب کار: اعمال کی نگرانی/گرفت، ممنوع باتوں سے روکنا پیکرش: اس کا وجود ظاہرش: اس کا ظاہر یعنی وجود پنہانش: اس کا باطن یعنی اس کی جان گویا می شود: بولتا ہے اسلاف: سلف کی جمع، پرانے

لوگ / بزرگ، آباو اجداد پویامی شود: چلتا ہے پختہ تر: زیادہ مضبوط، زیادہ بالغ نظری گرمی صحبت: باہم مل بیٹھنے اور باہمی محبت کی گرمی / شدت بمعنی: بہ معنی، حقیقت میں، درحقیقت۔

۱۳-۱۵: مستقیم: سیدھی، مستحکم، استحکام والی کثرت: وحدت کی ضد بیت: شعر، گھر، مقام بیروں نشست: باہر بیٹھ گیا، اپنے مقام سے ہٹ کر استعمال ہوا بجیب خود: اپنی تھیلی میں شکست: ٹوٹ گیا کز: کہ از نہال: درخت ریخت: گر گیا گسیخت: ٹوٹ گیا۔

۱۶-۲۰: زمزم: خانہ کعبہ کے قریب ایک چشمہ جس کا پانی متبرک سمجھا جاتا ہے، یہاں مراد چشمہ ہر کہ: جو کوئی، جس کسی نے نخورد: نہیں پیا درعودش: اس کے باجے / ساز میں فسرد: بجھ گئے، سرد پڑ گئے، بے اثر ہو گئے مقاصد: جمع مقصد، ارادے کی جگہیں، غرض وغایت، مرادیں قوتش: اس کی قوت، مراد اس کی قوت عمل آشفتگی: انتشار، حیرانی، پریشانی مائل: جھکی ہوئی پا بہ گل: جس کے پاؤں مٹی میں ہوں، جس کی جڑیں زمین میں ہوں مانند شمشادش: اسے شمشاد کی طرح (شمشاد: سرو کی قسم کا ایک سیدھا لمبا درخت) دست و پا بندد: ہاتھ پاؤں باندھ دیتی ہے آزادش کند: اسے آزاد کر دے اسیر: قیدی، مراد پابند حلقہ: حد، گھیرا آہوے رم خوے او: اس کا بے لگام ہرن مشکیں شود: مشک والا ہو جاتا ہے (مشک: سیاہ رنگ کا ایک خوشبودار مادہ جو ہرن کے نافہ سے نکلتا ہے صبا: پچھلی رات کی ہوا، پروا ہوا۔

۲۱-۲۴: خودی: علامہ کے مطابق احساسِ نفس یا تعینِ ذات بیخودی: علامہ کا اس سے مطلب ہے فرد کا ملت میں ضم ہو جانا نشناختی: تو نے پہچان نہیں کی، تو نے فرق نہیں جانا اندر گماں: وہم / شک میں انداختی: تو نے ڈال لیا جوہر نوریست: نوری جوہر ہے خاک: خمیر جلوہ ادراک: فہم و شعور کی تجلی (ادراک: کسی چیز / بات کو عقل و شعور سے پا جانا / سمجھ جانا) عیشت: تیرا عیش، تیری سکون و مسرت کی حامل زندگی عیشش: اس کا عیش انقلاب ہر دمش: اس کے ہر لحظہ بدلتے ہوئے عظیم حالات بر نمی تابد: برداشت نہیں کرتی، متحمل نہیں ہو سکتی دوئی: دو ہونا، وحدت کی ضد تاب او: اس کی

قوت' اس کا پرتو / روشنی   من استم: میں ہوں۔

۲۵-۲۸: خویش دار: خود کو برقرار رکھنے والی   خویش باز: اپنی ذات کو کھو دینے والی
خویش ساز: اپنی ذات کی تعمیر کرنے والی   می پرورد: پالتی یا پرورش کرتی ہے
گردد بلند: بھڑک اٹھتی ہے   انداز دکمند: کمند ڈالتی یعنی شکار کرتی ہے   زنجیری: قیدی   جزو: کسی چیز کا کوئی حصہ یا ٹکڑا   کل گیری: کل کو پکڑنا (کل: کوئی پوری یا مکمل شے)   خوگر: عادی   پیکار پیہم: مسلسل جنگ' مسلسل جدوجہد
دیدمش: میں نے اسے دیکھا ہے   نامیدمش: میں نے اسے نام دیا۔

۲۹-۳۴: خلوت: تنہائی' علیحدگی   بیروں دہد: باہر لاتی / نکلتی ہے   جلوت: خلوت کی ضد' مجمع' انبوہ' جماعت   نقش گیر: قبول کرنے والا / والی' جس پر نقش جم جائے
"او": وہ' مراد ملت   "من": میں' مراد فرد کی اپنی ذات   زہم می ریزد: خود سے کٹ جاتی ہے   "تو": مراد ملت یا ملت کے دوسرے افراد   جبر: دباؤ' سختی' مراد ملت کی طرف سے لگائی گئی پابندیاں   قطع اختیارش: اس کے یعنی خودی یا فرد کے اختیارات ختم کر دینا   مایہ دارش: اس کو مال دار / مالا مال
ناز: فخر' غرور یعنی اظہار ذات   کم خیزد: نہیں پیدا ہوتی   نیاز: عاجزی' ہمدردی   سازد بہم: باہم موافقت کر لیتے ہیں   در جماعت: ملت میں
خود شکن: خود کو توڑنے والی' اپنی ذات کا اظہار نہ کرنے والی   گلبرگے: پھول کی ایک پتی' مراد فرد   چمن گردد: چمن بن جاتی ہے' ملت کی صورت اختیار کر جاتی ہے   نکتہ ہا: گہری / باریک باتیں   پولاد: فولاد' لوہا   نمی فہمی: تو نہیں سمجھتا   ز پیش ما: ہمارے سامنے سے   گریز: بھاگ جا۔

در معنی ایں کہ ملت از اختلاط افراد......از نبوت است

اختلاط: باہم ملنا' جمع ہونا' اجتماع   تکمیل: مکمل ہونا۔

۱-۳: از چہ رو: کس بنا پر   بربستہ: فائدہ مند   ربط مردم: افراد یا لوگوں کا باہمی میل ملاپ / تعلق   رشتہ: دھاگا' سرا' گتھی   سر در گم است: سرا نا پید / گم ہے
بینیم ما: ہم دیکھتے ہیں / سمجھتے ہیں   چینیم ما: ہم چنتے / توڑتے ہیں   وارفتہ:

دلدادہ: مائل حفظ: تحفظ، حفاظت انجمن آرائی: مراد جماعت/ملت کے ساتھ وابستہ رہنا سوزدش: اس کو جلاتی ہے آوردگاہ: جنگ۔

۵-۷: مردماں: مردم کی جمع، لوگ، افراد خوگر: عادی سفتہ: پروئے ہوئے رشتہ: لڑی، دھاگا نبردِ زندگی: زندگی کی جنگ، جہادِ زندگانی یارِ ہم اند: ایک دوسرے کے ساتھی/رفیق ہیں ہمکاراں: ہم کار کی جمع، ایک جگہ یا مل کر کام کرنے والے گرفتارِ ہم اند: مراد ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہنے پر مجبور ہیں انجم: ستارہ، ستارے جذب: کشش کوکب: ستارہ محفلِ انجم: مراد نظامِ شمسی۔

۸-۱۱: خیمہ گاہ: خیمہ لگانے کی جگہ، پڑاؤ، منزل جبل: پہاڑ مرغزار: چراگاہ نل: نیلا تار و پود: تانا بانا (تانا: کپڑا بنتے وقت لمبائی میں آنے والا دھاگا اور بانا چوڑائی میں آنے والا دھاگا) ناکشودہ: نہ کھلی ہوئی/نہ کھلا ہوا غنچۂ پندار: فہم و شعور کی کلی سازِ برق آہنگ: بجلی کی سی لے/سر کا حامل ساز نانواختہ: نہیں چھیڑا/بجایا گیا پردہ: راگ، موسیقی کا مقام ناپرداختہ: مصروف نہیں ہوا، لے یا تال پر نہیں آیا گوشمالِ جستجو: جستجو کی تنبیہ و تادیب ناخوردہ اے: نہ کھایا ہوا، جسے ڈانٹ نہ پلائی گئی ہو زخمہ ہائے آرزو: آرزو کے مضراب۔

۱۲-۱۵: نا بساماں: ساز و سامان سے محروم، جس کے پاس کوئی مال اسباب نہ ہو محفل نوزادہ اش: اس کی نومولود یا نئی نئی وجود میں آئی ہوئی بزم پنبہ: روئی چیدن: چننا، اکٹھی کرنا (بادہ پنبہ چیدن محاورہ ہے جس کا مطلب شراب کی قلت ہے) نودمیدہ: نیا نیا/تازہ تازہ اگا ہوا سبزۂ خاکش: اس کی خاک کا سبزہ سردخون: گرمی سے محروم خون رگِ تاکش: اس کی انگور کی بیل اندیشہ اش: اس کی سوچ، اس کا فہم و فکر گماں: خیال، وہم رمیدن: ڈر کر بھاگنا پیشہ اش: یعنی اس کا شیوہ/ڈھنگ تنگ میداں: محدود/تنگ میدان والی ہستی خامش: اس کی بلوغت سے عاری ہستی، اس کا ناپختہ وجود زیرِ لب بامش: اس کی چھت کے نیچے، بہت محدود۔

۱۶-۱۸: بیم: ڈر، خوف آب و گلش: اس کی سرشت/طبیعت بادِ تند: تیز ہوا، جھکڑ می لرزد: کانپتا ہے تنش: اس کا جسم سخت کوشی: بہت محنت رم زند: ڈر

کے بھاگتی ہے فطرت: مظاہر فطرت پنجہ کم زند: پنجہ نہیں مارتا، تسخیر نہیں کرتا
ازخود: اپنے آپ، خودبخود می دمد: پھوٹ پڑتا ہے، اُگتا ہے بردارَدش:
اسے اٹھالیتا ہے از بالا: اوپر/آسمان سے فتد: گرے، گرتا ہے۔

۱۹-۲۲: تا: تا آنکہ، حتیٰ کہ صاحبدلے: ایک صاحب دل، کوئی یا ایک دین دار، خدا
کی پہچان رکھنے والا، مراد نبیؐ زحرفے: ایک حرف سے دفترے: ایک
کتاب/بیاض املا کند: لکھ ڈالتا ہے، لکھوالیتا ہے سازپردازے: ایک
ایسا ساز بجانے والا آوازہ اے: ایک آوازہ (آواز: موسیقی کی اصطلاح،
وہ نغمہ جو دوراگوں سے ترکیب پائے) بخشد: عطا کرتا ہے حیات تازہ
اے: ایک نئی زندگی ذرۂ بے مایہ: حقیر سا ذرہ، معمولی چیز، مراد انسان
ضوگیرد: روشنی حاصل کرتا ہے ارج: قیمت، اہمیت یک دم: ایک پھونک
وصد: دوسو، بے شمار، بہت سے پیکر: قالب، بدن۔

۲۳-۲۶: می کشد: مار ڈالتی ہے جاں دمد: روح پھونکتے ہیں دوئی میرد: دوئی
(وحدت کی ضد) مرجاتی/ختم ہو جاتی ہے یکی: ایک ہونا، وحدت، یکتائی
رشتہ اش: اس کا دھاگا کو: کہ اُو، کہ جو برفلک: مراد آسمان تک دارد
سرے: سرا رکھتا ہے، اس کا سرا پہنچتا ہے پارہاے زندگی: زندگی کے ٹکڑے
(پارہا: پارہ ہا) زندگی کے اجزا ہمگرے: ایک رفوگر، پھٹے کپڑوں کو دھاگوں
سے بھرنے والا انداز نظر: مراد غور و فکر کا طریقہ دشت و در: کوہ و بیاباں
(در: دو پہاڑوں کے درمیان کا راستہ، گھاٹی، مراد پہاڑ) تف: گرمی
سپند: کالا سا دانہ، ہرمل جو آگ پر ڈالا جائے تو تڑ تڑ کر کے اچھلنے لگتا ہے
برجہد: اچھلتی ہے، جدوجہد پر آمادہ ہوتی ہے شورافگن: مراد نعرہ زن
ہنگامہ بند: ہنگامہ آرا، جوش و ولولہ سے سرشار۔

۲۷-۳۰: می افگند: ڈالتا ہے دلش: اس کا دل شعلہ درگیر: وہ شعلہ جو آگ بھڑکا دے
می گردد: بن/ہو جاتی ہے گلش: اس کی مٹی، اس کا وجود نقش پایش: اس
کے پاؤں کا نشان بینا: دیکھنے والی، صاحب بصیرت چشمک زن سینا: سینا کی
برابری کا دعویٰ کرنے والا (سینا: وہ پہاڑ جہاں حضرت موسیٰ نے خدا تعالیٰ سے اپنا
جلوہ دکھانے کی درخواست کی تھی اور تجلی ربانی پر بے ہوش ہو گئے تھے۔ طورسینا)

عریاں: برہنہ   پیرایہ اے: ایک یا خاص لباس   بے مایہ: کنگال' بے بضاعت   دامن: پلو   می زند: مارتا ہے' کی ہوا دیتا ہے   اخگرش: اس کا انگارا   ہرچہ: جو کچھ' جو بھی   غش: کھوٹ   رباید: اڑا دیتا' نکال پھینکتا ہے۔

۳۱-۳۴: بندہا: جمع بند' بیڑیاں' زنجیریں   کشاید: کھول دیتا ہے   بندہ: غلام   خداوندان: جمع خداوند' آقا' مالک   رباید: چھین لیتا ہے   گویدش: اس (غلام) سے کہتا ہے   نہ ای: تو نہیں ہے   سوے یک مدعایش: اسے ایک مقصد کی طرف   می کشد: لے آتا ہے' کھینچ لاتا ہے   حلقہ آئین: قانون و ضابطہ کی زنجیر   بپایش: اس کے پاؤں میں   می کشد: ڈالتا ہے   نکتہ توحید: خدا کی وحدت کی حقیقت   آموزدش: اس کو سکھاتا ہے' اسے آگاہ کرتا ہے   نیاز: عاجزی' ملت میں خود کو ضم کر دینا۔

ارکانِ اساسی ملیہ اسلامیہ

رکن اول: توحید

توحید: خدا کا لاشریک ہونا' معبود حقیقی ہونا

۱-۴: جہانِ کیف وکم: مراد یہ مادی دنیا "کیسا اور کتنا" کی دنیا   گردید: گھومی پھری پے بہ منزل برد: منزل کا سراغ پا لیا   کجاست: کہاں ہے' مراد نہیں ہے   ادراک: کسی چیز کو سمجھ لینا' شعور' عقل   اہل حق: مراد خدا کے خاص بندے   رمز: حقیقت' اشارہ   از براست: زبانی یاد ہے' حفظ ہے   اتی الرحمان عبداً: سورہ مریم' آیہ ۹۳ جتنے بھی کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں' سب خدا تعالیٰ کے روبرو غلام ہو کر حاضر ہوتے ہیں   مضمر: پوشیدہ' چھپی ہوئی   اسرار: سر کی جمع' بھید' حقیقتیں   بنماید: دکھائے' دکھا دے   امتحانش: اس کی آزمائش۔

۵-۸: ازو: از او' اس سے ہے   تمکین: شان و دبدبہ   حیرت دہد: حیرانی سے دوچار کرتا ہے   قدرت دہد: قوت و طاقت پیدا کرتا ہے   پست: نچلا' گھٹیا گردو: ہو جاتا ہے   ارجمند: قدر و قیمت والی   برگزید: چن لیتی ہے

نوعِ دیگر: دوسرے انداز میں   آفریند: پیدا کرتی، تخلیق کرتی ہے۔

۹-۱۱: نکش: اس کا قدم   بیم: خوف   میرد: مرجاتا ہے، ختم ہو جاتا ہے   گیرد حیات: زندگی حاصل کرتا ہے، وجود میں آجاتا ہے   می بیند: دیکھ لیتی ہے   ضمیر کائنات: اس کائنات میں جو کچھ مخفی ہے   مقامِ عبدہ: اس (خدا) کا بندہ ہونے کا مقام   محکم: مضبوط   کاسہ دریوزہ: بھیک مانگنے کا کشکول   جامِ جم: جمشید کا جام، جمشید قدیم ایران کا ایک مشہور بادشاہ، اس نے ایک ایسا شفاف جام بنوایا تھا جس میں سے باہر کے حالات نظر آتے تھے، بعد میں صوفیا نے ایسے دل کو جامِ جم سے تشبیہ دینا شروع کی جو ماسوا اللہ کی آلودگیوں سے پاک ہو، یہاں مراد عظیم مرتبہ۔

۱۲-۱۵: ملتِ بیضا: روشن ملت، ملتِ اسلامیہ   لا الٰہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں   پردہ گرداں: ساز کے اس پرزے کو گھمانے یا حرکت میں لانے والا جسے چھوتے ہی ساز سے آواز پیدا ہونے لگتی ہے   اسرارِ ما: ہمارے راز   رشتہ اش: اس کا دھاگا / ڈوری   شیرازۂ افکار: ہمارے افکار کو پرونے والا ہے... تنظیم کرنے والا ہے   حرفش: اس کا حرف / لفظ، اس کی بات   بدل آید ہمی: دل میں اترتا ہے   قوت افزاید: طاقت بڑھ جاتی ہے   سنگ گیرد: پتھر پکڑ لے، پتھر پر جم جائے   نسوزد: نہ جلے   گل شود: گارا / مٹی بن جاتا ہے۔

۱۶-۱۸: افروختیم: ہم نے روشن کیا / جلایا   خرمنِ امکاں: امکان کا کھلیان (امکان: عدم کی ضد، عالمِ فانی)   سوختیم: ہم نے جلا دیا   بگداختت: پگھلا ڈالا / دیا   کالائے ما: ہمارا سامانِ تجارت۔

۱۹-۲۰: اسود: کالا، حبشی   احمر: سرخ   خویش: اپنا، قرابت دار   فاروق: حضرت عمر فاروقؓ (خلفائے راشدہؓ میں دوسرے خلیفہ۔ ۱۳ھ / ۶۳۴ء تا ۲۴ھ / ۶۴۵ء) ابوذر: حضرت ابوذرؓ غفاری جو اصحابِ صفہ میں شامل تھے اور جن کا فقر ضرب المثل ہے   خویشی: اپنایت، اپنا ہونا   بیگانگی: اجنبیت، غیر ہونا   ہم پیالگی: مل بیٹھ کر پینا، گہری رفاقت۔

۲۱-۲۲: یک رنگی: ایک رنگ کا ہونا، یکسانیت، ایک ہی سوچ اور فکر کا ہونا   ایں سینا ستے: یہ سینا یعنی طورِ سینا ہے   اندیشہ ہا: اندیشہ کی جمع، سوچیں اور فکر   در ضمیرش: اس کے دل میں   مدعا: مقصد   سرشت: فطرت، طبیعت   عیار خوب و زشت:

اچھے اور برے کی پرکھ/کسوٹی نیکی اور بدی کا معیار ایں چنیں: ایسا/اس قسم کا۔

۲۸-۲۵: خلیل: حضرت ابراہیمؑ جن کا لقب خلیل اللہ تھا ''ابیکم'': تمہارا باپ' قرآنی آیت' سورۃ الحج' آیہ ۷۸' تم اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت پر قائم رہو امم: امت/اُمہ کی جمع' امتیں' قومیں نسب: رنگ و نسل اصل ملت: ملت کی بنیاد/جڑ دیدن: دیکھنا کہ چہ: کس لیے' کیا مطلب باد و آب و گل: ہوا اور پانی اور مٹی/گارا نازاں شدن: فخر/غرور کرنا حکم: مراد فیصلہ۔

۳۱-۲۹: مضمر: پوشیدہ' چھپی ہوئی حاضریم: ہم حاضر ہیں' ہم موجود ہیں بغایب: غیب سے' جو چھپا ہوا ہے اس سے' خدا تعالیٰ سے این و آں: یہ اور وہ' ہر کس و ناکس یا ہر اُلٹی سیدھی سوچ (رنگ و نسل وغیرہ) وارستہ ایم: ہم نے نجات پائی ہے' ہم آزاد ہیں رشتہ: اس قوم کا باہمی ربط و تعلق انجم: ستارے۔

۳۴-۳۲: خوش پیکان: اچھی اَنی/نوک والا یک کیشیم ما: ہم ایک ہی ترکش کے یک نما: ایک ہی نظر آنے والے یک بیں: ایک ہی دیکھنے والے یک اندیشیم ما: ہم ایک ہی انداز کی سوچ رکھنے والے ہیں مآل ما: ہمارا نتیجہ/مقصد یکیست: ایک ہی ہے اخواں شدیم: ہم بھائی بھائی بن گئے یک زبان: جن کی بات یکساں ہو یک دل و یک جاں: باہم متحد اور شیر و شکر

در معنی ایں کہ یاس و حزن و خوف ام الخبائث است و قاطع حیات و توحید ازالہ ایں امراض خبیثہ می کند

۴-۱: مرگ: موت سامان: مراد باعث قطع آرزو: آرزو ختم ہو جانا' کوئی آرزو نہ ہونا ''لاتقنطوا'': سورۃ الزمر' آیہ ۵۳' اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو آرزوے پیہم: مسلسل آرزو' مراد مسلسل آرزو ہی سے دامن بندھا ہے ناامیدی: مایوسی سم: زہر قاتل ہمچو گور: قبر کی طرح افشاردت: تجھے بھینچ لیتی ہے الوندی: تو الوند ہے' الوند ایران کے ایک پہاڑ کا نام ہے' مراد پہاڑ زپای آردت: تجھے گرا دے' پچھاڑ دے گی' چت گرا دے گی ناتوانی:

کمزوری بندہ: کنیز، لونڈی بستہ دامانِ او: اس کے دامن سے بندھی ہے۔

۵-۸: خواب آور: نیند لانے والی سستی عنصر: عناصر کی کمزوری (عنصر: مادہ یا اصل) سرمہ اش: اس (یاس) کا سرمہ یاس: مایوسی، ناامیدی اعمیٰ: اندھا، نابینا شب یلدا: طویل اور تاریک رات از دمش: اس کی پھونک سے قوا: قوت کی جمع، قوتیں خفتہ: سویا ہوا / سوئی ہوئی نشتر: فصد کھولنے یا زخم چیرنے کا تیز نوک دار اوزار۔

۹-۱۱: زنداں: قید خانہ اسیر: گرفتار، قیدی ''لاتحزن'': سورۃ التوبہ، آیہ ۴۰، تو کوئی غم نہ کر صدیق: حضرت ابوبکر صدیقؓ صدیق: نہایت سچا سرخوش: بہت خوش / مسرور، سرمست تحقیق: حقیقت رضا: خوشی، راضی بہ رضائے خدا ہونا کوکب: روشن ستارہ تبسم: مسکراہٹ۔

۱۲-۱۳: خدا داری: تو خدا رکھتا ہے، تیرا خدا ہے خیال بیش و کم: زیادہ اور کم کا خیال حیات افزایدت: تیری بقا میں اضافہ کرتی ہے ''لاخوف علیھم'': قرآن کریم میں یہ الفاظ کئی جگہ آئے ہیں، مثلاً سورۂ بقرہ، آیہ ۳۸، سو جو شخص میری اس ہدایت کی پیروی کرے گا تو نہ ہوگا کچھ اندیشہ ان پر اور نہ ایسے لوگ غمگین ہی ہوں گے بایدت: تجھے چاہیے، تیرے لیے ضروری ہے۔

۱۴-۱۷: کلیمے: کوئی کلیم، حضرت موسیٰؑ کا لقب کلیم اللہ (اللہ سے کلام کرنیوالا) سوے فرعونے: کسی فرعون کی طرف، کسی جابر و ظالم حاکم وقت کی طرف، جو ایک باطل قوت ہے، فرعون نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا ''لاتخف'': مت ڈرو، مت خوف کھا، سورہ طٰہٰ، آیہ ۶۸ میں ارشاد ہے: ہم نے (موسیٰ) سے کہا کہ تم ڈرو نہیں، تم ہی غالب رہو گے محکم شود: مضبوط ہوتا ہے، قوی ہو جاتا ہے بیم: خوف غیر اللہ: اللہ کے سوا جو کوئی ہے، ماسوا اللہ، باطل قوت رہزن: راہ مار، لٹیرا عزم: ارادہ ممکنات اندیش: امکانات کے بارے میں سوچنے والا، ڈانواں ڈول ہو جانے والا تامل کیش: تذبذب کا شکار ازو: ازاو، اس کی وجہ سے یعنی بیم غیر اللہ کے باعث درگلت: تیری مٹی میں خود را نشاند: خود کو سلا دیا، خود کو بولیا تخم: بیج خودنمائی: اپنی ذات کا اظہار بازماند: پیچھے رہ گئی۔

۱۸-۲۱: تنگ تاب: کمزور، ضعیف سازگار: موافق دل لرزاں: کانپتا ہوا دل

دست رعشہ دار: کپکپاتے ہوئے ہاتھ وزدد: چرا لیتا ہے، چھین لیتا می رباید: اچک لیتا ہے افکار: فکر کی جمع، خیالات، سوچیں دشمت: تیرا دشمن ترساں: خوف زدہ از خیابانت: تیری کیاری سے چو گل: پھولوں کی طرح چیند: توڑ لیتا ہے می فتد: پڑتی ہے۔

۲۲-۲۵: بند: زنجیر سیل: طوفان بر نمی آید: بلند نہیں ہوتا آہنگ: نغمہ، سر تارِ چنگ: ساز کے تار گوش تابش دہ: اس کے کان مروڑ / اینٹھ گرود: ہو جائے نغمہ خیز: جس سے نغمے پیدا ہوں، نغمے پھوٹیں آرد رستخیز: محشر / قیامت برپا کر دے اقلیم مرگ: موت کی مملکت، موت کا ملک اندرونش: اس کا باطن تیرہ: تاریک میم مرگ: مرگ کا پہلا حرف میم جس کی مروڑی / ابتدائی حصہ سیاہ ہوتا ہے جاسوس: مخبر۔

۲۶-۳۸: برہم زن: تلپٹ کرنے والی، درہم برہم کرنے والی بز گیر: بکری پکڑنے والا، مراد چور اخبار: جمع خبر، خبریں لابہ: چاپلوسی، خوشامد مکاری: فریب و مکر کین: دشمنی، بغض، بیر دروغ: جھوٹ ہمہ: سب، سبھی گیرد فروغ: رونق پاتی / پاتے ہیں، ان میں اضافہ ہوتا ہے زور: دغا، فریب ریا: دکھاوا، منافقت پیراہنش: اس کا لباس آغوش مادر: ماں کی گود دامنش: اس کا دامن زانکہ: اس لیے کہ، چونکہ استوار: مضبوط، محکم خوشنود: خوش ناسازگار: جو موافق نہ ہو، جو موافقت کرنے والا نہ ہو رمز: اشارہ، بھید، حقیقت فہمیدہ است: سمجھ گیا ہے شرک: کسی کو خدا کا شریک ٹھہرانا مضمر: پوشیدہ، چھپا ہوا۔

محاورۂ تیر و شمشیر

محاورہ: باہمی گفتگو، مکالمہ۔

۱-۵: سرحق: حق کا بھید، مراد سچی بات، حقیقت سوفار: تیر کی چٹکی، تیر کا سوراخ / منہ گرمی پیکار: جنگ کی شدت، گھمسان کا رن اے: حرف خطاب / ندا (تلوار کو مخاطب کیا ہے) پری ہا: پریاں قاف: کوہ قاف جس کے بارے میں

مشہور ہے کہ وہاں پریاں ہوتی ہیں' دراصل اس پہاڑ کے نواح میں رہنے والے لوگ بالخصوص عورتیں بہت خوبصورت ہیں۔ بعض جغرافیہ دانوں کے مطابق یہ البرز کے پہاڑ ہیں جو ایک بلند سلسلہ کوہ ہے اور جو کوہ قفقاز تک مسلسل پھیلتا چلا گیا ہے جوہر: تلوار کی چمک جس سے اس کی عمدگی ظاہر ہوتی ہے ذوالفقارِ حیدرؓ: حضرت علی حیدر کرارؓ کی تلوار کا نام ذوالفقار تھا (ذوالفقار: فقار والی' فقار جس کی پشت' پیٹھ کے مہروں کی طرح سیدھی ہو' حضور اکرمؐ نے حضرت علیؓ کو جو تلوار عنایت کی وہ اسی ڈھب کی تھی' اس لیے اس کا یہ نام رکھا گیا) اسلاف: سلف کی جمع' بزرگ' باپ دادا خالدؓ: حضرت خالدؓ بن ولید جو خلافت راشدہ کے دور کے بہت بڑے جنگجو اور دلیر سپہ سالار تھے اور جنہوں نے ملک شام فتح کیا تھا دیدہ ای: تو نے دیکھی ہے شفق: وہ سرخی جو صبح اور شام کے وقت آسمان پر ہوتی ہے' مراد خون کی سرخی پاشیدہ ای: تو نے چھڑکی ہے سرمایات: تیری متاع/ پونجی قہر: غضب سایات: تیری چھاؤں' تیرا سایہ در ہوایم: میں ہوا/ فضا میں ہوں میانِ ترکشم: میں تیردان کے اندر ہوں ہر کجا باشم: جہاں کہیں بھی ہوں سراپا آتشم: میں پورے طور پر آگ ہوں۔

۶-۱۰: آیم: میں آتا ہوں' نکلتا ہوں سوے سینہ: سینے کی طرف نیک می بینم: میں پوری طرح دیکھ/ جھانک لیتا ہوں بہ توے سینہ: سینے میں قلب سلیم: مراد بے عیب' بردبار اور کفر و شرک سے پاک دل یاس و بیم: مایوسی/ ناامیدی اور خوف چاک چاک: پرزے پرزے' پھاڑنا گردانمش: میں اسے کر دیتا ہوں بیمہ: چھوٹا لباس' ایک قسم کا چھوٹا پاجامہ پوشانمش: میں اسے پہنا دیتا ہوں ور: وا گر کا مخفف' اور اگر صفاے او: اس سینے کی پاکیزگی تف او: اس (سینے) کی گرمی سے آب گردد: پگھل جاتی ہے ہمچو شبنم: اوس کی مانند می چکد: ٹپکنے لگتا ہے' اگلتی ہے۔

حکایت شیر و شہنشاہ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ

۱-۳: عالمگیر: محی الدین اورنگزیب عالمگیر' مغلیہ بادشاہ جو شاہجہان کا بیٹا اور جہانگیر کا پوتا

تھا۔ ۱۶۵۸ء میں تخت نشین ہوا۔ اس کی شجاعت، شوقِ جہاد اور ذوقِ عمل کے علاوہ اسکی سیاسی بصیرت اور سوجھ بوجھ سے علامہ بیحد متاثر ہیں گردوں آستاں: مراد بلند آستانے والا، باعظمت اعتبار: آبرو دودمان: خاندان گورگاں: منگولی زبان میں بادشاہوں کے داماد کو کہتے ہیں' امیر تیمور کا لقب' جو برصغیر کے مغلیہ خاندان کے بانی / سربراہ بابر کا جدامجد تھا پایہ اسلامیاں: مسلمانوں کا رتبہ برتر ازو: اس کی بدولت بلند ہے پیغمبرؐ: حضور اکرمؐ کارزار: معرکۂ جنگ خدنگ آخریں: آخری تیر۔

۹-۴: الحاد: دین اور خدا پر ایمان نہ ہونا اکبر: تیسرا مغلیہ بادشاہ جلال الدین، عالمگیر کا پردادا، ۹۶۳ھ / ۱۵۵۶ء میں تخت نشین ہوا۔ شروع شروع میں اس نے علم کی بڑی قدردانی کی لیکن بعد میں، بوجوہ الحاد کی طرف مائل ہو گیا پرورید: پالا' بویا، نشوونما کی باز: پھر' بعد میں دارا: عالمگیر کا بھائی دارا شکوہ' یہ بھی الحاد کی طرف مائل تھا جس کا اظہار اس کی تصانیف میں نظر آتا ہے دمید: پھوٹا' اگا فساد: بگاڑ، تباہی، خرابی ایمن نبود: امن میں نہ تھی، محفوظ نہ تھی گزید: چن لیا، منتخب فرمالیا فقیر: درویش منش صاحب شمشیر: تلوار والا، تلوار کا دھنی، دلیر شمشیرزن ازپے: کے لیے، کی خاطر احیائے دیں: دین کو زندہ کرنا، دین کو پھر سے اس کا مقام دلانا مامور کرد: متعین کر دیا تجدید یقیں: پھر سے یقین پیدا کرنے کا عمل تیغش: اس کی تلوار خرمن: کھلیان سوخت: جلا ڈالا، خاتمہ کر دیا برفروخت: روشن کر دی کور ذوقاں: کور ذوق کی جمع، ذوق سے عاری لوگ، مراد فہم و شعور سے عاری لوگ داستانہا ساختند: قصے گھڑ لیے، فرضی کہانیاں یا من گھڑت قصے مشہور کر دیے وسعت ادراک: شعور اور عقل و دانش کا پھیلاؤ، مراد بہت زیادہ عقل و شعور نشناختند: انہوں نے نہ پہچانی، وہ صحیح طور پر نہ جان سکے۔

۱۱-۱۰: چوں براہیمؑ: حضرت ابراہیمؑ کی طرح، انہوں نے کعبے کے بتوں کو توڑ پھوڑ دیا تھا (حضور نبی کریمؐ انہی کی نسل سے ہیں) اندریں بتخانہ: اس بت خانے یعنی ہندوستان / برصغیر پاک و ہند میں یکتاستے: وہ بے مثل / یکتا ہے تربتش: اس کی قبر پیداستے: ظاہر ہے۔

۱۲-۱۵: زیبندہ: سجانے والا، آراستہ کرنے والا سریر: تخت سپہدار: سپہ سالار فقیر: درویش منش صبح گاہاں: صبح گاہ کی جمع، صبح سویرے شد: گیا، نکلا بیشۂ اے: ایک/کوئی جنگل پرستارے: ایک باندی/لونڈی، کنیز وفا اندیشہ اے: وفا کا سوچنے والی، باوفا سرخوش: مسرور، بہت خوش کیفیت: حالت، لطف بادِ سحر: صبح کی ہوا/ بادِ نسیم طائراں: طائر کی جمع، پرندے تسبیح خواں: یعنی اللہ کا ذکر/ورد کرنے والے رمز آگاہ: حقیقت آشنا خیمہ برزد: اس نے خیمہ لگا لیا مجاز: حقیقت کی ضد، مراد دنیاوی مشغلہ۔

۱۶-۱۹: آمد پدید: پدید آمد، ظاہر ہوا خروش: شور، گرج/دھاڑ لرزندہ گشت: لرز اٹھا، کانپ گیا دادش: اسے دی نادیدہ: اَن دیکھے، دیکھے بغیر برکشید: کھینچ لیا، نکال لیا شرزہ شیرے: خشمناک شیر، غصے میں بھرا ہوا شیر شکم: پیٹ ازہم درید: پھاڑ ڈالا اندیشہ: ڈر، خوف شیرِ قالین: شیر کی تصویر جو عموماً قالینوں پر بناتے تھے/ہیں۔

۲۰-۲۲: رمید: دوڑا، جھکا ناصبور: بے صبر، مضطرب، بیقرار معراجش: اس کی معراج، اس کے لیے گویا عالم ملکوت کی سیر نمازِ با حضور: ایسی نماز جس میں صرف خدا کی طرف توجہ ہو ایں چنیں: اس قسم کا خودنما: اپنی ذات کا اظہار کرنے والا' دشمن/ باطل قوت کے آگے چٹان کی طرح اٹل ہونے والا خودشکن: اپنی نفی کرنے والا، اللہ کے حضور عجز و انکسار/بندگی کا اظہار کرنے والا لاستے: ''لا'' ہے نفی کی صورت ہے باطل: جھوٹ، باطل قوت/قوتیں یعنی کفر و الحاد/شرک وغیرہ نعم: ''ہاں'' اپنی ذات کا اظہار برجاستے: برقرار ہے، اٹل ہے۔

۲۳-۲۶: شاہدے: ایک محبوب، محبوبِ حقیقی محملے: ایک کجاوہ، مراد دل آور بدست: مہیا کر، پیدا کر درباز: ہار دے، ذات کی نفی کر بازگیر: خود کو پالے دام گستر: جال بچھا نیاز: عاجزی، بندگی ناز: مراد باطل قوتوں سے ٹکرانے کی قوت آتش زن اندیشہ: خوف کو آگ لگانے والا، خوف مٹانے والا روبہ: روباہ کا مخفف، لومڑی، اللہ کے حضور انکسار کرنے والا شیری: شیر ہونا، باطل قوت کے سامنے شیر بننا پیشہ کن: اختیار کر عنوان: مراد علامت غیر: ماسوا اللہ، کفر و الحاد، باطل قوتیں۔

رکن دوم

رسالت

۱-۵: تارکِ آفل: غروب ہونے والے کو چھوڑنے والا، قرآنی تلمیح سورۂ انعام، آیہ ۷۶، "پھر جب رات کی تاریکی ان پر چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا۔ انہوں (ابراہیمؑ) نے کہا کہ یہ میرا رب ہے تو جب وہ بھی غروب ہو گیا تو انہوں نے کہا کہ میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔" دلیل: رہنما خدائے لم یزل: وہ خدا جسے زوال/فنا نہیں، حق تعالیٰ جو حی و قیوم ہے آیتے: ایک نشانی/علامت آرزوے ملتے: ایک ملت کی آرزو، قرآنی تلمیح: سورۂ بقرہ، آیہ ۱۲۸ "اے ہمارے پروردگا ہم کو اپنا اور زیادہ مطیع بنا لیجیے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی جماعت/ملت پیدا کیجیے جو آپ (خدا) کی مطیع ہو۔" جوئے اشک: آنسوؤں کی ندی چکید: ٹپکی، رواں ہوئی طہرا بیتی: میرے گھر کو پاک رکھو، قرآنی تلمیح، سورہ بقرہ، آیہ ۱۲۵ "(اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے کہ) جس وقت ہم (خدا) نے خانہ کعبہ کو لوگوں کا معبد (عبادت گاہ) اور مقام امن (ہمیشہ سے) مقرر رکھا اور مقام ابراہیمؑ کو (کبھی کبھی) نماز پڑھنے کی جگہ بنا لیا کرو اور ہم نے ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کی طرف حکم بھیجا کہ میرے اس گھر کو خوب پاک رکھا کرو، بیرونی اور مقامی لوگوں (کی عبادت) کے واسطے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے واسطے" شنید: سنا ویرانہ اے: ایک غیر آباد جگہ طائفاں: جمع طائف، طواف کرنے والے خانہ اے: ایک گھر بنیاد کرد: بنایا، تعمیر کیا، خانہ کعبہ۔ اشارہ ہے سورۂ ابراہیم آیہ ۳۷ کی طرف 'اے ہمارے پروردگار بے شک میں نے اپنی اولاد کو ایک بے کھیتی کے جنگل میں تیرے بزرگ گھر کے پاس بسا دیا۔ اے ہمارے پروردگار تا کہ وہ اس میں نماز پڑھا کرے۔"

۶-۹: پیکر ما: ہمارا جسم/وجود آفرید: پیدا کیا وز: واز، اور سے رسالت: پیغمبری جاں دمید: روح پھونکی حرف بے صوت: ایسا حرف جس کی کوئی آواز نہ ہو/نہ بن سکے بدیم: ہم تھے (بودیم کا مخفف) مصرع موزوں:

ایسا مصرع یا شعر جو وزن میں ہو تکوین ما: عالم وجود میں ہمارا لایا جانا صد ہزار: لاکھ، لاکھوں کروڑوں یک است: ایک ہے جزو ما لاینفک: ایسا جزو جو الگ / جدا نہ ہونے والا ہو۔

۱۰-۱۳: آں کہ: یعنی وہ ذات باری یھدی من یرید: جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، قرآنی تلمیح، سورہ الحج آیہ ۱۶ کشید: کھینچ دیا محیط افزاستے: حلقے یا گھیرے کو بڑھانے والا ہے یا بڑھنے والا سمندر ہے وادی بطحاستے: بطحا کی وادی ہے یعنی مکہ معظمہ، بیت اللہ شریف زحکم نسبت او: اس سے تعلق کے باعث پیام رحمتیم: ہم رحمت کا پیغام ہیں خیزیم ما: ہم اٹھتے ہیں، بلند ہوتے ہیں از ہم نمی ریزیم ما: ہم ایک دوسرے سے الگ الگ نہیں ہوتے۔

۱۴-۱۶: حرز: پناہ اجم: شیروں کا جنگل معنی حرفم: میری بات کی حقیقت تحقیق: چھان بین بنگری: تو دیکھے صدیقؓ: حضرت ابوبکر صدیقؓ نبیؐ: یعنی حضور اکرمؐ محبوب تر: زیادہ پیارا / پیارے۔

۱۷-۲۰: کتابش: اسؐ (حضورؐ) کی کتاب، قرآن کریم جو آپ پر نازل ہوا حکمت: علم و دانش، عدل حبل الورید: شہ رگ، شاہرگ، گردن کی وہ رگ جس کے کٹنے سے انسان کی فوری موت واقع ہو جاتی ہے دامنش: اس یعنی حضورؐ کا دامن از دست دادن: ہاتھ سے چھوڑ دینا، بے تعلق ہو جانا مردن: مرنا، مرجانا افسردن: مرجھا جانا از دم او: حضورؐ ہی کے دم سے تافت است: تافتہ است، منور ہوئی ہے شعاع مہر: سورج کی کرن / چمک تابندہ: درخشاں، روشن۔

۲۱-۲۳: ہم نوا: ایک آواز والے، ہم آواز، ایک ہی آواز رکھنے والے گشتیم: ہم ہو گئے ہم نفس: دوست، ساتھی (اکٹھے سانس لینے والے) ہم مدعا: جن کا ایک ہی مقصد و مدعا ہو کثرت ہم مدعا: ایک ہی مقصد رکھنے والوں کی کثرت وحدت: اکائی کی صورت، ایک ہو جانے کی صورت پختہ: مضبوط، مستحکم، قوی بند: زنجیر دین فطرت: دین اسلام۔

۲۴-۲۶: آموختیم: ہم نے سیکھا / حاصل کیا مشعلے افروختیم: ہم نے ایک مشعل روشن کردی گہر: موتی بحر بے پایاں: بے کنار / بیحد وسیع سمندر یکجائیم: ہم ایک جگہ ہیں، ہم اکٹھے ہیں، باہم متحد ہیں تا: جب تک زدست مارود:

ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے بااَبد: ہمیشگی کے ساتھ ہمدم: رفیق، ساتھی

۲۷-۲۹: پس: سو، چنانچہ رسالت ختم کرد: یعنی رسالت (نبی ہونا) ختم ہو گئی، حضورؐ ختم المرسلین قرار پائے محفلِ ایام: زمانے کی بزم رُسل: رسول کی جمع، بہت سے یا سارے رسول ختم: خاتم، خاتم النبیین ساقی گری: ساقی ہونا، پلانے کا کام باما گذاشت: ہمارے سپرد کر دی / کر دیا۔

۳۰-۳۳: ''لانبی بعدی'': میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، حدیث حضورؐ پردۂ ناموس: مراد عزت و شرف کا محافظ سرمایہ قوت: قوت و طاقت کی پونجی حفظ: تحفظ، حفاظت سرِ وحدت: ایک ہونے یا یکرنگی کی حقیقت / بھید دعویٰ: غرور، مراد باطل شکست: توڑ دیا، مٹا دیا تا ابد: ہمیشہ ہمیشہ کے لیے شیرازہ بست: شیرازہ بندی کر دی، منتشر انسانوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کر دیا برکند: تعلق توڑ لیتا ہے غیر اللہ: مادی یا باطل قوتیں، ماسوا اللہ۔

در معنی ایں کہ مقصودِ رسالتِ محمدیہؐ تشکیل و تاسیس

حریت و مساوات و اخوت بنی نوع آدم است

تشکیل: شکل دینا، درست کرنا تاسیس: اساس / بنیاد رکھنا حریت: آزادی مساوات: برابری اخوت: بھائی چارا، باہمی محبت و دوستی بنی نوع آدم: آدم کی اولاد، انسان

۱-۴: انسان پرست: کسی دوسرے انسان کی پرستش / بندگی کرنے والا ناکس: گھٹیا، نیچ، بے حیثیت نابود مند: مفلس، کنگال زیردست: ماتحت، حکم بجالانے والا سطوت: دبدبہ، شان و شوکت کسریٰ: ایران کے مشہور بادشاہ نوشیروان عادل کا نام، قدیم ایرانی بادشاہوں کا لقب، مراد بادشاہ قیصر: قدیم روم کے بادشاہوں کا لقب، مراد بادشاہ رہزنش: اس کا راہ مار / لٹیرا بندہا: جمع بند، زنجیریں گردنش: اس کی گردن کاہن: قدیم اہل مصر، عیسائیوں اور یہودیوں کا روحانی پیشوا پاپا: پوپ، عیسائیوں کا مذہبی پیشوا

سلطان: صاحب سلطنت، بادشاہ، حکمران امیر: سردار، صاحب امارت
نخچیر: شکار نخچیر گیر: شکاری صاحب اورنگ: تخت کا مالک، بادشاہ
پیر کنشت: یہودیوں کی عبادت گاہ کا پیشوا باج: لگان، ٹیکس کشت خراب:
ویران کھیتی نوشت: لکھا، لاگو کردیا۔

۵-۸: کلیسا: گرجا، عیسائیوں کی عبادت گاہ اُسقف: پادری، لاٹ پادری، عیسائیوں
کا بڑا مذہبی پیشوا رضواں فروش: داروغۂ جنت کو بیچنے والا، جنت کا نام لے
لے کر لوگوں کو لوٹنے والا یا جنت کے پروانے/ اجازت نامے بیچنے والا صید
زبوں: تباہ حال/ عاجز شکار دامے بدوش: کندھے پر جال رکھے ہوئے
برہمن: ہندوؤں کا مذہبی پیشوا خیابانش: اس کی کیاری بیرد: لے گیا
خرمنش: اس کا کھلیان (کٹی ہوئی فصل جو ایک جگہ رکھی گئی ہو) مغ زادہ: مغ کا
بیٹا، مغ آتش پرستوں کا مذہبی پیشوا با آتش سپرد: آگ کے حوالے کردیا، تباہ
کردیا فطرت او: اس (عام انسان) کی طبیعت/ سرشت دوں: گھٹیا،
پست نے او: اس کی بانسری خوں شدہ: مراد ختم ہو کر رہ گئے امینے:
ایک امین، امانت دار، مراد حضور اکرمؐ سپرد: دے دیا، حوالے کردیا مسند
خاقان: خاقان کا تخت، مراد عزت و سربلندی (خاقان: چین اور ترکستان کے
قدیم بادشاہوں کا لقب)

۹-۱۲: مردہ خاکستر: بجھی ہوئی راکھ کشاد: کھولے، بلند کیے کوہ کن: پہاڑ
کھودنے والا، مراد فرہاد جو شیریں کا عاشق تھا اور جس نے بادشاہ خسرو پرویز کے
کہنے پر پہاڑ کھود کر نہر نکالی تھی، مراد مزدور پایہ: مرتبہ، رتبہ، درجہ پرویز: ایران
کے ساسانی خاندان کا مشہور بادشاہ اور شیریں کا شوہر خسرو پرویز اعتبار: ساکھ،
عزت کاربنداں: کاربند کی جمع، مزدور فزود: بڑھادیا خواجگی: آقائی،
آقا ہونا، مالک ہونا کارفرمایاں: کارفرما کی جمع، کام کرانے والے، کام کا حکم
دینے والے ربود: چھین لی کہن پیکر: پرانا ڈھانچا، پرانا نظام شکست:
توڑ ڈالا، ختم کردیا حصار تازہ: نیا گھیرا/ قلعہ/ چاردیواری بست: باندھا،
اہتمام کیا دمید: پھونکی باز: پھر خداونداں: خداوند کی جمع، آقا۔

۱۳-۱۶: زادنِ او: حضورؐ کی ولادت (باسعادت) مرگ: موت دنیائے کہن:

پرانی دنیا، معیشت و معاشرت کا پرانا نظام آتش خانہ: آتش پرستوں کی عبادت گاہ، آتشکدہ دیر: مندر، صومعہ، راہبوں کا حجرہ جس میں بیٹھ کر وہ عبادت کرتے ہیں شمن: بت پرست حریت زاد: آزادی وجود میں آئی/ پیدا ہوئی مے نوشیں: میٹھی/شیریں شراب چکید: ٹپکی تاک: انگوری بیل عصرِ نو: جدید دور، آج کا زمانہ آوردہ است: لایا ہے صد چراغ: سو چراغ یعنی علم کے سینکڑوں چراغ/ روشنیاں واکردہ است: کھولی ہے صفحہ ہستی: زندگی/ وجود کا صفحہ اے گیتی کشائے: دنیا کی ایک فاتح قوم آفرید: پیدا کی، وجود میں لائے۔

۱۷-۲۰: ماسوا: ماسوا اللہ، اللہ کے سوا کائنات میں جو کچھ ہے بیگانہ اے: ایک/ خاص ناآشنا گرمی حق: حق کا سوز سینہ تاب: سینہ گرم (ہے) گرم سینہ والی، سینے میں سوز ہے حریم: چاردیواری کیف: سرور، خمار، نشہ بت خانہ ہائے چین: مشہور ملک چین کے بت خانے جو اپنی آرائش اور نقاشی وغیرہ کے باعث مشہور ہیں مرسلاں: مرسل کی جمع، رسولؐ آبائے او: اس (ملت) کے اجداد/ اسلاف اکرم... اتقائے او: سورۂ الحجرات کی آیہ ۱۳ کی طرف اشارہ ہے، بے شک اللہ کے نزدیک تم سب میں افضل وہ ہے جو تم سب میں زیادہ پرہیزگار/متقی ہے۔

۲۱-۲۳: "کل مومن اخوۃ: سب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں (حدیث نبویؐ ہے) حریت: آزادی آب و گلش: اس کا وجود/خمیر، اس کی فطرت ناشکیب: بے صبر، بردباری اور تحمل امتیازات: امتیاز کی جمع، ہم جنسوں میں فرق کرنا نہاد: بنیاد، فطرت مساوات: برابری، ایک سا ہونا فرزندان: فرزند کی جمع، بیٹے، اولاد، افراد "قالوا بلیٰ": "انہوں نے کہا، ہاں" سورہ اعراف، آیہ ۱۷۲ کی طرف اشارہ ہے، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، انہوں نے کہا "ہاں" (تو ہمارا رب ہے) پیماں: عہد، قسم گل: پھول، یہاں مراد وہ نشان جو سجدوں سے ماتھوں پر پڑ جاتا ہے بسیمائش: اس کی پیشانی پر زدہ: لگا دیا، سجا دیا ہے۔

حکایت بوعبید و جابان در معنی اخوتِ اسلامیہ

اسلامی اخوت کے سلسلہ میں بوعبید اور جابان کا قصہ / واقعہ

۱-۴: اسیر: قیدی نبرد: جنگ، لڑائی قائدے: ایک سپہ سالار قائداں: قائد کی جمع، بہت سے رہنما / سپہ سالار یزدجرد: ایران کے مشہور ساسانی خاندان کا ایک فرماں روا جسے یزدگرد بھی کہتے ہیں، وہ اس خاندان کا آخری بادشاہ تھا جو ۶۳۱ء میں تخت نشین ہوا گبر: آتش پرست ساسانی خاندان کے عہد میں بھی ایران کا سرکاری مذہب آتش پرستی تھا باراں دیدہ: جس نے بارش دیکھی، ہومراد گھاگ، خرانٹ حیلہ جو: حیلے بہانے تلاش کرنے والا، حیلے باز عیار: چالاک پرفن: دغاباز، عیار ازمقام خود: اپنے عہدے / مرتبے کے بارے میں بوعبید: ابوعبید ایک ہی نام کے دو نامور مسلمان سپہ سالار ہیں۔ ایک نے جنگ یرموک میں غیر معمولی شجاعت کا مظاہرہ کیا اور ۱۸ ہجری (۶۳۹ عیسوی) میں وفات پائی اور دوسرے بوعبید ثقفی ہیں جو واقعہ جسر میں شہید ہوئے۔ بہرحال جابان کی گرفتاری کا واقعہ جنگ قادسیہ کے موقع پر پیش آیا۔ نیز اس میں شک نہیں کہ بوعبید عربی لشکر کے سردار سپہ سالار اور ایرانیوں سے جنگ آزما تھے جابان: ایرانی فوج کے سپہ سالار کا نام، اسے بوعبید کے ایک لشکری نے گرفتار کیا تھا اماں: پناہ۔

۵-۸: خونت ریختن: تیرا خون گرانا، تجھے قتل کرنا درفش کاویانی: ایران کے ایک قدیم علم / جھنڈے کا نام، ایرانی روایت کے مطابق ایران کے ایک قدیم ظالم بادشاہ ضحاک کے خلاف کاوہ نامی ایک لوہار نے علم بغاوت بلند کیا جو اس نے اپنی چرمی پھنکنی سے تیار کیا تھا۔ عام بغاوت پھیلنے پر ضحاک مارا گیا۔ بعد میں ایرانی فرماں رواؤں نے اس یاد کو تازہ رکھنے کی خاطر اپنے قومی جھنڈے کو "درفش کاویانی" کا نام دے دیا۔ (درفش: جھنڈا) چاک شد: پھٹ گیا ساسان: ساسان، ایران کے مشہور حکمران خاندان کا جد امجد، اسی کی نسبت سے وہ (خاندان) ساسانی کہلایا۔ اس خاندان نے ایران پر ۲۲۶ عیسوی سے ۶۵۰ عیسوی تک حکومت کی۔ مسلمانوں نے ایران اسی خاندان کے عہد میں فتح کیا

خاک شد: بجھ گئی آشکارا شد: واضح ہو گیا، راز کھل گیا میر: سردار، سپہ سالار سربازاں: سرباز کی جمع، سر کی بازی لگانے والے، سپاہی، لشکری میر عسکر: فوج کا سردار خواستند: انھوں نے چاہا، یعنی عبید سے اجازت چاہی سخن آراستند: بات سجائی، گوش گزار کی سید: سردار فوج حجاز: مراد اسلامی فوج وغا: جنگ، لڑائی عزمش: اس کا پختہ ارادہ، اس کی ثابت قدمی مسلمانیم ما: ہم مسلمان ہیں تار چنگیم: ہم بھی ایک ہی ساز کے تار ہیں یک آہنگیم ما: ہم سب کی لے / سُر ایک ہی ہے نعرۂ حیدرؓ: حضرت علیؓ کا نعرہ نوائے بوذرؓ: بوذرؓ کی تال / لے بوذرؓ: حضرت ابوذر غفاریؓ اصحاب صفہ میں سے ایک مشہور صحابی بلالؓ: حضرت بلالؓ، مشہور حبشی صحابی اور مؤذن اسلام، ۲۰ ہجری (۶۴۱ء) میں فوت ہوئے قنبرؓ: حضرت علیؓ کے غلام / خدمت گزار امین: امانت دار، معتمد کینش: اس کی دشمنی اساس: بنیاد ار: اگر گرود: ہو جائے پیمان: عہد اماں بخشودہ است: اسے پناہ دی ہے، اسے معاف کر دیا ہے اے معشر خیر الانام: اے لوگو / انسانوں کی افضل / سب سے اچھی جماعت دم تیغ: تلوار کی دھار / باڑھ۔

حکایت سلطان مراد و معمار در

معنی مساوات اسلامیہ

سلطان مراد: ترکی میں آل عثمان کا ایک فرماں روا جس کی تعمیر کردہ مسجدیں جلال اور عظمت کی حامل ہیں۔ اس نے ۱۳۵۹ء تا ۱۳۸۹ء (تیس برس) حکومت کی معمار: مستری، راج۔

۱-۳: خجند: دریائے سیحوں کے بائیں کنارے واقع تھا۔ سمرقند سے فرغانہ کی طرف جاتے ہوئے مغربی حصے میں پہلا شہر تھا جسے خجندہ بھی کہتے تھے اقلیم: پرانے جغرافیہ دانوں نے دنیا کو سات اقلیموں میں تقسیم کیا ہے، یہاں مراد ملک یا علاقہ ساخت: اس نے بنائی / تعمیر کی فرہاد زاد: فرہاد کی نسل کا (فرہاد پر نوٹ آ چکا

ہے)، مراد بہت کاریگر: ماہر خوش نیامد: اچھی نہ لگی، پسند نہ آئی خشمگیں گردید: طیش میں آ گیا تقصیر: غلطی، کوتاہی، خطا آتش سوزندہ: جلا ڈالنے والی آگ چکید: ٹپکی برید: کاٹ ڈالا۔

۵-۸: جوئے خوں: خون کی ندی، بہت سا خون ساعد: کلائی ناتوان وزار: کمزور اور بری حالت میں، مراد گرتے پڑتے دستش: اس کا ہاتھ سنگ سفت: پتھر چھیدتا تھا جور: ظلم، ستم بازگفت: دہرائی، بیان کی اے: اے قاضی صاحب حفظ: تحفظ، حفاظت کارتو: تیرا کام، آپ کا فرض سفتہ گوش: جس کے کان چھدے ہوں، غلام (قدیم زمانے میں غلاموں اور عام لوگوں میں تمیز کرنے کے لیے غلاموں کے کان چھید دیا کرتے تھے) سطوت: شان وشوکت، دبدبہ نیم: میں نہیں ہوں قطع کن: فیصلہ کر، فیصلہ کیجیے ازروئے قرآں: قرآن کی رو سے، قرآن کے حوالے سے دعویم: میرا دعویٰ، میرا مقدمہ۔

۹-۱۲: عادل: عدل/انصاف کرنے والا بدنداں: دانتوں سے خستہ لب: ہونٹ زخمی کر لیے درحضورِ خود: اپنی عدالت میں ہیبت: خوف، وحشت پرید: اڑ گیا، فق ہو گیا چوں: مانند خطا کاراں: خطا کار کی جمع، مجرم رسید: پہنچا خجالت: شرمندگی دیدہ برپادوختہ: نظریں پاؤں پر گاڑے ہوئے، سر بہت جھکائے ہوئے جو شرمندگی کی علامت ہے عارض: گال لالہ ہا اندوختہ: لالہ جمع کر رکھے تھے یعنی بہت سرخ ہو چکے تھے (یہ بھی شرمندگی کی علامت ہے) فریادی دعویٰ گرے: ایک دعویٰ کرنے والا فریادی گردوں فر: آسمان کی سی شان وشوکت والا۔

۱۳-۱۵: ''فی القصاص'': قرآنی تلمیح، سورہ البقرہ، آیات ۱۷۸۔۱۷۹ ''اے ایمان والو! تم پر مقتولوں کے باب میں قصاص فرض کر دیا گیا ہے (۱۷۸)'' اور تمہارے لیے اے اہل فہم (قانون) قصاص میں زندگی ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ (۱۷۹) مکمل آیت اس طرح ہے: ''اے اہل ایمان! تم پر (قانون) قصاص فرض کیا جاتا ہے، مقتولین (بقتل عمد) کے بارے میں آزاد آدمی، آزاد آدمی کے عوض اور غلام، غلام کے عوض میں اور عورت، عورت کے بدلے میں، ہاں جس کو اس کے

فریق کی طرف سے کچھ معافی ہو جائے (مگر پوری معافی نہ ہو) تو (مدعی کے ذمے) معقول طور پر (خوں بہا کا) مطالبہ کرنا اور (قاتل کے ذمے) خوبی کے ساتھ اس کے پاس پہنچا دینا یہ (قانون دیت وعفو) تمہارے پروردگار کی طرف سے (سزا میں) تخفیف ہے اور (شاہانہ) ترحم ہے۔ پھر اس کے بعد جو شخص زیادتی کرے گا، اسے دردناک عذاب ہوگا۔'' (۱۷۸) ثبات: پایداری، استحکام عبد: بندہ، غلام احرار: جمع حر، آزاد لوگ۔

۱۶-۱۸: آیۂ محکم: مضبوط/ٹھوس آیت قرآنی بیروں کشید: باہر نکال لیا تاب خاموشی: چپ رہنے کی طاقت نماند: نہ رہی آیہ ''بالعدل والاحسان'': قرآنی تلمیح، سورہ النحل آیہ ۹۰ ''خدا تم کو انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو (خرچ سے مدد) دینے کا حکم دیتا ہے۔'' خواند: پڑھی بخشیدمش: میں نے اسے معاف کر دیا/بخش دیا۔

۱۹-۲۰: یافت: پائی، پالی مورے: ایک چیونٹی، معمولی/عام آدمی سلیمانے: ایک سلیمان، عظیم/بڑی شخصیت (قرآن کریم میں حضرت سلیمان اور چیونٹیوں کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ اسی حوالے سے علامہ نے یہ الفاظ استعمال کیے ہیں) ظفر: فتح، کامیابی۔

در معنیٔ حریت اسلامیہ و سرِ حادثہ کربلا

حریت: آزادی حادثہ کربلا: حضرت امام حسین کی شہادت کا واقعہ جو میدان کربلا میں واقع ہوا۔

۱-۴: ''ھوالموجود'': وہی ہے موجود، اللہ تعالیٰ جو باقی و قائم ہے پیماں بست: عہد کیا گردنش: اس کی گردن ہر معبود: مراد ہر باطل قوت رست: رہائی پا گئی از عشق است: عشق سے تعلق کے باعث سفاک: سنگ دل، ظالم پاک تر: زیادہ پاک، مراد دنیاوی آلودگیوں سے پاک چالاک تر: زیادہ چالاک، زیادہ چست/ہوشیار، زیادہ ذہین بے باک تر: زیادہ بے خوف/نڈر بیچاک: پیچ وخم اسباب: سبب کی جمع، وجوہات، دلیلیں علل: علت کی جمع، دلیلیں، ذریعے چوگاں باز: پولو کھیلنے والا (پولو گھوڑے پر سوار ہو کر کھیلا جاتا ہے) ایک قسم کی گیند کا کھیل جو

۵-۸: صید: شکار   افگند: گراتا ہے، پکڑتا ہے   دامے می زند: جال بچھاتی ہے
بیم: خوف   لاینفک: جدا نہ ہونے والا   باد: ہوا   ارزاں: سستی، جو ہر جگہ
مل جائے   کمیاب: جو نا پید ہو، کم دستیاب ہونے والا   گراں: مہنگا۔

۹-۱۲: چون و چند: کیسا، کیوں اور کتنا، کیف و کم، مادیت   اساس: بنیاد، اصل
عریاں: بے لباس، ننگا   امتحانِ خویش: اپنی آزمائش   غیر: اجنبی، کوئی دوسرا،
مراد اپنی ذات کے سوا   آشنا: واقف، متعارف   فضل: عطا، بخشش، عنایت،
کرم   با خود در حساب: اپنا احتساب خود کرنے سے، اپنا جائزہ آپ لینے سے
شاد شو: خوش ہو، خوش رہ   بندہ شو: غلام ہو جا، خدا سے وابستگی پیدا کر لے
اکتساب: سیکھنا، کسی سے حاصل کرنا۔

۱۳-۱۶: ناقہ اش: اس کی اونٹنی   ساربان: اونٹ کو ہانکنے والا   آں شنیدستی: کیا تو
نے وہ (واقعہ) سنا   ہنگام نبرد: جنگ/لڑائی کے وقت   ہوس پرور: حرص
اور لالچ میں اضافہ کرنے والی   امام عاشقاں: مراد حضرت امام حسینؓ   پور:
بیٹا، فرزند   بتولؓ: حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا لقب   بستان: بوستان، باغ
رسولؐ: حضور اکرمؐ   اللہ اللہ: سبحان اللہ، واہ وا، کیا کہنے   بائے بسم اللہ:
بسم اللہ کی ب (پہلا حرف) حضرت علیؓ سے یہ قول منسوب ہے کہ "میں بائے بسم
اللہ کا نقطہ ہوں"   معنیٔ "ذبحِ عظیم": ذبح عظیم کی حقیقت، بہت بڑی قربانی کی
حقیقت، قرآنی تلمیح، سورۃ الصافات، آیہ ۱۰۷: "اور ہم نے اس (اسمٰعیلؑ) کے
بدلے میں ذبح کرنے کے لیے ایک بڑا جانور دے دیا   آمد پسر: بیٹا آیا/ٹھہرا

۱۷-۲۰: بہر آں: اس کے لیے   خیر الملل: ملتوں میں سب سے افضل ملت، ملت
اسلامیہ   دوش: کندھا   ختم المرسلینؐ: جنؐ پر رسالت ختم ہو گئی، حضور اکرمؐ   نعم
الجمل: اچھا اونٹ، اس میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے، حضور اکرمؐ، حضرت
امام حسین کو (جب وہ بچے تھے) اپنے کندھے پر سوار کر لیا کرتے۔ پھر اپنے
بارے میں فرمایا کرتے "کیا اچھا اونٹ ہے"   سرخ رو: کامیاب، عزت و
آبرو والا   غیور: عزت والا   شوخی: تیکھا پن   کیواں جناب: کیواں
کے سے بلند آستانے والا (کیواں: ایک بہت اونچا ستارہ جسے زحل بھی کہتے ہیں،
ساتواں آسمان)   قل ھو اللہ: قرآنی تلمیح، سورہ اخلاص، آیہ "کہہ دے کہ وہ

اللہ ایک ہے'' کتاب: مراد قرآن کریم شبیرؓ: حضرت امام حسینؓ موسیٰؑ: حضرت موسیٰ، مراد قوت خیر فرعون: مصر کا بادشاہ جس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا، مراد قوت شر شبیرؓ: مراد قوت خیر یزید: جس کے حکم سے حضرت امام حسینؓ کو شہید کیا گیا، مراد قوت شر آید پدید: ظاہر ہوتی ہیں۔

۲۱-۲۵: حق: حقیقت، سچ، خدا قوت شبیریؓ: مراد خیر کی قوت، حق کے لیے سر کٹوا دینے کی قوت داغ حسرت میری: حسرت سے مرنے کا نشان/ کلنک کا ٹیکا رشتہ: تعلق گسیخت: توڑ لیا کام: حلق، گلا ریخت: گرایا خاست: اٹھا سر جلوۂ خیر الامم: افضل امت کی بلند تجلی چوں: مانند سحاب قبلہ باراں: کعبے کی طرف سے اٹھنے والا بادل جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ضرور برستا ہے باراں: برستے ہوئے بارید: برسا لالہ..کارید: لالہ کے پھول اگائے، خون/خون کے قطروں کو لالہ سے تشبیہ دی ہے جو سرخ رنگ کا ہوتا ہے استبداد: قہر و ظلم کا نظام چلانا، مطلق العنانی سے حکومت کرنا ایجاد کرد: وجود میں لائی۔

۲۶-۳۰: غلتیدہ است: لوٹا ہے (ط کے ساتھ غلط ہے) بنائے لا الہ: یعنی توحید ایزدی کی بنیاد گردیدہ است: بنا ہے مدعائش: اس/ان کا مقصد با چنیں ساماں: اس قسم کے یعنی بہت تھوڑے سامان کے ساتھ چوں ریگ صحرا: ریگستان کی ریت کی طرح، بےحد کثرت لا تعد: لاتعداد، بیشمار دوستاں: مراد ساتھی، ہمراہی بہ ''یزداں'' ہم عدد: ''یزداں'' کے عدد والے، اس میں ایہام ہے، یزداں بمعنی خدا ہے لیکن یہاں عدد مقصود ہیں اور وہ حروف ابجد کے حساب سے ۷۲ بنتے ہیں (ی=۱۰+ز=۷+د=۴+ا=۱+ن=۵۰، کل ۷۲) اجمال: اختصار، مختصر ہونا سرِ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ: حضرت ابراہیمؑ اور ان کے فرزند اسمٰعیلؑ کا راز، حضرت ابراہیمؑ خواب میں، بحکم خدا، حضرت اسمٰعیل کو ذبح کرتا دیکھتے ہیں، اس پر عمل کرنے لگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں اسمٰعیل کے عوض ایک بڑا جانور قربانی کے لیے پہنچ جاتا ہے استوار: مضبوط، اپنی جگہ سے نہ ہلنے والا، اٹل کوہساراں: کوہسار کی جمع، ایسی جگہ جہاں بہت سے پہاڑ ہوں تند سیر: تیز چلنے والا کامگار: بامراد، کامیاب۔

۳۱-۳۵: حفظ آئین: شرع محمدیؐ کی حفاظت ماسوا اللہ: خدا کے سوا جو کچھ اس کائنات

میں ہے، مراد مادی قوتیں بندہ: غلام فرعونے: ایک یا کوئی فرعون یعنی باطل / شیطانی قوت سرش: اس کا سر افگندہ نیست: گرا / جھکا ہوا نہیں ہے تفسیر: تشریح ملت خوابیدہ: سوئی ہوئی قوم تیغ ''لا'': نہیں ہے (کوئی معبود) کی تلوار ارباب باطل: مراد باطل قوتوں کے حامل، باطل قوتیں الا اللہ: اللہ کے سوا (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) نوشت: لکھا / لکھی

۳۶-۳۹: آموختیم: ہم نے سیکھا / سیکھی اندوختیم: ہم نے حاصل کیے شوکت شام: شام کی شوکت وعظمت، شام مشہور عرب ملک جس کا دارالخلافہ دمشق ہے۔ اسلامی دور بالخصوص اموی دور میں یہ دارالحکومت درجہ کمال کو پہنچا تھا فر بغداد: بغداد کی شان وشوکت، بغداد مشہور شہر اور آج کے عراق کا پایہ تخت، یہ شہر بھی عباسی خلفا کا پایہ تخت تھا۔ دوسرے عباسی خلیفہ نے یہ شہر آباد کیا تھا۔ اس میں بڑی بڑی عالی شان عمارتیں تعمیر ہوئیں اور یہ شہر تمام ریاستی امور کا مرکز ومحور بن گیا سطوت غرناطہ: غرناطہ کا وقار وشکوہ، غرناطہ، ہسپانیہ کا مشہور شہر جو مسلمانوں کے عہد حکومت میں اپنی شان وشوکت اور عظیم عمارات کے باعث دمشق اور بغداد سے کہیں بڑھ کر تھا، یہ ہسپانیہ کے جنوب میں واقع ہے۔ اس کی حسین ترین عمارت ''الحمرا'' ہے از یاد رفت: بھول گئی تار ما: ہمارا ساز از زخمہ اش: اس کی مضراب سے لرزاں: یعنی بج رہا ہے تکبیر: اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کرنا، اللہ اکبر کا نعرہ لگانا پیک: قاصد دور افتادگاں: دور افتادہ کی جمع، دُور پڑے ہوئے / رہنے والے لوگ رساں: پہنچا دے

در معنیٰ ایں کہ چوں ملت محمدیہ موسس بر توحید و رسالت

است پس نہایت مکانی ندارد

موسس: بنی، بنیاد رکھی گئی نہایت مکانی: جگہ / مقام کی انتہا، جغرافیائی حدود کی پابند۔

۱-۳: جوہر ما: ہماری اصل بستہ نیست: بندھا ہوا / بندھی ہوئی نہیں ہے، پابند نہیں ہے بادہ تندش: اس کی تیز شراب سفال: مٹی کا پکا ہوا برتن، مراد مٹی

بگل اندام: ہمارے جسم کا گارا/مٹی مرز و بوم: سرحد اور سرزمین۔

۴-۷: کعب پاک زاد: پاک فطرت کعبؓ۔ حضرت کعب شروع شروع میں حضورؐ نبی کریم کو بہت ایذا دیا کرتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد وہ مکہ سے بھاگ کر طائف چلے گئے۔ وہاں سے قصیدہ ''بانت سعاد'' لکھ کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے گذشتہ گناہوں کی معافی مانگی۔ حضورؐ نے انہیں معاف کر دیا اور قصیدے کے صلے میں انہیں اپنی چادر مبارک عطا فرمائی۔ اس قصیدے میں کعبؓ نے حضورؐ کو ''سیف من سیوف الہند'' (ہند کی تلواروں میں سے ایک تلوار) کے الفاظ سے مخاطب کیا تھا مگر حضورؐ نے کعبؓ کے مصرع میں اصلاح دے کر فرمایا: ''سیف من سیوف اللہ'' کہنا چاہیے (خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار) بانت سعاد: حضرت کعبؓ کے اس قصیدے کا عنوان/نام جو انہوں نے حضورِ اکرمؐ کی شان میں لکھا اور جس میں اپنی سابقہ خطاؤں اور ظلم کی معافی مانگی تھی ہدیہ اے: ایک تحفہ در ثنائش: اس کی تعریف میں حضور اکرمؐ کی شان میں گوہر شب تاب سفت: رات کو روشن کرنے والے موتی پروئے، یعنی شاندار الفاظ استعمال کیے سیف مسلول: کھنچی/سونتی ہوئی تلوار سیوف الہند: ہندوستان کی تلواریں آں: وہ حضور اکرمؐ مقامش: آپ کا مرتبہ نامدش: آپ کو نہ آئی نسبت: تعلق، حوالہ با قلیمے: کسی ملک سے حق پرستی: تو خدا پرست ہے، توحید پر تیرا ایمان ہے مپو: مت چل۔

۸-۱۰: ہم چناں: اسی طرح آن: وہ، حضور اکرمؐ جز و کل: ایک حصہ اور مکمل چیز، یعنی کائنات کی ہر شے گرد پائش: آپؐ کے پاؤں کی خاک رُسل: رسول کی جمع دوست دارم: مجھے پسند ہے، میں پسند کرتا ہوں طاعت: خدا کی عبادت طیب: خوشبو نسا: عورتیں نکتہ پوشیدہ: چھپی ہوئی گہری/باریک بات۔

۱۱-۱۵: شبستانِ وجود: کائنات کا شبستان (رات کو سونے کی جگہ، حرم گاہ) نبود: نہ بود، نہ تھا/تھے قدسیاں: قدسی کی جمع، فرشتے سینہ سوز: سینہ جلانے والا اندر آب و گل: پانی اور مٹی کے درمیان، حضور اکرمؐ کی حدیث کی طرف اشارہ ہے: ''میں نبی تھا جبکہ آدمؑ ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھے'' کجاست: کہاں ہے ایں عناصر: مراد یہ کائنات شمرد: سمجھا مرز و بوم: مراد وطن، سرزمین زانکہ: از آں کہ، اس لیے کہ خاکداں: مٹی کی جگہ، مراد یہ دنیا۔

۱۶-۱۸: دل بدست آور: دل ہاتھ میں لا، دل زندہ پیدا کر پہنا: وسعت، فراخی سرائے آب وگل: مراد یہ دنیا اتی: تو ہے، اگر تو ہے باقلیمے: کسی ملک سے مبند: مت لگا، مت وابستہ کر می نگنجد: نہیں سماتا مرز و بوم: مراد جغرافیائی حدود، ملک، وطن یاوہ گردد: بیہودہ/فضول ہو جاتے ہیں، بے وقعت ہو جاتے ہیں شام وروم: دو ملکوں کے نام، مراد جغرافیائی حدود۔

۱۹-۲۱: عقدہ: گتھی، گرہ کشود: کھولی، سلجھائی حکمتش: حضورؐ کی حکمت و دانش ملت گیتی نورد: زمانے کو طے کرنے والی یعنی دنیا میں پھیل جانے والی ملت براساس کلمہ اے: ایک کلمہ (کلمۂ توحید) کی بنیاد پر تعمیر کرد: مراد وجود میں لائے تا: تا آنکہ، یہاں تک کہ بخششہا: نوازشیں، عنایتیں، مہربانیاں۔

۲۲-۲۴: آں کہ: یعنی وہ ذاتِ گرامیؐ ستود: تعریف وستائش کی ہے موعود: وعدہ کیا گیا/کی گئی بے دست وپا: بے بس، عاجز، اپاہج ہمتش: اس/آپؐ کے خوف اور رعب لرزہ: کپکپی، کانپنا شکوہ فطرتش: حضورؐ کی فطرت کا دبدبہ پس چرا: تو پھر کیوں مسکن: رہنے کی جگہ، وطن گریخت: دوڑ گئے، چلے گئے، ہجرت فرمائی گماں: خیال اعدا: عدو کی جمع، دشمن۔

۲۵-۲۷: قصہ گویاں: قصہ گو کی جمع، کہانی لکھنے والے، مراد بے پر کی اڑانے والے حق: سچ، حقیقت غلط فہمیدہ اند: انہوں نے غلط سمجھا ہے/سمجھے ہیں ثبات: استقلال، قرار، مضبوطی تنک آبی: پانی کا کم ہو جانا، پانی کی کمی رم: فرار، مراد چھوڑ جانا تسخیر: فتح، قابو میں لانا یم: دریا۔

۲۸-۳۰: بگذر: گذر جا، تعلق ختم کر لے مقصود تست: تیرا مقصد/تیری منزل ہے زیاں: نقصان پیرایہ بند سود: فائدے/نفع کو آراستہ کرنے والا مہر: سورج عرصہ: میدان آفاق: افق کی جمع، آسمان کے کنارے جو: ندی مخواہ: مت چاہ، مت مانگ بیکراں شو: لامحدود ہو جا پایاں: انتہا، اختتام، ختم ہونا۔

۳۱-۳۴: بحر تلخ رو: مراد کڑوے پانی کا سمندر ساحلے ورزید: ساحل اختیار کر لیا آب گشت: پانی پانی ہو گیا بایدت: تجھے چاہیے آہنگ: ارادہ، قصد تسخیر: مسخر کرنا، قابو میں لانا ہمہ: کل، سب فراگیر: اپنی گرفت میں لانا صورت ماہی: مچھلی کی مانند قید مقام: جغرافیائی حدود کی پابندی، ایک جگہ/

مقام کا پابند ہو کر رہنا جہات: جہت کی جمع، طرفیں، حدیں شش جہت: چھ طرفیں، دائیں بائیں، آگے، پیچھے، اوپر، نیچے، مراد پوری دنیا۔

۳۵-۳۸: جولاں گر: میدان میں ادھر ادھر دوڑنے والی، جولانیاں دکھانے والی فراخائے چمن: باغ کی وسعت خود گستر: خود کو پھیلانے والی انداختی: یعنی تو نے ڈیرا ڈالا ہوا ہے درساختی: تو نے نباہ کر رکھا ہے بار قبول: مراد حد بندی کا بوجھ از دوش گیر: کندھے سے اتار ڈال رہ فتد: چھنارہ راہرو: راستہ چلنے والا، مسافر ہشیار باش: چوکس/ چوکنا ہو جا

در معنی ایں کہ وطن اساسِ ملت نیست

۱-۴: آں چناں: اس طرح قطع اخوت: بھائی چارے کا خاتمہ ساختند: انہوں نے بنائی، یعنی بنائی گئی قبائل: قبیلہ کی جمع، گروہ، جماعت جستند: انہوں نے تلاش کی، تلاش کی گئی، انہیں نظر آئی "بئس القرار": برا ٹھکانا احلوا قومھم: انہوں نے اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتار دیا، قرآنی تلمیح، سورہ ابراہیم، آیات ۲۸-۳۰ "کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے خدا کے احسان کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتار دیا (وہ گھر) دوزخ ہے۔ سب ناشکرے اس میں داخل ہوں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے اور ان لوگوں نے خدا کے شریک مقرر کیے کہ (لوگوں کو) اس کے راستے سے گمراہ کریں۔ کہہ دو کہ (چند روز) فائدے اٹھالو، آخرکار تم کو دوزخ کی طرف لوٹ جانا ہے۔" تلخی پیکار: لڑائی/ دنگا فساد کی تلخی/ شدت بار: پھل آوردہ است: لایا ہے شجر: درخت، مراد جدید نظریہ ملت۔

۵-۸: مردی: دلیری، مراد شرافت و مروت افسانہ شد: کہانی بن گئی، ختم ہو گئی ہفت اندام: سات جسم، مراد جسم کے اعضاء ماند: رہ گئے آدمیت: انسانیت، شرافت، انسان دوستی اقوام: قوم کی جمع، قومیں یعنی وطن کے حوالے سے قوموں کے نام پڑے گرفت: پکڑا، پھلا پھولا، جڑیں پکڑیں مغرب: یورپ، مغربی قومیں دین مسیحائی: عیسائی مذہب، مسیحا حضرت عیسیٰ کا لقب

(حضرت عیسیٰ کا مذہب) فرو: بجھ گیا، تمام ہوا شمع کلیسائی: کلیسا کی شمع، عیسائیوں کی عبادت گاہ کی شمع۔

۹-۱۳: اسقف: سب سے بڑا پادری، پاپائے اعظم، لاٹ پادری بے طاقتی: کمزوری، ناتوانی، بےبسی درماندہ اے: پیچھے رہا ہوا، بدحال، مجبور مہرہ ہا: مہرہ کی جمع، گوٹیں، شطرنج کا گھونگا بروں افشاندہ اے: باہر گرائے ہوئے کلیسا: گرجا، عیسائیوں کی عبادت گاہ پازدہ: پاؤں مارا، ٹھکرا دیا چلیپا: صلیب، عیسائیوں کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ کو صلیب یعنی سولی پر لٹکایا گیا تھا وازدہ: رد کر دیا دہریت: خدا کے وجود سے انکار، مادے کو قدیم ماننا درید: پھاڑ دیا، چاک کر ڈالا مرسلے: ایک قاصد/ ایلچی حضرت: دربار، بارگاہ رسید: پہنچا، آدھمکا فلارنساوی: مراد نکولو میکیاولی (ولادت: ۱۴۶۹ء) اس کی شہرت اس کی کتاب "The Prince" کے باعث ہے۔ یہ کتاب ۱۵۳۲ء میں شائع ہوئی۔ میکیاولی نے سیاسیات اور اخلاقیات کا رشتہ منقطع کر کے یہ دعویٰ کیا کہ سیاسی مصلحتیں، اخلاقی قدروں کے تابع نہیں ہوتیں بلکہ مدبر، منتظم، سیاست دان حالات کے تقاضے کے مطابق جو کام بھی کریں، وہ صحیح ہوگا۔ وہ ۱۵۲۷ء میں فوت ہوا۔ فلارنس میں پیدا ہونے کے باعث فلارنساوی کہلایا باطل پرست: جھوٹ کی پرستش کرنے والا، دہریہ نسخہ اے: مراد ایک کتاب (کتاب الملوک: The Prince) دانۂ پیکار: دنگا فساد/ لڑائی جھگڑے کا بیج کشت: بویا

۱۴-۱۷: سوئے ظلمت: تاریکی کی طرف بردہ رخت: سامان لے گئی تیغ خامہ: قلم کی تلوار لخت لخت: ٹکڑے ٹکڑے آزر: قرآن کی رو سے حضرت ابراہیمؑ کا والد جو بت پرست اور بت تراش تھا (یہاں یہ لفظ ذال کے ساتھ غلط ہے کیونکہ آذر کے معنی آگ ہیں۔ رموز بیخودی مطبوعہ ۱۹۴۰ء میں غلط املا سے ہے) بست نقش تازہ اے: اس نے ایک نیا نقش تراشا/ کھینچا اندیشہ اش: اس کی فکر/ تخیل نے مملکت: قلمرو، بادشاہ کا ملک، ملک یا سلطنت معبود ساخت: خدا بنا دیا (معبود: جس کی عبادت کی جائے) مذموم: ذم کیا گیا، قابلِ مذمت محمود: تعریف کیا گیا، لائق تعریف و ستائش عیار: کسوٹی زد: مارا یعنی

پرکھا، لگایا سود: نفع، منافع۔

۱۸-۲۰: بالیدہ است: پھلا پھولا ہے حیلہ اندازی: مکروفریب سے کام لینا فنے گردیدہ است: ایک ہنر/خوبی بن گیا ہے طرح: بنیاد تدبیر زبوں فرجام: ایسی تدبیر جس کا انجام خرابی وخواری ہو ریخت: ڈالی خشک: کانٹا ریخت: بکھیرے چیدہ است: چنی یعنی جھونکی ہے مصلحت: خوبی، بھلائی، بہتری تزویر: مکروفریب نامیدہ است: نام رکھا ہے۔

درمعنی ایں کہ ملت محمدؐیہ نہایت زمانی ہم ندارد کہ

دوام ایں ملت شریفہ موعود است

ملت محمدؐیہ: ملت اسلامیہ نہایت زمانی: زمانے یا وقت کی انتہا/ اختتام دوام: ہمیشگی، ہمیشہ کے لیے رہنا ملت شریفہ: پاک/ باعظمت ملت موعود است: وعدہ کیا گیا ہے۔

۱-۵: دیدہ ای: تو نے دیکھا رستخیز: ہنگامہ، قیامت عروساں: عروس کی جمع، دلہنیں آراستہ: بجی ہوئیں انجم: ستارہ/ ستارے خاستہ: اٹھا ہوا، وجود میں آیا ہوا شوئیدہ اے: خاص دھلا ہوا، دھل جاتا ہے سرود: نغمہ، موسیقی خوابیدہ اے: سویا ہوتا ہے بری دمد: پھوٹ پڑتا/ پڑتی ہے گیردش: اسے پکڑ لیتی ہے اندر کنار: پہلو/گود میں، آغوش میں گلچیں: پھول توڑنے والا رود: نکل جاتی/ جاتا ہے۔

۶-۹: بست: مراد بنالیا پرید: اڑگئی رسید: پہنچا رمید: دوڑ گئی، ختم ہوگئی ناپایدار: مراد جلد مرجھا جانے والا کم نسازد: کم نہیں کرتی/ ہوتی زیاں: نقصان گنج فراوانش: اس (بہار) کا کثرت والا/ کثیر خزانہ ہماں: وہی، ویسا ہی گلہائے خندانش: اس کے ہنستے/ کھلے ہوئے پھول نسترن: سفید خوشبودار پھول، سیوتی سمن: چنبیلی۔

۱۰-۱۳: کان گوہر پرورے: موتیوں کی پرورش کرنے والی ایک کان، موتیوں کی کان

گوہر گرے: موتی بنانے / رکھنے والی   از شکست گوہرے: ایک ایسی موتی کے ٹوٹ جانے سے   خم: صراحی   خوردند: انہوں نے پی / پی گئیں   صہبا: سرخ رنگ کی شراب   دوشہا: دوش کی جمع، گذرے ہوئے کل   فردا: آنے والا کل   ہمچناں: اسی طرح   فردہاے پے سپر: چلنے والے / گذر جانے والے افراد   تقویم: جنتری، کیلنڈر   امم: امت کی جمع، امتیں   پایندہ تر: زیادہ بقا والی ہے۔

۱۴-۱۷: صحبت: مراد دوستوں کی محفل   رہ گیر: مسافر، آگے نکل / گذر جانے والا   ذات او: یعنی ملت کی حقیقت، ماہیت   سنت مرگ: موت کا قانون، طریقہ   بر می خیزد: اٹھتا ہے، پیدا ہوتا ہے   مشت گلے: مٹھی بھر مٹی   زاید: پیدا ہوتی ہے   صاحبدلے: کسی صاحب دل، خدا آگاہ دانشمند   پور: بیٹا   شصت: ساٹھ   ہفتاد: ستر۔

۱۸-۲۰: ارتباط: باہمی تعلق   ناموس کہن: پرانا شرف و دستور   حفظ: تحفظ، حفاظت   رود حیات: زندگی کی ندی / نہر   مقصود حیات: مراد زندگی کا اعلیٰ / عظیم نصب العین   بمیرد: مرتی ہے، مر جاتی ہے   اجل: موت   فرماں پذیرد: حکم قبول کرتی ہے۔

۲۱-۲۴: آیات: آیت کی جمع، نشانیاں   اصلش: اس کی بنیاد / جڑ   ''قالوا بلیٰ'': سورۂ اعراف، آیہ ۱۷۲ ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا: ہاں......'' بے پرواستی: بے پرواہے، بے خوف / بے نیاز ہے   استوار: محکم، مضبوط ''نحن نزلنا'': قرآنی تلمیح، سورہ الحجر آیہ ۹: ''ہم نے آپ پر اتاری ہے یہ نصیحت اور ہم اس کے نگہبان ہیں (نصیحت یعنی قرآن کریم)   ذاکر: ذکر کرنے والا، امت مسلمہ   ذکر: مراد نصیحت، یاد خدا، قرآن   قائم: برقرار   دوام: ہمیشگی   ''ان یطفوا'': قرآنی تلمیح، سورہ التوبہ آیہ ۳۲ ''یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں اور اللہ اس کے سوا نہیں چاہتا کہ اپنی روشنی کو پورا کرے، اگرچہ کافر لوگ ناخوش ہی کیوں نہ ہوں۔''
فسردن: افسردن، بجھنا، ٹھنڈا پڑ جانا   آسودہ است: مراد محفوظ ہے۔

۲۵-۲۷: امتے: ایک / خاص امت، امت اسلامیہ   محبوب: عزیز، پیاری   بروں آورد:

باہر لایا، نکالی تیغِ اصیل: زبردست کاٹ والی تلوار خلیل: حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ صداقت: سچائی، حق از دمش: اس کے دم سے غیرِ حق: اللہ کے سوا جو کچھ ہے، ماسوا، باطل قوتیں سوزد: جل جائے/ جائیں زبرق پیہمش: اس کی لگاتار/ مسلسل بجلی سے۔

۲۸-۳۱: تجلیم: ہم دلیل ہیں حافظ: حفاظت کرنے والا، محافظ رمزِ کتاب: قرآن کریم کی حقیقت سرِ پیکار داشت: لڑائی/ جنگ پر آمادہ تھا فتنۂ تاتار: تاتار کا ہنگامہ و فساد، تاریخی تلمیح، تاتاریوں یا تورانیوں کا تعلق دریائے جیحوں کے اس پار کے ممالک سے تھا۔ ان کے ایک سربراہ چنگیز خاں نے ۶۱۶/ ۱۰۱۹ء میں علاء الدین محمد خوارزم شاہ کے زمانے میں ایران پر حملہ کیا۔ پھر بعد میں اس کے پوتے ہلاکو خان نے ایران اور بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ معاصر کتبِ تواریخ کے مطابق علاء الدین کی نادانی کے باعث چنگیز کو ایران پر حملے کا موقع ملا۔ ہوا یوں کہ چنگیز نے اپنے چند تاجر علاء الدین کی طرف یہ کہلا کر بھیجے کہ یہ لوگ معموریِ خزانہ کا باعث ہوتے ہیں، امید ہے تم بھی اپنے تاجر ادھر بھیجو گے۔ جب یہ تاجر ایران کی سرحد اُترار پر پہنچے تو وہاں کے حاکم نے ان کا مال لوٹ کر انہیں قتل کر دیا۔ ایک تاجر کسی طرح واپس پہنچ گیا۔ واقعہ کا پتا چلنے پر چنگیز نے ایک ایلچی بھیجا کہ وہ حاکم میرے سپرد کر دو۔ بادشاہ ''سلامت'' نے اسے بھی مروا دیا اور یوں چنگیز کو حملے کا موقع دے دیا۔ بہر حال بعد میں اسی خاندان کے ایک حکمران نے لشکر سمیت اسلام قبول کر لیا تھا۔ علامہ کا یہ مصرع اسی حوالے سے ہے ع

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

بندہا: زنجیریں کشود: کھول دیں آزمود: آزمایا فتنۂ: ایک ایسا فتنہ پامال راہش: اس کے راستے میں پاؤں تلے روندا ہوا، مراد معمولی کشتہ: مارا ہوا۔

۳۲-۳۵: خفتہ: سویا ہوا، سوئے ہوئے صد آشوب: سینکڑوں فتنے اور فساد صبحِ امروزے: کسی آج کی صبح نزاید: نہیں جنتی، پیدا نہیں کرتی دوشِ او: اس کی گذری ہوئی کل رات سطوتِ مسلم: ملتِ اسلامیہ کا دبدبہ و عظمت تپید: تڑپی، تڑپا، لوٹی بغداد: مشہور شہر جو کبھی خلافتِ عباسیہ کا اور آج عراق کا

دار الخلافہ ہے۔ تاتاریوں نے بغداد میں بھی قتل عام کیا تھا اور دوسری تباہیاں مچائی تھیں آنچہ: جو کچھ روما ہم ندید: روم نے بھی نہ دیکھا، روم کی شہنشاہیت (Roman Empire) جو ۵۳۷ قبل مسیح میں قائم ہوئی۔ اس سلطنت نے بڑا عروج پایا، آخر یہ سمٹتی چلی گئی، تا آنکہ ۱۴۵۳ عیسوی میں آل عثمان کے سلطان محمد نے قسطنطنیہ فتح کر لیا جس کے نتیجے میں روم شرقی کا قصہ تمام ہو گیا جبکہ اطالیہ سے رومیوں کو پہلے ہی نکالا جا چکا تھا چرخ: آسمان کج رفتار: ٹیڑھی چال چلنے والا، بد سلوک، دشمنی سے پیش آنے والا پرس: پوچھ آتش تاتاریاں: منگولوں یا چنگیزیوں کی آگ کیست: کس کی ہے، کس کے ہیں گل دستار: پگڑی کا پھول، قدیم میں دستار کو پھولوں سے آراستہ کیا کرتے تھے نو آئین: نئے دستور والا یعنی نت نئے طور طریقے/ رسمیں پیدا کرنے والا کہن پندار: پرانے تکبر والا۔

۳۶-۳۸: زانکہ: از آں کہ، اس لیے کہ مارا: ہماری ابراہیمی: حضرت ابراہیمؑ سے منسوب، جو خدا کے حکم پر نمرود کی آگ میں کسی خوف کے بغیر بیٹھ گئے اور یہ آگ خدا ہی کے حکم سے گلزار بن گئی برانداز یم گل: ہم انگارے اکھاڑ پھینکتے ہیں سازیم گل: ہم پھول یعنی گلزار بنا لیتے ہیں روزگار: زمانہ رسد: پہنچے ہیں گردد بہار: بہار کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

۳۹-۴۲: رومیاں: رومی کی جمع، اہل روم مراد رومن ایمپائر جس کا ذکر آ چکا ہے گرم بازاری: رونق، مراد شاہانہ عظمت جہانگیری: جہان کو فتح کرنا، دنیا پر قبضہ جہانداری: جہان پر حکومت نماند: نہ رہی ساسانیاں: ایران کا مشہور خاندان ساسانیاں جن کے جد امجد کا نام ساسان تھا۔ مشہور ایرانی بادشاہ نوشیروان اسی خاندان سے تھا۔ عربوں نے ایران کی اس عظیم سلطنت کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا اور ایران پوری طرح مسلمانوں کے زیر نگیں آ گیا شیشہ: صراحی، جام درخوں نشست: مراد خون سے بھر گیا خمخانہ: شراب خانہ یونان: مشہور ملک جہاں ارسطو، افلاطون اور سکندر اعظم جیسی عظیم ہستیاں پیدا ہوئیں شکست: یعنی ختم ہو گئی مصر: مشہور ملک، جس کی تہذیب کبھی عروج پر تھی، اہرام کا تعلق اسی ملک سے ہے استخواں: ہڈیاں اہرام: ہرم کی جمع، مینار،

مصر کے اہرام کی طرف اشارہ ہے۔ مثلث نما چوپہلی قسم کے مینار جو بہت قدیم ہیں، یہ دراصل مصری فرماں رواؤں اور شاہزادیوں کے قبرستانوں پر بنائے گئے تھے۔ ان کا مقصد حنوط شدہ شاہی لاشوں کو بے حرمتی سے بچانا تھا۔ اب تک ایسے اسی اہرام دریافت ہو چکے ہیں۔

۴۳-۴۵: امتزاج: چند چیزوں کو باہم ملانا سالمات: سالمہ کی جمع، وہ جو ہر جو تقسیم نہیں ہو سکتے، ترکیبی اجزا تابندہ: روشن، منور دل گیریم ما: ہم دل گرفتہ/غم زدہ ہیں میرد: مرجائے گا میریم ما: ہم مر گئے تو، مرتے ہیں تو گلستاں: باغ، مراد یہ دنیا۔

در معنی ایں کہ نظام ملت غیر از آئین صورت نہ بندد و آئین ملت محمدیہ، قرآن است

غیر: بغیر صورت نہ بندد: تشکیل نہیں پاتا ملت محمدیہ: حضور اکرم حضرت محمد ﷺ سے منسوب ملت، ملت اسلامیہ۔

۱-۴: رفت: نکل گیا از ہم شکست: ٹوٹ پھوٹ گئے، درہم برہم ہو گئے ہستی: وجود باطن دین نبیؐ: حضور کے دین کی روح/حقیقت برگ: پتا، پتی بستہ شد: وابستہ ہو گیا، تابع رہا ضبط صدا: آواز کا منظم ہونا/سر تال میں ہونا پیداستے: ظاہر ہے، نمایاں ہے، صحیح معنوں میں نغمہ ہے غوغاستے: شوروغل ہے

۵-۸: گلوے ما: ہمارا گلا/حلق نفس: سانس، پھونک پابندِ نے گردد: بانسری کی پابند ہو جاتی ہے، بانسری کے اندر سے پھوٹتی ہے نوا: نغمہ، سریلی آواز تو ہمی دانی: تو جانتا ہے، تجھے کچھ علم ہے؟ سر تمکین: عزت و تمکنت/دبدبہ کا بھید کتاب زندہ: ہمیشہ قائم رہنے والی کتاب لا یزال: جسے زوال نہ ہو نسخہ: کتاب تکوین حیات: زندگی/بقا کا وجود میں آنا بے ثبات: گذر جانے والا، ناپائدار، فانی گیرد ثبات: پائداری/ہمیشگی حاصل کرتا ہے زیر گردوں: آسمان کے نیچے، دنیا میں۔

۹-۱۲: ریب: شک، قرآنی حوالہ، سورہ البقرہ، آیہ ۲ ''اس کتاب کے (اللہ کی کتاب ہونے میں) کوئی / کچھ بھی شک نہیں، یہ پرہیزگاروں کو راہ بتاتی ہے......'' تبدیل نے: کوئی تبدیلی نہیں، قرآنی تلمیح، سورہ یونس، آیہ ۶۴ ''اللہ کے وعدے تبدیل نہیں ہو سکتے، یہی بڑی کامیابی ہے'' شرمندۂ تاویل: تاویل کی منت پذیر (تاویل: شرح بیان، شرعی حیلہ، بچاؤ کا بہانہ) سودائے خام: نامکمل یا کمزور جذبہ درفتد: ٹکرا جاتا ہے، الجھ پڑتا ہے می برد: وہ (قرآن) لے جاتا ہے پابند: جس کے پاؤں بندھے ہوں، مقید، غلام آورد: لاتا ہے صید بنداں: صید بند کی جمع، شکاری بفریاد آورد: فریاد پر مجبور کرتا ہے حامل او: اس کے اٹھانے والے، یعنی جن پر نازل ہوا۔

۱۳-۱۷: ارج: قیمت، وقعت می گیرد: پاتا ہے ناارجمند: بے وقعت انسان، جس کی کوئی عزت و وقعت نہ ہو بندہ: غلام سازد سر بلند: بلند مرتبہ / صاحب عظمت بنا دیتا / دیتی ہے رہزناں: رہزن کی جمع، لٹیرے، راہ مار از حفظ او: اس کی حفاظت میں آکر رہبر شدند: راہ نما بن گئے صاحب دفتر: دفتر کے مالک، مصنف دشت پیمایاں: دشت پیما کی جمع، صحراؤں میں پھرنے اور رہنے والے تاب: روشنی یک چراغ: یعنی ایک کتاب، قرآن حکیم علوم: جمع علم دوش: کندھا بارش: جس / اس کا بوجھ برنتافت: برداشت نہ کیا سطوت: دبدبہ، وقار زہرۂ گردوں: آسمان کا پتا قرآنی تلمیح: سورۃ الحشر، آیہ ۲۱ ''اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تو اس کو دیکھتا کہ اللہ کے خوف سے دب جاتا، پھٹ جاتا شگافت: پھاڑ دیا آمال: جمع امل، آرزوئیں گنجد: سماتا ہے اطفال: جمع، طفل، بچے۔

۱۸-۲۲: آں: وہ، مراد صحرا نشین بدو جگرتاب: جس کا جگر جلا ہو احمر: سرخ سوز: تپش، گرمی رم جمازہ اش: اس (بدو) کی اونٹنی کی دوڑ / رفتار رخت خواب: بستر افگندہ: بچھایا ہوا نخیل: کھجور کا درخت بانگ رحیل: کوچ / قافلے کی روانگی کی آواز دشت سیر: صحرا میں گھومنے والا، بیاباں نورد بام و در: چھت اور دروازہ، مراد مکان ہرزہ گرد: بے مقصد گھومنے پھرنے والا حضر: مراد منزل تپید: تڑپا، اثر پذیر ہوا موج بیتابش:

اس کی پیتاب لہر/ روح آرمید: سکون پا گئی۔

۲۳-۲۵: آیاتِ مبین: روشن آیتیں جہانبانی: دنیا کی حفاظت کرنا، مراد حکمرانی نوازد: بجاتا ہے، الاپتا ہے جم: جمشید، مشہور ایرانی بادشاہ پا انداز: جوتوں کی گرد صاف کرنے کے لیے/ کمرے کے باہر دروازے کے قریب بچھایا ہوا ٹاٹ وغیرہ گرد پائش: اس کے پاؤں کی خاک ریختند: مراد بن گئے یک گلش: اس کا ایک پھول انگیختند: اٹھائے گئے، وجود میں آ گئے۔

۲۶-۲۸: گرفتارِ رسوم: مختلف قسم کی (بیہودہ و بیکار) رسموں میں جکڑا ہوا شیوہ ہائے کافرانہ: کافروں/ مشرکوں کے سے طور طریقے/ عادتیں قطع کردی: تو نے کاٹ ڈالا، ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا در زبر: زبر میں، قرآنی تلمیح، سورہ، المومنون آیہ ۵۳ ''پھر ان لوگوں نے باہم اپنے کام میں (اختلاف کر کے) اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا اور ہر گروہ، جو کچھ اس کے پاس ہے، اس سے خوش ہے۔'' زیستن: جینا۔

۲۹-۳۱: پشمینہ پوش: اونی لباس/ کمبل اوڑھنے والا حال مست: غیر حق کو دل سے نکال دینے والا، جس پر حال/ وجد طاری ہو قوال: قوالی گانے والا عراقی: فارسی کا مشہور صوفی شاعر شیخ فخر الدین ابراہیم، کمجان (ہمدان) کا رہنے والا تھا، ملتان بھی آیا اور کچھ عرصہ حضرت بہاء الدین زکریا کی خدمت میں رہا۔ ۶۸۸ھ (۱۲۸۹ء) میں بعمر ۷۸ برس وفات پائی درنمی سازد: موافقت نہیں کرتی سریر: تخت باج گیر: خراج وصول کرنے والا۔

۳۲-۳۴: دستان زن: داستان گو، کہانیاں سنانے والا افسانہ بند: افسانہ تراش/ گھڑنے والا معنی: اصلیت، حقیقت حرف: الفاظ خطیب: مشہور محدث، سال ولادت ۳۹۲ھ/ ۱۰۰۲ء، سال وفات: ۴۶۳ھ/ ۱۰۷۱ء، سو سے زیادہ کتب کے مصنف اور بغداد میں دفن ہیں دیلمی: ہمدان کے رہنے والے اور مشہور محدث، ان کی مشہور تصنیف ''فردوس'' ہے جو حدیثوں کا مجموعہ ہے۔ ۵۰۹ھ/ ۱۱۱۵ء میں فوت ہوئے ضعیف: حدیث کی ایک قسم جس میں صحیح اور حسن کے شرائط نہ پائے جاتے ہوں شاذ: حدیث کی ایک قسم، کسی ثقہ راوی کی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی حدیث کے خلاف روایت مرسل: حدیث کی ایک قسم،

ہر وہ حدیث جس میں ایسی سند کا ذکر نہ ہو جو رسول اکرمؐ سے متصل ہو اور وہ حدیث جس کی سند تابعی تک متصل ہو اور تابعی نے جن صحابی سے روایت کی ہے، ان کا نام ترک کر دیا ہو اور اسے رسول اللہ تک پہنچا دیا ہو تلاوت: پڑھنا، قرآن کریم پڑھنا کاے کہ: وہ خواہش/آرزو جو می خواہی: تو چاہتا ہے۔

در معنی ایں کہ در زمانۂ انحطاط تقلید از اجتہاد اولیٰ تر است

انحطاط: زوال تقلید: پیروی، کسی کے قدم بہ قدم چلنا اجتہاد: کوشش کرنا، قرآن و حدیث اور ماضی کے علماو فقہا کے اجتماعی فیصلے سے فروعی مسئلوں کو حل کرنا، نئی بات پیدا کرنا اولیٰ تر: بہت اچھا۔

۱-۴: فتنہ ہا: ہنگامے، خرابیاں، شر زیر سراست: قبضے میں رکھے ہوئے ہے طبع ناپروا: لاابالی/الہڑ طبیعت آفت گر: آفت کی پرکالہ بزم اقوام کہن: قدیم قوموں کی محفل برہم: درہم برہم، تہ و بالا جلوہ اش: مراد اس کا ظہور آتش دیرینہ: پرانی آگ، مراد اسلامی جذبے برد: لے گیا، بجھا دی، غائب کر دیا نار: آگ۔

۵-۸: مضمحل گردد: سست/کمزور پڑ جاتی ہے تقویم حیات: زندگی کی جنتری/کیلنڈر، مراد زندگی کی ہیئت ثبات: بقا، استقلال، پائیداری راہ آبا رو: اپنے اسلاف کی راہ پر چل جمعیت: مراد اتحاد و یکدلی (انتشار کی ضد) ضبط ملت: ملت کی تنظیم، ملت کا اتحاد برگ و بار: پتے اور پھل مگسل: مت ٹوٹ، جدا مت ہو زیاں اندیش: نقصان کا احسان کرنے والا حافظ: محافظ جوی کم آب: تھوڑے پانی والی ندی، مراد جو تھوڑا بہت مذہبی/اسلامی اثاثہ رہ گیا ہے۔

۹-۱۲: سیل: طغیانی قہستاں: کوہستاں، پہاڑ برخوری: تو بہرہ مند ہو، فائدہ اٹھائے، کامیابی حاصل کر لے باز: پھر، دوبارہ طوفاں پروری: تو طوفان کی پرورش کرے (رموز بیخودی، مطبوعہ ۱۹۴۰ء میں لفظ آغوش اضافت کے ساتھ تحریر ہوا ہے۔ یہاں اضافت غلط ہے) پیکرت: تیرا جسم جان بصیر: بصیرت

والی روح عبرت... گیر: سبق حاصل کر، نصیحت پکڑ احوال اسرائیل: اسرائیل یعنی یہودیوں کے حالات، بنی اسرائیل کے واقعات، یہودی یوں تو دنیا بھر میں پھیلے ہوئے تھے لیکن ان کا اپنا کوئی وطن نہ تھا، ایک طرح سے وہ بے یار و مددگار تھے لیکن گذشتہ صدی کے دوسرے نصف میں انہوں نے انگریزوں کی ملی بھگت سے مسلم ملک فلسطین کو تقسیم کرا کے اپنا الگ ملک بنا لیا جس کا نام "اسرائیل" ہے۔ علامہ نے جوان کا ذکر کیا ہے تو وہ اس سے پہلے کے حالات سے متعلق ہے گرم و سرد روزگار: زمانے کے حادثات / برے بھلے دن جانِ نزار: کمزور / ناتواں جان گراں سیر: سست رفتار سنگ صد دلیز: سو دلیزوں کے پتھر، سینکڑوں چوکھٹیں سیمائے او: اس کی پیشانی۔

۱۳-۱۵: پنجۂ گردوں: آسمان کا پنجہ چو انگورش: اسے انگور کی طرح فشرد: افشردہ، نچوڑا موسیٰ و ہارون: حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون، یہودی قوم کے پیغمبر نمرد: نہ مرد، نہ مری / مٹی نوائے آتشینش: اس کی آگ کی سی تپش والی لے / والا نغمہ رفت سوز: سوز ختم ہو گیا / جاتا رہا زانکہ: از آں کہ، اس لیے کہ جمعیتش: اس کی جمعیت، بحیثیت جماعت کے اتحاد و تنظیم از ہم شکست: ٹوٹ پھوٹ گئی، ختم ہو گئی براہِ رفتگاں: گذرے ہوؤں کی راہ پر، اسلاف کی راہ پر محمل نہ بست: اس نے اپنی محمل (کجاوہ) نہ باندھی، اپنے اسلاف کی تقلید کی راہ (کے سوائے کوئی اور راہ) اختیار نہ کی۔

۱۶-۱۹: اے: یعنی اے مسلم / ملت اسلامیہ پریشان: انتشار کا شکار محفلِ دیرینہ ات: تیری قدیم / پرانی محفل، یعنی پہلے والی جمعیت نقش کن: نقش کر، لکھ ڈال معنی توحید: خدا کی وحدت (لا الٰہ الا اللہ......) کے معنی چارہ کار: علاج، تدبیر برہم ہمی پیچد: الٹ پلٹ کر دیتا ہے، لپیٹ دیتا ہے عاملانِ کم نظر: کوتاہ نظر عالم، انجام پر غور نہ کرنے والے عام رفتگاں: رفتہ کی جمع، مراد اسلاف، پرانے بزرگ بساط: بچھونا، چٹائی، حوصلہ۔

۲۰-۲۳: آبایت: تیرے آبا / اسلاف ہوس فرسودہ: حرص و ہوس کے مارے ہوئے / ماری ہوئی پاکاں: پاک کی جمع، پاک لوگ / ہمارے متقی اسلاف آلودہ: لتھڑا ہوا شاں: ایشاں، وہ، ان کی ریسد: کاتتی ہے باریک تر: زیادہ

گاڑھی ورعِ شاں: ان کا تقویٰ و پرہیزگاری جعفرؓ: امام جعفر صادق، اثنا عشری فرقے کے چھٹے امام جو اپنے صدق مقال کے سبب "صادق" کے لقب سے ملقب ہوئے۔ فقہ میں بے مثال تھے۔ امام ابوحنیفہؒ نے ان سے استفادہ اور اس کا اعتراف کیا ہے۔ سال وفات ۱۴۸ھ/ ۷۶۵ء ہے کاوش: تلاش، جستجو رازی: امام ابوعبداللہ فخر الدین محمد رازیؒ اپنے دور کے مشہور ترین فقیہ اور علم الکلام کے ماہر، علوم اسلامی پر ان کی گہری نظر تھی، زیادہ تر زندگی ہرات میں گذاری۔ سال ولادت ۵۴۳ھ/ ۱۱۴۸ء، سال وفات ۶۰۶ھ/ ۱۰-۱۲۰۹ء نماند: نہ رہی/ رہا ملت تازی: عربی ملت، ملت اسلامیہ ہر لیئے: ہر فرومایہ، ہر بدبخت۔

۲۴-۲۸: اسرار دیں: دین کی حقیقتیں بیگانہ ای: تو ناواقف/ بے خبر ہے ساز: موافقت کر اگر فرزانہ ای: اگر تو صاحب شعور/ دانا ہے من شنیدستم: میں نے سنا ہے یا سن رکھا ہے نباضِ حیات: زندگی کی حقیقت کی پہچان رکھنے والا تست: تیرا ہے مقراض: قینچی یک آئینی: ایک آئین ہونا دل آگاہ: باخبر دل، دانا و بینا دل اعتصام کن: اس کا دامن مضبوطی سے تھام لے حبل اللہ: اللہ کی رسی، قرآنی تلمیح "اور تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو" رشتہ: دھاگا، لڑی سفتہ شو: پرو دیا جا/ رہ آشفتہ شو: منتشر ہو جا یعنی تو بکھر کر رہ جائے گا۔

در معنی ایں کہ پختگی سیرت ملیہ از اتباع آئین الٰہیہ است

پختگی: مضبوطی، استحکام، ثبات سیرت ملیہ: ملی/ قومی مذہب یا جوہر اتباع: پیروی کرنا۔

۱-۴: مجو: مت تلاش کر غیر ضو: چمک کے سوا باطن گوہر: موتی کا اندرونی حصہ گوہر گر: موتی بنانے والا ظاہرش: اس (شریعت) کا ظاہر بطونش: اس کا باطن/ اندر ہیچ نیست: کچھ نہیں ہے مرقات یقیں: یقین کی سیڑھی۔

۵-۸: گیرد نظام: نظام حاصل کرتی ہے، نظم و نسق حاصل کرتی ہے خیزد: اٹھتا/ اٹھتی ہے، پیدا ہوتا/ ہوتی ہے دوام: بقا، ہمیشگی پیدا ستے: ظاہر ہے، وجود میں آتی ہے قدرت: قوت، اقتدار عصا: لاٹھی (حضرت موسیٰ کے معجزے کی

طرف اشارہ ہے)　ید بیضا: روشن ہاتھ (اس میں بھی حضرت موسیٰ کے ید بیضا کی طرف اشارہ ہے)　با تو گویم: میں تجھ کو بتاتا ہوں　اے کہ باشی: تو جو ہے امین: مراد محافظ　شرعِ مبیں: روشن/واضح شرع　نکتہ: گہری/اہم بات۔

۹-۱۳: مزاحم: اٹکانے والا، رکاوٹ ڈالنے والا　مستحب: حضور نبی کریم کا پسندیدہ، وہ عمل جس کا بجالانا ثواب کا باعث ہو لیکن اگر نہ کیا جائے تو اس کا کوئی گناہ و سزا نہ ہو　گردانیدہ اند: قرار دیا گیا ہے　عین قدرت: سراسر/پورے طور پر قوت/اختیار　روزِ ہیجا: جنگ/لڑائی کے دن　اعدا: عدو کی جمع، دشمن　گیرد آساں: سہل خیال کرے　روزگارِ خویش: مراد اپنے زمانے کے حالات بشکند: توڑ ڈالے　حصن: پناہ گاہ، قلعہ　حصار: قلعہ کی چار دیواری تا نگیرد: جب تک نہ پکڑ لے، نہ چل پڑے　نظام: ترتیب　تاختن: حملہ کرنا برکشورش: اس کے ملک پر۔

۱۴-۱۷: زیستن: جینا، زندگی بسر کرنا　اندر خطرہا: خطروں میں　آئی بجنگ: تو جنگ کو آئے، جنگ لڑے　شعلہ گردی: تو شعلہ بن جائے، بہت بڑی قوت والا بن جائے　واشگافی: تو پھاڑ ڈالے　کام سنگ: پتھر کا حلق/گلا　آزماید: وہ (شرع) آزماتی ہے　می نہد: رکھتی ہے　الوند: ایران کے ایک مشہور پہاڑ کا نام جو آذربائیجان سے لے کر خلیج فارس تک پھیلے ہوئے سلسلہ کوہ میں واقع ہے، مراد عام پہاڑ یعنی کوئی بھی بہت بڑی رکاوٹ/مصیبت اور آزمائش　باز گوید: پھر وہ (شرع) کہتی ہے　سرمہ ساز: مراد پیس ڈال　تف خنجر: خنجر کی گرمی گداز: پگھلا ڈال۔

۱۸-۲۱: میش ناتوانے لاغرے: ایک کمزور لاغر بھیڑ　درخور: لائق　صعوہ: ممولا خوگر: عادی　زبوں تر: زیادہ خوار و عاجز　شارع: شریعت لانے والے یعنی حضور اکرمؐ　آئین شناس: ماہر قانون/آئین　خوب و زشت: اچھا اور برا　نسخہ: وہ کاغذ جس پر طبیب یا ڈاکٹر مریض کو دوائیں لکھ کر دیتا ہے نوشت: لکھا　آہن عصب: فولادی یعنی بے حد مضبوط اعصاب والا　می سازدت: تجھے بنا دیتا ہے　جائے خوبے: کوئی اچھی جگہ، کسی اچھے مقام پر اندازدت: تجھے ڈال دیتا ہے، تجھے فائز کرتا ہے۔

۲۲-۲۵: خستہ باشی: (اگر) تو دل آزردہ ہے، دل گیر ہے استوارت: تجھے مضبوط دل والا گر زمی: اگر تو زمین ہے، اگر تیری زندگی پستی کا شکار ہے آسماں سازد ترا: تجھے آسمان کی سی بلندی سے نوازے گا صیقلش: اس کا صیقل / پالش رباید: چرا لیتا / دور کر دیتا ہے۔

۲۶-۲۹: شعار: طریقہ، سنت از دست رفت: ہاتھ سے نکل گئی، دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا نہال: درخت سربلند: مراد معزز، قد کاٹھ والا استوار: مراد ثابت قدم، پایدار وادیِ بطحا: مکہ معظمہ کی وادی پائے.. گرفت: پاؤں جمائے آں چناں: کچھ اس قدر کاہید: گھٹ گیا، لاغر ہو گیا بادِ عجم: غیر عرب ملکوں کی ہوا (عجم: ایران، توران وغیرہ) ہمچونے: نے کی مانند۔

۳۰-۳۳: آں کہ: وہ جو کشتے: مارا کرتا، شکار کیا کرتا چوں گوسفند: بھیڑ بکری کی طرح پامالِ مورے: کسی چیونٹی کا روندا جانا دردمند: دکھی، غمخوار، رحم دل سنگ آب گشت: پتھر بھی پانی ہو جایا کرتا تھا از صفیر بلبلے: کسی بلبل کی سیٹی / کے چہچہانے سے عزمش: اس کا پختہ ارادہ کاہے شمرد: ایک تنکا / گھاس پھونس سمجھتا تھا توکل: خدا پر بھروسا، یعنی جدوجہد اور عمل کے بغیر اللہ پر بھروسا (اسلام میں ایسا نہیں ہے) گردن اعدا شکست: دشمنوں کی گردنیں توڑا کرتا تھا۔

۳۴-۳۶: گامش: اس کے قدم نقش صد ہنگامہ بست: مراد بڑے بڑے کارنامے انجام دیے گوشہ عزلت: تنہائی کا کونا ناگزیر: اٹل، جس پر عمل لازم تھا اسکندر: اسکندر یونانی، مشہور بادشاہ، ولادت ۳۵۶ قبل مسیح دارا: داریوش، ایران کے ہخامنشی خاندان کا ایک حکمران، اس خاندان میں اس نام کے چند ایک بادشاہ گذرے ہیں، یہاں مراد داریوش سوم ہے، جسے سکندر نے شکست دی تھی اور بعد میں اس کی بیٹی کو اپنی بیوی بنا لیا تھا، یہاں مراد بڑے بڑے بادشاہ قناعت: تھوڑی چیز پر یا جو کچھ میسر آجائے اس پر خوش رہنا سازکرد: موافقت کر لی کشکول گدائی: بھیک مانگنے کا پیالہ۔

۳۷-۴۲: شیخ احمد: شیخ احمد رفاعی، سال ولادت ۵۱۲ھ / ۱۱۱۸ء۔ اصلاً عراقی تھے۔ کئی تصانیف ان سے یادگار ہیں سید گردوں جناب: آسمان کی سی یعنی باعظمت چوکھٹ / دہلیز والے سردار / پیشوا کاسب: حاصل کرنے والا می پوشد:

ڈھانپتا ہے لا الٰہ گویاں: لاالٰہ کا ورد کرتے ہوئے دمد: اگتا ہے اے جانِ پدر: اے باپ کی جان، مراد (بطور شفقت) اے میرے عزیز باید حذر: بچنا/دور رہنا چاہیے زانکہ: اس لیے کہ فکرش: اس کی سوچ خیالات عجم: مراد ایرانی صوفیا و مشائخ کے افکار/نظریات از گردوں گذشت: آسمان سے آگے نکل گئے ہیں یعنی بڑے بلند ہیں پند: نصیحت گوش کن: سن، اسے پلے باندھ گرداں قوی: مضبوط کر لے در ساز: موافقت کر لے تا مسلم شوی: تاکہ تو صحیح معنوں میں مسلم/مومن بنے۔

در معنی ایں کہ حسن سیرت ملیہ از تادب بہ آداب محمدیہ است

حسن سیرت ملیہ: ملت کی/قوم کی سرشت/کردار کی خوبی از تادب: ادب سیکھنے سے۔

۱-۳: سائلے: ایک گداگر قضائے مبرمے: ایک اٹل قضا/موت زد صدائے پیہم: مسلسل صدائیں لگائیں چوبِ شکستم: میں (علامہ) نے ایک لکڑی/چھڑی توڑی برسرش: اس کے سر پر حاصلِ دریوزہ: بھیک مانگنے سے اب تک جو کچھ اسے ملا تھا افتاد از برش: اس کے دامن/جھولی سے گر پڑا می نیندیشد: نہیں سوچتی صواب و ناصواب: اچھائی اور برائی، درست و نادرست۔

۴-۸: آزردہ گشت: مراد انہیں دکھ پہنچا لالہ زارِ چہرہ اش: مراد ان کے چہرے کی سرخی/چمک افسردہ گشت: بجھ گئی، ختم ہو گئی آہِ جگر تاب: جگر کو جلا دینے والی آہ دل تپید: دل تڑپا کوکبے: ایک ستارہ یعنی آنسو گردید: گھوما، ابھرا ریخت: گر گیا دمے تابید: کچھ دیر چمکا/ٹمٹمایا لرزد: کانپتا ہے لرزید: کانپ اٹھی جانِ غافلم: مراد میری بے پروا جان لیلائے شکیب: صبر کی لیلیٰ رفت از محملم: میری محمل سے نکل گئی۔

۹-۱۳: فردا: کل، یعنی قیامت کے روز خیر الرسلؐ: سب رسولوںؑ میں افضل یعنی حضور اکرمؐ جمع گردد: اکٹھی ہو گی مولائے کل: سب کے آقا، حضور نبی کریم ملتِ بیضا: روشن ملت، ملت اسلامیہ غازیاں: غازی کی جمع، کافروں سے

جنگ کرنے والے مجاہد حکمت رعنائے او: حضورؐ کی خوشنما / زیبا حکمت، مراد قرآن کریم دیں را حجت اند: دین کے لیے دلیل ہیں عاشقان دل فگار: زخمی دل عاشق، حضورؐ کے عشاق عاصیانِ شرمسار: وہ گنہگار جنہیں اپنے گناہوں پر شرمندگی ہوگی انجمن: مراد وہ محفل جو قیامت کے روز حضورؐ کے گرد جمی ہوگی۔

۱۸-۱۳: صراطت: تیرا راستہ بے مرکبی: سواری کے بغیر، نیک اعمال کے بغیر مرا: مجھ سے پرسد: (حضورؐ) پوچھیں گے، پرسش فرمائیں گے باتو سپرد: تیرے حوالے کیا، تیرا بیٹا بنایا کو: کہ او، وہ جس نے دبستانم: میرا مکتب، میری تعلیمات نصیبے: کچھ حصہ نبرد: حاصل نہ کیا انبارِ گل: مٹی کا ڈھیر، انسان آدم نشد: انسان نہ بن سکا درملامت: ڈانٹ ڈپٹ کرنے میں (بھی) نرم گفتار: نرمی / حلیمی سے بات کرنیوالے آن کریم: وہ مہربان (حضور اکرمؐ) رہین: گرو رکھا گیا، مراد ڈوبا ہوا... کا شکار خجلت: شرمندگی بیم: خوف اندکے: ذرا، کچھ اندیش: سوچ، غور کر خیر البشرؐ: انسانوں میں سب سے افضل۔

۲۲-۱۹: باز: پھر، نیز یہ کہ نگر: دیکھ لرزہ: کپکپی جور ناز یبا: ناروا ستم، نامناسب ظلم پیش مولاؐ: یعنی حضورؐ کے سامنے غنچۂ ای: تو کلی ہے گل شو: پھول بن جا بہرہ ے: ایک یا کچھ حصہ۔

۲۷-۲۳: مرشد رومیؒ: علامہ نے رومیؒ کو اپنا مرشد کہا ہے، مولانا جلال الدین رومی، ساتویں صدی ہجری کے مشہور صوفی شاعر جن کی مثنوی ''معنوی'' کو قبول عام حاصل ہے۔ قونیہ (ترکی) میں مدفون ہیں، سال ولادت ۶۰۴ھ / ۸-۱۲۰۷ء سال وفات ۶۷۲ھ / ۱۲۷۳ء چہ خوش: کیا خوب یم: سمندر آسودہ است: آرام کیے ہوئے ہے، یعنی سمٹا ہوا ہے مگسل: مت توڑ ایام خویش: اپنا زمانہ یعنی تعلق / رشتہ تکیہ کم کن: بھروسا مت کر گام خویش: اپنی رفتار سراپا: سر سے پاؤں تک یعنی مکمل طور پر سرانگشتش: آپ کی انگلی کی نوک / سرا دونیم: دو ٹکڑے (حضورؐ کے معجزہ کی طرف اشارہ ہے) دور ایستی: تو دور رہا، دور رہے گا معشر ما: ہماری جماعت۔

۳۰-۲۸: مرغ بوستان ماستی: تو ہمارے باغ / چمن کا پرندہ ہے ہم صفیر: ایک جیسی آواز نکالنے اکٹھے چہچہانے والے نغمہ ے داری: اگر تیرے پاس کوئی نغمہ ہے

تنہا مزن: اکیلا نہ گا میرد: مر جاتا / دم توڑ دیتا ہے، مٹ جاتا ہے عنصر ناسازگار: ناموافق حالات۔

۳۱-۳۳: بلبل استی: (اگر) تو بلبل ہے ہم نوایان: ہم نوا کی جمع، مل کر گانے والے ساز کن: گا، چہچہا ور: اور اگر مزی: مت جی، زندگی نہ گذار کوکبی: کیا تو کوئی ستارہ ہے می تاب: چمکتا رہ پامنہ: پاؤں مت رکھ زپیرامون خویش: اپنے ارد گرد یعنی ماحول سے۔

۳۴-۳۸: نیساں: موسم بہار کا دوسرا مہینا اس مہینے کی بارش کا نام، کہتے ہیں اس بارش کا قطرہ سیپی کے منہ میں گر کر موتی بن جاتا ہے پروری: پرورش کرے تنگش بگیرد: اسے بھینچ لے کنار: پہلو، بغل آسماں تاب سحر: صبح کی آسمان کو روشن کرنے والی کز فسونش: کہ اس کے جادو سے غنچہ می بندد: مراد کلیوں سے آراستہ ہو جاتے ہیں (ان میں کلیاں پھوٹ پڑتی ہیں) عنصر نم: نمی کا مادہ برکشی: تو کھینچ لے جوہر: اصل ذوق رم: گریز کا ذوق سالمات مضطرش: اس کے بے قرار، ترکیبی اجزا سرابے: ایک / کوئی سراب، دوپہر کے وقت ریت کی چمک جس پر پانی کا گمان ہوتا ہے، دھوکا فریب۔

۳۹-۴۳: یم: سمندر اندازش: اسے ڈال لرزد: تملائے، کانپے، جھلائے تاب اخترے: ایک ستارے کی چمک مہجور: دور کیا / جدا کیا گیا طینت پاک: پاکیزہ سرشت / فطرت آب و تابش: اس کی چمک دمک آب نیسانی: تو نیساں کا پانی / قطرہ ہے با غوشش: حضور کی آغوش میں درآ: آجا قلزمش: حضور کا سمندر، شرع و آئین محمدیؐ صاحب تابانی جاوید: ہمیشہ رہنے والی چمک / درخشندگی کا والا شو: بن جا۔

در معنی ایں کہ حیات ملیہ مرکز محسوس می خواہد و

مرکز ملت اسلامیہ بیت الحرام است

مرکز محسوس: مراد صدر مقام بیت الحرام: کعبہ۔

۱-۴: می کشایم: میں کھولتا/سلجھاتا ہوں عقدہ: گرہ، گتھی کار: معاملہ سازمت آگاہ: میں تجھے آگاہ کرتا ہوں از خود رمیدن: اپنے آپ سے رم کرنا/بھاگنا پیشہ اش: اس کا پیشہ/شیوہ ہے از جہت: طرف/اطراف سے دامن کشیدن: دامن کھینچنا، گریز کرنا گر نظر داری: اگر تو صاحب نظر/بصیرت ہے جہان دیروزود: مراد یہ دنیا فرداودی: آنے والا کل اور گزرا ہوا کل، مستقبل اور ماضی زاید: جنتا/پیدا کرتا ہے چساں: کس طرح یکے: ذرا، کچھ دیر کے لیے رم پیہم: مسلسل بھاگ دوڑ نہ ای: تو نہیں ہے۔

۵-۸: نماید: ظاہر کرے، دکھائے تاب نامشہود: غیر موجود، جو نظر نہ آئے پردہ بند: پردہ پوش، پردے میں بند دود: دھواں سیر او: اس کی گردش سکوں بیند: سکوں میں دیکھے جوئیش: اس کی ندی بستہ آمد: ست گئی فکر خام: ناپختہ سوچ، ناتجربہ کار سوچ گراں خیز: کاہل، ست، جس کے لیے اٹھنا بوجھل ہو لنگ: لنگڑی مرغ نشیمن ساز: آشیانہ بنانے والا پرندہ۔

۹-۱۲: واماندہ: پڑا ہوا، گرفتار با نواہا: نوا کی جمع، نغموں/چہچوں کے ساتھ ساتھ می زند فریاد: دہائی ڈالتی/ڈالتا ہے از پرش: وہ اپنے پر سے شوید: صاف/درست کرتی ہے دم بدم: ہر لحظہ/پل، ہر لمحہ چارہ خود کردہ: اپنے ہی کیے کا علاج جوید: تلاش کرتی ہے عقدہ ہا: عقدہ کی جمع، گرہیں، گتھیاں، الجھنیں می زند: لگاتی/ڈالتی ہے۔

۱۳-۱۶: پا بگل: کیچڑ میں پھنسے ہوئے پاؤں، مجبور و بے بس، چلنے میں رکاوٹ ہونا تیز گام: تیز رفتار دوبالا: دگنا/دگنی گردوش: اس کا ہو جائے ذوق خرام: چال/رفتار کا ذوق سازہا: ساز کی جمع، راحتیں خوابیدہ: سوئے ہوئے، سوئی ہوئیں زادۂ امروز او: اس کے آج کی پیداوار ہیں مشکل گر: مشکل/مشکلیں پیدا کرنے والی آساں گذار: آسان گذارنے والی نو آفریں: نیا پیدا کرنے والی تازہ کار: نیا/نئے سے نیا کام کرنے والی سراپائش: اس کا وجود، وہ پورے طور پر وطن... گیرد: جگہ/ٹھکانا پکڑتی/کرتی ہے رم: دوڑنا، مراد پرواز۔

۱۷-۲۰: رشتہ ہائے خویش: اپنے دھاگے تند: تنتی ہے تکمہ: ایک گھنڈی گرہ

برخود زند: اپنے اوپر گرہ لگا لیتی / دیتی ہے واکند: کھولتی ہے گردد شجر: درخت بن جاتی ہے از آب و گل: مٹی کے خمیر سے پیدا کند: وجود میں لاتی ہے خلوت: تنہائی گزیند: اختیار کرتی ہے انجمن ہا: محفلیں، رونقیں آفریند: پیدا کرتی / وجود میں لاتی ہے۔

:۲۴-۲۱ ہم چناں: اسی طرح آئین میلاد ام: امتوں / قوموں کے وجود میں آنے کا دستور / انداز آید بہم: اکٹھی ہوتی، سمٹ آتی ہے حلقہ: دائرہ چو: جیسے خطِ او: اس (دائرہ) کی لکیر مضمر: پوشیدہ ربط و نظام: باہمی ربط و ضبط اور تنظیم روزگارش: اس کا زمانہ، اس کی بقا دوام: ہمیشگی رازدار: بھیدی، راز چھپانے والا بیت الحرم: بیت الحرام، وہ جگہ جہاں بعض مباح / جائز باتیں حرام ہیں یعنی کعبہ ساز: مراد ربط و ضبط، میل ملاپ۔

:۲۸-۲۵ پروریم: ہم پرورش پاتے ہیں، بڑھتے پھولتے ہیں ما پیکریم: ہم جسم ہیں تازہ رو: تازگی کا حامل، شگفتہ بستان: بوستان، چمن مزرع: کھیتی آبگیر: پانی حاصل کرنے والی از زمزمش: اس کے زم زم سے تاب دار: روشن، منور استیم ما: ہم ہیں براہین: برہان کی جمع، دلیلیں خلیل: حضرت ابراہیم خلیل اللہ۔

:۳۲-۲۹ بلند آوازہ: بہت / اونچی شہرت والا، بہت اہمیت والا با حدوث ما: ہمارے نئے وجود میں آنے کے ساتھ قدم: پرانا پن، ہمیشگی شیرازہ کرد: باہم ملا دیا ملتِ بیضا: روشن ملت، ملت اسلامیہ / محمدی از طوفش: اس کے طواف سے، اس کے گرد چکر لگانے سے ہم نفس: مل کر / اکٹھے سانس لینے والے، متحد و متفق یکی: ایک ہونا، وحدت بسیاریت: تیری کثرت بند: بندھن خود داریت: تیری خودداری، تیرا خود کو ناپسندیدہ کاموں سے بچا کے رکھنا پیوندِ حریے: یعنی بیت الحرام / کعبہ سے وابستگی زندہ ای: تو زندہ ہے پایندہ ای: تو جاوداں ہے۔

:۳۵-۳۳ جانِ امم: قوموں کی روح / وجود و بقا جمعیت: بہت سے لوگوں کا ایک جگہ اکٹھے ہونا، مراد پوری قوم کا ایک مرکز پر جمع ہونا درنگر: دیکھ، غور سے دیکھ مآل: انجام امتِ موسیٰ: حضرت موسیٰ کی قوم، یہودی عبرتے... بگیر: عبرت حاصل کر داد... ز دست: ہاتھ سے دے دیا، چھوڑ دیا رشتہ جمعیت

ملت: قوم کی جمعیت کا ربط وضبط شکست: ٹوٹ گیا، ختم ہو گیا۔

۳۶-۳۹: بالید: بڑھی پھولی، پرورش پائی رسل: رسول کی جمع، بہت سے رسول/نبی دانندہ: جاننے والا اسرارِ کل: کل کے راز/حقیقتیں، صوفیا کے نزدیک کل سے مراد خدا جو واحد اور معبودِ مطلق ہے دہر: زمانہ سیلی: تھپڑ بنا گوشش: اس کے کان کی لو کشید: مارا، رسید کیا چکید: ٹپک پڑی ریشہ ہائے تاک: اس کی انگور کی بیل کی جڑیں بید مجنوں: ایک قسم کا درخت جس کی ٹہنیاں جھکی ہوئی اور افسردہ رہتی ہیں از گل غربت: اجنبیت/مرکز سے دوری کے باعث زباں گم کردہ ے: اس کی زبان گنگ ہوگئی (زبان گم کرنے والا/والی) ہم: بھی نوا: چہچہاہٹ۔

۴۰-۴۵: شمع مرد: شمع بجھ گئی نوحہ خواں: ماتم کرنے والا مشت خاکم: مراد میرا جسم لرزد: کانپتا ہے جورِ گردوں: آسمان کا ظلم وستم خستہ تن: زخمی جسم والا اسیر التباس: شک کا قیدی، شک کا شکار ظن: گمان، شبہ پیرہن: لباس جامہ احرام: وہ ان سلا لباس جو حج کے دنوں میں مقررہ مقام پر، سلے ہوئے کپڑوں کی بجائے پہنا جاتا ہے، وہاں ان تمام جائز چیزوں کو اپنے اوپر حرام کرنے کی نیت کر لینا جو اس موقع پر حرام کردی گئی ہیں غرق..شو: ڈوب جا، محو ہو جا آنچناں: اس طرح، اس حد تک یکسر: مکمل طور پر مسلم پیشیں: پہلے/گذشتہ مسلمان نیازے آفرید: عاجزی و بندگی کو جنم دیا/اختیار کی نازِ عالم آشوبے: دنیا کو ہلا کے رکھ دینے والا ناز، دنیا میں انقلاب پیدا کر دینے والا ناز خست: زخمی کر لیا۔

در معنی ایں کہ جمعیت حقیقی از محکم گرفتن نصب العین ملیہ است و نصب العین امت محمدیہ حفظ و نشر توحید است

محکم گرفتن: مضبوطی سے تھامنا حفظ: حفاظت، تحفظ نشر: اشاعت، پھیلانا نصب العین: اصل مقصد۔

۱-۴: آموزم: میں سکھاتا ہوں   اعمال: عمل کی جمع کارروائیاں، کام، معمولات   ربطِ مدعائے: کسی مقصد سے تعلق/ لگاؤ   بستہ شد: بندھ گئی، وابستہ ہو گئی   مطلع برجستہ: بالکل بے ساختہ/ برمحل مطلع (مطلع کسی غزل یا قصیدے کا پہلا شعر)   گردد: بن جائے   مہمیز: گھوڑے کو ایڑ لگانے کی چیز، جس سے وہ تیز دوڑنے لگتا ہے   صرصر: آندھی   می رود: دوڑے گا   شبدیز: کالے رنگ کا گھوڑا، خسرو پرویز (قدیم ایرانی بادشاہ) کے گھوڑے کا نام   سیمابِ قوائے زندگی: زندگی کی قوتوں کا پارہ۔

۵-۸: محرم شود: واقف/ آگاہ ہو جاتی ہے   ضابطہ: محافظ   خویشتن را: خود کو   تابعِ مقصد: مقصد کے تحت (اس کے مطابق چلتی ہے)   چیند: چنتی ہے   گزیند: پسند کرتی ہے   رو کند: رد کرتی/ جھٹلا دیتی ہے   ناخدا: ملاح   یم روی: سمندر میں چلنا (کشتی چلانا)   اختیارِ جادہ ہا: راستوں کو اختیار کرنا، ان پر چلنا   طوف: چکر لگانا۔

۹-۱۳: قیس: مجنوں (قیس عامری، لیلیٰ کا عاشق)   در صحرا ستے: صحرا میں ہے   مدعایش: اس کا مقصد   تا: جب تک   شہر آشنا: مراد شہر میں رہنے والی (مقصد کا نہ ہونا)   برنمی خیزد: نہیں اٹھیں گے   کیف و کم: کیسا/ کیا اور کتنا، مراد وجود، یہ مادی عالم   پذیرد: قبول کرتا ہے   سعیِ حصولِ مدعا: مدعا/ مقصد حاصل کرنے کے لیے کی گئی کوشش   تف: گرمی   سوزد: جلاتی ہے   اندوزد: حاصل کرتی ہے۔

۱۴-۱۹: کو: کہ او، کہ وہ   جاذبِ ہر قوت: ہر قوت کو جذب کر لینے/ کھینچ لینے والا   جنباند او: وہ چلاتا ہے، حرکت میں لاتا ہے   گرداند او: وہ گھماتا/ پھراتا ہے   شاہد: محبوب، معشوق   طائف: چکر لگانے والا   خوش نوائے: ایک اچھا نغمہ/ شعر   نغمہ سازِ قم: قم کا نغمہ ساز (نغمہ بنانے والا) مراد شاعر، اشارہ ہے ملک قمی کی طرف جو ایران کے شہر قم میں پیدا ہوا۔ کاشان اور قزوین میں رہا اور آخر ۹۸۷ھ/ ۱۵۷۹ء میں قزوین سے دکن (برصغیر) پہنچا۔ یہاں احمد نگر میں مرتضیٰ نظام شاہ اور بعد ازاں برہان شاہ نے اسے انعام و اکرام سے نوازا۔ پھر والیِ بیجاپور ابراہیم عادل شاہ کے دربار سے وابستہ ہو گیا۔ ۱۰۲۴ھ/ ۱۶۱۵ء میں فوت ہوا۔ علامہ نے اپنے آیندہ دو شعروں میں اس کے مشہور شعر کا گویا ترجمہ کر دیا

ہے (شعر متن میں دیکھیے) زخمہ معنی: حقیقت کی مضراب تا کشد: جب تک نکالے کف پا: پاؤں کا تلوا رہ سپر: راستہ طے کرنے والا، چلنے والا بقدر یک نفس: ایک لمحے کے لیے بھی صد فرسنگ: سینکڑوں کوس۔

۲۰-۲۳: کہن پیکر: پرانا وجود ز امتزاج امہات: مراد عناصر کی آمیزش/ اختلاط سے (عناصر: آب و آتش، خاک و باد، عناصر چہارگانہ) اندام: جسم نیستاں: نے ستاں، سرکنڈوں/ بانسوں کا جنگل کاشت: بوئے رست: اگا، پھوٹا خوں کرد: مٹا ڈالے نقشہا آورد: مراد اس نے کئی نقش (تصویریں) بنائے افگند: زمین پر دے مارے شکست: توڑ ڈالے لوح زندگی: زندگی کی تختی نقش تو بست: تیری تصویر بنائی، تیرا وجود پیدا کیا کشت: کھیتی کاریدہ است: اس نے اگائے/ بوئے ہیں بالیدہ است: ابھری ہے۔

۲۴-۲۷: پیکار: جنگ، لڑائی احرار: حر کی جمع، آزاد لوگ خداوندانِ باطل: جھوٹے آقا یا معبود، مراد بت کار واشت: سروکار رکھا اندر گل نشاند: مٹی میں بویا، انسانی جسم میں بویا باز بانت: تیری (مسلم کی) زبان سے خواند: پڑھا نقطہ: مرکز ادوار: دور کی جمع، گردشیں، زمانے گروندگی: گردش پایندگی: ثبات، ہمیشگی، استحکام رخشندگی: چمک، روشنی۔

۲۸-۳۱: آفرید: پیدا کیا/ کیے تاب: طاقت تپید: تڑپی، لہرائی، اٹھی مشت پر: پروں کی مٹھی، تھوڑے سے پر خفتہ: سوئے ہوئے جوید ت: تجھے تلاش کرتا ہے زخمہ ور: مضراب والا۔

۳۲-۳۴: صد نوا داری: مراد تجھ میں سینکڑوں سر موجود ہیں، اہلیتیں ہیں خیز: اٹھ راز بود تست: تیری بقا/ ہستی کا راز ہے نشر: اشاعت، پھیلانا تا: جب تک بانگ حق: حق کی آواز نیاسائی دے: ایک لحہ/ پل بھی آرام سے نہ بیٹھ۔

۳۵-۴۰: می ندانی: تو نہیں جانتا، مراد کیا تجھے علم نہیں؟ ام الکتاب: قرآن مجید امت عادل: عدل و انصاف کرنے والی قوم، سورہ بقرہ، آیہ ۱۴۳ کی طرف اشارہ ہے ''اور اس طرح ہم نے تمھیں ایک عادل امت بنا دیا ہے تا کہ تم گواہ رہو۔ لوگوں پر اور رسول گواہ رہیں تم پر۔'' آب و تاب: چمک دمک ایام: مراد زمانہ شاہد علی الاقوام: قوموں پر گواہ (وہی مذکورہ آیت کا حوالہ) نکتہ سنجاں: نکتہ سنج

کی جمع، باریک بین، نکتہ دان، دانا بینا لوگ صلائے عام: عام دعوت/ آواز امیؐ: ایک امیؐ، مراد حضور اکرمؐ جو نا خواندہ تھے، حضورؐ کا لقب ھویٰ: خواہش، چاؤ ما غویٰ: سورۂ النجم آیت ۳ کی طرف اشارہ ہے: "تمہارے صاحب، یعنی حضور اکرمؐ نہ گمراہ ہیں اور نہ کج رو ہیں" وانمود: ظاہر کر دیے تقویم حیات: زندگی کی جنتری، مراد زندگی پاک شست: پوری طرح/ صاف دھو ڈالیں آلودگی ہائے کہن: پرانی آلودگیاں/ غلاظتیں۔

۳۱-۳۵: وابستہ دینش: حضورؐ کے دین (اسلام) سے وابستگی کتابش: اس (حضورؐ) کی کتاب یعنی قرآن کریم تیز تر نہ پا: پاؤں تیز تیز اٹھا، خوب تیز چل پیکرے: ایک وجود/ بت طرح آزری: بت پرستی و بت تراشی کی بنیاد (اصل مثنوی میں ذ کے ساتھ ہے جو غلط ہے، آذر بمعنی آگ ہے) حضرت ابراہیمؑ کے والد جو بہت بڑے بت پرست اور بت تراش تھے، اسی حوالے سے آزری کہا انداخت است: ڈالی ہے تازہ تر پروردگارے: ایک بالکل نیا بت/ معبود ساخت است: بنایا ہے کاید: کہ آید، کہ وہ آتا ہے، اسے حاصل ہوتی ہے خون ریختن: خون گرانا، قتل، دوسروں کو قتل کرنا طرب: خوشی و مسرت نسب: خاندان کا سلسلہ، نسل، قبیلہ۔

۳۶-۵۱: آدمیت کشتہ شد: مراد انسانیت بھینٹ چڑھادی گئی بت نا ارجمند: بے وقعت بت خوردتی: تو نے پی ہے صہبائے خلیلؑ: حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی شراب، مراد ملت اسلامیہ جس کی بنیاد حضرت ابرہیم نے رکھی باطل حق پیرہن: ایسا باطل جس نے حق کا لباس پہن رکھا ہے، خود کو حق ظاہر کرنے والا جھوٹ "لاموجود الاھو": اس/ اللہ کے سوا اور کوئی موجود نہیں، صرف اللہ ہی کی ذات کو بقا ہے باقی سب کچھ فانی ہے بزن: مار، چلا تاریکی ایام: زمانے کی تاریکی کامل آمد: مکمل ہوا/ ہوئی لرزم: میں کانپتا/ ڈرتا ہوں روز شمار: روز حساب/ قیامت پرسدت: تجھ سے پوچھے، حضور اکرمؐ پوچھیں آبروئے روزگار: زمانے کی آبرو، حضور اکرمؐ حضرت: بارگاہ، دربار بردہ ای: تو لے گیا ہے نسپردہ ای: کیوں حوالے نہیں کیا، کیوں نہیں پہنچایا۔

در معنی ایں کہ توسیع حیات ملیہ از تسخیر قوائے نظام عالم است

توسیع: پھیلاؤ، وسعت تسخیر: تصرف میں لانا، مسخر کرنا قوا: قوت کی جمع۔

۱-۶: نادیدہ: جو نظر نہ آئے، اَن دیکھا پیماں بستہ ای: تو نے عہد کرلیا، پیمان باندھ لیا ہے رستہ ای: تو آزاد ہو گیا ہے، نجات پا گیا ہے خیز: اٹھ دل بغایب بند: غایب سے یعنی خالق کائنات/ خدا سے لگا ستیز: لڑ، الجھ ہستی حاضر: کائنات کا وجود دیباچہ: تمہید، آغاز ماسوا: اللہ کے سوا جو کچھ ہے، یہ ساری کائنات عرضہ تیر: تیر کا نشانہ کن حق: ارشاد خداوندی کی طرف اشارہ ہے "جب میں نے دنیا کو پیدا کرنا چاہا تو میں نے "کن" (یعنی ہو جا) کہا اور "فیکون" (بس وہ ہو گئی) سنداں گذار: اہرن میں سے گزر جانیوالا گرہ اندر گرہ: مراد بہت سے الجھاؤ/ گرہیں کشودن: کھولنا، سلجھانا فرہ: باعث۔

۷-۱۱: غنچہ ای؟: کیا تو کلی ہے؟ یعنی اگر تو کلی ہے تعبیر کن: عبارت کر یعنی سمجھ، خیال کر شبنمی: کیا تو شبنم ہے، اگر تو شبنم ہے کار شگرف: انوکھا/ عجیب کام گداز: پگھلا دے گرے: ایک گرم پھونک شیر برف: برف کا شیر، سرد ملکوں میں بچے پہاڑ پر پڑی برف سے شیر بناتے ہیں جسے دیکھ کر گھوڑے اور دوسرے جانور بدک اٹھتے ہیں محسوسات: محسوس کی جمع، مراد کائنات، دنیا قدسیاں: قدسی کی جمع، فرشتے سینہ خست: سینہ زخمی کر دیا سر فتراک بست: فتراک میں سب سے اوپر باندھا عقدہ محسوس: کائنات کی گتھی کشود: کھولی، سلجھائی موجود: مراد کائنات آزمود: آزمایا۔

۱۲-۱۵: تختۂ تعلیم: مراد سیاہ تختہ، بلیک بورڈ ارباب: جمع رب، مالک، والے ارباب نظر: صاحبان بصیرت خفتہ ای: تو سویا ہوا ہے دوں: گھٹیا، حقیر، پست گفتہ ای: تو نے کہا ہے، تو کہتا ہے خیز: اٹھ واکن: کھول دیدہ مخمور: خمار زدہ آنکھیں مخواں: مت کہہ عالم مجبور: یہ کائنات (مسئلہ جبر و اختیار کے حوالے سے مجبور کہا) غایتش: اس (عالم کی تخلیق) کا مقصد ممکنات: ممکن کی جمع، جو باتیں ہو سکیں، مراد طاقتیں، قوتیں۔

۱۶-۲۰: دوراں: زمانہ برتنت: تیرے جسم پر سنگ زورے: مگدر کی ایک قسم،

ایرانی پہلوانوں کی اصطلاح میں وہ پتھر جو وہ سر اور کندھوں کے اوپر گھماتے ہیں ریش کن: زخمی کر استخوان: ہڈیاں شمرد: مراد قرار دیا ہے جلوہ اش: اس کی تجلی/نظارہ نقد: نقدی، سکہ عیار: کسوٹی، پرکھ گیر: پکڑ، قابو پالے۔

۲۱-۲۵: دُلدل: خار پشت (حضرت علیؓ کے گھوڑے کا نام) یہاں بمعنی گھوڑا اندیشہ ات: تیری فکر/سوچ طوطی پرست: طوطے کے سے پروں والا گامش: اس/جس کا قدم آسماں پہناور: آسمان کی سی وسعت والا می راندش: اس کو ہانکتی ہے گردوں سپر: آسمان کو طے کرنے والا گرداندش: اسے بنا دیتی ہے ذوفنونی ہائے تو: تیری ہر فن مولائیاں (تیرا بہت سے ہنروں پر قادر ہونا) گرود تمام: تکمیل کو پہنچے تنگی ات: مراد تیرا محدود ہونا پہنا پذیرد: وسعت پائے اندام گیرد: آراستہ ہو احتیاج: ضرورت۔

۲۶-۲۹: اسوار کن: سوار کر جمازہ: اونٹنی مہار کن: نکیل ڈال، مطیع کر آب گوہر: موتی کی چمک برآر: باہر لا، نکال پوشیدہ اند: چھپے ہوئے ہیں دیدہ کن: دیکھا ہوا کر یعنی اسے سامنے لے آ، وہ ایسی چیز بن جائے جو دیکھی ہوئی ہو نادیدہ: اَن دیکھا وانما: دکھا، ظاہر کر اسرار نافہمیدہ: نہ سمجھے ہوئے بھید (جو سمجھے نہیں گئے یا اب تک نہیں سمجھے جا سکے)

۳۰-۳۴: تابش: چمک عالم تاب: دنیا کو روشن کرنے والا طاق افروز: طاق کو روشن کرنے والی ثابت: وہ ستارے جو گردش نہیں کرتے، ایک ہی جگہ پر قائم رہتے ہیں سیارہ گردوں وطن: آسمان پر ٹھکانا کرنے والے سیارے (سیارہ: گردش کرنے والا ستارہ) خداوندان: خداوند کی جمع، معبود اقوام کہن: قدیم قومیں آغوش تو اند: تیری کنیز/لونڈیاں ہیں خواجہ: کلمہ تخاطب اے میاں، اے جناب پیش خیز: نوکر، خدمتگار حلقہ در گوش تو اند: تیرے غلام ہیں، قدیم زمانے میں آقا اور غلام میں فرق کرنے کے لیے غلام کے کان چھید کر حلقہ ڈال دیا جاتا تھا جستجو: تلاش، کاوش، تجسس انفس و آفاق: باطنی دنیا اور ظاہری دنیا اشیاء: شے کی جمع، مراد جو کچھ اس کائنات میں ہے۔

۳۵-۳۸: تا: تاکہ، اس خاطر کہ نصیب: حصہ، بہرہ ناتواں: کمزور، ضعیف یعنی فانی انسان توانائیاں: توانا کی جمع، طاقتور، قوی صورت ہستی: موجودات/

کائنات کا ظاہر معنی: حقیقت سادہ: مراد عاری کہن ساز: پرانا ساز، یعنی یہ کائنات از نوا افتادہ نیست: آواز سے محروم/ خالی نہیں ہے برق آہنگ: بجلی کی آواز/ لے والا ہشیارش زنند: اسے صاحبان دانش و شعور چھیڑتے/ بجاتے ہیں خطاب انظری: تو دیکھ کا مخاطب (قرآن کریم میں یہ لفظ ''انظر'' کئی مقامات پر آیا ہے) یعنی غور کر کوراں: کور کی جمع، اندھے، نابینا۔

۳۹-۴۳: خود فروزی: خود کو روشن/ منور کرنے کا عمل محرم: واقف، آگاہ در رود: یعنی اتر جاتا ہے جوہرش: اس کی اصل مقتن: توجہ نہ کر، متوجہ نہ ہو کمند انداخت است: کمند ڈالی ہے، تسخیر کیا ہے مرکب: سواری بہ پرواز آورد: اڑتا ہے، پرواز میں لاتا ہے۔

۴۴-۴۷: خرت: تیرا گدھا رو دشوار زیست: زندگی کا دشوار راستہ پیکار: کشمکش، لڑائی ہمرہانت: تیرے ہمراہی/ ساتھی، دوسرے انسان مراد دوسری یا یورپی قومیں پے بہ منزل بردہ اند: مراد منزل پر پہنچ چکے ہیں لیلیٰ معنی: حقیقت کی لیلیٰ بردہ اند: لے گئے ہیں آوارہ ای: بیکار پھر رہا ہے خستہ ای: تو تھکا ماندہ ہے بیچارہ ای: تو بے بس ہے علم اسماء: سورہ بقرہ، آیہ ۳۱ میں ارشاد ہے: ''اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو سب چیزوں کے اسماء کا علم دے دیا، پھر وہ چیزیں فرشتوں کے سامنے رکھ کر فرمایا، تم مجھے ان چیزوں کے اسماء (یعنی مع ان کے آثار اور خواص کے) بتاؤ، اگر تم سچے ہو۔'' اعتبار آدم: آدم/ انسان کے لیے آبرو حصار: قلعہ۔

در معنی ایں کہ کمالِ حیاتِ ملّیہ این است کہ ملّت مثل فرد احساسِ خودی پیدا کند و تولید و تکمیل ایں احساس از ضبط روایاتِ ملّیہ ممکن گردد

تولید: پیدا ہونا ضبط روایات ملیہ: قومی روایتوں کی پابندی/ حفاظت۔

۱-۴: کودکے را: ایک یا کسی بچے کو بالغ نظر: شعور رکھنے والا کو: کہ او، کہ وہ ناشناس: انجان، ناواقف برگیرد عناں: لگام پکڑ لے، اپنے قابو میں لے

آئے   مامک پرست: امی/ماں کا شیفتہ   گریہ مست: رونے میں مست
شیر مست: دودھ پینے میں مست   خواب مست: سونے میں مست
زیر و بم: نیچے/نچلے اور اونچے سر/نغمے   درگیر: اثر لینے والے   شورش
زنجیر: کنڈی کا کھڑکا۔

۵-۸: دوشیزہ: جسے ہاتھ نہ لگا ہو، مراد پاکیزہ   سرمایہ پندار: خیال کی پونجی   چرا:
کیوں   چوں: کس طرح، کیسا   کے: کب   کجا: کہاں   نقش گیر: اثر قبول
کرنے والا/والی   اندیشہ اش: اس کی سوچ   غیر جوئی: غیر کی تلاش، یعنی
اپنی بجائے دوسروں کی طرف توجہ   غیر بینی: غیر یا دوسروں کو دیکھنا   پیشہ اش:
اس کا شغل   از دنبال: پیچھے سے   آشفتہ: پریشان۔

۹-۱۲: فکر خامش: اس کی ناپختہ سوچ   ہوائے روزگار: زمانے کی فضا   پرکشا: پر
کھولے ہوئے   باز نو شکار: نیا نیا شکار کرنے والا باز، جس نے نیا نیا شکار کرنا
سیکھا ہو   بگذاردش: اسے (فکر کو) چھوڑتا ہے   می آردش: اسے لے آتا
ہے   گل فشاند: پھول جھاڑتی ہے   زر چک: پھلجھڑی (آتش بازی کی ایک
مشہور قسم)   چشم گیرائش: اس کی پرکشش آنکھیں   فتد: پڑتی ہے/ہیں
دستکے: ایک ہاتھ (دستک: دست کی تصغیر)

۱۳-۱۶: شناسائش کند: اسے واقف/شناسا کرتی ہے، متعارف کراتی ہے   سفتہ ایامش:
اس کے دن پورے ہوئے   از پے یک دیگر: ایک دوسرے کے آگے پیچھے، تسلسل
کی حالت میں   کاہد: کم ہوتی، گھٹتی ہے   افزاید: بڑھتی ہے   گلش: اس کی
مٹی/عمر، اس کا بدن   من ہما ستم: میں وہی ہوں   نوزادہ: نئی پیدا شدہ۔

۱۷-۲۰: نوزادہ: نئی نئی وجود میں آئی ہوئی   طفلکے: ایک طفل/بچہ (طفلک میں ک تصغیر
کا ہے)   کنار: گود   نا آگہے: ناواقف   آلودۂ خاک رہے: راستے کی
مٹی سے بھرا/اَٹا ہوا   بستہ: متعلق، وابستہ   فرداش: اس کا فردا   در پاش:
اس کے پاؤں میں   مردم: آنکھ کی پتلی   بینندہ: دیکھنے والا۔

۲۱-۲۴: واکند: سلجھاتی/کھولتی ہے   تا: جب کہیں، پھر   گرم چوں افتد: جب وہ
مستعد ہو جاتی ہے   بر دارد: مراد بگڑتے ہیں، بیکار ہو جاتے ہیں   اندازد:
بنتے ہیں   سرگذشت: جو کچھ گذر چکا، ماضی (جو کچھ کسی پر بیتے)   پیوند ایامش:

اس کا اپنے زمانے/ماضی سے تعلق گسیخت: وہ توڑ لیتا/منقطع کر لیتا ہے
شانہ: کنگھی ادراک: شعور دندانہ ریخت: دندانے گر جاتے ہیں۔

۲۵-۲۸: سوادِ سرگذشت: ماضی کی روشنائی، ماضی سے ربط و تعلق از یادش رود: اس کی یاد سے محو ہو جائے، وہ بھول جائے نیستی: فنا نسخۂ بود ترا: تیرے وجود کی کتاب ربطِ ایام: زمانے سے تعلق، ماضی سے ربط شیرازہ بند: جز بندی کرنے والا، بکھرے افراد کو اکٹھا کرنے والا پیرہن: لباس سوزنش: اس کی سوئی۔

۲۹-۳۲: چیست: کیا ہے مردِ رہ: فعال آدمی، جو مقصد تک رسائی کے لیے ہر طرح کی رکاوٹوں سے ٹکرا کر آگے بڑھتا چلا جائے آشنائے کار: مراد عمل اور جدوجہد سے واقف سرمایہ تاب: جوش پیدا کرنے کا باعث برفسانت: تجھے سان پر می زند: لگاتا ہے/لگاتی ہے، چلا دیتی ہے یعنی غلبہ عطا کرتی ہے۔

۳۳-۳۶: جان نگار: روح کو آراستہ کرنے والا، روح پرور نغمہ ہائے رفتہ: ماضی کے نغمے/احوال شعلۂ افسردہ: بجھی ہوئی لو/آنچ دوش: گذرا ہوا کل، ماضی امروز: آج، زمانۂ حال امشب: آج کی رات، زمانہ حال دیشب: گذری ہوئی رات، ماضی چشمِ پرکارے: کسی بالیاقت کی آنکھ جو، بالیاقت آنکھ جو باز آفریند: پھر پیدا/زندہ کرتی ہے۔

۳۷-۴۰: بادۂ صد سالہ: سو سالہ یعنی بہت پرانی شراب جو بڑی مہنگی اور نشہ آور ہوتی ہے (ماضی کی بے حد اہمیت کو اس استعارے میں بیان کیا ہے) پارینہ: گذرے ہوئے دنوں/ماضی کی صید گیرے: ایک یا ایسا شکاری پرید: اڑا، اڑ گیا تھا ضبط کن: نگہبانی کر، قابو میں لا پایندہ شو: ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی پا جا، جاوداں ہو جا نفسہائے رمیدہ: بھاگے ہوئے سانس، مراد گذشتہ روایات پیوند کن: مربوط کر، باہم ملا دے مرغِ دست آموز: پالتو پرندہ، سدھایا/ہلایا ہوا پرندہ

۴۱-۴۴: رشتۂ ایام را: ایام کے دھاگے کو، مراد زمانوں (ماضی و حال) کے باہمی ربط کو آور بدست: یعنی قائم رکھ روزکور: دن کا اندھا جسے دن میں کچھ نظر نہ آنے کا مرض لاحق ہو، غافل شب پرست: جسے تاریکی سے لگاؤ ہو سر زند: مراد وجود میں آتا ہے استقبال: مستقبل مشکن: مت توڑ حیاتِ لازوال: حیاتِ جاوید ادراکِ تسلسل: مراد زمانوں کے باہمی ربط کا شعور

شورِ قلقل: صراحی کے منہ سے شراب گرنے کی آواز۔

در معنی ایں کہ بقائے نوع از امومت است و حفظ و احترامِ امومت اصل اسلام است

بقائے نوع: مراد بنی نوع انسان کی بقا امومت: ماں ہونا (Motherhood)
اصل: بنیاد

۱-۴: دو بالا: دگنا، زیادہ نیاز: عاجزی، انکسار ناز: عظمت، بڑائی پوشش: لباس، پوشاک، قرآنی آیت کی طرف اشارہ ہے حسن دلجو: مراد دلکش حسن پروردہ: پالا ہوا، نشوونما پایا ہوا نازد: فخر/ناز کرتی ہے آنکہ: وہ جس کے، مراد حضور اکرمؐ کے طیب وصلوٰۃ: حضور اکرمؐ کی اس حدیث کی طرف اشارہ ہے ''مجھے تمہاری دنیا میں تین چیزوں سے رغبت ہے، خوشبو، نماز اور نسا/عورت''

۵-۸: پرستار شمرد: کوئی لونڈی/کنیز سمجھا بہرہ ے: کوئی یا کچھ حصہ نیک: اچھی طرح، بغور زانکہ: اس لیے کہ صورت گر: تشکیل کرنے والی خط سیمائے او: اس کی پیشانی کی لکیر۔

۹-۱۳: فرہنگ: عقل، شعور معنی رسے: کسی بات کی تہ تک پہنچنے والی، حقیقت کو پا جانے والی کن فکاں: ارشادِ خداوندی کی طرف اشارہ ہے: ''جب اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پیدا کرنا چاہا تو فرمایا ہو جا اور وہ ہو گئی'' امہات: ام کی جمع، مائیں تکریم ارحام: مراد ماؤں کی عزت و تعظیم کرنا، ادب کرنا کشف: ظاہر ہونا، روشن/واضح ہونا پیچ و تاب: بل کھانا، لہریں اٹھنا گرداب: بھنور حباب: بلبلا، بلبلے۔

۱۴-۱۸: دخ رستاق زادے: ایک دیہاتی گنوار لڑکی پست بالائے: ٹھگنے قد والی سطبرے: موٹی، فربہ بدگلے: بدصورت ناتراشے: بے تمیز، بے ادب، غیر مہذب پرورش ناداوہ ے: جس کی صحیح معنوں میں تربیت نہ ہوئی ہو کم نگاہے: غافل، بے پروا کم زبانے: کم بولنے والی یا وہ جو ہر حکم بجا لائے اور

کوئی عذر معذرت نہ کرے ساد ہ ے: مراد سادہ طبع آلام: الم کی جمع، دکھ، مصیبتیں حلقہ ہائے نیلگوں: نیلے حلقے ز آغوشش: اس کی آغوش/گود سے عالم فروز: دنیا کو روشن کرنے والی۔

۱۹-۲۴: واں: اور وہ (عورت) تہی آغوش: جس کی گود میں کوئی بچہ نہ ہو، خالی گود نازک پیکرے: ایک نازک اندام، نازک جسم والی خانہ پرورد: لونڈی محشرے: ایک قیامت تابِ مغرب: مراد یورپی تہذیب (تاب: چمک، روشنی) نازن: عورت نہ ہونا، عورت پن سے محروم ہونا گسیخت: توڑ ڈالے عشوہ ہا حل کردہ: محاورے میں بمعنی آشکارا/بے محل غمزے/نخرے ریخت: گرائے، کیے شوخ چشم: ڈھیٹ، بے حیا فتنہ زا: فتنے پیدا کرنیوالی بارِ اموست: اموست کا بوجھ برنتافت: برداشت نہ کیا، اٹھانہ سکی نتافت: نہ چمکا نارستہ: نہ اگا ہوا، نہ کھلا ہوا شستہ: دھلا ہوا۔

۲۵-۲۹: لاالہ گویاں: لا الہ کہنے والے، کلمہ گو ظلامِ روزگار: زمانے کی تاریکی پانبردہ: پاؤں نہیں نکالے سوادِ کیف وکم: یعنی مادی دنیا کی حدود مضمر: پوشیدہ، چھپی ہوئی ظلمتِ موجود: وجود کی تاریکی، وجود کی پوشیدگی نامشہود: ان دیکھی ناخستہ ے: جو زخمی/مجروح نہ ہوئی ہوں/نہ ہوئے ہوں بردمد: پھوٹتا ہے، پھوٹے گا لالہ زارِ ممکنات: موجودات کا لالہ زار/باغ ریاضِ امہات: ماؤں کا باغ خیابان: کیاری۔

۳۰-۳۲: صاحب نظر: دانا و بینا انسان قماش: ایک قسم کا ریشمی کپڑا، گھر کا ساز و سامان سیم و زر: چاندی اور سونا، دولت تردماغ: فہم و شعور رکھنے والا، دانشمند سخت کوش: بہت جدوجہد/محنت کرنے والا چاق: ہوشیار چست: پھرتیلا، تیزی سے کام کرنیوالا رمزِ اخوت: بھائی چارے کی حقیقت/کا نکتہ مادراں: مادر کی جمع، مائیں۔

در معنی ایں کہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراؓ اسوۂ کاملہ ایست برائے نساء اسلام

ۃ النسا عو تو کی ا حضور اکرمؐ کی دختر ارجمند حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا

لقب اسوۂ کاملہ ایست: ایک مکمل نمونہ ہیں نساء: عورتیں۔

1-5: مریمؑ: حضرت مریمؑ جو حضرت عیسیٰ کی والدہ محترمہ تھیں عزیز: گرامی، قدرو منزلت والی نورِ چشم: آنکھوں کا نور، مراد دختر/ بیٹی رحمۃ اللعالمین: حضور اکرمؐ کا لقب، حضور کو جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا امام: پیشوا، نبیؐ پیکرِ گیتی: زمانے/ کائنات کا جسم/ جسد دمید: پھونکی روزگارِ تازہ آئیں: ایسا زمانہ جس کا قانون/ شرع اور دستور نیا ہو آفرید: پیدا کیا، وجود میں لائے بانو: زوجہ، بیوی ''ھل اتیٰ'': سورہ ''الدہر'' کی پہلی آیت کی طرف اشارہ ہے: ''کیا انسان پر کوئی زمانہ ایسا آیا ہے کہ وہ کوئی چیز نہ تھا۔'' حضرت علیؓ اس آیت کے مصداق تھے مرتضیٰ: پسند کیا گیا، حضرت علی کا لقب کلبہ ے: ایک چھوٹا گھر ایوان: محل حسام: تلوار زرہ: لوہے کی کڑیوں سے بنی ہوئی ایک پوشاک جو لڑائی کے وقت جسم پر پہنتے تھے تاکہ دشمن کا تیر وغیرہ اثر نہ کر سکے، جوشن۔

6-9: مرکزِ پرکارِ عشق: عشق کی پرکار کا نقطہ (جس کے گرد پرکار گھمائی جاتی ہے، اس لحاظ سے وہ مرکز ہے) کارواں سالار: قافلے کا رہنما/ سردار، مراد حضرت امام حسنؓ جنھیں حضور اکرمؐ نے ''یہ میرا بیٹا سردار ہے'' کہہ کر پکارا تھا شبستان: رات گذارنے کی جگہ، تنہائی کی جگہ، حرم سرا جمعیت: مراد اتحاد و یک جہتی خیر الامم: امتوں میں سب سے اچھی امت، امت مسلمہ نشیند: بجھ جائے پیکار و کیں: لڑائی اور دشمنی پشت پا زد: یعنی ٹھکرا دیا تاج و نگیں: دونوں حکمرانی کی علامتیں ہیں، مراد حکومت و اقتدار ابرار: بر کی جمع، پرہیزگار/ متقی لوگ احرار: حر کی جمع، آزاد لوگ۔

10-14: حریت آموز: آزادی سیکھنے والے جوہر: کمال، خوبی مزرعِ تسلیم: خود کو سپرد کرنے کی کھیتی، یعنی دوسرے کی یا خدا کی رضا پر راضی ہونا بتول: پارسا، پاک دامن حضرت فاطمہؓ کا لقب بہرِ محتاجے: ایک محتاج انسان کے لیے آں گونہ: کچھ اس طرح، اس حد تک سوخت: جل گیا، انہیں دکھ پہنچا یہودے: ایک یہود/ یہودی نوری: مراد فرشتے آتشی: مراد جن و پری فرماں برش: اس/ ان ہی کا حکم ماننے والے۔

15-19: ادب پروردہ: جسے سلیقہ سکھایا گیا ہو آسیا گرداں: چکی چلانے والی لب

قرآن سرا: قرآن پڑھنے والے ہونٹ بالیں: سرہانا، تکیہ گوہر افشاندے: موتی یعنی آنسو بکھیرتیں بدامانِ نماز: نماز کی جھولی میں، نماز میں برچید: چن لیے، اٹھا لیے ریخت: گرائے پاس: لحاظ، خیال گردیدے: میں پھرتا، میں چکر کاٹتا پاشیدے: میں چھڑکتا/کرتا۔

خطاب بہ مخدراتِ اسلام

مخدرات: مخدرہ کی جمع، پردہ نشین عورتیں۔

۱-۵: روایت: تیری چادر ناموس: شرف و آبرو، لاج تابِ تو: تیری چمک فانوس: قندیل طینت: فطرت، سرشت اساس: بنیاد کودک: بچہ شست: دھوئے آموختی: تو نے سکھایا نخست: پہلے می تراشد: تراشتی یعنی سنوارتی ہے اطوارِ ما: ہمارے طور طریقے، ہماری روشیں، ہمارا چال چلن درسحابت: تیرے بادل میں آرمید: آرام کر رہی تھی، پوشیدہ تھی جبل: پہاڑ رشید: چکی تپید: تڑپی یعنی کڑکی۔

۶-۱۰: ترفروش: بدباطن، جو خود کو اچھا قرار دے لیکن درحقیقت نہ ہو پرفن: عیار، مکار کور: اندھی یزداں ناشناس: خدا کو نہ پہچاننے والی زنجیری: اسیر پیچاک: مراد زلف گرہ گیر ناپرواستے: بے توجہ ہے، شوخ، حیا سے عاری گیراستے: پکڑنے والا ہے، قابو کر لینے والا ہے خواند: مراد سمجھتا ہے کشتہ او: اس کا مارا ہوا۔

۱۱-۱۶: آب بند: سیراب کرنے والی توئی: تو ہے، تو ہی ہے سر سود و زیاں: نفع و نقصان کا خیال سودا مزن: سودا/معاملہ نہ کر گام: قدم مزن: مت رکھ دستبرد روزگار: زمانے کی لوٹ مار گیر: پکڑ لے، اٹھا لے، سنبھال جمعیت: اتحاد، بھائی چارا چمن زاداں: چمن زاد کی جمع، جو چمن میں پیدا ہوئے پرنگشادہ اند: پر نہیں کھولے ہیں، اڑنے کے قابل نہیں ہیں چشم.. مپوش: آنکھیں مت بند کر، مت چرا تاحسینے: تاکہ کوئی حسینؓ یعنی حضرت امام حسینؓ جیسی شخصیت والا بارآورد: پھل لائے، اسے پھل لگے موسم پیشیں:

پہلا سا موسم، قدیم انداز زندگی۔

خلاصہ مطالب مثنوی (مثنوی کے مضامین کا نچوڑ/خلاصہ)

در تفسیر سورۂ اخلاص (سورۂ اخلاص کی تفسیر میں)

"قل ھو اللہ احد" (کہہ کہ وہ اللہ ایک ہے)

۱-۵: صدیقؓ: حضرت ابوبکر صدیقؓ (صدیق لقب ہے) پہلے خلیفۃ المسلمین چیدم: میں نے چنے امن الناس: لوگوں میں سب سے زیادہ ممنون، اشارہ ہے حضور اکرم کے اپنے خطبے میں فرماتے ہوئے اس ارشاد گرامی کی طرف: "رفاقت اور مال میں مجھ پر سب سے بڑا احسان ابوبکرؓ کا ہے" مولائے ما: ہمارے آقا، حضور اکرمؐ ثانی اسلام و غار و بدر و قبر: ثانی اسلام، یعنی حضور اکرمؐ کے بعد آپ دوسرے مسلمان ہیں، پھر غار ثور میں آپؓ، حضور اکرم کے ساتھ تھے، غزوۂ بدر میں آپؓ، حضورؐ اکرم کے بالکل قریب رہے اور کوئی بھی اتنا قریب نہ تھا، قبر میں ثانی اس لیے کہ آپؓ، حضور اکرمؐ کے پہلو میں دفن ہیں گفتمش: میں نے اس/انؓ سے کہا خاصۂ خاصانِ عشق: عشق کے خاصوں کے خاص، مراد عشق میں آپؓ سب سے بڑھ کر ہیں سرِ مطلع: سب سے پہلا شعر از دست: تیرے/آپؓ کے ہاتھوں سے چارہ ے: کوئی علاج پے آزار ما: ہمارے دکھ/مرض کا۔

۶-۹: گردی اسیر: قیدی رہے گا، مراد مبتلا رہے گا آب و تاب: چمک دمک، رنگ روپ اینکہ: یہ جو میچد: چل رہا ہے سرے: ایک راز برکن: چکا، مراد اختیار کر آنکہ: وہ ذات جس نے دوئی: وحدت کی ضد، دو ہونا سوئے یکی: وحدت کی طرف آوردہ است: لایا/لائی ہے۔

۱۰-۱۳: خواندہ ای: تو نے کہا ہے، تو کہتا ہے وائے برتو: تجھ پر افسوس بودی: تو تھا ماندہ ای: تو اس سے ہٹ گیا ہے، تو نے وہ چھوڑ دیا ہے وارہاں: نجات دلا، آزاد کر نامیدہ: موسوم، نام رکھا گیا ساز: موافقت کر، تعلق رکھ درگذر: گزر جا، چھوڑ دے افتادہ ای: تو پڑا ہے، تو ہوا ہے خام افتادہ ای: کچا

ای گر پڑا ہے برداررخت: سامان اٹھالے، باز آ جا گرداں: مت کر۔

۱۵-۱۸: بخود پوشیدہ ای: اپنے اوپر بند کرلیا ہے چیدہ ای: تو نے چنا ہے (ہونٹوں پر جو کلمہ توحید لاتا ہے) ملل: ملت کی جمع، قومیں، فرقے انگیختی: مراد تو نے پیدا کرلیں شبخون ریختی: تو نے شب خون (رات کو کیا جانے والا حملہ) مارا ہے مشہود کن: ظاہر کر فزاید: بڑھتی ہے، اضافہ ہوتا ہے باید درعمل: جو عمل میں نہیں آتا۔

اللہ الصمد (اللہ بے نیاز ہے)

۱-۵: دل بستہ ای: تو نے دل لگایا/ باندھا ہے اسباب: سبب کی جمع، مراد یہ دنیا بیروں جستہ ای: تو باہر نکل گیا یا پار کرگیا ہے گردش دولاب: رہٹ کی گردش / چلنا غیر: ماسوا اللہ، اللہ کے سوا جو کچھ ہے، مادی قوتیں منعم: مال دار، دولت مند شکوۂ گردوں: آسمان کی یعنی تقدیر کی شکایت درساز: موافقت کر، عادت ڈال، گذارہ کر نانِ شعیر: جو کی روٹی، مراد معمولی/ سادہ خوراک مرحب: والی خیبر جس کے سر پر حضرت علیؓ نے تلوار کا وار کیا تو تلوار سر کاٹتے ہوئے نیچے تک چلی گئی خیبر: ایک نخلستان جو مدینہ منورہ سے ۱۸۴ کلو میٹر شمال میں واقع ہے۔ یہودیوں کی زبان میں بمعنی قلعہ۔ اس (خیبر) کا سب سے بڑا قلعہ القموص ہے جسے حضرت علیؓ نے فتح کیا تھا۔

۶-۹: منت: احسان بردن: لے جانا مراد اٹھانا چرا: کیوں، کس لیے نشترِ لاونعم: نہیں اور ہاں کا نشتر، مراد کچی لوگوں کے کچھ دینے سے انکار یا ہاں کا آزار خوردن: کھانا یعنی زخمی ہونا کفِ دوناں: کمینے/ گھٹیا لوگوں کا ہاتھ ارزاں مگیر: سستا نہ سمجھ مور: چیونٹی سلیمانے: کسی/ کوئی سلیمان، حضرت سلیمانؑ، مراد کوئی بڑی شخصیت، قرآنی تلمیح یعنی حضرت سلیمان اور چیونٹی کے حوالے سے ایسا کہا گیا ہے زی: تو جی، زندگی گذار میر: تو مر۔

۱۰-۱۴: سبحہ: تسبیح ''اقلل من الدنیا'': حضرت عمر فاروقؓ کے قول کی طرف اشارہ ہے: ''دنیا کی احتیاج کم کردے اور احرار (آزاد لوگوں کی سی) زندگی بسر کر۔''

شمار: پڑھ، پھیر، گن نقش حُرّ: آزادی کی زندگی بسر کر (مذکورہ قول کا آخری حصہ) کیمیا شو: اکسیر ہو جا (اکسیر وہ دوا جو تانبے یا کسی دوسری دھات کو سونا بنا دے گل مشو: مٹی نہ بن سائل: سوال کرنے/ مانگنے والا، بھکاری بوعلی: مراد بوعلی قلندرؒ، نام شرف الدین، مشہور صوفی، پانی پت کے رہنے والے تھے، وہیں مدفون ہیں، حضرت امام ابوحنیفہؒ کی اولاد سے تھے۔ ولادت ۶۰۵ھ/ ۹-۱۲۰۸ء، وفات ۱۳ رمضان المبارک ۷۲۴ھ/ ۱۳۲۴ء۔ کرنال میں فوت اور وہیں دفن ہوئے لیکن بعد میں ان کے اقربا نے خفیہ طور پر نعش نکال کر پانی پت میں دفنا دی اور اب ان کا مزار وہیں ہے جرعہ: ایک گھونٹ، مراد ایک شعر جام: صراحی، مراد شاعری/مثنوی کیکاؤس: ایران کا ایک قدیم بادشاہ، مراد ہر حکمران یا صاحب اقتدار سر بدہ: یعنی سر کٹوا لے مدہ: مت دے ناموس: عزت و آبرو گردد باز: کھل جائے گا تہی پیمانگاں: تہی پیمانہ کی جمع، وہ لوگ جن کے پیالے خالی ہیں۔

۱۵-۲۰: ہارون رشید، خلیفہ ہارون الرشید جو ۷۸۶ عیسوی میں تخت نشین ہوا۔ مورخین کے مطابق اس کا دور عباسی خلفا کا زریں دور ہے۔ اس نے طوس میں، جہاں وہ ایرانیوں کی شورش فرو کرنے گیا ہوا تھا، مارچ کی ۲۴ تاریخ ۸۰۹ عیسوی کو وفات پائی نقفور: ایک رومی بادشاہ جسے ہارون الرشید نے کئی مرتبہ شکست دی چشید: چکھا مالکؒ: امام مالکؒ جن کی کتاب ''موطا'' (جو احادیث نبویؐ کا مجموعہ ہے) بہت مشہور ہے۔ ان کا سال ولادت ۹۳ھ/ ۷۱۲ء اور سال وفات ۱۷۹ھ/ ۷۹۵ء ہے سیمائے قوم: قوم کی پیشانی نوا پرداز: نغمے الاپنے والا خیز: اٹھ، اٹھیے خیمہ زن: خیمہ لگایئے، رہائش اختیار کیجئے اے خوشا: اے بہت عمدہ، واہ وا کیا خوب تابانی: چمک، روشنی حسن نظر سوز: نظروں کو جلا دینے والا حسن، ایسا حسن جس کی چمک/ تابش بہت زیادہ ہو تاک: انگور کی بیل می چکد: ٹپکتا ہے آب خضر: مراد آب حیات جو حضرت خضر نے پی لیا تھا۔

۲۱-۲۵: چاکرم: میں چاکر/ نوکر ہوں سودائے اوؐ: یعنی حضور اکرمؐ کا عشق بستہ فتراک اوؐ: حضورؐ کے فتراک کا بندھا ہوا، مراد حضورؐ کے عشق سے سرشار برنخیزم: میں نہیں اٹھوں گا، کبھی نہیں اٹھوں گا حریم پاک اوؐ: یعنی حضورؐ کا روضہ

مبارک (شہر مدینہ) تقبیل: چومنا خوشتر: زیادہ اچھی/ افضل فرمانم پذیر: میرا حکم مان بخدمت ہم مگیر: خدمت کے لیے بھی قبول نہ کر مرا آقا شوی: تو میرا مالک/ آقا بن جائے۔

۳۶-۲۹: نگردد چاکرت: تیرا نوکر/ خدمتگار نہ بنے گا بہرہ ے: کچھ حصہ حلقہ درسم: میری مجلس درس بسے: بہت رنگ حق پوشیدن: حق کا رنگ اختیار کرنا رنگ غیر: مراد ماسوا اللہ کا رنگ شوئیدن: دھونا، صاف کرنا۔

۳۰-۳۵: آموختی: تو نے سیکھا اندوختی: تو نے کمایا/ سمیٹا غازہ اش: اس کی سرخی افروختی: تو نے چمکایا ارجمندی: عزت و وقعت شعارش: اس کی روش، اس کا طور طریقہ تو توئی: تو واقعی تو ہے یا دیگری: یا تو کوئی اور ہے خاموش گشت: مراد بے جان ہوگئی ریحان: نازبو (خوشبودار پودا) تہی آغوش: جس کی گود خالی ہو ازسحابش: اس کے بادل سے گدیہ: بھیک زنجیری: اسیر، قیدی مستعار: ادھار لی ہوئی، ادھار مانگی ہوئی۔

۳۶-۴۰: قمریانت: تیری قمریاں (قمریاں: قمری کی جمع، کبوتر سے چھوٹا ایک پرندہ، فاختہ کی ایک قسم) خواستہ: مانگی ہوئی، مستعار سرو ہایت: تیرے سرو بوام: ادھار میں، ادھار آں نگاہش: مراد حضور کی وہ نگاہ مازاغ البصر: قرآنی تلمیح، سورہ النجم، آیہ ۱۷: نگاہ نہ تو ہٹی اور نہ بڑھی باز آید: پھر آ جائے می شناسد: پہچان لے گی نیک داند: اچھی طرح جانتی/ پہچانتی ہے لست منی: تو مجھ سے یعنی میری قوم سے نہیں ہے (حضور اکرمؐ کا ایک ارشاد گرامی) گویدت: تجھے کہتا ہے، تجھے فرماتے ہیں وائے ما: افسوس ہے ہم پر۔

۴۱-۴۵: تا کجا: کہاں/ کب تک ریوے: ایک فریب صبح دروغے: صبح کاذب، وہ روشنی جو رات کے پچھلے پہر ظاہر ہوتی اور پھر غائب ہو جاتی ہے خوردہ ای: تو نے کھایا ہے رخت: سامان، اسباب، بستر بوریا پہنائے گردوں: آسمان کی وسعت آفتاب استی: تو سورج ہے یکے: ذرا درخود نگر: خود میں جھانک، اپنی ذات میں ڈوب تاب مخر: کوئی روشنی نہ خرید، مت حاصل کر کیمیا در باختی: تو نے اکسیر ہار دی یعنی دے دی رخشی: تو چمکے گا سبک ساز: ہلکا کر، مراد بیچ۔

۴۶-۵۰: طوف: طواف، کسی چیز کے گرد چکر کاٹنا سوز: جلا می پر: اڑتا رہ، پرواز کرتا رہ حباب: بلبلا اغیار: غیر کی جمع، دوسرے لوگ فرد فرد آمد: فرد اسی وقت منفرد بنا واشناخت: پہچان لیا (اپنی خودی سے آگاہ ہو گیا) قوم قوم آمد: قوم اسی وقت صحیح معنوں میں قوم بنی جز با خود نساخت: اپنے سوا کسی سے موافقت نہ کی، صرف اپنے زورِ بازو پر بھروسا کیا از ارباب دون اللہ: اللہ کے سوا ارباب سے، غیر اللہ/ ماسوا اللہ سے۔

لم یلد ولم یولد

لم یلد: نہیں جنا اس (اللہ) نے کسی کو ولم یولد: اور نہ وہ جنا گیا۔

۱-۶: رنگ وخوں: رنگ اور نسل یک اسودش: اس کا ایک کالا، مراد معمولی آدمی حبشی صد احمر: سو سرخ، مراد اعلیٰ نسل کا آدمی قنبرے: ایک یا کسی قنبر، قنبر حضرت علیؓ کے ایک حبشی غلام کا نام باب وام: باپ اور ماں اعمام: عم کی جمع، چچے، باپ کے بھائی (مراد نسب) سلمانؓ: حضرت سلمان فارسیؓ، جب ان سے ان کا شجرۂ نسب پوچھا گیا تو انہوں نے جواب میں کہا ''سلمان ابن اسلام'' (سلمان اسلام کا بیٹا) خانہ ہائے لانہ: شہد کی مکھیوں کے چھتے کے خانے/ سوراخ از لالۂ حمرائے: سرخ لالہ سے ہے نرگس شہلا: نرگس کے پھول کی وہ قسم جس کی کٹوری سیاہ ہوتی ہے از عبرم: میں نرگس سے ہوں از نیلوفرم: میں نیلوفر سے ہوں (نیلوفر: نیلے رنگ کا ایک پھول۔ اس سے شربت بھی تیار کیا جاتا ہے)

۷-۹: شانِ ابراہیمیؑ: ابراہیمی شہد کا چھتا رخنہ: سوراخ، خلل، بگاڑ ریشہات: تیری جڑ اندیشہات: تیری سوچ/ فکر۔

۱۰-۱۲: ابن مسعودؓ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو اپنے علم و فضل کی بنا پر نہایت ممتاز صحابہ کرامؓ میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی تفسیر آیات قرآنی کا حوالہ کئی کتب تفسیر میں ملتا ہے۔ بعض مورخین نے انہیں ہی فقہ کا بانی قرار دیا ہے۔ ۳۲ھ/ ۶۵۳-۴ء میں فوت ہوئے چراغ افروز: چراغ جلانے/ روشن کرنے والا/ والے

سوخت: جل گیا آب گردید: پانی ہو گیا آئینہ اش: اس/ان کا آئینہ یعنی دل شیون کشید: نالہ وزاری کی، واویلا کیا۔

۱۳-۱۵: سبق خوانِ نیاز: عاجزی مراد عشق کا سبق پڑھنے والا دبستان: مکتب، مدرسہ سروِ سہی بالا: سیدھے قد والا سرو مراد محبوب، بلند قد والا بھائی ہمپائے من: میرا ہمقدم، میرا ہم سفر حیف: افسوس۔

۱۶-۲۱: محبوبِ حجازیؐ: حضور نبی کریمؐ پیوند ما: ہمارا باہمی ربط/تعلق پیوستہ ایم: ہم وابستہ ہیں، ہم ملے ہوئے ہیں رشتہ ما: ہمارا باہمی تعلق یک تولایش: اس یعنی حضورؐ کی ایک محبت کیف صہبایش: حضورؐ کی شراب کا نشہ/سرور تا: جب دوید: دوڑی/دوڑا کہنہ: پرانا نوآفرید: نیا پیدا کیا، نئے افکار پیدا کیے سرمایہ جمعیت: اتحاد و یگانگت اور ایک جماعت کی صورت میں ہونے کا سرمایہ/باعث عروق: عرق کی جمع، رگیں۔

۲۲-۲۵: عشق ورزی: اگر تو عشق اختیار کرتا ہے باید گذشت: ترک کرنا ضروری ہے ایران و عرب: مراد علاقائی اور جغرافیائی حدود مشتق است: نکلا ہوا ہے، پیدا ہوا/ہوئی ہے کس نجوید: کوئی تلاش نہیں کرتا زاد و بود: ساز و سامان، حسب نسب تار و پود: تانا بانا (تانا کپڑے کی بنائی میں لمبا دھاگا اور بانا چوڑائی میں آیا ہوا دھاگا) اقلیم: ملک، علاقائی یا جغرافیائی حدود۔

ولم یکن لہ کفواً احد

ولم: اور نہیں یکن: ہے لہ: اس کے واسطے کفواً: برابری کرنے والا احد: کوئی، ایک۔

۱-۵: مسلم از جہاں بربستہ: ایسا مسلمان جس نے دنیا سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں، دنیا کو لائق اعتنا نہیں جانتا دل بحق پیوستہ: جس نے حق سے دل لگا رکھا ہے کو: کہ او، کہ جو دمید: اگا شعلہ ے گیرد: ایک شعلہ پکڑتی/حاصل کرتی ہے نفس ہائے نخستیں: پہلے جھونکے نگذاردش: اسے نہیں چھوڑتا، جدا نہیں کرتا کوکب وامانده: ایک گرا پڑا/پیچھے رہا ہوا ستارہ چدارش: اسے سمجھتا ہے

بوسدش: اسے چومتی ہے بشوید: دھوتی ہے۔

۶-۹: بے ہمتا: لاثانی، جس کی ٹکر کا کوئی نہ ہو درنسازد: موافقت نہیں کرتا، متحمل نہیں ہوتا بالاے بر بالاترے: کسی بلند تر سے بھی بلند برنتابد: برداشت نہیں کرتی ہمسرے: کوئی اپنے برابر کا، اپنے جیسا لاتحزنوا: مت غمگین ہو انتم الاعلون: (لاتحزنوا کے بعد یہ عبارت ہے) تم ہی غالب رہو گے، سورۂ آل عمران، آیہ ۱۳۹ کی طرف اشارہ ہے: ''اور تم ہمت مت ہارو اور غم مت کھاؤ اور غالب تم ہی رہو گے، اگر تم پورے مومن رہے''

۱۰-۱۴: می کشد: اٹھاتے ہیں پروردہ: پالے ہوئے غوتندر: بجلی کی کڑک افگندہ گوش: مراد متوجہ ریزد: گرتی ہے باطل: مراد باطل قوت/ قوتیں جن کی کوئی اصل اور بنیاد نہ ہو سپر: ڈھال امرونہی: نیک کاموں کی ہدایت کرنے اور برے کاموں سے روکنے کا عمل عیار: پرکھ، کسوٹی اخگرش: اس کی چنگاری جوہرش: اس کی خوبی ولیاقت/ اہلیت جہانِ ہاے وہو: بے ہنگم شوروغوغا کی دنیا۔

۱۵-۱۹: عفو: معافی، معاف کرنا بذل: سخاوت احسانش: اس کا احسان، اس کا دوسروں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کریم: مہربان، بخشنے والا خاطر نواز: دل/ دلوں کو نوازنے والا/ لبھانے والا رزم ہا: لڑائیاں، جنگیں آہن گداز: لوہے کو پگھلا دینے والا عنادل: عندلیب کی جمع، بلبلیں ہم صفیر: ہم نوا جرہ باز: نرباز می نیاساید: آسائش/ قرار نہیں پاتا آب وگلش: اس کی فطرت طائرش: اس کا پرندہ آں سوے: اس پار/ طرف کہنہ چنبر: پرانا دائرہ، مراد آسمان پرزند: پرواز کرتا ہے۔

۲۰-۲۳: پرے نکشودہ ای: تو نے کوئی پر نہیں کھولا، تو اڑنے پر آمادہ نہیں ہے کرمک استی: تُو تو کیڑا ہے آسودہ ای: تو آرام کر رہا ہے مہجوری قرآن: قرآن کریم سے دوری شکوہ سنج: شکوہ/ گلہ کرنے والا افتادہ ے: ایک گرا ہوا، مراد ذلیل وخوار کتاب زندہ ے: ایک زندہ کتاب، مراد قرآن کریم جو رہتی دنیا تک ہدایت ورہنمائی کا سرچشمہ رہے گا سرگردوں فگن: آسمان پر ڈال، آسمان پر ڈیرا جما۔

عرض حال مصنف بحضور رحمۃ للعالمین

(رحمۃ للعالمین کے حضور مصنف (شاعر علامہ اقبال) کا عرض حال)

عرض حال: حال بیان کرنا۔

۱-۵: ظہورت: آپ کا وجود میں آنا/ ظاہر ہونا   از بارگاہت: آپ کی بارگاہ کے باعث   ارجمند: قدر و منزلت والی   از بوسہ بامت: آپ کے بام/ بالا خانہ کو چومنے کے باعث   شش جہت: چھ طرفیں، دائیں، بائیں، آگے، پیچھے، اوپر، نیچے، مراد ساری کائنات   ترک و تاجیک و عرب: مراد ہر اہل دنیا   ہندوے تو: آپ کا غلام ہے   افروختی: آپؐ نے روشن کی   بندگاں: بندہ کی جمع، غلام   خواجگی: آقائی، آقا ہونا   آموختی: آپؐ نے سکھائی۔

۶-۹: نابودمندی ہا: مفلسی اور کنگالی   پیکران: پیکر کی جمع، وجود، موجودات   ایں سرائے آب و گل: مراد یہ دنیا/ کائنات   آتشے از گل کشود: مٹی سے آگ بھڑکائی/ سلگائی   تودہ ہا: ڈھیر (تودہ کی جمع)   آدم نمود: آدم بنا دیا   دامن گیر: دامن پکڑنے والا، مزاحم   نیروے خویش: اپنی طاقت   گشتہ ای: آپؐ ہو گئے ہیں   رویت: آپ کا مبارک چہرہ۔

۱۰-۱۲: فر عشقش باد: خدا کرے یہ عشق قائم رہے   جانم سوخت است: اس نے میری جان جلا دی ہے یا اس (عشق) سے میری جان جل گئی ہے   نگفتن: نہ کہنا، بیان نہ کرنا   نہفتن: چھپانا۔

۱۳-۱۷: بیت الحرم: کعبہ   بت خانہ شد: بت خانہ بن گیا، اسلام سے پہلے کعبہ میں بڑے بڑے بت رکھے ہوئے تھے   منات، لات، عزیٰ، ہبل: یہ ان بتوں کے نام ہیں جو زمانہ جاہلیت میں عربوں نے کعبہ میں رکھے ہوئے تھے اور ان کی وہ پرستش کیا کرتے تھے، یہاں مراد عام بت   سومنات: بھارت کے شہر گجرات کاٹھیاوار کا مشہور مندر جو شیو سے منسوب ہے، مراد عام بت خانہ   برچیدہ ے: اس نے اٹھا لیا ہے   خمستان عجم: عجم کا شراب خانہ، مراد عجمی یا غیر عرب تصوف   خوابیدہ ے: وہ سویا ہوا ہے   برفاب: برف کا پانی، یخ پانی   شل: بے حس، مفلوج۔

۱۸-۲۲: ترسندہ ے: ایک ڈرا ہوا فارغ: خالی قلب زندہ ے: ایک بیدار دل، عشق کے جذبوں سے سرشار دل نعشش: اس کی میت، مراد مردہ دل مسلمان آبِ حیواں: آبِ حیات گفتمش: میں نے اسے بتایا/ بتائی یارانِ نجد: مراد حجاز کے صحابہ کرامؓ جن کی جراتوں کے کارنامے مُردوں میں بھی جان ڈال دیتے ہیں، اربابِ عشق و محبت جو حجاز یا کوچہ محبوب میں مقیم ہیں نکہتے: ایک خوشبو شمعِ نوا: نغمے یعنی شاعری کی شمع افروختم: میں نے روشن کی رمزِ حیات: مراد صحیح زندگی گذارنے کا ڈھنگ/ نکتہ آموختم: میں نے سکھایا۔

۲۳-۲۸: بندد افسونِ فرنگ: ہم پر فرنگی جادو پھونک رہا ہے غوغائیش: اس کا شور وغل، اس کا بے ہنگم شور قانون: ساز، باجا بصیریؒ: شیخ الاسلام حضرت شیخ شرف الدین ابو عبداللہ محمد بن سعید بن حماد بصیری یا البوصیری، جن کا قصیدۂ بردہ بہت مشہور ہے۔ شیخ ایک مرتبہ فالج میں مبتلا ہوئے جس سے ان کا آدھا جسم بے حس ہو کر رہ گیا۔ جب کوئی علاج بھی کارگر نہ ہوا اور مایوسی بڑھ گئی تو انہوں نے حضور کی نعت میں مذکورہ قصیدہ کہا۔ مکمل ہونے پر انہوں نے خواب میں دیکھا کہ یہ قصیدہ حضورؐ کی خدمت اقدس میں پڑھا جارہا ہے اور حضور اکرمؐ نہایت محظوظ ہو رہے ہیں اور پھر حضورؐ نے اپنا دستِ مبارک ان کے جسم پر پھیرا اور ساتھ ایک یمنی چادر عنایت فرمائی۔ صبح جب بصیری بیدار ہوئے تو وہ مکمل طور پر صحت یاب ہو چکے تھے۔ ۶۹۵ھ/ ۱۲۹۶ء میں قاہرہ میں فوت ہوئے۔ بخشندہ ای: آپؐ نے عطا کی ہے بربطِ سلما: سلمٰی کا بربط، بربط ایک ساز ہے، سلمٰی عرب کی ایک حسینہ کا نام، مجازاً ہر معشوق/ حسینہ، دل ستانی اور حسن کا معیاری نمونہ، یعنی ادبیات میں فکر صالح خطا اندیش: غلط سوچ رکھنے والا نشناسد: نہیں پہچانتا، ناواقف ہے آئینہ بے جوہر: ایسا آئینہ جس میں چمک نہیں ہے ور: اور اگر غیر قرآن: قرآن کے سوا/ علاوہ فروغت: آپ کا نور، آپ کی روشنی اعصار: عصر کی جمع، زمانے دہور: دہر کی جمع، دنیائیں، عالم مافی الصدور: جو کچھ سینوں میں ہے (یہ ٹکڑا/ اقتباس قرآن کریم میں کئی مرتبہ اللہ تعالیٰ کی شان میں آیا ہے، یہاں حضورؐ سے متعلق ہے) چاک کن: آپ پھاڑ دیں خیاباں: کیاری، جدید فارسی میں بمعنی روڈ (Road)

۲۹-۳۲: رخت حیات: زندگی کا لباس اندر برم: میرے پہلو میں، میرے جسم پر نگہدار: محفوظ فرما دیں از شرم: میرے شر سے کشت نابسامانم: میری بنجر کھیتی بہرہ گیر: حصہ لینے والا، فائدہ اٹھانے والا از ابر نیسانم: نیسان کے بادل سے مجھے (نیساں موسم بہار یعنی اپریل میں ہونے والی بارش جس کے قطروں سے سیپی میں موتی بنتے ہیں) مے کافور: کافور کی شراب، کافور ایک تیز خوشبودار دوا، نیز اس درخت کا نام جس سے یہ دوا نکالتے ہیں۔

۳۳-۳۷: دُر: موتی سفتہ ام: میں نے پروئے ہیں ناکس: گھٹیا، ہیچ، نالائق کس: مراد اچھا / باعظمت انسان، لائق یک دعایت: آپ کی ایک دعا مزد: اجرت، صلہ، اجر خدائے عزوجل: بزرگ و برتر خدا ہم آغوش عمل: عمل سے مل جائے یعنی عمل بھی کروں جانِ حزیں: دردمند جان بخشیدہ ای: تو (خدا) نے عطا کی ہے آب نیسانم: میں نیساں کا پانی ہوں گہر گرداں مرا: مجھے موتی بنا دے۔

۳۸-۴۲: آرزوے دیگرے: ایک اور ہی آرزو یا ایک ہی آرزو پروردہ ام: میں نے پالی ہے، مجھ میں سمائی ہوئی ہے آسودہ است: آرام پا رہی ہے، سمائی ہوئی ہے محرم: واقف حال آموختم: میں نے سیکھا افروختم: میں نے جلائی / روشن کی دیرینہ تر: زیادہ پرانا، مراد بوڑھا قمار: جوا بازد: ہار دے کہن صہبا: پرانی شراب، مراد پرانی آرزو گراں تر: بہت قیمتی۔

۴۳-۴۷: زیر خاکم: میری خاک کے نیچے یعنی میرے جسم میں تاب: روشنی لالہ رویاں: لالہ رو کی جمع لالہ کا سا حسین چہرہ رکھنے والی حسینائیں ساختم: مراد میں نے دوستی رکھی مرغولہ مویاں: مرغولہ مو کی جمع، گھنگریالے بالوں والی دوشیزائیں (مرغولہ: دھوئیں کا چھلا، بالوں کا گھونگر) ماہ سیمایاں: ماہ سیما کی جمع، چاند ایسی پیشانی والی حسینائیں بادہ بازدم: میں نے شرابیں پیں چراغ عافیت: صحت وسلامتی کا چراغ داماں زدم: میں نے دامن مار دیا، بجھا دیا رقصید: ناچیں یعنی کوندیں حاصلم: میری فصل رہ زناں: رہ زن کی جمع، لٹیرے، مراد حسین لوگ کالاے دلم: میرے دل کی متاع / پونجی، اثاثہ نہ ریخت...گری ایں شراب: میری یہ آرزو زر سارا: خالص سونا۔

۴۸-۵۱: عقلِ آزر پیشہ: نت نئے تراشنے والی عقل (آزر: مثنوی میں ذال کے ساتھ ہے جو غلط ہے، کیونکہ آذر کے معنی آگ کے ہیں جبکہ آزر قرآن کے مطابق حضرت ابراہیمؑ کے والد اور اپنے وقت کے بہت بڑے بت تراش اور بت پرست تھے) زنار بست: زنار باندھ/پہن لی (زنار: ایک خاص قسم کا دھاگا جو ہندو ایک مذہبی فریضے کے طور پر گلے میں آڑا ترچھا ڈالے رہتے ہیں) لاینفکے: جدا نہ ہونے والا، اٹوٹ ناخواندہ ے: ایک نہ پڑھا ہوا گماں آباد: وہ جگہ جہاں صرف شک وشبہ ہی کا عمل دخل ہو حکمت: مراد فلسفہ (گماں آباد حکمت: فلسفے کی بھول بھلیاں) ماندہ ے: جو تھک ہار کر رہ گیا ہو ظلمتم: میری تاریکی علم الیقین: ایسا علم جس سے آدمی میں یقین کی قوت پیدا ہو۔

۵۲-۵۷: خوابیدہ ماند: سوئی رہی صدف: سیپی پیمانہ چشم: میری آنکھوں کا پیالہ چکید: ٹپک پڑی، چھلک اٹھی نواہا آفرید: نغمے پیدا کر دیے یادِ غیر تو: آپ کی یاد کے سوا کسی دوسرے کی یاد جانم تہی: میری جان خالی ہے یا خالی رہے برلبش: اُسے (اس آرزو کو) اپنے ہونٹوں پر لاؤں، عرض کروں از عمل ساماں نبود: یعنی عمل سے خالی/دور تھی شایاں: مناسب جرات افزاید: حوصلہ بڑھاتی ہے گیتی نواز: زمانے کو نوازنے والی میرم: میں مروں۔

۵۸-۶۰: ماسوا: ماسوا اللہ، اللہ کے سوا اس کائنات میں جو کچھ ہے، غیر اللہ زناری: مراد بت پرست، کافر سرآید روزگار: یعنی زندگی ختم ہو جائے دَیر: مندر، بتخانہ، مراد ہندوستان گیر دور کنار: پہلو میں لے لے، یعنی دفن ہو درت: آپ کا مبارک دروازہ، چوکھٹ خیزد: اٹھیں، قیامت کے روز اٹھیں وائے امروزم: میرا ''آج'' افسوسناک ہے، جو زندگی ہندوستان میں گذر رہی ہے، وہ افسوسناک ہے خوشا: مبارک ہے فردا: آنے والا کل (حجاز میں کچھ رہنا اور مرنا)

۶۱-۶۵: فرخا: بہت مبارک تو بودی: آپ مقیم رہے خنک: مبارک، مقدس مسکن: رہنے کی جگہ بیاساید: سکون پائے بستگی: ٹھہراؤ، قرار پارہ: مراد بے چین دل آرامم نگر: میرا آرام/اطمینان دیکھے۔

(تمت بالخیر)

مزید کتابیں

زندہ رود	ڈاکٹر جاوید اقبال
اپنا گریبان چاک (خود نوشت سوانح حیات)	ڈاکٹر جاوید اقبال
اقبال فراموشی	پروفیسر فتح محمد ملک
اقبال کا فکری نظام اور تصورِ پاکستان	پروفیسر فتح محمد ملک
اقبال افغان اور افغانستان (اردو، فارسی، پشتو اور انگریزی)	ترتیب وتالیف: محمد اکرام چغتائی
مفکر پاکستان	محمد حنیف شاہد
کلیات اقبال	علامہ محمد اقبال
بانگ درا (اعلیٰ ایڈیشن)	علامہ محمد اقبال
شکوہ جواب شکوہ	علامہ محمد اقبال
اقبال شناسی اور آغا صادق	ترتیب: ڈاکٹر نوید حسن
علامہ اقبال کی سیاسی زندگی	محمد سلیم
اقبال — نئی تفہیم	ڈاکٹر صدیق جاوید
اقبال: شخصیت، افکار و تصورات: مطالعہ کا نیا تناظر	ڈاکٹر سلیم اختر
علامہ اقبال - حیات، فکر و فن	ڈاکٹر سلیم اختر
اقبال اور ہمارے فکری رویے	ڈاکٹر سلیم اختر
فکرِ اقبال کا تعارف	ڈاکٹر سلیم اختر
فکر اسلامی کی تشکیل نو	پروفیسر محمد عثمان
اقبال کے آخری دو سال	عاشق حسین بٹالوی
دلی سے اقبال تک	ڈاکٹر سید عبداللہ

شرح اقبال کُتب

اُردو

۱) بانگِ درا
۲) بالِ جبریل
۳) ضربِ کلیم
۴) ارمغانِ حجاز (اُردو)

فارسی

۱) اسرارِ خودی
۲) رموزِ بیخودی
۳) پیامِ مشرق
۴) جاوید نامہ
۵) زبورِ عجم
۶) پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق!
۷) مسافر
۸) ارمغانِ حجاز (فارسی)

The Reconstruction of Religious Thought in Islam	Allama Muhammad Iqbal
Iqbal and Tagore: New Avenues for their Comparative study	M. Ikram Chaghatai
Iqbal: New Dimensions	Ed. by M. Ikram Chaghatai

Rs. 700.00

www.sang-e-meel.com
ISBN 969-35-1553-6
9799693515533